اضافہ شدہ ایڈیشن

مکان



پیغام آفاقی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

مکان

بڑے شہروں کے مافیا پر ایک شاہکار ناول

مکان اردو کا ایک مشہور اور معروف ناول ہے جو 1989 میں شائع ہوا تھا اس سے اردو ادب میں ایک ہل چل سی مچ گئی تھی۔ آج اسکا شمار اردو کے چند عظیم ناولوں میں ہوتا ہے۔ عظیم نقاد آل احمد سرور کی رائے میں یہ ناول عہد جدید کے زوال پذیر رویوں کے خلاف ایک جہاد عظیم کا درجہ رکھتا ہے۔

ناول نگار، شاعر اور مفکر پیغام آفاقی پیشہ کے اعتبار سے پولس میں ایک سینیئر افسر ہیں۔

آپ نے جہاں اردو فکشن کو جدید اور متنوع جہات سے روشناس کیا ہے وہیں ٹی وی سیریل اور اسکرپٹ پر بھی انھوں نے اپنی نوعیت کی الگ پہچان بنائی ہے۔ آپ کے چند تنقیدی مضامین بھی اردو تنقید میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھیں جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں فلم سازی پر خصوصی لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے اور اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے تعلیمی پروگراموں کی کمیٹی کے پینل میں بھی ان کا نام بحیثیت فلم ڈائریکٹر شامل ہے۔

پیغام آفاقی کریسینٹ ایجوکیشن سوسائٹی اور علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن دہلی کے اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔ ان دنوں ان کی رہنمائی میں ایک مکمل اُردو چینل کی تشکیل پر ریسرچ کا کام ہو رہا ہے۔ جس کا مقصد اردو تہذیب کی کھوئی ہوئی تخلیقی قوت کو ادب اور میڈیا دونوں کے ذریعے پورے عالمی نقشے پر اُجاگر کرنا ہے۔

مکان پورے عالمی ادب میں اپنے مخصوص فلسفۂ حیات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ حال ہی میں اس کے انگریزی اور ہندی ترجمے شائع ہو گئے ہیں۔

گذشتہ سال اُن کا شعری مجموعہ درندہ منظرِ عام پر آیا ہے۔

مکان (ناول)

اضافہ شدہ ایڈیشن

پیغام آفاقی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

اس ناول کے تمام کردار اور مقامات فرضی ہیں اور اس کے بیان میں اداروں اور
پیشوں کو ان کی معنوی ساخت سے فنی استفادہ کرنے کے لئے محض علامتی طور پر کیا گیا ہے۔
اقعات اور سوچوں کی عکاسی بھی قدرے بعید تر اور ان دیکھی حقیقتوں کو گرفت میں لینے کے
لیے کی گئی ہے اور وہ اس ناول کے مجموعی تناظر سے علاحدہ کر کے دیکھنے کے لیے نہیں لکھے
لئے ہیں۔؟

رضیہ سلطانہ کے نام

MAKAN (Novel)

(Revised Edition)

by

Paigham Afaqi

Year of Ist Edition 2004
ISBN 81-8223-047-0

نام کتاب	مکان (ناول)
مصنف	پیغام آفاقی
سنِ اشاعت اوّل	۲۰۰۴ء
قیمت	۲۰۰ روپے
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 091-011-23211540
E-mail : ephdelhi@yahoo.com

ڈاکٹر مولا بخش
دیال سنگھ کالج، شعبۂ اردو
یونیورسٹی، دہلی

اردو ناول کا معیار اور مکان

ناول شاعری کی اولاد نرینہ ہے جس نے اپنے پاؤں، اصناف نثر و نظم میں تاریخ کی تدریس کے ذریعے جمائے تھے مگر اب رقص حیات، رزم گاہ انسان اور انسانیت کی بقا کی جمہوری جنگ کا بلیغ میڈیم بن چکا ہے۔ جس کے لیے نثر پہلی شرط ہے۔

اس نثری ہیئت میں جملہ اصناف نثر و نظم کے اہم اسلوبی و تکنیکی خصائص شیر و شکر ہوکر اسے ام الاصناف کا درجہ عطا کر دیتے ہیں۔ غالب نے داستان سرائی کو اسی حقیقت کے پیشِ نظر منجملہ فنون سخن قرار دیا تھا۔

ناول بقول ڈی ایچ لارنس زندگی کی روشن کتاب ہے، صحیح ہے مگر یہ زندگی کی جمہوری قدروں کی اشاعت کے لیے لکھی جانے والی بلکہ جمہوری نظام کے تحت پیدا ہونے والی انسانی نفسیات کو ٹٹولنے والی لامختتم کتاب ہے۔ جب کسی مخصوص نثری ہیئت میں تشکیل شدہ متن کی قرأت کے دوران قاری اس میں جملہ نثری فن پارے کے ذائقوں کو محسوس کر سکے اور اسے کسی مخصوص نثری صنف کے تحت رکھ کر پرکھنے میں دقت محسوس کرے تو یہی خوبی اس نثری فن پارے کے بلیغ ہونے کی اہم دلیل ہے۔ مثلاً باغ و بہار۔ غالب کے خطوط — لیلیٰ کے خطوط — غبار خاطر — وغیرہ۔ نئے ناولوں مثلاً مکان، ندی، کینچلی، بیان، نمرتا، خدا کی بستی، دو گز زمین، نادید، جو اماں ملی تو کہاں ملی، آنکھ جو سوچتی ہے، جنگ جاری ہے، کے علاوہ مہابھاری اور دی وار جرنل میں نثر کی اس خصوصیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مکان ! مذکورہ بالا ناولوں کا

مطالعہ نثر کے اس لچیلی صورت حال اور خصوصیت کے پس منظر میں ہی کیا جاسکتا ہے۔

ناول کے نقاد کو نثر نگاری کے اصول و ضوابط سے گہری واقفیت لازمی ہے۔ نیز اسے جملہ اصناف نثر و نظم کے رموز و نکات سے باخبر رہنا بھی اشد ضروری ہے کیونکہ ناول کوئی قصہ یا کہانی نہیں ہے۔ دراصل ناول دادی امی کی توضیح و تشریح سے عاری کہانیوں کی جادوئی زمین پر جھومتا حقیقت کی پرتوں کو کریدنے والا اور نت نئے ذائقوں سے دو چار کرنے والا پھل دار درخت کا نام ہے M.M. Bakhtin نے اپنے مضمون From Discource in the Novel 1934 میں ناول کی فطرت، ہیئت اور اسلوب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"All the time when major devision of the poetic genre were developed under the influence of unifying centralizing, centripital of verbal ideological life, the novel and those artistic prose genres that graviate toward it — was being historically shaped by the current of decentralizing, centrifugal forces. All the time when poetry was accomplishing the task of cultural, national and political centralization of the verbal ideological world in the higher official socio-ideological levels on the lower levels on the stages of local fairs and at buffoon spectacles, the heteroglossia of the clown sounded fourth, ridiculing all languages and dialects; there developed the literature of the fabiliaux and schwanke of street song, folk sayings, anecdotes where there was no language centre at all, where there was to be found a lively play with the language of poets, scholars, monks, knights and others, where all language were masks and where no language could claim to be an authentic incontestable face." (Modern literary theory)Page:233

اس پورے اقتباس میں دنیا کے اندر ہونے والی تبدیلی کے پس منظر میں ناول یا نثر کی دوسری صنفوں کے تشکیلی محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے باختن نے بتایا ہے کہ نثر اور

ناول کا ظہور عوامی بیداری کی رہین منت ہے کہ کس طرح مرکزی دھارے میں مستعمل زبان کو بے مرکز کرتے ہوئے ایسی صنفوں نے اپنا وجود قائم کیا جہاں فصاحت و بلاغت کے تصور، ہنر نیز اشرافیہ، دانشور اور شاعروں کی زبان کا ایک طرح سے مذاق اڑایا گیا تھا اور زمانہ وہ آ گیا تھا جب کوئی بھی زبان فصیح اور ناقابل تردید ہونے کا دعویٰ پیش نہیں کر سکتی تھی۔ باختن جس ہٹروگلوسیا کی بات کر رہے ہیں وہ ناول کے اسلوب کی جان ہے۔ ایک زبان کے کئی انداز و اسلوب کی تال میل ہی ہٹروگلوسیا کہلاتا ہے۔ (Unitary Lqnguage)یعنی وحدانی زبان یا(Proto-Lqnguage)اولین زبان کی مرکزیت کو منتشر کرنے والی زبان۔ باختن کا خیال ہے کہ ناول میں ملی جلی ہیئتوں کا مناسب اور منظم انضمام یا ناول کا مختلف العناصر ہونا اس ہیئت کو اسلوبیاتی امکانات سے پُر کر دیتا ہے اور ایک طرح کی Heteroglot Lqnguage کی تشکیل کرتے ہوئے ناول کو وحدانی زبان یاMonotonous ہونے سے بچاتا ہے اور زبان کے نت نئے ذائقوں کے ذریعے زندگی کے ہر رنگ ہر آہنگ کو قوس قزح کی صورت میں پیش کر دیتا ہے۔ دیکھا جائے تو نثر کے اقتدار سے پہلے شعری مخاطبہ ہی اسلوب کی جان تھا اتنا ہی نہیں زبان کو واحد یعنی Singular قرار دینے کا تصور عام تھا جبکہ زبان جمع یعنی(Plural) ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت ناول ہے۔ میرا خیال ہے کہ تاریخ بھی فکشن کے بیانیے کے بغیر نامکمل ہے اس لیے یہاں زبان کے جمع ہونے کا تصور ہی نظر آتا ہے۔ متن کی تاریخیت اور تاریخ کی متنیت ناول اور تاریخ کا فرق ہے۔ اسی لئے ناول کے ذریعے تاریخ کو پیش کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ پیغام آفاقی ادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں ''مکان'' نیز اپنے افسانوں اور دوسرے ناولوں کے ذریعے وہ ادب میں جانے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ان کا شعری مجموعہ ''درندے'' شائع ہوا جسے ہم Epicinpoetry کے زمرے میں شمار کر سکتے ہیں۔ جس میں کسی قدر ''مکان'' بھی نظر آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ درندہ Epic in Poetry ہے اور ''مکان'' Epic in Prose ہے۔

یہاں ٹھہر کر ناول کی مزید تفہیم کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالیہ مضمون کی اس عبارت پر نظر ڈالی جائے:

''لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ناول کا بنیادی سروکار سماجی ارتقاء کو پیش کرنا تھا۔ درحقیقت ناول اور ادب، تاریخ اور انسان کے درمیان کے تسلسل کشاکش کے معاملے میں انسان کے ہاتھ میں ایک Laser tourch کی حیثیت رکھتے ہیں جو زندگی کی مسلسل بدلتی ہوئی ساخت کے درمیان راستے تلاش کرنے اور راستے نکالنے کا کام کرتے ہیں۔ دراصل ناول کے موضوع کے انتخاب کا دار و مدار اسی کے اوپر رہا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ جب بھی زندگی کسی مکمل قلب ماہیت سے گزرتی ہے تو ایک نیا ناول انسان کی ضرورت بن جاتا ہے۔''

(آب و گل ص ۷ ۳ مدیر: قمر رئیس سہ ماہی دہلی جلد ۱ شمارہ ۱، مضمون: (پیغام آفاقی) مافیا طرز فکر اور ناول)

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد احساس ہو جاتا ہے کہ آفاقی ناول سے کیا مراد لیتے ہیں۔ غور طلب جملہ یہ ہے کہ درحقیقت ناول اور ادب، تاریخ اور انسان کے درمیان انسان کے ہاتھ میں ایک Lasser Tourch کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی آفاقی ناول کو انسان اور تاریخ کے درمیان ایک پل، راہبر، روشنی، رشتہ، ضرورت گردانتے ہیں، اگر ناول تاریخ ہی کو موضوع بنائے تو ناول اور تاریخ کے حشر کے بارے میں ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دراصل آفاقی ناول کو اس کی صحیح جگہ پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جب بھی زندگی کسی مکمل قلب ماہیت سے گزرتی ہے تو ایک نیا ناول انسان کی ضرورت بن جاتا ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ ''مکان'' پر اس تصور کا اطلاق ہوتا ہے۔

ناول کے بارے میں بہت سی باتیں کہی جا چکی ہیں اور کہی جاتی رہیں گی مذکورہ بالا باتیں میرے ذہن میں اس وقت آئی تھیں جب پیغام آفاقی کے ناول ''مکان'' کی پہلی قرات کی تھی۔ پھر دوبارہ سہ بارہ قراتوں کے بعد بھی مس ریڈنگ کا احساس ختم نہ ہو سکا۔ پتہ چلا کہ ہر ریڈنگ ایک نئے معنوی سیاق سے وابستہ ہو جانے کے لیے قاری کو اکسا سکتا ہے۔ آپ کو تعجب بھی ہو رہا ہوگا کہ کسی نثری فن پارے کی اتنی دفعہ قرأت چہ معنی

دارد؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہم نثر کو خودرو گھاس سمجھتے ہیں لہٰذا گھر آئے خط کی طرح نثر کی کتاب ایک مرتبہ پڑھ کر اس کے ابھرے معنی کو سمجھ کر، اخبار کی طرح کونے میں رکھ دیتے ہیں۔ آخر نثر کے ساتھ یہ سوتیلا پن کیوں؟ نثری فن پارے میں بھی شعر کی طرح معنی کے کئی ابعاد ہوتے ہیں۔ یاد کیجئے جب ایک جملے کو آپ کا وکیل کئی معنوی سیاق سے جوڑ کر عدالت میں اپنے حریف کو زیر کرتا ہے۔ شعر میں وزن، قوافی، ردیف، صنعتوں کا جال، موسیقی وغیرہ ہے تو نثر میں بھی محاورے، امثال، اصطلاح، خطابت، صنعتیں، توضیح وتشریح، منطق، استدلال، مقصدیت وغیرہ ہوتی ہے اور افکار وتصورات بھی۔ اس لیے جتنی کلوز ریڈنگ کی ضرورت شعر کو ہے اتنی ہی نثر کو بھی ہے اور ''مکان'' ہی نہیں ہر بڑے ناول کو یا اس قسم کے دیگر فن پاروں کو پڑھتے وقت اس کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے یہ بھی واضح ہے کہ ناول کے لیے بالیدہ نثر اور نثر کے فروغ کے لیے معیاری ناول کا ہونا ضروری ہے۔ اگر آپ ناول کی ریڈنگ میں دلچسپی رکھتے ہوں تو آپ بھی یہ کہنے میں حق بہ جانب ہوں گے کہ ناول کا بنیادی فریضہ اپنے عصر کے سماجی، سیاسی، انتظامی، اقتصادی ونفسیاتی حالات کے ساتھ اس عصر کے انسانوں کی سوچ کو صحیح سمت عطا کرنے کے لیے عصری مسائل پر گہری نظر ڈالنا ہے۔ ماضی یعنی گڑے مردے اکھاڑنے والے ناول، ناول جیسے ہو سکتے ہیں یا ناول سمجھ کر پڑھ لیے جاتے ہیں۔ ڈھائی ہزار قبل مسیح تا ۱۹۴۷ء کے حالات کو ''آگ کا دریا'' کی مصنفہ قرۃ العین حیدر ہی سمجھ سکتی تھیں مکان پڑھنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ اپنے عصر کے مسائل پر ہی لکھنے یا اُسے ایک ناول میں اپنے صحیح تناظر اور فن کاری کے ساتھ پیش کرنے میں مصنف خون تھوک سکتا ہے۔ کم سے کم میرے دماغ میں یہ بات نہیں آتی کہ ڈھائی سو سال پہلے کے گوتم نیلمبر کی انسانی خصوصیات، تہذیب کو ہم کردار بنا کر پیش کریں اور دعویٰ کریں کہ گوتم اور اس کے عہد کی تہذیبوں جس سے وہ بار بار نبرد آزما ہے کی صحیح تصویر سامنے آگئی جیسا دعویٰ مبالغہ معلوم ہوتا ہے، جب کہ مکان میں خود پیغام آفاقی کا ہمزاد کردار الوک بھی اپنی پوری نفسیات کے ساتھ نہ جانے کتنی مشقت کے بعد ہمارے سامنے اپنی فطری زندگی کی خصوصیات لے کر سامنے آتا ہے۔ جہاں اقبال کو یہ اعتراف ہو کہ اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے تو ایسے میں

ڈھائی ہزار سال کے انسانوں کی روزمرہ کی زندگی اور اسلوب کو ناول میں پیش کرنا میری سمجھ سے باہر ہے البتہ تاریخ ضرور لکھی جا سکتی ہے اور آگ کا دریا افسانے کی ہیئت میں ایک تاریخ ہی ہے۔ اگر ''آگ کا دریا'' ناول ہے تو صلاح الدین پرویز نے ''نمرتا'' میں بڑے ہی خوبصورت انداز اور نئے اسلوب میں ان موضوعات کو بڑی گہرائی کے ساتھ دیکھا ہے۔ یہیں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پیغام آفاقی نے بھی ناول کی ہیئت میں اپنے عصر کی تاریخ تو نہیں لکھ دی ہے یعنی ''مکان'' آگ کا دریا قسم کی تاریخ تو نہیں بن گیا ہے یا گڑے مردے اکھاڑنے والا ناول تو نہیں؟ کیا اسے ہم جدید ناول کہہ سکتے ہیں؟ دوسرا سوال یہ کہ اگر یہ ناول موضوعاتی سطح پر اور اپنے اسلوب کی سطح پر اردو کے دیگر ناولوں سے الگ ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب ہی ناول کی تفہیم کے لیے ایک نیا معیار فراہم کر سکتا ہے۔

مکان کی اشاعت ۱۹۸۹ء میں عمل میں آئی تھی اور یہ وہ دور تھا جب اردو ادب کی دو تحریکوں ترقی پسندی اور جدیدیت کے مجادلے ومناقشے کے بیچ سے سوچ کی ایک نئی لہر بڑھتی آ رہی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مکان کو سب سے پہلے ترقی پسندوں نے نوٹس میں لی تھی مگر ان کو اس میں طبقاتی کشمکش ٹائپ کی کوئی چیز واضح انداز میں نظر نہ آئی اور نہ وہ مارکس کا فلسفہ کہ Matter Comes First, Latter on idea. in our mind نہ جدیدیوں کو مکان میں ہیئت کی کارفرمائی نظر آئی اور نہ تنہائی، کلبیت، اجنبیت، بے چہرگی وجودی افکار کے فارمولے وغیرہ اس میں واضح صورت میں نظر آئے۔ یہاں تو مروجہ ناول کی ہیئت، اور مروجہ بیانیہ نثر میں ایسی توڑ پھوڑ نظر آئی کہ دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

دراصل مکان اردو نثر کی تیسری کروٹ کی پیداوار ہے اس لیے ہمیں اردو ناول کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس پر بحث کرنی چاہئے یعنی مکان سے پہلے کے ناول اور مکان کے بعد کے ناول (واضح رہے کہ اپنی چند بنیادی خامیوں کے بعد بھی آگ کا دریا مکان سے پہلے کے دور میں ناول کا ایک نیا معیار قائم کرنے میں بنیادی رول ادا کیا تھا۔) کیونکہ مکان سے پہلے ایک Trend کا خاتمہ ہوتا ہے اور دوسرے Trend کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس ناول میں فلسفہ کو ناول کا جزو بڑی فن کاری کے ساتھ جس طرح پیغام آفاقی نے

بنایا ہے، کم از کم قرۃ العین حیدر کے یہاں موجود نہیں ہے، محترمہ کے یہاں فلسفہ اکثر مقام پر کردار کے تفاعل سے کٹ کر جز افلسفہ بن گیا ہے۔ ہاں تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ مکان کے شائع ہوتے ہی مذاکرے ہوئے مضامین بھی لکھے گئے مگر تفہیم کا انداز توبۃ النصوح والا تھا۔

''توبۃ النصوح'' اور'' گوشۂ عافیت'' سے مرعوب قارئین نے مکان کو پڑھتے وقت بے زاری کا مظاہرہ کیا۔ اس میں سے کئی حصوں کو نکالنے کا مشورہ دیا۔ کہانی پن اور بیانیے کے جھول کا رونا رویا اور ادبی تحریک والوں نے اپنے مطالب کا رونا رویا یعنی وہی مرغے کی تین ٹانگ والی بات۔ قارئین وناقدین کے علم میں یہ بات ہی نہ تھی کہ ناول کی دنیا میں اسلوب، ہیئت، وساخت کی سطح پر کیا تبدیلیاں آچکی ہیں، نیز پیغام آفاقی کے یہاں مروجہ ہیئت واسلوب میں یہ توڑ پھوڑ کیوں ہے؟ کیوں اس کے بعض حصے زائد لگ رہے ہیں اور کیوں وہ کسی ترقی پسند فکر اور کسی جدیدیت کے چوکھٹے میں فٹ نہیں ہو پا رہا ہے؟ ان وجوہات کی تحقیق سے پیشتر اگر George Luckecs کی کتاب Theory of Novel سامنے رکھیں، اردو میں ناول کی تنقید سے متعلق وارث علوی اور ایک غیر معروف ہی صحیح مگر اہم مضمون '' ناول کے مطالعے کا شعور'' (ذکاء الدین شایاں) اور سید محمد عقیل کے ناول سے متعلق معروضات کو سامنے رکھیں تو ناول کی پرکھ کا معیار متعین کرنے میں کچھ عافیت کا احساس ہوگا یہ مقالہ خاکسار نے ان مسائل پر غوروفکر کے لیے ہی لکھا ہے حالیہ دور میں شائع شدہ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم کی کتاب اردو فکشن کی تنقید پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ ہمارے پاس ابھی تک ناول کو پڑھنے اور سمجھنے نیز سمجھانے کے لیے کوئی واضح معیار نہیں ہے۔ اس مقالے میں چند ایک باتیں اس ضمن میں بھی دکھائی دے جائیں گی۔

میں سب سے پہلے مکان کا موضوع کیا کیا ہوسکتا ہے اس پر اپنی بساط بھر روشنی ڈالوں گا اس سے پہلے اس قاری کے لیے اس متن کا خلاصہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس نے اب تک مکان نہیں پڑھا ہے اور اتفاق سے اب اس پر مضمون پڑھ رہا ہے۔ ورنہ کسی بھی ناول پر لکھی گئی تنقید کے قارئین سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس نے ناول کو بغور پڑھ لیا ہے۔ فکشن کی تنقید کے ابتدائی دور میں اردو کیا انگریزی میں بھی ناول یا افسانے کی کہانی دوبارہ نمک مرچ لگا کر بیان کر دینے کا نام فکشن کی تنقید تھا لیکن اب یہ طریقہ فکشن کی تنقید کا ایک جز ومستحب ہے۔ لہٰذا پیش خدمت ہے مکان کی دنیا میں ہونے والے واقعات وحادثات کی کہانی۔

کہانی یہ ہے کہ میڈیکل کی ایک طالبہ نیرا جس کا باپ گذر چکا ہے اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ دلی میں بیسویں صدی کے اوائل میں اپنے نجی مکان میں ایک عام لڑکی کی طرح ڈھیر سارے سپنوں کے ساتھ زندگی گذار رہی ہے کہ اچانک کمار جو اس کے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہ رہا ہے کی نیت میں کھوٹ پیدا ہوتی ہے اور وہ مکان پر قبضہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔ نیرا اور اس کی ماں دونوں کو جب اس کی نیت کا پتہ چلتا ہے تو وہ گھبرا جاتی ہیں پھر شروع ہوتی ہے مکان مالک اور کرایہ دار کی وہ جنگ جس میں حیات وکائنات کے بڑے بڑے مسائل سامنے آتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس ناول کا ہندوستان آزادی کے پچاس برس بعد کا ہندوستان ہے۔ کمار مکان چھیننے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے کا استعمال کرتا ہے یعنی قانونی اور غیر قانونی بھی اور وہ پولس کو بھی اپنے حق میں کر لیتا ہے لیکن مصنف نے نیرا کو چھوئی موئی سی عورت یا لڑکی کی صورت میں پیش نہیں کیا ہے۔ وہ مضبوط اعصاب کی ذہین لڑکی ہے۔ نیرا بھی پولس سے مدد طلب کرتی ہے۔ کئی لوگ اس کی مدد کرنا بھی چاہتے ہیں لیکن بعد میں ٹال مٹول کر جاتے ہیں۔ یہ لوگ حد سے آگے رسوخ کا استعمال کرنا نہیں چاہتے یعنی اپنا کارڈ کھولنا نہیں چاہتے۔ کچھ لوگ تو مسٹریزی مین ہیں جن سے نیرا بار بار کوشش کے بعد مل ہی نہیں پاتی۔ مدد کی بات تو درکنار۔ یہ مسئلہ سنگین اس وقت ہو جاتا ہے جب نیرا کو احساس ہو جاتا ہے کہ پولس اور کرایہ دار کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر خود کو حالات کے سہارے چھوڑ دے۔ اسی ارادے کو سمجھ لینے کے بعد وہ لڑنے کا پھر سے مستحکم ارادہ کرتی ہے اور لڑائی ایک انتہائی سرد جنگ/نفسیاتی وذہنی جنگ کی صورت اختیار کر جاتی ہے اور الوک جیسا ایماندار پولس آفیسر بھی اپنے عہد کے کرپشن کا شکار کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ چاہ کر بھی نیرا کے لیے کچھ نہیں کر پاتا کیونکہ الوک جیسے پولس آفیسروں کو چٹکی بجا کر کنارے کرنے والے بھرشٹ لوگ اشوک کی شکل میں ملک کے طول وعرض میں حکومت کا حصہ بن چکے ہیں۔

اس لڑائی میں مکان بچاتے بچاتے نیرا مکان کے بچ جانے پر خوش نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک نئے مسئلے کا شکار ہو کر زندگی کو اور کریدنے کے لیے آگے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

کہانی پڑھ کر آپ فوراً کہیں گے اس ناول کا موضوع مکان ہے جسے بچانا ہی ناول کا مقصد ہے یا مکان مالکوں کو اس ناول کے بہانے ناول نگار نے اپنے کرایہ داروں سے محفوظ رکھنے کا نسخہ وغیرہ بتایا ہے۔ اگر یہی مطلب آپ نے سمجھا تو پھر 400 صفحات پر اتنی سی بات کیسے پھیل گئی۔ کچھ لوگ تو مکان میں فساد، تقسیم ملک کے المیے، ہجرت کے کرب کو نہ پا کر چیں بجبیں ہو اٹھے ہوں گے اور مکان کے نئے Subject کو ہضم نہ کر پائے ہوں گے۔ کیونکہ مذکورہ بالا موضوعات کے گرد چکر کاٹنے کی عادت ناول نگار اور اس کے قارئین کو پڑ گئی ہے۔۔

پریم چند کے آدرشوادی تصور سے جیسے ہی پیچھا چھوٹا تھا کہ اردو ناول مارکس کے فلسفے کا اسیر ہو گیا اور فوٹو گرافی والی حقیقت نگاری کا دور شروع ہوا۔ غور کیجئے گا کہ اس دور کے ناولوں میں ہیرو یا ہیروئن یا کوئی اور کردار کمیونسٹ ضرور ہوتا تھا جو اپنے ماحول مذہب کے فرسودہ تصور سے ٹکر لیتا تھا اور کبھی کبھی مذہب سے بے زاری کا بلا ضرورت اعلان کرتا تھا۔ یعنی کردار کو انگلی پر نچانے والا رویہ عام ہوا۔ پھر قرۃ العین حیدر کا دور آیا۔ عصمت آئیں اب فساد، تقسیم کا المیہ، ہجرت کا کرب، زمینداری اور جاگیر دارانہ نظام کا بھوت اردو ناول پر اس طرح سے حاوی ہوا کہ قرۃ العین حیدر ''گردش رنگ چمن'' ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۸ء دو گز زمین، عبدالصمد، قید عبداللہ حسین ۱۹۸۹ء، اور جوگندر پال ۱۹۹۱ء ''خواب رو'' میں بھی جدید ہندوستان کے مسائل سے بالکل کٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر ۱۹۸۹ء کے زمانوں میں ہی پیغام آفاقی نے ان موضوعات سے انحراف کرتے ہوئے ناول کے مقصد کا صحیح استعمال کیا اور اپنے عصر کے مسائل اور بیسویں صدی کی زندگی کو ایک کہانی کے پردے میں پیش کیا۔ جس کا موضوع جدید ہندوستان کی جمہوریت کے تلے پنپنے والی زندگی اور اس کے المیے، افراد کی روحانی و مادی کشمکش، ناول نگار کی زبان میں کولتار کی طرح پھیلتی ہوئی رشوت خوری Corruption، نوکر شاہوں کی دھاندلی، پولس کے مظالم، عورت کو Lower Hand سمجھنے کا رویہ اور جمہوری ڈھانچے کے نقائص اور اس پس منظر

میں انسان کے عظیم مقصد کو پیش کرنا تھا۔ جو نیرا کے کردار کی شکل میں زندگی کی شان بن کر کینوس پر ابھرتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف اپنی کتاب ''برصغیر میں اردو ناول'' میں مکان کا تذکرہ دو موضوعات کے تحت کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کی نگاہ میں یہ ناول شہری زندگی کے تضادات کو پیش کرتا ہے۔ لکھتے ہیں ۔

''چار سو صفحات پر مبنی پیغام آفاقی کا ''مکان'' 1989 ہندوستان کے جدید شہری معاشرے کی بظاہر خوشنما اور پر کشش تہہ میں پوشیدہ کرپشن، لاقانونیت اور اخلاقی بے راہ روی کی نشاندہی کرتا ہے۔ دہلی جیسے شہر میں جائیدادوں کی قیمتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ زمینوں، مکانوں اور کاروباری مراکز پر زبردستی قبضہ کرنے اور ناجائز تعمیرات کرنے والے زمین مافیا ایک مستقل سماجی حقیقت بن گئے ہیں۔ (ص۔89 سنہ اشاعت 1994)

اس کتاب میں ایک بار اور مکان کا تجزیہ وہ نفسیات اور جنس کے حوالے سے بھی کرتے ہیں سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ مکان سے کئی معنی برآمد کئے جا سکتے ہیں اور ہر بڑے ناول کی یہ ایک اہم خصوصیت مانی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے اپنی کتاب ''اردو فکشن کی تنقید'' میں ڈاکٹر خالد اشرف پر سخت نقطہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔

''اس طرح پیغام آفاقی کے ناول ''مکان'' کا تجزیاتی مطالعہ بھی انہوں نے (خالد اشرف) نہایت سرسری طور پر کیا ہے۔ کیا ''مکان'' محض کرایہ دار اور مالک کا قصہ ہے؟ کیا مکان محض جدید شہری معاشرے کی بظاہر خوشنما اور پر کشش زندگی کی تہہ میں پوشیدہ کرپشن، لاقانونیت اور اخلاقی بے راہ روی کی نشاندہی کرتا ہے یا اس سے آگے اور بہت کچھ کہتا ہے۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا جسم ''مکان'' ہے اور ہم نے اپنے جسم کے سارے اعضا کو کرایہ پر اٹھا دیا ہے۔ کہیں پیغام آفاقی نے اس ناول کے تعلق سے عرفانِ ذات کی توسیع تو نہیں کی ہے؟ (ص 350 سن اشاعت 1996ء)

ارتضا کریم نے اس نثری فن پارے سے ایک اچھوتا معنی برآمد کیا ہے اور اب مکان سامنے کے وحدانی معنی سے اوپر اٹھ کر تکثیر معنی کا حامل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ارتضا کریم کی شکایت درست ہے۔ ضبط اور بغور قرأت کی کمی کے شکار خالد اشرف ضرور

ہوئے ہیں وہ اس لئے بھی کیونکہ انہیں سینکڑوں ناولوں کا مطالعہ کرنا تھا اس لئے مکان پر زیادہ غور وفکر کا موقع انہیں نہ ملا ورنہ ان کی حسب ذیل شکایت مکان ہی سے دور ہوسکتی تھی۔ اپنی کتاب وہ ان جملوں پر ختم کرتے ہیں:۔

''کیا امراؤ جان، گئودان اور ٹیڑھی لکیر جیسا ناول (آگ کے دریا سے قطع نظر) لکھا گیا؟ اگر اس دوران ان بڑے ناولوں کی سطح کو چھونے والے چند ناول تصنیف بھی کئے گئے جیسے آگ کا دریا، اداس نسلیں اور آنگن تو یہ حیرت ناک طور پر آزادی سے قبل کے عہد کو ہی کیوں پیش کرتے ہیں؟'' (خالد اشرف، برصغیر میں اردو ناول ص 408)

اخیر میں اس نتیجے پر پہنچنے سے پہلے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''ہندوستان میں جیلانی بانو اور جوگندر پال دو ایسے اسماء بھی ہیں جنہوں نے عصری زندگی کے تضادات، بدعنوانیوں اور جمہوریت کے نام پر کی جانے والی فرد دشمن سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس ضمن میں پیغام آفاقی سے کچھ امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں گو کہ ان کے یہاں ضبط اور توازن کی کمی پائی جاتی ہے۔''

اپنے بیان میں تضاد کے شکار نظر آتے ہوئے خالد اشرف ایک طرف تو امراؤ جان، گئودان، ٹیڑھی لکیر کے ہم پلہ آگ کا دریا، اداس نسلیں اور آنگن کو قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف یہ رونا کہ یہ ناول فقط آزادی سے قبل کے عہد کو ہی کیوں پیش کرتے ہیں؟ پھر یہ کہنا کہ ناول عصری زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ عصری زندگی کے تضادات وغیرہ کو بے نقاب کرنے والے جوگندر پال، جیلانی بانو کے علاوہ کچھ امیدیں پیغام آفاقی سے کی جاسکتی ہیں۔ چہ معنی دارد؟ صاف صاف یہ کیوں نہیں کہا جائے کہ اگر کسی ناول نگار نے موضوعات کی سطح پر اور اپنی پیش کش کی سطح پر آج کی زندگی کے جملہ امور پر گہری اور فلسفیانہ نگاہ ڈالی ہے تو اس میں پہلا نام پیغام آفاقی کا لیا جاسکتا ہے جن کے پیش رو جوگندر پال اور جیلانی بانو قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ مکان میں جن موضوعات کو پیش کیا گیا ہے اس طرح کا کوئی ناول نظر نہیں آتا۔ مکان کے مطالعے کے بعد تو مجھے نہیں لگتا کہ اردو ناول کا مستقبل Bleak (یعنی بے کیف ہے شمس الرحمٰن فاروقی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے) ہے۔

بلراج کومل کا خیال ہے کہ۔

''پچھلے چند برسوں میں شائع ہونے والے ناولوں میں اقدار کے زوال وانہدام کا منظر نامہ زیادہ تاریک ہوگیا ہے۔ اس منظر نامے کی بہترین مثالیں ہمیں جوگندر پال، عبدالصمد، حسین الحق، ظفر پیامی، مشرف عالم ذوقی، مظہر الزماں خاں، پیغام آفاقی، غضنفر، الیاس احمد گدی کے ناولوں میں ملتی ہیں۔'' (اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ مرتبہ گوپی چند نارنگ اردو اکادمی دہلی 1998 ص279ء) بلراج کومل نے جن نام نامی کو پیش کیا ہے ان میں ''مکان'' کے مصنف نے دوسروں کے مقابلے زیادہ جرأت اور سچ بولنے کی ہمت کی ہے اور ہم عصر مسائل کی مجموعی تصویر پیش کی ہے، ان کے بیان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مکان کا موضوع اقتدار کے زوال وانہدام کا منظر نامہ بھی ہے۔

انیس رفیع نے بھی جدیدیت کے بعد کے ناولوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ۔

''ناول مکان بلدیاتی HOROR سے مرتے ہوئے انسان کی آخری لڑائی کی تفسیر ہے۔ ناول نگار پیغام آفاقی اس COSMO احساس جدید کے شریک ہیں جو Megacity کے Business Districts میں Properties کی آسمان پھلانگتی قیمتوں سے پیدا ہوا ہے۔'' (اردو جدیدیت مرتبہ گوپی چند نارنگ ص 228)

اس بیان میں انسان کی موت کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر ہے مکان۔ انور خان نے مکان کے بارے میں کچھ اس طرح کی رائے دی ہے:۔ ''مکان اسٹیبلشمنٹ سے جوجھنے کی کہانی ہے...... پورا ناول اسٹیبلشمنٹ کی اسٹرکچر کو سامنے لاتا ہے۔ نیرا کا کردار بڑی ذہانت سے بنا گیا ہے...... ناول نگار نے کوشش کی ہے کہ ہر کردار کی سوچ کو بیان کرے اس طریقہ کار نے ناول کو تھوڑا الجھا دیا ہے۔'' (اردو مابعد جدیت ص 293)

انور خان کے مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مکان تانیثی اقدار کی بازیافت نیز کرداروں کے حرکات وسکنات کے بجائے ان کی سوچ یعنی افکار کی کہانی ہے اور یہ سارا رویہ Establishment کے خلاف ہے جو مابعد جدید حالات یا ادب کی ایک خاص خوبی ہے۔ آخری جملے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سیدھی لکیر کا ناول نہیں ہے اور نیا تجربہ

ہونے کی وجہ سے کچھ الجھاؤ سا ناول میں پیدا ہو گیا ہے۔

مکان جس وقت شائع ہوا اس سے ایک دو سال پہلے اور بعد میں حسب ذیل ناول شائع ہوئے تھے۔ ''قید'' عبداللہ حسین سن اشاعت 1989ء۔ یہ ناول مذہب کی آڑ میں کیے گئے مظالم، دقیانوسیت یا اندھی مذہبیت کے خلاف ہے اور یہ کرامت علی کی داستان ہے۔ اعجاز راہی کا ''معتوب'' جو 1989ء میں شائع ہوا جو ضیاء الحق کے دور حکومت میں فن کار کی آزادی سلب کیے جانے کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر سہیل کا ناول ''ٹوٹا ہوا آدمی 1990ء میں شائع ہوا رشتوں کے ٹوٹنے بکھرنے کا منظر نامہ محض ہے۔ 1991ء میں ہی جوگندر پال کا ناول ''خواب رو'' شائع ہوا جس میں اتنا ضرور ہے کہ ہجرت کو نئے فلسفیانہ تناظر میں دیکھا گیا۔ مکان کے شائع ہونے سے کچھ ہی قبل ظفر پیامی کے ناول ''فرار'' میں تقسیم ہند کے المیے کو ہی پیش کیا گیا مگر یہاں زور پاکستان کے دو نیم ہونے پر ہے۔ 1991ء میں علی امام نقوی کا ناول تین بتی کے راما میں، بمبئی شہر کے راماؤں (نوکروں) کو کردار بنا کر ممبئی کے سیٹھوں کی گھناؤنی حرکتوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ مکان سے ایک سال قبل گردش رنگ چمن قرۃ العین حیدر کا موضوع ان ناولوں سے بھی قدرے گھسا پٹا ہے یعنی خواتین کے مسائل اس ناول کا اصل مسئلہ ہے۔ اس ناول کی ہیروئن عندلیب بیگ اور ان کی بیٹی ڈاکٹر عنبریں بیگ طوائف النسل ہونے کی بنا پر مناسب سماجی مقام نہ ملنے کے المیے سے دوچار ہیں۔ آج تانیثیت کی بحث جہاں پہنچی ہے اگر وہاں سے دیکھیے تو یہ راگ پرانا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے میں غضنفر کے ناولوں پانی، کینچلی، کہانی انکل، دو یہ بانی اور حالیہ ناول ''فسون'' میں جن موضوعات کو ناول کے قالب میں ڈھالا گیا ہے وہ پیش کش کی سطح پر بھی اردو ناول کے معیار کے تعین میں اہم رول ادا کریں گے جس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مگر آج کی تاریخ میں بھی مصنفہ کا مسئلہ وہی مسئلہ ہے جو رسوا کو پیش آیا تھا۔ بعض دوسرے ناولوں میں وہی پرانے موضوعات دیکھے جا سکتے ہیں مگر تین بتی کے راما ذرا ڈگر سے الگ ہٹ کر ہے۔ مکان کے چھ سال بعد مشرف عالم ذوقی کا ناول ''بیان'' پیش کش کی سطح پر اپنے چند ایک نقائص کے ساتھ فساد جیسے موضوع کے علاوہ آج کی ہندوستانی سیاست اور بابری مسجد کے پس منظر میں آج

کی زندگی کے ایک اہم پہلو کو ضرور اجاگر کرتا ہے اور یہ باور کرتا ہے کہ بیان ایک ایسا بیان ہے جو ایسے ہی تاریخی موڑوں پر ایک سوالیہ نشان قائم کرے گا۔ یہ ناول بابری مسجد کے انہدام پر ردعمل کے بجائے اوراقِ پارینہ بنتی ہوئی گنگا جمنی تہذیب کی افسوس ناک یاد بن کر ابھرتا ہے واضح رہے کہ ''بابری مسجد'' اور ''اردو'' ہندوستان کے مسلم لیڈروں کا بھی اہم مُدّا رہا ہے۔ اس ناول کی اوپری سطح پر یہی معنی برآمد ہوتا ہے زیریں سطح پر کچھ اور معنی مضمر ہے مگر مکان قسم کے اعتبار سے پرانا ہے یعنی نسوانی کردار کو مرکزیت دینے والا ناول ہے مگر پیش کش اور پرانے متون کو نئی ہیئت کے اعتبار سے رد تشکیلی عناصر سے گزارتے ہوئے آج کے ''مکان'' یعنی ہندوستان، نیرا یعنی انسانیت کی نئی تفہیم پیش کرنے والا منفرد ناول ہے جس نے اردو ناول کا رخ عصری مسائل کی طرف موڑنے میں اہم رول ادا کیا۔ الغرض ہجرت اور تقسیم ہند کے المیے، (جو اردو ناول کا بھوت ہے) نیز ماضی سے چمٹے رہنے کی وجہ سے ہی شمس الحق عثمانی نے قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کو یادوں کا مسافر کہا ہے۔ پیغام آفاقی مکان کے فلیپ پر اپنے ان تخلیقی محرکات کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:۔

''اس دور میں جہاں جغرافیائی طور پر دنیا بہت چھوٹی ہوئی ہے وہیں گوناگوں وسعتوں کی وجہ سے یہ بے حد دشوار اور پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اور اس پورے نظام میں ہر انسان کہیں نہ کہیں اٹک کر رہ گیا ہے......اس سے انسان کا حوصلہ پست ہو رہا ہے اور وہ اپنے کو انتہائی کمزور محسوس کرنے لگا ہے۔ میں ان الجھنوں اور پیچیدگیوں کے اندر گھس کر ان کے تانے بانے کو دیکھتا ہوں اور کسی نقطے پر پہنچ کر ان کا الجھاؤ ختم ہونے لگتا ہے اس نقطے کو اور اس کے ادراک سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس کی کیفیت کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہی وہ منظر ہے جو میری دلچسپیوں کا مرکز ہے۔''

پیغام آفاقی کے اسی ذہنی و نفسی شعور اور انسانی فطرت کی شناخت کی تخلیقی بے چینی کا نام مکان ہے جس کی قرأت ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ مکان ایک ایسا داخلی مکالمہ ہے جو آج کے انسان کا مقدر بن چکا ہے۔

بہت کم ایسے ناول نگار اردو میں نظر آتے ہیں جو ناول کو اس کے صحیح نام سے

پکار سکتے ہوں۔ یہاں اس امر پر غور کر لینا ضروری ہے کہ اس ناول کا نام ''مکان'' ہی کیوں رکھا گیا؟ ناول کا عنوان یا افسانے کا عنوان ایسا ہونا چاہئے جو اس ناول کے موضوع سے انصاف کرے اور عنوان پورے ناول کا استعارہ بن جائے یا پورا ناول اس لفظ کا طویل استعارہ معلوم ہو۔ دراصل ناولوں کے عنوانات میں ہی معنی موجود/غیر موجود پوشیدہ ہوتے ہیں جو قاری کو کسی مخصوص ناول سے طرح طرح کے معنی اخذ کرنے کا سیاق فراہم کرتے ہیں۔

مثلاً اردو میں لفظ ''مکان'' روزمرہ کی زندگی کے علاوہ انگریزی کے Spece کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ یعنی فلسفۂ زمان و مکان سے کون واقف نہیں۔ کیا مصنف نے زمان کو محذوف کر کے صرف "Space" کو مدنظر رکھا ہے اور آج کے انسان کے لامکانی صورت حال کو سامنے کے حالات یعنی مکان مالک اور کرایہ دار کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مکان کہتے ہی ہمارے ذہن میں مکین کی صورت میں کچھ کردار ابھر آتے ہیں۔ مکان ایک مفرد لفظ ہے لیکن اس کا تاثر اجتماعی ہے۔ نیز اس لفظ سے فیملی کا تصور بھی ابھرتا ہے۔ ''مکان'' ملک کا استعارہ بھی ہو سکتا ہے اور نیرا ایک سپاہی کمار میر جعفر اشوک بدیسی۔ نیرا جو اردو ناولوں کے نسوانی کردار میں امراؤ جان کے بعد دوسری بڑی کردار ہے اپنے مکان پر قبضہ کرنے والے بھیڑیئے کمار کے شاطرانہ چالوں سے گھبرا کر اپنی کوشش کرتے ہوئے ناول نگار کے اس بیانیے میں کچھ اس طرح سے سامنے آتی ہے دیکھیں:۔

۱۔ ''اب وہ اس مکان کے مسئلہ کے بہانے ان رہی سہی باتوں کو بھی آزماتی جا رہی تھی۔ وہ کم از کم اس کھوکھلے پن کو واضح طور پر دیکھ لینا چاہتی تھی کیونکہ اب جو خطرہ سامنے آیا تھا، وہ صرف مکان کو نہیں تھا بلکہ اس کھوکھلے پن کے بعد اس کو اپنی ہر چیز خطرہ میں دکھائی دے رہی تھی۔'' (مکان ص۔ ۲۹)

اس پیراگراف میں مکان اپنے حقیقی معنی کا لبادہ اتار کر زندگی کی سچائیوں سے گہرے فلسفے کی طرف جاتا ہوا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مکان کے صفحہ نمبر 101 پر مکان پھر زیر بحث اس طرح آتا ہے:۔

۲۔ ''یہ مکان تمہاری ملکیت ہے۔ تم اس مکان کی مالک ہو۔ یہ دو طرفہ رشتہ ہے کہ

مکان تمہاری ملکیت اور تم مکان کی مالک اور اس طرح مکان تمہارے ساتھ مقفل ہے اور تم مکان کے ساتھ مقفل ہو لیکن مکان کے ساتھ تمہارا رشتہ ایک الگ ہی چیز ہے اور یہ تمہارے اور مکان کے علاوہ تیسری چیز ہے۔'' (نیرا کی خود کلامی)

۳۔ ''میں بچپن سے اپنے مکان کی چھت کے نیچے رہتی آئی ہوں اور آج یکا یک مجھ سے کوئی وہ چھت چھین رہا ہے۔ وہ مکان میرا نہیں اور مجھے باہر نکلنا پڑ سکتا ہے۔ میں اس مکان اور اس کے چھت کو پکڑے رہنا چاہتی ہوں۔ میں بغیر مکان کے نہیں رہ سکتی۔ آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنی چھت اور اپنے مکان کے اندر بھی محفوظ رہنے کے لیے انسان کو کس قدر مسلسل جدوجہد اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت میرا سارا وقت صرف یہ سمجھنے میں گزر رہا ہے کہ..........مکان کوئی پیدائشی حق نہیں ہے.......... آج میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں، اگر اس کی تصویر کسی کیمرے سے لے لی جائے چاہے وہ کیمرہ شیشے کا ہو یا سماجی عقائد کا تو یہ میرا ہی اپنا مکان لگے گا.......... لیکن آج اس مکان کے پورے وجود کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے کہ اب وہ عقیدوں کی بنیاد پر قائم تصور محض چیتھڑے کی طرح اس حقیقی منظر کو پراگندہ کر رہی ہے، اور کچھ نہیں۔'' (مکان ص۔ 143-44)

۴۔ ''ہم گھر نہیں جائیں گے۔ ہم آج یہ دیکھنا چاہتی ہیں کہ وہ تحفظ جو ہمیں اس مکان کے اندر ملتا ہے وہ تحفظ ہم باہر پا سکتے ہیں یا نہیں۔ (ص 184 مکان)
کیا باہر کی یہ پوری دنیا بے مکانی کی علامت ہے؟ ص ۱۸۴
الوک مکان کے بارے میں کچھ اس طرح سے سوچتا ہے:۔

۵۔ ''لوگ ایسے ہی فریب آلودہ مکانوں میں رہتے ہیں اور یہ مکان ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ذرا ہوا چلتی ہے تو دروازے اور کھڑکیوں کے پٹ اڑ جاتے ہیں اور جب ذرا تیز طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو پوری کی پوری نسلیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ تاریخ ڈھ جاتی ہے۔ اخلاق نئی سمتیں اختیار کر لیتے ہیں.......... کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں

ہوتی.......... میرے اندر بھی کچھ ٹوٹ چکا ہے۔ سکون سے وہ رہ سکتے ہیں جو کٹے پھٹے نہیں ہیں، لیکن میں ننگا ہو چکا ہوں۔ میں ہر اس جگہ جاؤں گا جہاں میری روح کو لباس مل سکے..........'' (مکان ص209) ہندوستانی پریوار میں آئے انتشار کی طرف بھی معنی خیز اشارہ اس اقتباس میں موجود ہے۔

نیرا کے اندرون سے یہ آواز نکلتی ہے:۔ (ذہن کی آواز)

۶۔ میں تو بکھراں ہوں تم پر نظر رکھتے ہوئے، تم میرے بیچ آ کر ہر چیز کو دیکھو صاف دکھائی دیں گی۔ تم کمار کو طاقت ور سمجھتی ہو، تم مکان پر بھروسہ کرتی ہو اور ان سب کے حدود ہیں۔'' (مکان ص333)

مندرجہ بالا اقتباسات میں غور کرنے والی بات یہ بھی ہے کہ ناول جیسے جیسے خاتمے یا کلائمکس کی جانب بڑھتا ہے عنوان یعنی لفظ ''مکان'' کے گرد حیات و کائنات کے کئی ایک فلسفے سمٹ آتے ہیں۔ مثلاً اقتباس نمبر دو سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناول ذات و کائنات یا ذات و صفات یا خدا اور بندے یا جسم و روح کے رشتے اور دونوں میں کون مقدم ہے لفظ یا معنی وغیرہ جیسے مسائل کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اقتباس نمبر (۳) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکان ہمارا جسم ہے اور کمار جو مکان چھین لینا چاہتا ہے وہ ہمارے اندر کا شیطان ہے۔ اسی اقتباس میں کسی بہانے سے تعقل پسندی کو بھی انسانی ذات کا جوہر بتایا گیا ہے۔ اقتباس نمبر (۴) میں عورت کہ جسے چھوئی موئی کا پودا سمجھا جاتا ہے، ایک سوال قائم کرتی ہے کہ کیا عورتیں بغیر کسی پہرے کے محفوظ نہیں؟ کیا انہیں محفوظ تبھی سمجھا جائے گا یا رکھا جا سکتا ہے جب وہ سات پردے میں ہوں اگر ایسا ہی ہے تو یہ ساری دنیا بے مکانی کی ایک علامت ہے۔ یا یہ بھی کہ مکان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اصل ہے وہ تصور جو انسان کے اندر روح کی طرح ہے۔ تبھی تو اقتباس نمبر (۵) میں آلوک ان لوگوں پر طنز کرتا ہے جو مادہ کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں جسم یا مکان یا لفظ کو ہی برحق سمجھ لیتے ہیں جب کہ لفظ ہو کہ مکان، وقت کا بہاؤ انہیں بہا کر کہیں دور لے جاتا ہے۔ اس لیے نہ لفظ کا اپنا کوئی معنی ہے نہ جسم دوامی نہ مکان دوامی ہے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہاں یہ چیزیں دراصل ایک لباس کی حیثیت ضرور رکھتی ہیں۔ یہاں حقیقت کے Solid Validity کے ہٹ جانے کی طرف اشارہ ہے جو بہر صورت ایک مابعد جدید رویہ ہے۔ جس کی رو سے حقیقت Multi layred ہے۔

مکان میں جہاں کئی طرح کے موضوعات کی تلاش کی گنجائش ہے وہیں اس ناول کو امراؤ جان سے قطع نظر اردو ناول میں دوسرا بڑا نسوانی کردار کی پیش کش کا منفرد ناول کہا جا سکتا ہے۔ پیغام آفاقی کے یہاں تصور عورت یا تانیثی اقدار کا تصور سابقہ ناول نگاروں سے قدرے مختلف ہے۔ آپ ناول کا صفحہ (19) پڑھئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ عورت کی تعلیم و تربیت کے طریقے کو ہی بدل دینا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح کی تہذیب و زبان کی تعلیم انہیں دی جاتی ہے وہ ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ ''نیرا'' اسی روایتی تعلیم و تربیت سے بغاوت کرتی ہے۔ ناول کا یہ مندرجہ ذیل جملہ عورتوں کی بیداری کے لیے ایک سلوگن ثابت ہو سکتا ہے یا یہی وہ مہابیانیہ ہے جس نے عورتوں کو اپنی بوطیقا کی تشکیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو مابعد جدید رویے کی ایک شق ہے۔

''ہاں تم ایک ایسی دنیا میں رہتی آئی ہو اور اسی طرح رہتی آئی ہو جہاں کسی چیز کو تم اپنے طور پر نہیں جانتیں۔'' (ص 54 مکان)

فرائڈ کے نزدیک مرد مکمل ہستی اور عورت آختہ ہے۔ ینگ عورت کی آزادی کو ایک واہمہ گردانتا ہے۔ ترقی پسند ادب میں عورت ایک مخصوص ٹائپ بن جاتی ہے۔ پریم چند کے یہاں معصوم، وفا کی دیوی۔ بیدی اُسے خیر محض بنا کر پیش کرتے ہیں۔ عصمت نے عورت کو کالی اور منٹو نے ایک باغی کے روپ میں پیش کیا ہے مگر یہ بغاوت محدود اور ایک سطح پر نظر آتی ہے یعنی یہ بغاوت مرد کے عائد کردہ نظام اخلاق Phallocenterism کا نظام اخلاق تھا۔ بلراج کومل نے صحیح لکھا ہے کہ قرۃ العین حیدر کے مرد اور عورت اپنی ہمدردیوں اور تمازتوں سے منور تو ہوتے رہتے ہیں لیکن مکمل جسمانی جنسی اور جذباتی ترسیل کے تجربے سے محروم رہتے ہیں۔ (اردو مابعد جدیدیت ص۔278) مکمل جسمانی، جنسی اور جذباتی ترسیل سے محروم اس لیے ہیں کیونکہ ہمارے معاشرے میں عورت کو دبایا جاتا رہا ہے۔ عورتوں نے کچھ اگر لکھا تو وہ پورے سچ کا سامنا کرتے گھبراتی رہیں۔ اکبری بیگم نے انیسویں صدی کے اوائل میں ''گودڑ کا لال'' نامی ناول لکھا جس کا مرکزی کردار

ایک لڑکی ہے جو میڈیکل کی طالبہ ہے۔ یہ کوئی 1907ء کا کالج ہے۔ یہ عورت یعنی لڑکی کالج میں بے پردہ جاتی ہے بذاتِ خود یہ اس معاشرے کے لیے ایک باغیانہ قدم تھا۔ کالج میں بے پردہ کس طرح جاتی ہے اگر اس پر غور کریں تو مرد اساس معاشرے کے جبر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خیر یہ لڑکی کالج کس طرح جاتی ہے سنیئے۔ سفید رنگت کی لڑکی تھوڑی سی سیاہی شکل پر مل لیتی ہے تاکہ بدشکل نظر آئے۔ اس طرح اردو میں نذیر احمد سے لے کر شاہد رعنا اور امراؤ جان جیسے کچھ اور ناولوں کے موضوعات تانیثی اقدار کی بازیافت سے متعلق تھیں۔ افسانے میں ''کفن'' معراجِ فن کا درجہ رکھتا ہے مگر اس کی ہیروئن شوہر کی زیادتی سہہ کر چپ چاپ مرجاتی ہے۔ کرشن چندر کے افسانوں اور ناولوں کی عورتوں کو بھی سماج کے خلاف سر اٹھانے کی اجازت نہیں۔ ان سے کہیں بہتر نذیر احمد تھے جنہوں نے عورت کے حسن وشباب کا ذکر کئے بغیر (جیسا کہ مکان کے خالق نے کیا ہے) مراۃ العروس میں اچھی یا بری عورت کا کردار پیش کیا۔ ''لیلیٰ کے خطوط'' میں پہلی بار عورت اپنی ساخت پر غور کرتی ہے اپنی ہیئت سے الگ ہوتی ہے۔ زندگی اور محبت کے بارے میں اپنی رائے پیش کرتی ہے۔ عصمت نے عورتوں کے ایسے کردار کو پیش کیا جن کی طرف نگاہ کم جاتی تھی۔ منٹو نے اسی مظلوم مخلوق کو اپنے قلم کا نشانہ بنایا جس نے اپنی محرومیوں (Motherhood) کو ان کسبیوں میں تلاش کیا جس سے وہ محروم ہوا تھا۔ یہاں جسم کا سودا کرنے والی عورتیں بہت احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے بھی عورتوں کے مسائل کو اپنی طرح سے چھیڑا مگر ہم انہیں تانیثی ادب کے کن خانوں میں رکھیں گے بحث آگے آئے گی کیونکہ وہ عورتوں اور مردوں کے ادب کو الگ نہیں مانتیں ایسا ماننا زاہدہ زیدی اور ساجدہ زیدی کا بھی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو آج دنیا میں تانیثیت کا ہنگامہ کیوں ہے؟ انیسویں صدی تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں کسی ادیبہ اور شاعرہ کا ذکر کیوں نہیں؟ مقدمہ شعروشاعری میں عورت کہیں نہیں کیوں؟ آج سوزی تھا روکا Women's Anthology شائع ہورہا ہے۔ Phallocentrism of women 'Gender Politics' Empowerment of Women پر مغرب ومشرق میں دنیا بھر کے مضامین کیوں لکھے جارہے ہیں؟ تانیثیت کے کئی اسکول بن چکے ہیں۔ مثلاً Marxist

Feminism, Libral Feminism The American Feminism, The Fremch Feminism, Lesbian Feminism اتنا ہی نہیں غزل کا معشوق عورت ہے لیکن جتنی بھی منفی صفات ہوسکتی ہیں اسی کے ساتھ لگائی گئی ہیں کیوں؟ مثلاً قاتل، بے وفا، جفاپیشہ، ہرجائی، بے مروت کیا اب یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ عورت کا ادب اور مرد کا ادب دو الگ شئے نہیں ہے؟ غزل میں ہی عورتوں کے احتجاج، بغاوت کے تیور دیکھے جاسکتے ہیں اتنا ہی نہیں مرد سے طرح طرح کے انداز میں انتقام لینے کے اسالیب بھی دیکھے جاسکتے ہیں جو صاف طور پر مشرق میں تانیثی اقدار کی اصلاح کا اولین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان مسائل پر گہری نظر ڈالنے کے لیے اور نیرا کو سمجھنے کے لیے آج کے تانیثی ڈسکورس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ نیرا پر رائے دینے سے پہلے مادام بواری۔ The second sex ڈوروتھی کی کتاب Modern Women: The Lost seen کا بھی مطالعہ کرلیا جائے تو شائد سوچ کی لہروں کو سند مل جائے گا۔ ورجینیا وولف سے لے کر جولیا کرسٹوا، Jane Eyare کے مضامین مثلاً THe Marxist Feminist collective نیز The subject کے طور پر لکھے جانے والے مضامین میں Judith Butler کا مضمون Variation on sex and Gendr Behavier, Witting and Foucalt 1987 Barbara Johnson کا مضمون Gender, theory and the yaleschool-1985 Patrica Waugh, کا مضمون Stalmates? Feminists postmodernists and unfinished issues in modern Aesthelics 1991، اہم مضامین ہیں دیکھیں کتاب: Modern Literary theory, editted by philip Rice and patricia waugh, first published in Great Britain 1989, third impression 1997 pages 98 to 109, 145, 215, 322 گویا اب تک جو بحث چلی آرہی تھی کہ عورت جو ادب لکھتی ہے وہ تانیثی ادب ہے یا مردوں نے جو ادب عورتوں کے لیے لکھا وہ بھی تانیثی ادب ہے یا کیا مرد عورت کے بارے میں لکھ ہی نہیں سکتا؟ عورت اور مرد کی زبان الگ الگ ہوتی ہے۔ کچھ عورتیں مردوں کے بنائے ایجنڈے پر کام کرتی ہیں ان کے ادب کو کیا کہا جائے۔ عورتوں کے ادب پر مردوں کی تنقید یا مردوں کے ادب میں پیش

کیے گئے عورتوں کے کردار پر بحث کے وقت مرد نقادوں کی متعصبانہ یا نظر اندازانہ رویہ وغیرہ کے علاوہ عورت اور مرد کی تفریق بہ شکل جنس اور بدن۔ پھر essenalism کی بحث کہ عورت اور مرد کا فرق جسمانی ہے Phisiological ہے دراصل اسے مان لینا چاہئے کہ مرد اور عورت میں جسمانی طور پر فرق ہے مگر زیادتی یہ ہے کہ کس طرح سماجی حقوق کی سطح پر عورتوں کو ہمیشہ نیچا دکھایا گیا ہے۔ ان حقائق آج کی مشہور تانیثی نقاد Elaine Showelter نے بڑی سنجیدگی سے غور وفکر کیا ہے۔ ان کا مضمون (Towards Feminist poetics 1979) اس ضمن میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ تانیثی تنقید کو دو زمروں میں بانٹ دینا چاہئے۔ پہلی سطح کی تنقید کا تعلق تانیثی قاری سے ہے یعنی مردوں کے ذریعے تخلیق کردہ ادب کا Consumer جسے پڑھ کر وہ اپنے اوپر غور کرتی ہیں اسے وہ Feminist critique مانتی ہیں۔ اسے ہم پوپولر کلچر اور فلم میں بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ دوسری طرح کی تنقید کا تعلق عورت بحیثیت مصنف سے ہے۔ یعنی وہ ادب جو عورتوں نے تخلیق کیا۔ مرد اساس تنقید نے اسکے لیے کوئی اصطلاح نہیں بنائی تھی اس لیے انہوں نے فرینچ کی مدد سے نئی اصطلاح بنائی جسے وہ Gynocritics کہتی ہیں۔ پہلی تنقید مارکس کے فلسفے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے جب کہ دوسری زیادہ تجرباتی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ مرد اساس تنقید نے یہ محسوس نہیں کیا کہ عورتوں نے کیا محسوس کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں لاکاں، آلتھوسر، بارتھ وغیرہ بھی چوک گئے ہیں۔ وہ لوگ عورت کو ایک موضوع سمجھ کر اس کا مطالعہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا ''نیرا'' کے مصنف نے نیرا کو موضوع سمجھا ہے، نہیں کیونکہ نیرا ناول میں مصنف کی مرضی رحم وکرم کا شکار نظر نہیں آتی وہ ہمیشہ ناول میں مدرک معروض کے طور پر کھلے ڈلے ماحول میں اپنے تشخص کی جنگ لڑتے ہوئے دکھتی ہے۔ مصنف مرد کرداروں کو پیش کرتے وقت کہیں بھی تعصب کا شکار نظر نہیں آتا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عہد کے یہ مرد اذہان نامکمل ہیں اور کسی نیرا جیسے معروض سے روشنی کسب کر رہے ہیں۔ Showelter کی آواز اس ناول میں سُنی جاسکتی ہے کہ

Stop trying to fit women between the lines of the male tradition and focus instead on the newly visible world of female culture."(Modern Literary theory ed-philip Rice an patricia waugh.Page:102,"Towards a feminist poetics")

Showelter اس بات پر زور دیتی ہیں کہ How the leterature of women would be defferent. تو ایسا لگتا ہے کہ فکشن میں پیش کردہ عورت کے پوزیشن پر سوالیہ نشان لگا رہی ہیں اور ہارڈی پر انہوں نے نشانہ لگایا بھی ہے جس میں وہ کامیاب ہیں۔ وہ طنز کرتی ہیں کہ تانیثی ادیباؤں نے ایلیٹ اور آسٹین سے آگے کی نہیں سوچی۔ وہ اپنی کتاب Aliterature of their own کی یاد دلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اب تک جو کچھ بھی تانیثی ادب کی بحث میں مذکور ہے اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (Feminine, Feminist and Female) Feminine 1840-1880 تک کا عہد ہے۔ جب عورتوں نے مرد اساس تہذیب کی رو سے سوچا، لکھا۔ اردو میں اس عہد کی مثالیں مشکل سے تلاش کی جا سکتی ہیں۔ Feminist دور 1880-1920 تک کا دور ہے۔ اردو میں اکبری بیگم، سے لے کر امراؤ جان تک کا زمانہ ہے مغرب میں اس دور میں عورتوں نے تانیث کا مروجہ چولا اتار پھینکا۔ عورتوں نے طبقاتی کشمکش کی بات کی۔ Female دور جو کہ 1920ء سے تا حال ہے۔ اس دور میں دونوں ادوار کے مروجہ افکار سے انکار کیا گیا۔ جس میں ڈوروتھی اور ور جینیا وُلف نے عورت اور مرد کے جملوں تک میں فرق ثابت کیا۔ مردوں کے ادب کو مرد اساس صحافت کہا اور عورتوں کے ادب کو تانیثی فکشن گردانا۔ میرا خیال ہے پیغام آفاقی نے Female phase کا ترجمان بنا کر نیرا کو ایک Cultural construct کے طور پر پیش کیا ہے جس میں موجودہ تانیثی منظر نامے کی بازگشت سُنی جاسکتی ہے۔ نیرا آج کے Showelter اور مشہور شاعر سلویا پلاتھ کی سوچ کی علامت بھی بنتی ہے۔ دنیا کے ادیب اپنے اپنے کونے میں کبھی کبھی ایک ہی طرح سے سوچتے ہیں مگر ترسیل کی کمی کی وجہ سے وہ اپنے اپنے مقام پر نظر انداز بھی کیے جاتے ہیں مگر یہی آواز جب مل جاتی ہے تو متن بین الاقوامی شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔

مکان کی ہیروئن ''نیرا''، فلمی قسم کی بغاوت سے کوسوں دور ہے بلکہ وہ عورت کی جملہ خصوصیتوں کو لئے ہوئے اکیسویں صدی کی ایسی لڑکی نظر آتی ہے جس کے انقلاب

میں چیخ نہیں آج کی نیوکلیائی اور برقی ذہن کی کارفرمائی ہے۔ نیرا کی شکل میں عورت کا ساختیہ پیش تر ناولوں سے یکسر منفرد دکھائی دیتا ہے۔ آفاقی عورت اور مرد کے جنسی تفریق کے قائل تو نظر آتے ہیں مگر Gender کی بنیاد پر مرد اور عورت کی Cultural construct ثقافتی تفریق کے حق میں نہیں ہیں۔ نیرا جو میڈیکل کی طالبہ کی صورت میں پیش کی جاتی ہے، ڈاکٹر تو نہیں بن پاتی ہے مگر اپنے عصر کا ڈاکٹر ضرور بن جاتی ہے اور تہذیب انسانی کا پارکھ ضرور بن جاتی ہے۔ اگر کمزور ناول نگار ہوتا تو اس ناول کا نام ''نیرا'' ہی رکھتا۔ آفاقی صاحب کے اس کردار کو اردو کا منفرد اور اچھوتا کردار کہا جاسکتا ہے اور اس ناول کا ایک موضوع عورت کے اندر کی بے پناہ صلاحیتوں کا اظہار بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جسے مزید نئے امکانات سے ہمکنار کرنا اس ناول کا مقصد ہے۔

ناول کے عنوان سے بحث اس لیے بھی کرنی ضروری ہے کہ اس سے ناول کے Subject پر روشنی پڑتی ہے۔ ناول مقالہ نہیں ہے جو وحدانی معنی کا غماز ہوتا ہے۔ اگر اس ناول کا موضوع ناری کی بیداری ہے تو ناول نگار نے اس ناول کے مردوں کی زبان سے عورتوں کے لیے جو مکالمے سیٹ کیے ہیں وہ تابشی انقلاب کے لئے ہتھیار اور آتش زدگی کے لئے کسی ماچس کی تیلی سے کم نہیں۔ اسے پڑھ کر کوئی بھی عورت بغاوت پر اتر آئے گی۔ دیکھیے پولس انسپکٹر کمار سے نیرا کے متعلق کیا کہتا ہے:۔

''آپ دیکھیے تو رفتہ رفتہ تھانے اور کوٹ بھگاتے بھگاتے اور قدم قدم پر اسمارٹ نس کے استعمال کا موقع دیتے دیتے اور ساتھ ہی ساتھ چابکدستی سے اس کے اوپر دباؤ بڑھاتے بڑھاتے میں اس کے پرس کے پیسے اور آنکھوں کی جھجک سب کچھ چھین لوں گا اور پھر وہ دن آئے گا کہ ہماری ہر چوٹ کو وہ اپنی دونوں ٹانگوں کے بیچ روکے گی۔''

(مکان ص65)

دراصل نیرا اور اس کے مکان کو بنیاد بنا کر ایک ایسی کہانی لکھی گئی ہے جس کا سیاق وسباق نوکر شاہوں کے ذریعے ملک میں پھیلی زہریلی بدنظمی ہے نیرا جب اس کا شکار ہوتی ہے تو مکان آہستہ آہستہ منظر سے باہر ہو جاتا ہے اور مکان کی جگہ انسان کی بقاء کا مسئلۂ جانفزاں نیرا کا مقصد بن جاتا ہے۔ نیرا جو اپنے مکان کو کمار سے بچانا چاہتی تھی

ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ مکان کو اس دنیا کی پرکھ کا آلہ تصور کرنے لگتی ہے اور اسے اپنی جنگ میں مزہ آنے لگتا ہے۔ ایسے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناول مکان میں آخر کہانی کس کی کہی گئی ہے نیرا کی؟ یا اس مکان کی جو بے جان شئے ہے یا مکان کی کہانی ان لوگوں کی ہے جو ملک کے شہریوں کی نگہداشت اور پاسبانی کے لیے موٹی موٹی تنخواہوں پر رکھے گئے ہیں جو کرسی پر بیٹھتے ہی ایک مشین بن جاتے ہیں اور انہیں کسی بھی دکھی آتما کی پکار سنائی نہیں دیتی جیسا کہ نیرا کے دکھ کو اس کے پروبلم کو یہ لوگ اپنی تجارت کی منڈی سمجھتے ہیں۔ یہ کہانی کسی نیرا یا اس کے مکان کی بھی ہوسکتی ہے اور تیسری دنیا کے ان مسائل کی بھی جس نے لوگوں کے ذہنوں میں ایک نامعلوم خوف کا زہر بھر دیا ہے اور ان سے سچ کہنے سننے اور اسے برداشت کرنے کی صلاحیت چھین لی ہے۔ اس کہانی میں نیرا ان لوگوں کی آئیڈیل بنتی ہے جو چپ چاپ ظلم سہے جاتے ہیں اور مروجہ سماجی برائیوں کو رفو کر کے اپنا کام چلاتے ہیں۔ اس طرح نیرا کے کردار وعمل کی روشنی میں ناول نگار نے آج کے ہر اس آدمی کو عرفانِ زندگی اور اصولِ قدرت کی بحث میں کھینچ لیا ہے جسے کسی امید کسی مشورے یا اپنے حقائق کی تلاش ہوتی ہے اور جو اپنی جنگ میں تنہا ہوتا ہے۔

مکان کی تخلیق کا مقصد اس کے متن میں بھی موجود ہے جو اس طرح ہے۔ (۱) لوکل پولس ایک نام کا ہتھیار ہے (۲) کورٹ ایک ناکام ذریعہ ہے (۳) قانون کی کتابیں پیچیدہ ہیں (۴) حکومت الجھی ہوئی ہے (۵) ملک کے عوام کے ہونٹ بند ہیں۔ تو اس مسئلے کے حل کے لیے نئی دریافت کی ضرورت ہوگی۔

یہ وہ طرز احساس ہے جو پیغام آفاقی کے ناول کو مابعد جدید حالات کا اولین نقش بنا دیتا ہے یعنی ایک نئی بوطبقا کی شدید خواہش کا پیدا ہونا اور مروجہ حکومتی وانتظامی امور کے ناکافی بلکہ اس کی موت کا احساس ہونا تخلیقی سطح پر غالباً سب سے پہلے آفاقی نے اردو میں مابعد جدید رجحان کو پہلی بار جدیدیت کی سکہ بند روایتوں سے انحراف کرتے ہوئے اردو ریڈر سے متعارف کرایا تھا۔

اب تک کی بحث سے یہ پتہ تو چل ہی گیا کہ اس ناول میں سامنے کے معنی کے علاوہ معنی کی کئی ایک زیریں سطحیں بھی ہیں جو اس کو بڑے ادب کے زمرے میں رکھتی

ہیں۔ ہر ناول میں ابتدا اور خاتمہ یعنی کلائمکس ہوتا ہے مگر دنیا کے سارے ناول نگاروں کو ناول لکھتے وقت یہی مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ ناول شروع کہاں سے کرے اور اگر شروع کرے بھی تو اسے اختتام تک کیسے لے جائے کیونکہ کہانی نہ شروع ہو سکتی ہے نہ ختم کہانی تو وقت کے دریا میں پہلے سے رواں دواں ہے۔ ہر مصنف دریا کے بہاؤ میں کسی ایک پوائنٹ پر آملتا ہے اور پھر ایک پوائنٹ پر الگ ہو جاتا۔ یعنی ناول کے شروع ہونے سے پہلے ایک بسیط زمانہ گذر چکا ہوتا ہے اور ختم ہونے کے بعد بھی ایک بسیط زمانہ ہوتا ہے۔ یعنی نہ ابتدا مطلق ہے نہ انتہا مطلق۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ بیشتر ناول کا خاتمہ بدی پر نیکی کی فتح یا کسی اخلاقی پیغام پر ہوتا ہے۔ اتنا ہی نہیں ناولوں کی ابتدا اکثر کسی گاؤں یا شہر کے مناظر فطرت سے ہوتی ہے۔ نئے ناولوں نے اس سے گریز کیا ہے مکان میں بھی مروجہ ہیئت، تکنیک اور اسلوب سے Major Deviation دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً مکان کی ابتدا کچھ اس طرح ہوتی ہے:۔

''یہ ایک سنگین مسئلہ تھا۔ نیرا کا مکان خطرے میں تھا۔ اس کا کرایہ دار کمار اس سے اس کا یہ مکان چھین لینا چاہتا تھا۔'' (مکان ص (1))

ناول کا آخری جملہ کچھ اس طرح ہے:۔

''دیکھو کائنات ایسی ہی ہے اور یہی کائنات سے تمہارا رشتہ ہے۔'' (مکان ص 400) ویسے تو ہر جملہ ایک کہانی ہوتا ہے لیکن ناول کا جملہ سرے سے ہی کہانی Story oriented ہوتا ہے۔ مثلاً اب ناول کے ابتدائی جملوں سے سوال کر کے دیکھئے آپ کو اس کے پیچھے ایک کہانی ملے گی مثلاً سنگین مسئلہ کیا تھا؟ اس کا جواب ایک کہانی ہے۔ مکان خطرے میں تھا۔ کس کی وجہ سے خطرے میں تھا؟ یہ ایک کہانی ہے۔ کمار نیرا سے اس کا مکان چھین لینا چاہتا تھا، چھین سکا یا نہیں، جیسے سوالات قاری کے ذہن میں تجسس پیدا کرتے ہیں جو کئی طرح کی کہانیوں کی فضا بناتے ہیں جیسا کہ اس کی ایک صورت مکان ہی ہے۔

آپ نے ایسے بہت کم ناول یا افسانے پڑھے ہوں گے جس میں ناول نگار کہانی اس طرح بیان کرے کہ شروع میں ہی ناول کے دو بڑے کردار سامنے آجائیں اور کہانی

کا (Suspense) تجسس قاری پر واضح بھی ہو جائے یعنی مصنف اپنے پیر پر کلہاڑی مار لے اور قاری یہ آسانی سے سوچ لے کہ بھائی اس ناول کی کہانی کیا ہے بس اتنی سی بات ہے کہ ایک نیرا تھی اس کا کرایہ دار اس سے مکان چھین لینا چاہتا تھا اور یہی ہوا ہوگا کہ یا تو مکان پر اس کا قبضہ ہو گیا ہوگا یا اس عمل میں وہ کامیاب نہ ہو سکا ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفاق کیا اتنی سی بات نہیں جانتے کہ کہانی اس طرح شروع کرنے کی وجہ سے ان کے ناول سے قاری کی دلچسپی کم ہو جائے گی؟ لیکن ایسا کچھ نہیں کہانی کا پہلا جملہ ہمیں سنجیدگی سے ناول کے صفحات یکے بعد دیگرے پلٹنے پر اکساتا ہے کیونکہ یہاں یہ اہم نہیں کہ کمار نامی ایک کرایہ دار نیرا کا مکان چھیننا چاہتا تھا نہ اس قصے کو بیان کرنا اس ناول کا مقصد ہے بلکہ مکان پر قبضہ کرنے اور نیرا کا اسے بچانے کے درمیان سنگین مسائل ہیں جو اس ناول کی اصل کہانی ہے اور مکان اور اس پر قبضہ کرنے کا واقعہ اس ناول کا وہ منظر ہے جس کو بنیاد بنا کر آج کے انسانوں کے چہرے، ان کے معاشرے اور ان کے طرز حیات کی بازیافت کی گئی ہے۔ لہٰذا ان سنگین مسائل کو اور اس سے نبرد آزما اشخاص کے طرز حیات کو جاننے کے لیے ناول کا پڑھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ دراصل ناول کہانی کے لیے پڑھا بھی نہیں جاتا اور بطور کہانی اس ناول کو پڑھے جانے کی گنجائش بہت کم ہے۔

آپ کہیں گے کہ ناول میں کہانی اہم ہوتی ہے۔ کہانی نہیں ہوگی تو آپ اسے کیوں پڑھیں گے۔ یہی نہیں کہانی میں رکاوٹ بھی آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ آپ نے بچپن سے لے کر آج تک جو کہانیاں پڑھی ہیں اس نے کہانی کے ایک خاص طرز کا آپ کو عادی بنا دیا ہے جب کہ دو بیلوں کی کہانی بھی ایک مقصد اور ایک فلسفے کے تحت ہی لکھی گئی تھی جس پر آپ کم سوچتے ہیں۔ مثلاً دو بیل ہندو اور مسلم ہیں جنہیں جنگ آزادی کے تناظر میں بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان میں کون سے معنی بند ہیں۔ دراصل ہمارے ذہن میں کہانی اور اس کے بیانیے کی روایتی شناخت کا انمٹ نقش ہے اور سچا ناول مذکورہ بالا خصوصیات کو ایک Tool سمجھ کر اسے استعمال کرتا ہے۔ یعنی ناول میں کہانی ناول کا مقصد نہیں چراغ راہ ہے جیسے اس ناول میں مسئلوں کو کہانی کی صورت دی گئی۔ مسئلہ ذات و کائنات، مسئلہ انسانی وجود، مسئلہ حیات، روٹی روزی کا مسئلہ

کائنات اسی کو کہتے ہیں اور کائنات کا دوسرا نام مسئلہ ہے اور انسان سے کائنات کا رشتہ انہیں مسائل سے جوجھنے کا رشتہ ہے۔ ہمیں انہیں مسائل نے جنم دیا ہے۔ اس ناتے دنیا کے ہر انسان اطفال مسائل ہیں اور بقول غالب

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

اور کائنات کیا ہے بقول ناول نگار "کائنات ان پہاڑی وادیوں کی طرح ہے۔ تم اپنی جگہ بدلتی ہو تو تمہارے لیے اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ تم اس کے قدموں تلے آؤ گی تو یہ تمہیں کچل دے گی تم اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاؤ گی تو تم کو زندگی بلندیوں کی سیر کرائے گی۔ سپاٹ منظروں سے نکلو اور ان پہاڑیوں کی سیرو — دیکھو کائنات ایسی ہے اور یہی کائنات سے تمہارا رشتہ ہے۔" انسان اپنے مسائل کو سمجھ لے اپنے آپ کو جان لے تو پھر کائنات سے وہ اپنا مثبت رشتہ قائم کر سکتا ہے ورنہ وقت کے بے رحم پہیے تلے وہ کچل دیا جاتا ہے۔ اس ناول کا سنگین مسئلہ ابتدا اور انتہا یعنی ناول کے شروع اور آخر کے جملے سے ایک گہرا ربط پیدا کر لیتا ہے اور ناول کا آغاز انجام اور انجام آغاز بن جاتا ہے اور کہانی زمان و مکان کے دائروی فلسفے کی روح میں اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح اس ناول کے شروع اور اخیر کے جملوں میں گہرے فلسفیانہ شعور اور زندگی کرنے کا نیا آہنگ تشکیل پاتا ہے۔ اس لیے ناول نگار ٹھہر کر گزرے ہوئے واقعات کو مڑ کر دیکھتا ہے یہاں میرا اشارہ ان صفحات کی طرف ہے جہاں طویل مکالمے طویل بات چیت کی ساختیں ناول میں دکھائی دیتی ہیں۔ یعنی واقعات ٹھہر کر تھوڑی دیر رقص کرتے ہیں اور قاری وہاں تب بوریت محسوس کرتا ہے جب اس کے پلّے کچھ نہیں پڑتا ورنہ ذہین قاری وہاں پڑاؤ ڈال کر ذہن میں طوفان مچانے والے افکار و تصورات کے رقص میں دل و جان سے دلچسپی لیتا ہے۔ اگر آپ ایک قاری ہیں اور ایسے مقامات پر جہاں کہانی آپ کے لیے رکی ہوئی محسوس ہو تو آپ صفحات پلٹ کر کہانی پر آجائیے اور انجام جان لیجیے لیکن آپ کے ہاتھ کیا آئے گا بس اتنا کہ باوجود اپنی تمام کوششوں کے کمار نیرا کا مکان اس سے نہیں چھین سکا مگر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ ان کرداروں کے اندرون میں تجربات سے پیدا شدہ جو فلسفۂ زندگی تھی، اس کی نوعیت کیا تھی اور اس کا ارتقا کیونکر ہوا۔ مثلاً ہر ذہن میں

اٹھنے والے سوالات کا جواب مکان میں کس نوعیت کا ہے جیسے ہماری ذات کیا ہے؟ ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟ کس کے پاس ہے؟ کیا جو شئے ہمارا ہے وہ صرف ہمارا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض مکان کے شروع اور اخیر کے جملے میں فن کارانہ ربط ہے جس سے پورا ناول انسان اور کائنات کے رشتے کی نوعیت کی وضاحت کا استعارہ بن جاتا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ پیغام آفاقی نے ناول کی تکنیک میں ایک انوکھا تجربہ کیا ہے۔ آیئے اس ناول کی تکنیک پر بھی ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس کہانی کا بیان کنندہ صرف ناول نگار کی ذات نہیں ہے۔

یعنی کہانی راوی کی زبانی واحد غائب کے صیغے میں۔ کیا پوری کہانی راوی بیان کرتا ہے؟ نہیں۔ یعنی راوی کی ہمہ وقت موجودگی اس کے جبر کا احساس اس کہانی کے بیانیے میں محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ کہانی کے بعض حصے کرداروں کی زبانی ہے۔ کچھ جگہوں پر خطوط نگاری کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ نیز خواب کے سہارے بھی کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ناول میں یکسانیت یا ایک لہجے کی تکرار نہ پیدا ہو اس لیے مسائل مختلف Narrative Strategies کا سہارا لیتے ہوئے بیان کئے گئے ہیں۔ تا کہ (Monotonous style) اکتا دینے والے انداز سے الگ منتشر آہنگ پیدا ہو نیز ایک خاص طرح کی Heteroglossia کی فضا پیدا ہو جو فکشن کی جان ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اردو کے تمام ناولوں میں جہاں کرداروں کے سراپا کا بیان ملتا ہے اس ناول میں نیرا جو مرکزی کردار ہے کے سراپا کا کہیں کوئی ذکر موجود نہیں ہے پھر دوسرے کرداروں کی تو بات ہی الگ رکھئے۔ ایسا کیوں ہے؟

صفحہ 133 پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ نیرا ڈائری لکھ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں کہیں کہیں راست طریقے سے کہانی آگے بڑھتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ "لکھتے لکھتے اس کے قلم رک گئے اور وہ اب پھر ایسے لکھنے لگی جیسے اپنی کہانی لکھ رہی ہو اپنے بارے میں لکھ رہی ہو۔" اس لیے کہ اس ناول کا مقصد کرداروں کے ذہن کی کہانی لکھنا ہے اور ان کے ذہن کی تفسیر سے نیرا یا دیگر کرداروں کا سراپا قاری خود بخود Visualize

کرلیتا ہے۔یعنی کرداروں کے ظاہری حسن کے بیان سے یہ ناول انحراف کرتا ہے۔

ناول کے ابتدائی چند جملے کو اس کہانی کا One Line Story بھی کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح صفحہ 26 پر اس کہانی کی Thesis موجود ہے مندرجہ ذیل جملے پڑھیں اور غور کریں۔

''اس کی (نیرا کی) اصل لڑائی کس سے تھی؟ اس کی اصل لڑائی دراصل یہ تھی کہ اس کے ایک طرف پردہ در پردہ گھٹی زندگی تھی اور دوسری طرف پردہ در پردہ گندھا ہوا کیچڑ تھا اور وہ بیچ میں ایک ایسی چیز پر کھڑی تھی جو کسی بیلٹ کی طرح تھا جو مسلسل کیچڑ میں بڑھ رہا تھا اور وہاں رکے رہنے کے لیے اسے زندگی کی طرف تیز تیز دوڑتے رہنا تھا۔''

(مکان ص 26) (استعاراتی لہجہ)

پیغام آفاقی نے کئی ایک مقامات پر ناول کے Vision سے متعلق نادر خیالات کرداروں کی زبانی اور خصوصاً نیرا کی زبانی پیش کیے ہیں۔ مثلاً ص 121 پر نیرا اپنے کردار کی نوعیت کے بارے میں بتاتی ہے اور گھسے پٹے انداز کے برعکس اپنے کردار کو بدلنے کی بات کرتی ہے۔ ص 34 پر وہ ایک ڈائری نگار بن کر ابھرتی ہے اور خود سوانح نگار کے علاوہ اپنی کہانی لکھنے کا دعوی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ص 167 پر آفاقی اپنے تصورفن کی وضاحت نیرا کی زبانی کرتے ہیں کہ میں صرف سیدھی لکیر پر، سامنے کے ہلکے مسائل کی کہانی میرا مقصد نہیں بلکہ میں تو چھوٹے چھوٹے واقعات کو جمع کرکے کہانی بننے کا قائل ہوں اور اسی کے ساتھ Crude Realism کو اپنے فن میں پیش کرنا اہم سمجھتا ہوں۔

جدیدیت نے کہانی پن کو بری طرح سے مجروح کیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بعض ناول اور افسانے تاریخی اور فلسفیانہ مقالے بن گئے تھے مثلاً ''آگ کا دریا'' اور خوشیوں کا باغ وغیرہ مگر مکان میں ان رویوں پر بھرپور تنقید ملتی ہے۔ مکان سے پہلے ناول اور افسانے میں شعور کی رو ایک ایسا امرت تارہ بن گیا تھا جو ہر شخص کو دکھائی دیتا تھا نیز شعری رویوں کو نثر میں گھس کر اپنا کرتب دکھانے کا بھی اچھا خاصا موقع ہاتھ لگ گیا تھا۔ اپنے ناولوں میں شاعرانہ نثر لکھنے والے یہ نہ سمجھ سکے تھے کہ نثر میں جذبوں کا گذر تو ہوتا ہے مگر یہاں جذبات کا تجزیہ ہوتا ہے، محض جذبات نہیں ہوتے۔ شعر میں جذبات محض حسن ہے۔

یہ سچ ہے کہ ناول کا اپنا کوئی مخصوص اسلوب نہیں ہوتا جیسا کہ شروع میں اشارہ کیا گیا ہے، مگر بڑا ناول نگار مروجہ اقسام اسلوب کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے ناول کی دنیا کو Visualize کرتا ہے اور اس مخصوص دنیا کے بیان کے لیے کم سے کم ایک ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے جس میں ندرت، نیاپن، اجنبیت اور قارئین کے لیے حیرت کے سامان ہوتے ہیں۔ یہاں پر وہ نثر ہوتی ہے جو مروجہ نثری اسالیب میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتی ہے۔ اضافہ کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ جس عہد میں ناول نگار ناول لکھتا ہے اس عہد کی زبان و اسلوب سے وہ Devialion انحراف کرتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسے کرداروں کے اعتبار سے ان کی زبان لکھنی پڑتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ خود ناول نگار کی ذات، اس کے گہرے مشاہدات، سمجھ میں نہ آنے والے اس کے اپنے نجی تجربات، مشاہدات جس کا موجودہ زبان میں اظہار مشکل ہوتا ہے اور اسے نئی زبان خلق کرنی پڑتی ہے۔ جیسے ناول میں کسی دس سالہ یا پانچ سالہ بچے کی سوچ کا بیان اس کے کردار کا بیان۔ سزائے موت کے قیدی کی سوچ کا بیان، کسی عورت کی نجی سوچ، خود اپنی بعض مایوس لمحوں کی تصویرکشی وغیرہ وغیرہ۔ ناول کی تنقید ان باتوں سے صرف نظر نہیں کرسکتی۔

مکان کا پلاٹ پیچیدہ ہے۔ یہ سیدھی لکیر کا ناول نہیں ہے کیونکہ پہلے میں بتا چکا ہوں کہ کہانی کے شروع میں ہی ناول نگار نے اس کا انجام بتادیا ہے مگر پھر بھی تجسس برقرار ہے اس تجسس کو ہر باب میں رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر باب میں قاری کو ایک نئے تجسس سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس ناول میں پلاٹ کے اہم اجزا— ''تصادم'' (Conflict) سے خوب کام لیا گیا ہے یہ تصادم کسی کردار سے نہیں بلکہ اپنی ذات کے کسی خاص Element یا (ضمیر) سے ہوا ہے۔ جیسے Dcp آلوک کا اپنے اندر کی تبدیلیوں کو محسوس کرنا نیرا کا ہر لمحہ اپنے آپ کا محاسبہ کرتے رہنا اور خود کلامی۔ کہانی جس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے اس میں کامیابی کا واضح اشارہ نہیں ملتا۔ مقصد کا دوسرے مقاصد کا اشاریہ بن جانا اور کہانی قاری کے پسند کے مطابق انجام تک نہیں پہنچنا یعنی کسی طرح سے پر جسے ہم Dishone style in plot کہتے ہیں اور کہانی کا کسی poetic justice پر عمل پیرا نظر نہ آنا یعنی اس ناول میں ہر اقسام کے Meta Narrative سے گریز کرتے ہوئے نئی

حقیقت پسندی کی طرف مراجعت کی گئی ہے۔

مکان میں عشق یا افلاطونی عشق سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے۔ کرداروں کو ٹائپ بنانے کے بجائے انہیں تکنیکی تشکیل اور بہت حد تک لسانی تشکیل کا پروردہ بنایا گیا ہے یعنی Human being کو word being کی صورت میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ آج گئو دان کے مہتا صاحب اور نذیر احمد کا کلیم یا نصوح سارے لوگ اب word being ہی لگنے لگے ہیں جو کسی خاص آئیڈیلوجی کی پیداوار تھے۔ (Han Being میں Man ہے یعنی یہ لفظ بھی مرد اساس معاشرے کی پیداوار ہے ملحوظ رہے کہ Language speaks not the man.)

دراصل مکان میں صنفی حدود سے تجاوز کا منظر نامہ ہے۔ پلاٹ ہوتے ہوئے بھی پلاٹ کے فقدان کا سا منظر، نہ خالص تجریدی نہ مکمل طور پر Cause and efect والا بیانہ۔ البتہ اس کی نثر پر (Expressionism) اظہاریت کے نقوش نظر آتے ہیں کہ وہ کمار ہو کہ الوک یا نیرا جب سوچنے پر آتے ہیں تو انتہائی چھوٹے چھوٹے مسائل، چیزوں پر بھی گہری اور فلسفیانہ نگاہ ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ آفاقی ایسے موقعوں پر قاری پر بھی ایک نظر ڈال لیتے ہیں اور اس سے پہلے کہ قاری بوریت محسوس کرے وہ کہانی کو باتوں باتوں میں آگے بڑھا دیتے ہیں۔ مکان کے ناقدین/ قارئین اس کے طویل مونولوگ کو کہانی میں خارج بتاتے ہیں۔ اس طرح کی شکایت جن لوگوں کو ہے انہیں پودھوریز (Podhorez) کے اس بیان پر نگاہ رکھنی چاہئے جو اس نے James Baldon کے ناولوں اور اس کی غیر افسانوی نثر کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی تفتیشی نثر (Discursive Prose) زیادہ تخیلی، زیادہ ایماندارانہ، زیادہ مالدار اور زرخیز ہے۔ آج کے ناقدین کو Copote کی اس رائے پر بھی دھیان دینا ہوگا کہ آج کا ناول مصنف کی ذات کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ (دیکھیں کتاب فکشن کی تنقید، عابد سہیل ص 24,22) مکان پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس میں Slacks کی کثرت ہے لیکن واضح رہے کہ Slacks کا اطلاق نثر پر کم شاعری پر زیادہ ہوتا ہے۔ نثر میں انسانی تجربوں کا منظر نامہ ہوتا ہے، معلومات ہوتی ہے۔ دوران بیان تیر رو وقت جذبات کے تجزیوں کی شدت ہوتی ہے اس لیے Slacks فطری

طور پر بھی آجاتے ہیں اس قسم کی کمی اردو کے چوٹی کے ناولوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس ناول نے ہیرو، ہیروئن، ویلن کی تخصیص کو رد کیا ہے اور انسان کا مطالعہ ایک نئی نفسیاتی درون بینی کے تحت کیا ہے اس لیے بظاہر اشوک جو اس ناول کا ویلن کہا جاسکتا ہے اور الوک جسے ہیرو کہا جاسکتا ہے دونوں ایک خاص موقع پر ہیرو کے بجائے ویلن اور ویلن کے بجائے ہیرو بھی نظر آتے ہیں کیونکہ آج کے انسان کی تفہیم بہت مشکل ہے۔ آہستہ آہستہ پورا سماج Corrupt ہو چکا ہے۔ ہیرو اور ویلن کا تصور ایک مہابیانیہ بن چکا ہے جس سے مابعد جدید سماج از کار رفتہ تصور کرتا ہے۔ اردو کے چند ایک ناول ہی بہ شمول مکان ایسے ہیں جس میں اس قسم کی قطعیت کہ ایک ہیرو ہوتا ہے ایک ویلن ہوتا ہے اب موجود نہیں ہے۔ مطلقیت اور قطعیت صرف خدا میں ہوسکتا ہے اور ہے۔ آدمی کو سیاق وسباق میں دیکھئے۔ آدمی بھی ایک متن ہے صرف ناول یا کوئی کتاب ہی متن نہیں اس لیے متن/ آدمی سے ایک ہی معنی مراد لینا کسی مخصوص نقطۂ نظر سے ہی آدمی کو دیکھنا مضحکہ خیز لگتا ہے۔ انہیں جتنی بار دیکھئے گا اتنی بار شکلیں بدل کر آپ کے سامنے آئیں گے کیونکہ۔

ہر آدمی میں ہوتے ہیں دس بیس آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہو کئی بار دیکھنا

All Individual Character Exists Conditionally and Temporily and hence is Relative.

پیغام آفاقی نے اسی Angle سے اس ناول میں اشیا اور افراد کو دیکھا ہے جس میں کہیں کہیں وہ آدرش کا ملمع چڑھا کر چوک بھی جاتے ہیں مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی کمی کا احساس کرتے ہیں اور کچھ اکھڑے اکھڑے سے بھی ہو جاتے ہیں۔ الوک کے سارے معاملات، ذہنی تناؤ کو ناول میں ایک بار اور دیکھئے تو مندرجہ بالا باتوں کا اندازہ ہو جائے گا۔ آفاقی صاحب نے یقیناً اس ناول کے ذریعے واقفیت سے لبریز حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے اور ناول میں غیر آدرش وادی ماحول پیدا کیا ہے جس کے چار ناقابل فراموش کردار کمار، آلوک، اشوک اور نیرا کے داخلی مکالموں سے ناول کی تجسیم ہوتی ہے۔ اس میں نیرا کا طرز احساس روح کی طرح رواں دواں نظر آتا ہے۔

مکان میں اس بات پر آنسو بہانے کے بجائے کہ کیا ہوا؟ اور کیا ہے؟ اور کیا ہوا کرتا تھا؟ جیسا کہ قرۃ العین حیدر وغیرہ کا کام ہے یا پرانے خطوط پر نئی سنسناہٹیں ایجاد کرنے کے بجائے آفاقی آج کے مظلوم لوگوں کو ایک راستہ فراہم کرتے ہوئے Futuristic Approach کے ناولسٹ نظر آتے ہیں۔ مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمیں کسی ناول کا مطالعہ کرنے سے پہلے حسب ذیل نکات، سوالات کو سامنے ضرور رکھنا چاہئے جو میرے ذہن میں اس ناول کی قرأت کے بعد آئے:۔

۱۔ ہر کہانی مکمل بننے کے بارے میں ہوتی ہے یا مکمل بننے میں ناکامی کے بارے میں؟

۲۔ ناول کے کردار صرف کردار نہیں اس ناول کے طے شدہ قاری بھی ہو سکتے ہیں مثلاً مصنف کا ہمزاد پہلا قاری ہوتا ہے۔ نقاد کو پہلے ان قارئین کو نظر میں ضرور رکھنا چاہئے کہ وہ اس متن میں آزادی برقرار رکھ پائے ہیں یا نہیں یا مصنف نے انہیں جبراً جہاں چاہا ہے وہاں ٹھونس دیا ہے؟

۳۔ نقاد کو ناول کو پرکھتے وقت پہلے ان کرداروں کے اعتبار سے ناول کو دیکھنا چاہئے جنہیں مرکزیت عطا کی گئی ہو مثلاً نیرا کی نظر میں ''مکان'' کیا ہے؟

۴۔ اشوک کی نظر میں مکان یا عنوان کے معنی کیا ہیں؟

۵۔ الوک کا ''مکان'' سے رشتہ۔ یعنی کرداروں کے تصادم کا مقصد اور عنوان سے اس کا رشتہ۔

۶۔ ناول نگار نے اپنے عنوان ''مکان'' سے کس نوعیت کی وابستگی قائم کی ہے؟

۷۔ ناول میں Heteroglot Language کس درجے کی پیدا ہوئی ہے اور اردو نثر میں اس سے کیا اضافہ ہوا ہے؟

۸۔ شاعری کا استعمال، تخیل کا بے جا استعمال تو نہیں ہوا ہے؟

۹۔ ناول نگار نے اشیاء کو کیا اس طرح سے دیکھا ہے جس طرح سے قاری نہیں دیکھ سکتے یا نہیں سوچ سکتے یا نہیں بیان کر سکتے۔ اس کے لیے ناول کی زبان کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔ اس کے ساتھ یہ دیکھنا چاہئے کہ جملہ کرداروں کی نگاہ میں اہم کیا ہے اور وہ کس طرح کی زندگی جینا پسند کرتے ہیں اور اگر وہ بذات خود ناول نگار ہوتے تو کیا وہ ناول میں اس طرح نظر آتے جس شکل میں ناول نگار نے انہیں پیش کرنا چاہا ہے۔ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر آدمی برا ہوتے ہوئے بھی برائی کو Justyfy نہیں کرتا۔ اور وہ طرح طرح کی زندگی جیتا ہے اور ناول نگار اکثر انسانوں کو ایک ٹائپ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۱۔ ناول کا عنوان ناول کے Texture سے اور مجموعی تاثر سے لگا کھاتا ہے یا نہیں۔

۱۲۔ ناول کا مکالمہ اور بیانیہ الگ ہے۔ بیانیہ نثر مقام، ماحول، اس ماحول کی اشیاء کو کس طرح گرفت میں لیتی ہے۔

۱۳۔ اگر نثر کی جملہ اقسام سے بھرپور کام (جتنا کہ کہانی کے Subject کا تقاضہ ہے) لیا گیا ہے یا نہیں یا ناول نگار کا اپنا لہجہ اپنا خیال اور اس کی زبان کو ہر جگہ تھوپا گیا ہے۔

۱۴۔ جہاں تحقیق ضروری ہو وہاں تخیل سے ہی فقط کام ناول نگار نے لیا ہے یا اشیاء پر تحقیقی نگاہ ڈالی ہے۔

۱۵۔ کوئی بھی ناول بے مقصد نہیں ہوتا کیونکہ نثر کو مقصد سے منہا کر کے زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ یہی مقصد ناول میں ہر کردار پر لپکتا ہے اور یہی ناول کا اصل ہیرو ہوتا ہے۔

۱۶۔ ہر ناول اپنے حصے کی نئی زبان ساتھ لاتا ہے۔

۱۷۔ مضمون نگار کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیش کردہ حقیقتوں میں کس کی طرف ہے اگر یہ معلوم نہ ہو کہ مضمون پیش کرنے والا کس کی طرف ہے تو ناول بنتا ہے۔ ناول میں ایک غیر یقینی صورتحال سے یقینی صورتحال کی طرف مراجعت کا منظر نامہ ہوتا ہے۔

۱۸۔ ناول میں حتیٰ کہ کریہہ سے کریہہ یا المیہ سے پُر جذبات کو بیان کرتے وقت بھی جذباتی نہ ہونا ایک بڑی خوبی ہے کیونکہ ناول اپنے اجزائے ترکیبی کی وجہ سے

نہیں بلکہ اپنے خالق کے فلسفۂ حیات اور بصیرت افروزی کی وجہ سے زندہ جاوید فن پارہ بنتا ہے۔

اردو ناول کا تقابلی مطالعہ انگریزی ناولوں سے معلومات کے لیے کیا جائے معیار سازی کے لیے نہیں کیونکہ ہمارے یہاں ناول ہماری کہانوی اصناف سے غیر شعوری طور پر قریب ہوگی نہ کہ وہاں کی مستعمل تکنیکوں مثلاً شعور کی رو کا استعمال اندھادھند کیا جائے گا۔ جیمس جوائس کو یا ورجینیا ولف کو اظہار کی سطح پر اس کی ضرورت پیش آئی تھی ہمارے یہاں اس کا استعمال کس ضرورت کے تحت ہوا اس کی وضاحت نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے ہمارے ناول نگار فارمولا پسند ہوجاتے ہیں اور ورجینیا ولف وغیرہ فارمولا ساز۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ ان دنوں مغرب میں کمزور ناول لکھا جارہا ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ مغرب کے پاس تکنیک ہے مگر موضوعات ہمارے یہاں زیادہ ہے۔

۱۹۔ پلاٹ اور اس کا اہم عنصر ''دلچسپی'' ناول میں جواز، واقعیت کا روپ اختیار کرلیتی ہے دلچسپی کہانی، حکایت اور داستان کے لیے ضروری ہے۔ ناول میں کہانی یا دلچسپی اس طرح اہم نہیں ہوتی جس طرح تمثیلیہ میں کہانی اہم نہیں ہوتی ـــــ وہ تصور جو کہانی کے ذریعے اخیر میں قائم ہوتا ہے، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ دراصل ناول ایک ایسا تفکیری وتحقیقی مقالہ ہے جسے کہانی کے انداز میں بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ مخصوص تصورات، افراد اور معاشرے کی شکل میں تصور زمان ومکان کے دائرے میں چلتے پھرتے نظر آئیں۔ ناول میں کہانی یا بیانیے کا اہم کام اسی ربط کی تلاش ہے۔

۲۰۔ کیا ناول نگار نے کسی المیے کے ذریعے رونے دھونے کا منظر خلق کیا ہے ایسے ناول نگار قاری کے جذبات کو Cash کرنا چاہتے ہیں۔

ناول نگار نے ''نیرا'' کے کردار کی تصویر جن روزمرہ اور محاورے کی مدد سے بنائی ہے اس نے نیرا کو ایک حقیقی کردار میں تبدیل کردیا ہے۔ ایسا لگتا ہے مصنف اس کردار سے شب وروز ملتا رہا ہو۔ نیرا کے اندرون یعنی باطن کی منظر نگاری ہی ناول نگار کا اہم مقصد معلوم ہوتا ہے اس لیے اکثر مقامات پر داخلی خودکلامی کا استعمال کیا گیا ہے۔ نیرا کی خودکلامی بلکہ خطابیہ خودکلامی ملاحظہ فرمائیں:۔

تم سمجھتے ہو کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں! میں عورت ہوں میں ایک سمندر ہوں کہ جس میں پورا کا پورا پہاڑ غرقاب ہوسکتا ہے لیکن میں جو کچھ اپنے اندر سمیٹتی ہوں اس سے نئی چیزیں جنم لیتی ہیں۔'' (ص 77)

درج ذیل مصنف کا بیانیہ مذکورہ بالا مشاہدے کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔:-

اب وہ پوری سوسائٹی کو ہی نہیں پوری کائنات کی ریڑھ کی ہڈی پکڑ کر اسے دبوچ لینا چاہتی تھی وہ نیرا، کمار، الوک کو ایک قطار میں سب کو کھڑا کرکے صاف صاف دیکھ لینا چاہتی تھی ص 106)

''مکان'' نیرا کے لیے تہذیب کا بدل ہے یا تہذیب کا استعارہ ہے۔ اس لیے نیرا کی جنگ تہذیب کے تحفظ کی جنگ ہے۔ ناول نگار نے اس لیے اس ناول میں کسی مرد کردار کو مرکزیت عطا کرنے کے بجائے مرکزی کردار ایک عورت کو بنایا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت ایک بار اور پڑھیں اور پھر مندرجہ ذیل عبارت:ــــ

''تم سمجھتے ہو کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں! میں عورت ہوں، میں ایک سمندر ہوں کہ جس میں پورا کا پورا پہاڑ غرقاب ہوسکتا ہے لیکن میں جو کچھ اپنے اندر سمیٹتی ہوں اس سے نئی چیزیں جنم لیتی ہیں ـــ میں کوکھ ہوں ـــ میرے اندر جوکس پیدا ہوتا ہے وہ محض خیال نہیں ہوتا......''

(ص 77 مکان) کوکھ کائنات کے فارم کا استعارہ ہے۔

نیرا کی زندگی میں مخالف جنس کے لیے کوئی پیار یا رومانی جذبہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی زندگی کے بہت قریب راکیش اور بعد میں ڈی سی پی الوک آتا ہے پھر کمار تو خود اس کا کرایہ دار ہی ہے مگر ان تینوں سے نیرا کا کوئی جنسی رشتہ قائم نہیں ہوپاتا۔ دوسرے ناولوں میں یہ ممکن تھا کہ یا تو نیرا کمار کو اپنے پیار کے جال میں الجھا کر کمار کو مخالف بنانے کے بجائے موافق بنالیتی، مگر کمار تو شادی شدہ ہے! راکیش اور الوک اس ناول کے ہیرو

بھی بن سکتے تھے مگر ناول نگار نے ناول کی گہری ساخت کے ذریعے یہ باور کرایا ہے کہ مرد اساس معاشرے نے کس طرح سے انسانوں یعنی مردوں کے اندر سے ان کے بنیادی جوہر کو چھین لیا ہے یعنی کاروباری اذہان سے بھری اس دنیا میں شاید محبت کا جذبہ دم توڑ چکا ہے۔ ناول نگار نے اس طرف بھی قاری کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی ہے کہ اب عورت ہی ایٹم بموں پر بیٹھی دنیا کو بچا سکتی ہے۔

نیرا بنیادی طور پر گاؤں سے تعلق رکھتی ہے مگر ناول نگار کا یہ جملہ کتنا بڑا طنز ہے کہ۔ ''گاؤں کے لیے شہر ترقی کا ایک سامان ہے۔'' نیرا کو اپنے آپ کو شہری بنانے میں وقت لگا۔ ناول نگار نے لکھا ہے کہ نیرا اس برق رفتار زمانے پر فتح حاصل کرنے کے لیے کمار اور اشوک جیسے بھیڑیوں سے خود کو بچانے کے لیے سوچتی رہتی تھی کہ کیسے وہ بغیر جسم کے جی سکتی ہے۔ یہاں ناول نگار عورت کے ساختیے کی نفسیات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ہندی کی ایک مشہور شاعرہ سویتا سنگھ اپنی ایک نظم بہ عنوان ''گریما مے جیون'' کے بارے میں ایک بند میں لکھتی ہیں کہ ۔

وہ سوچتی رہی لق ودق جیون کے سنہرے روپ پر
ایک دن اسے لگا یہ دیہہ ہی اصل جڑ ہے
جیون میں ہر غلاظت کی
اور وشو میں بیاپت ہر کھو کھلے پن کو جیسے
وہ سمجھ گئی
دیر تک وہ پھر پر پھلچت رہی (اپنے جیسا جیون ''سویتا سنگھ'')

''سویتا سنگھ'' کی سوچ سے نیرا کو جوڑا جائے تو آج کی تانیثی تحریک یعنی ناری واد کی ایک واضح تصویر بنتی ہے۔ ناول نگار اور دوسری طرف اس مشہور شاعرہ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ آج کی عورت کو اپنے جسم سے پرے اپنے دماغ کی طرف دیکھنے کا ہنر آ گیا ہے نیرا کی یہ سوچ ثابت کرتی ہے کہ وہ دماغ بن کر جینا چاہتی ہے کیونکہ وہ ایک سائنس پسند عورت ہے۔ وہ عورت کے اس روایتی فارم سے انکاری ہے جو آج اس کے ارتقا کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہے۔ یہاں تک وہ ایک ایک کر کے سماج کے جملہ آئیڈیلوجی، قانون

(Codes) کو جلا دینا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ ماچس کی تیلی سے یکے بادیگرے جلاتی ہے پہلے سچائی کو اور اپنی عظمت کے سارے code کو۔ ناول کے یہ جملے دیکھیں ۔

سچائی کے نام — جو ایک نہیں ہوتی اور جس کا کوئی قد متعین نہیں ہوتا۔''
اپنی عظمت کے نام — جو خوف کو جنم دیتی ہے۔''

اپنی صدیوں کی صورت، مقام، خوف، پاکیزگی وغیرہ کو بھی آگ لگا دینے کا حوصلہ نیرا میں جب پیدا ہوتا ہے تو مرد اساس معاشرے کے اذہان پر خوف کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عورت جب اپنی عظمت اور لاج کا خوف اپنے جسم سے اتار پھینکے تو مردوں کے لیے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف سرکار قانون، دوسری طرف سماجی بندشیں دونوں میں پس رہی آج کی عورت کا نیرا کے روپ میں ابھرنا کوئی اچنبھا نہیں جو اپنے کو عورت ہونے پر کوس رہی ہیں اور اپنی حیثیت کو بدلنا چاہ رہی ہیں۔ یعنی نیرا ہمارے سماج سے انتہا درجے کی نفرت کرنے والی وہ عورت ہے جس کی نظر میں سماجی نشانیات (Social Simiotics) کی موت ہو چکی ہے جس کا داہ سنسکار خود وہ اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتی ہے۔ وہ دوسروں پر منحصر زندگی جینے کے اصول کو جلا کر دوسروں سے مدد کی امید نیز افریاد، ہمدردی کی امید سب کو جلا کر ایک طاقت بننا چاہتی ہے۔

''آج میں آگ کے شعلوں میں سارے جراثیم جلا آئی ہوں۔''

اس ناول میں کہیں کہیں آفاقی نے ایسے ایسے منظر تخلیق کیے ہیں جسے پڑھ کر آج کی صورتحال اور آج کے انسانوں کے ننگے پن اور ذہنی پراگندگی کا تعفن آمیز احساس قاری کے اندر پیدا ہوتا ہے اور قاری طنز کی کاٹ سے پہروں ذہنی ہیجان میں مبتلا رہتا ہے اشوک ایک تاجر ہے۔ لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے۔ کمار اس کی مدد سے نیرا کا مکان ہتھیانا چاہتا ہے۔ نیرا پر ''مکان'' بچانے کا جنون سوار ہے۔ منظر دیکھیے اور ایک انوکھے انداز کا مکالمہ پڑھیے ۔

''اشوک — بھائی صاحب، اس کا جسم دیکھو اتنا خوبصورت اور نوجوان کہ قابل دید۔ کیوں بھائی صاحب — اس کے جسم پر رکاوٹ کے لیے کھید ہے۔ مدھو کیسے آہستہ آہستہ بے پردہ ہو گئی تھی جیسے ابلا ہوا انڈا اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے۔

اب وہ اپنے جسم کے کپڑے اتار رہی تھی۔

یہ کپڑے کون اتار رہا تھا؟ وہ خود ہی اپنے کپڑے اتار رہی تھی؟

اس کی نظر اس کے ہاتھ پر گئی

نہیں

اس کی نظر ہوا میں اٹھ گئی

کہیں آس پاس کوئی اور تھا؟

جو اس لڑکی کے کپڑے اتار رہا تھا وہ اس نیرا کا مکان نہیں چھین سکتا تھا؟

ایک لڑکی جب کپڑے اتار سکتی ہے تو کیا بے مکان نہیں ہو سکتی

لڑکی کو اگر کپڑے اور مکان میں سے ایک چھوڑنا ہو،

مکان؟

نہیں کپڑے؟

نہیں

وہ اٹھ گیا

کیا وہ خود کی لڑکی کے کپڑے اتروا سکتا ہے

نہیں

تو وہ اس طاقت سے نیرا کو کیسے بچا سکتا ہے

....

تو وہ لوگ جو پیسے دے کر یہاں آئے تھے

ان کا پیشہ ہی ان کی آبرو اتار رہا تھا

....

پھر وہ رقص کر رہی تھی ....

....

واقعی یہ لڑکی نہیں ہے، یہ وہی ہے، جو میں سوچ رہا ہوں یہ وہی زندگی ہے جس میں ہم رہتے ہیں اور یہ رقص نہیں خواب ہے اور وہ ناچ رہی ہے! اور اشوک وہی ہے اصلی والا! (مکان 271 تا 275)

''الوک'' کے ذہن میں یہ سارا منظر دوبارہ تخلیق ہو رہا تھا جسے آپ کے سامنے میں نے پیش کیا۔ ان جملوں میں استعاراتی پیکروں کی ایک ایسی دنیا آباد ہے جس کے تناظر میں ہم موجودہ معاشرے کی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ آپ اخیر کے جملوں میں رقص اور ناچ دونوں میں چھپے طنز کو خود سمجھئے۔ یہ ناچ اس لڑکی کا ناچ نہیں ہمارے معاشر کا ناچ ہے۔ نثر میں اگر بلیغ طنز ہو تو نثر چمک اٹھتی ہے۔

نیرا اپنے مکان کے تحفظ کے لیے کہاں کہاں کے کنوئیں نہیں جھانکتی۔ اس تلاش میں اسے الوک ملتا ہے اور الوک کے گھر نیرا کا بار بار آنا ساوتری کے ذہن میں شک کا زہر بھر دیتا ہے۔ ساوتری الوک کی بیوی ہے۔ ساوتری کی دنیا ناول نگار کے لفظوں میں وضاحتوں کی دنیا ہے مگر الوک نیرا کے قریب آکر زندگی کو اتنے قریب سے دیکھتا ہے کہ وہ خود زندگی کے بہت سے گہرے مسئلے پر حیران سا ہو جاتا ہے۔ اسے نیرا کے قریب آنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اب تک وہ جس زمین پر سانس لے رہا تھا وہ رشوت، بے ایمانی، کی غلاظت سے اٹی پڑی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کمار جیسے لوگ اس زمین سے اکھاڑ دیئے جائیں، انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ نیرا کی مدد اس کی نگاہ میں تہذیبی ضرورت قرار پاتی ہے۔

نیرا نے آلوک میں زندگی کی شان والی چنگاری بھر دی ہے۔ نیرا جو صرف اپنے مقصد کو زندگی کا جوہر سمجھتی ہے، اس پر الوک کی بیوی ایک خالص روایتی عورت سمجھ کر شک کرتی ہے لیکن اس کو معلوم ہی نہیں کہ نیرا عورت کے روایتی اور فطری فارم سے اجتناب کرتے ہوئے زندگی کے عظیم مقاصد و اسرار کو سمجھنے اور کریدنے والی ایک چوہیا بن چکی ہے اسے صرف ایک دھن ہے اس سماج، اس ملک اس میں رہنے والے لوگوں کے اصلی چہرے دیکھنے دکھانے کا دھن اور فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کا دھن۔ الوک اپنے ضمیر کی بیداری اور معرفت کی منزلوں میں تھا مگر اس کی بیوی کو یہ شک تھا کہ نیرا سے اس کے غلط تعلقات پیدا ہو چلے ہیں۔ پیغام آفاقی نے الوک کے اندر پیدا ہونے والی بے چینی کا اظہار کچھ اس طرح سے اپنے بیانیے میں کیا ہے۔

''یوں تو اس سے دن رات مختلف سوالات اس کی روز مرہ کی زندگی میں محکمہ سے لے کر گھر اور سماج میں ہر جگہ کیے جاتے تھے لیکن ان سوالات کی نوعیت الگ تھی اور اگر کہیں سوالات کی نوعیت مختلف نہیں تھی تو جواب کی نوعیت مختلف تھی، اور اگر جواب کی نوعیت مختلف نہیں تھی تو جواب کی صداقت کی نوعیت مختلف تھی۔ اور اگر یہ بھی مختلف نہیں تھی تو اس کے جواب سے پیدا ہونے والے امکانات سے اس کی ذاتی وابستگی مختلف تھی۔ اس کے محکمہ کے ماتحت اس سے سوال کرنے سے پہلے دیکھ لیتے تھے کہ اسے جواب سوچنے کی یا جواب دینے کی فرصت ہے یا نہیں۔'' (مکان ص212)۔ جملے میں ایک لفظ کی تکرار کسی اہم مسئلے پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

آپ 212 سے لے کر 217 صفحہ تک پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگار نے اس بیانیے میں ان حالات وافکار کو احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے جسے ہم ناگفتہ بہ حالات کے علاوہ ناقابل بیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ دراصل الوک کے اندر کی تبدیلی بڑی ہی فلسفیانہ یعنی ناقابل تفہیم تبدیلی ہے جسے زبان دینا بہت مشکل ہے۔ اس کی حالت ایک مجذوب جیسی ہے۔ الوک کی بیوی ساوتری کو پتہ ہی نہیں کہ نیرا کی شخصیت کے زیر اثر اس میں کیا کچھ تبدیلی آ گئی ہے۔

نیرا نے بہت غور وفکر کے بعد عورت کے روایتی چولے کو اتارا ہے وہ سمجھ چکی ہے کہ اسے اپنے کردار کو بدلنا ہوگا۔ وہ جان چکی ہے کہ'' سچائیاں یعنی سب سچائیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ناول نگار نے خود کلامی کے لہجے میں نیرا کے اندر کی تبدیلی کو یوں محسوس کرایا ہے:۔

''اور میرا کردار۔۔۔اگر میرا کردار مجھ سے مطابقت نہیں رکھتا، اگر۔۔۔اس کا کوئی بھی حصہ یا یہ کہ پورا کا پورا کمار کے ہاتھ کا جال بن گیا ہو، جس میں وہ مجھے گرفتار رکھنا چاہتا ہے، تو مجھے اس کردار کو بدلنا ہوگا۔''

(ص120 مکان)

مصنف خود کلامی کے لہجے میں نیرا کے پس منظر میں کس طرح کے کردار کو بدلنے کی بات کر رہا ہے وہ کردار پورے طبقۂ نسواں کا کردار ہے جس کی نمائندگی نیرا کر رہی

ہے۔ اس کے اندر کی تبدیلی کی جنگ میں ''نیرا'' آہستہ آہستہ سادیت پسند بھی ہو جاتی ہے وہ اپنی جنگ کو جیتنے کے لیے یہاں تک سوچ لیتی ہے کہ'' اگر مجھے لوگوں کے بستروں میں سونا پڑتا ہے تو سونا پڑے۔'' ایک اور Social Simiotics سے انحراف کا رویہ۔ یہی وہ شدت پسندی ہے جو مکان پڑھنے پر ہمیں مجبور کرتا ہے۔ فکشن بنتا ہی ہے ایسے ہی انتہاؤں پر جانے کی وجہ سے۔ ''نیرا'' کہ جو اپنے آپ کو مذکورہ بالا انتہاؤں تک لے جا چکی ہے کا الوک سے ملاقات ناول کا نیا باب قائم کرتا ہے۔ الوک وہ ہے جس کا ماننا ہے کہ۔

'' عورت اپنی بات چاہے وہ کوئی بھی بات ہو اپنے پورے سراپا سے کہتی ہے۔''

الوک کا یہ جملہ ناول کے بنے بنائے ماحول اور نیرا کی ان تمام تیاریوں اور منصوبوں پر تالاب میں ایک بھاری پتھر اچھال دینے کے مثل ہے مگر نیرا اسے اپنی چند ملاقاتوں میں اس طرح تبدیل کر دیتی ہے کہ اسے لگنے لگتا ہے کہ جس سماج میں اس کا وجود ہے وہ بقول آفاقی غلاظت کی ڈھیر پر ٹکا ہوا ہے۔ نیرا اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ بقول ناول نگار'' کون ہے جو مجبور ہے؟ الوک؟ یا اسسٹنٹ کمشنر؟ افسر مجبور ہو سکتا ہے انسان مجبور نہیں۔''

اس طرح ''نیرا'' ایک جدید عورت کے روپ میں ناول میں ابھرتی ہے اور مکان ایک ایسا داخلی مکالمہ بن جاتا ہے جو آج کے ہر انسان کا مقدر بن چکا ہے۔ یہاں دیکھا جائے تو ناول نگار نے یہ محسوس کرایا ہے کہ بارود پر بیٹھی اس دنیا کی تخلیق میں صد فی صد مردوں کا ہاتھ ہے اب اس مرتی ہوئی انسانیت اور مرتی ہوئی دنیا کو صرف عورت ہی بچا سکتی ہے۔ آفاقی نے نیرا کے روپ میں ایک نئے انسان کی تخلیق کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ نیرا صرف ایک عورت کی حیثیت سے ناول میں داخل ہوتی ہے کسی ہندو یا مسلم عورت کی شکل میں نہیں۔ اس طرح کے مذہبی تشخص سے الگ کر کے نیرا کو ناول نگار نے عورت کے اندر چھپی صلاحیتوں کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ فکشن میں اعلیٰ قسم کے مقاصد اور مفروضے ہی جگہ پاتے ہیں کسی قسم کی کٹھ ملائیت وغیرہ نہیں یا کسی ثقافت سے نفرت کا اظہار وغیرہ بھی نہیں۔

پیغام آفاقی نے مکان کو شاعرانہ اسلوب میں لکھے گئے رومانی ناولوں سے بہت

دور رکھا ہے۔ مکان کے لیے شاعرانہ انداز سے گریز کرنا ان کی ذہانت کا ثبوت ہے۔ کہانی پر توجہ دینے کے بجائے انہوں نے کہانی پن کو ایک اسلوب کے طور پر برتا ہے اور اپنے ناول کو ہمہ دان بیانیے کے قریب رکھا ہے یعنی Omnicent Narative سے کام لیا ہے۔

اس بیانیے میں جہاں جہاں کردار ابھرتے ہیں انہیں ''نیرا'' سے اور نیرا کے اندر کے کرب اور سب کچھ بدل دینے کے تصور اور طرز حیات سے مزاحمت کرنی پڑتی ہے۔ الوک ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نیرا کا ساتھ دور تک نہیں دے پاتا تبھی ناول میں اشوک جیسے بھرشٹ اور کرپٹ انسان کا چہرہ سامنے آتا ہے اور اس کردار کے داخل ہوتے ہی مکان میں ایک نئی روح سی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ نیرا کو ہر ممکن کوشش کے ذریعے اپنا ہم خیال بنانا چاہتا ہے۔ کمار کے طرز حیات اور اس کے مقصد کی برآوری کے لیے مدد کرتا ہے مگر نیرا ان کے جملہ پروگراموں کو بے اثر کر دیتی ہے۔ الوک جب نیرا کی مدد کے لیے خود کو تیار کر لیتا ہے تو کمار جو نیرا کا کرایہ دار ہے جس کا واحد مقصد نیرا کے مکان پر قبضہ کر لینا ہے اشوک سے مدد مانگتا ہے اور ایک مقام پر اشوک الوک کے کردار کی انفرادیت کو اشوک کے مندرجہ ذیل مکالمے کے ذریعے ناول نگار واضح کر دیتا ہے۔

''بوتل اور سولہ سال کی کھول کر، اس نے آنکھ ماری، اس کے سامنے رکھ دیں گے، پھر دیکھیں گے الوک کدھر جاتا ہے۔''

اشوک یا کسی کردار کا حلیہ آفاقی بیان نہیں کرتے صرف کہیں کہیں ان سے ایسے مکالمے ادا کرواتے ہیں کہ ان کا چہرہ، مزاج، اور ان کی شکل وصورت سامنے آ جاتی ہے مندرجہ بالا مکالمہ اسی نوعیت کا ہے جس میں آنکھ مارنے جیسی غیر مہذب حرکت (محاورہ) سے اس کی دھوکے بازی ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی دوسرے کردار کی کمزوری کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ اشوک ایک گینگیسٹر ہے۔ آفاقی صاحب نے اشوک کے کیبرے ہاؤس کے منظر سے موجودہ عہد کی لہو لعب کی فنی تصویر کھینچ دی ہے جس کے روح رواں اشوک جیسے لوگ ہیں۔ جہاں لڑکیاں بازار میں بکنے والی سبزیوں سے بھی ارزاں نظر آتی ہیں۔ اشوک آج کے تجارتی کلچر کا پروردہ ہے جس کے لیے جنگ بھی ایک تجارت ہے۔ (اس ماحول کا مشاہدہ حقیقی معلوم ہوتا ہے فرضی نہیں)

پیغام آفاقی نے ''ضمیر'' کو بھی اس ناول کا اہم کردار بنایا ہے نیرا بار بار کمار، الوک، اشوک کی کارکردگی پر سوچتی ہے اور اس کے اندر بے شمار سوال پیدا ہوتے ہیں جس کا جواب ''ضمیر'' کی بیداری کی صورت میں ممکن ہے۔

''انسان مجبور نہیں ہے، نیرا— تمہارے اپنے اندر کی نیرا کو نہیں دیکھنے کا دوسرا نام مجبوری ہے، اپنے اندر کی نیرا کو جھنجھوڑ دو — کہو کہ وہ یلغار کرے— ان طاقتوں پر جن کے سامنے عوام نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔'' (مکان ص347) (ضمیر کی آواز)

نیرا یہ جسے تم کائنات سمجھ رہی تھی یہ پوری کائنات نہیں ہے، یہ صرف اس کا ایک روپ ہے، کائنات تو ہر انسان کی الگ ہوتی ہے اور ہر انسان اپنی کائنات میں تنہا ہوتا ہے، کہ کبھی وہ شاخ بن کر پھیلا ہوا ہوتا ہے اور کبھی بیج کی حالت میں بے حس وحرکت پڑا ہوتا ہے............ اور بے شمار شاخیں تمہارے اندر سے پھوٹ رہی ہیں۔'' (مکان ص356)

نیرا معرفت کے ایک خاص منزل پر پہنچ کر اس طرح سے اپنی انفرادیت کا عرفان حاصل کرتی ہے۔

''اگر اشوک نے آلوک کو مجھ سے چھین لیا تو کیا ہوا؟
اس نیرا کو کون چھین سکتا ہے جو چراغ بن کر میرے اندر جل رہی ہے
کون تھا جس نے الوک کے اس دوسرے روپ کو جنم دیا تھا؟

جب وہ پہلی بار آلوک سے ملی تھی تو اس نے خود ہی آلوک سے کہا تھا— ''میں حقیقت کو تسلیم کرنے نہیں، حقیقت کو بدلنے نکلی ہوں۔'' (مکان ص340)

''نیرا'' نے اپنے اندر کی صلاحیتوں کو پوری طرح جان لیا ہے اور سمجھ لیا ہے اس لیے وہ بڑے وثوق سے اشوک کے سامنے بیٹھ کر اسے زندگی کے ایسے ایسے پہلوؤں پر غور وفکر کے لیے آمادہ کرتی ہے کہ اشوک اس کی پندرہ بیس منٹ کی طویل مکالماتی مگر جھنجھوڑ دینے والی مکالماتی نثر سے اپنے اندر بے پناہ تبدیلی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کے اندر کا (Evil) شیطان مرنے لگتا ہے۔ نیرا کی اہم تھیسس یہ ہے جس سے وہ اشوک کو

اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے:۔

''آپ کمار کی مدد کر رہے ہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ مدد نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے پیشے کا حصہ ہے...... میرے اور آپ کے درمیان ایک گہرا رشتہ اپنی پوری شدت کے ساتھ قائم ہو چکا ہے...... یہ موجودہ نظام آپ کی قوت کے سرچشموں کو پوری طرح پی کر چاٹ گئی ہے اور آپ اس وقت محض اس نظام کے ایک باعزت غلام ہو کر رہ گئے ہیں.......... اس نے نیرا پر نگاہیں جما دیں اور اس کا دماغ گھومتا رہا۔ گھومتا رہا اور ابھی گھوم ہی رہا تھا کہ نیرا نے دوبارہ اس کے گھومتے ہوئے دماغ کو آگے بڑھایا۔'' (افعال کی تکرار سے کرداروں کے Actions کا اظہار)

''آپ نے میرے ایک کرم فرما الوک کو جو میری قوت بنتا جا رہا تھا، مجھ سے چھیننے کے لیے اس کو شراب پلائی اور ایک نوجوان لڑکی پیش کی اور اس کا ایک کیسیٹ بنایا تاکہ اس کے دباؤ میں آپ اس کو مجھ سے چھین لیں.......... کیا بگاڑا ہے ان لوگوں نے جو آپ کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں...... آپ صرف اپنی تاریکیوں پر کیوں قناعت کیے بیٹھے ہیں؟ آپ کے یہاں روشنیوں کی بھی بڑی گنجائش ہے...... غور کیجئے گا، آپ کے اندر ایک نیا اشوک پیدا ہو چکا ہے جو اب واپس اپنے اس کاروباری دنیا میں نہیں جا سکتا...... آپ ویسے ہی دکھائی دیں گے جیسے دکھ رہے ہیں لیکن سورج آہستہ آہستہ اپنی جگہ بدلتا ہے تو زمین پر موسم بدل جاتے ہیں کچھ اس طرح سورج وہی رہتا ہے اور زمین وہی رہتی ہے لیکن دنیا کی ہر چیز اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔ پیڑوں کا روپ بدل جاتا ہے۔ انسانوں کا موڈ بدل جاتا ہے۔'' (دیکھیں مکان ص 373 تا 379) قطعیت، معروضیت اور منطقی استدلال کے جوہر سے مزین نثر یعنی مکالماتی نثر۔

نیرا کے مکالموں میں ایک خاص طرح کی (Psycho wave) نفسیاتی لہر ہے۔ یہ جملے ذہن کو جھنجھوڑتے ہیں۔ دلوں میں تغیر پیدا کرتے ہیں اس میں کسی کو بھی ہپنا ٹائز کرنے کی [illegible] ہیں یعنی متاثر و مسحور کرنے والی کیفیت ہے۔ سننے والے کو مطمئن کرنے کی ترکیبیں ہیں کیونکہ نیرا نے تجزیاتی جملوں میں سامنے والے کے ایگو کو مطمئن کرنے کے لیے اس کی تعریف کے مواقع بھی نکالے ہیں جسے سن کر کوئی بھی بگڑا انسان

ایک خاص طرح کے آدرش کا نشان بننے کے لیے خود کو آمادہ کر لے گا۔ یہی ہوتا بھی ہے اشوک تبدیل ہو جاتا ہے اب اس کی شیطنت میں پاگل پن کے بجائے ایک خاص قسم کی سنجیدگی در آتی ہے۔ تبھی تو وہ کمار کو کچھ اس طرح سے سمجھاتا ہے:۔

''اب بزنس کی بات ہو جائے۔ اشوک کمار سے بات کرتے کرتے سنجیدہ ہو گیا...... کمار تم اس مچھلی کا شکار نہیں کر سکتے جس نے چارے میں لگے کانٹے کو پہچان لیا ہو...... تم اس کتے کو پالتو نہیں بنا سکتے جس کو تمہاری نیت پر شبہ ہو چکا ہو...... اب تم صرف مقصد کو دیکھ رہے ہو۔ پلان کو نہیں دیکھ رہے ہو اور جس مقصد کو دیکھ رہے ہو وہ اپنا معنی بدل چکا ہے۔ ابھی تک تمہاری توجہ اسی مکان سے الجھی ہوئی ہے جس میں سے فائدہ کا عنصر نکل چکا ہے اور نقصان کا عنصر زیادہ سے زیادہ داخل ہو رہا ہے اور جو انسان چیزوں کی بدلتی ہوئی شکل کو نہیں دیکھتا وہ بزنس میں کامیاب نہیں ہو سکتا...... تو میں تو کہتا ہوں کہ جو ہو گیا سو ہو گیا اب چھوڑو یہ چکر اور اپنے بزنس پر دھیان دو اور سچ تو یہ ہے کہ تم بے حد احمق ہو۔ ابھی تم نے مجھے بھی نہیں سمجھا ہے۔ حقائق کو سمجھو اور ان سے سمجھوتہ کر کے چلا کرو۔''

کمار کا یہ جملہ بھی قابل غور ہے جو اس نے اشوک کو جواباً کہا۔ ''یہ مکان چھوڑ دوں گا لیکن مجھے اس بات کی اتنی تکلیف نہیں رہے گی جتنی اس بات کی کہ مجھے انہیں حقائق نے چوٹ پہنچائی جن پر میں نے بھروسہ کیا تھا اور اب بھی تم مجھے حقائق کی بنیاد پر ہی سوچنے کو کہہ رہے ہو۔'' (دیکھیں ص 389 سے 393)

ان مکالموں سے یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ مکان نیرا کی نظر میں ایک تہذیبی علامت بن چکی ہے بقول افتخار عارف

میرے خدا مجھے تو اتنا معتبر کر دے
میں جس ''مکان'' میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

مگر وہی مکان اشوک کی نگاہ میں نفع و نقصان کا سودا ہے۔ نیرا وہ ہے جو حقیقتوں کو سمجھنے کے بجائے حقیقتوں سے آنکھیں چار کرتے ہوئے نئی حقیقتیں تشکیل دینا چاہتی ہے اور اِدھر اشوک کی نگاہ میں ابھی حقیقت کی تفہیم ہی اہم ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اشوک کو

بڑے فنی طریقے سے اپنا ہم خیال بنالیتی ہے۔جس کی وجہ سے کمار کو حقیقت ایک چھلاوا لگنے لگتا ہے۔ جو دکھ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ایک دھوکہ ہے۔اسے دکھ ہے کہ وہ حقیقتوں پر ایمان کیوں رکھتا تھا۔وہ مکان کی ضد کو بھلانے میں کوئی چنک محسوس نہیں کرتا مگر نیرا کے لیے مکان کائنات کو اور کائنات سے اس کے یعنی انسان کے رشتے کو سمجھنے کا ایک آماجگاہ ایک تہذیبی مظہر بن جاتا ہے۔جس کی جنگ ناول کے اختتام کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔

دراصل ''نیرا'' کا انتخاب ناول نگار کی ذہانت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس بہانے ناول نگار نے ایک نئے انسان ایک باہوش انسان کی تخلیق کرنے کی سعی کی ہے اور موجودہ دنیا میں زندگی کرنے کے نئے راستوں سے اپنے قارئین کو آگاہ کرانا چاہا ہے۔
اس ناول میں ''نیرا'' کو ایک پوری مظلوم قومیت کا ساختیہ "Code" بنایا گیا ہے۔جس کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کے اندر بے پناہ صلاحتیں چھپی ہوئی ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح سمندر میں بے پناہ خزانے چھپے ہوئے ہیں۔جس کی تفہیم جس کا عرفان انسان کو حاصل ہوجائے تو نہ جانے کتنے اشوکوں کو پل بھر میں اپنا ہتھیار بنایا جاسکتا ہے اور پرامن انسانی زندگی کی نئی شاہراہیں بنائی جاسکتی ہیں۔(یہاں پر خودی کی بیداری اور کامل انسان کا فلسفہ بھی قاری کو یاد آتا ہے)

میں نے مضمون کی ابتدا میں یہ کہا تھا کہ میں اس ناول پر بحث کے بہانے اردو ناولوں کی تفہیم کے کچھ ایسے اصولوں کی طرف بھی نشاندہی کروں گا جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ہماری ماقبل قرأت کا انداز کس حد تک ناقص تھا۔ایک مفروضہ یہ قائم کیا تھا کہ ہمیں یہ ضرور اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ کیا ناول میں کسی خاص نقطۂ نظر کی مکمل تصویر ہوتی ہے یا یہ کہ ایک مخصوص طرزِ زندگی کا خواب۔نیرا کی زندگی میں مکان کا مسئلہ اور اس کا حاصل ہوجانا اہم نہیں ہے۔اہم ہے ناول کا آخری باب جسے ہم اس ناول کا آغاز کہہ سکتے ہیں یہاں نیرا مزید زندگی کی گہرائیوں میں اترتی نظر آتی ہے اور اس Universe کی سائیکی میں خود کو ڈھا دینا چاہتی ہے یا پوری کائنات کو اپنے اندر جذب کرلینا چاہتی ہے۔

اس ناول کا پہلا قاری خود مصنف ہے اور وہ خود اس میں موجود ہے مگر اس کی ذات نیرا پر کہیں حاوی نہیں ہے بلکہ نیرا ہر کردار پر حاوی ہے کیونکہ ''نیرا'' اکیسویں صدی

کی سائیکی کی علامت ہے اس کی پرچھائی اس صدی کے مزاج میلان پر آہستہ آہستہ اس طرح پڑتی ہے کہ وہ اس صدی کے انسانوں کی نفسیات کا عرفان حاصل کرلیتی ہے۔کمار اشوک کی نظر میں احمق ہے۔اشوک کمار کی نظر میں ایک چھلاوا ہے،الوک اشوک کے لیے ایک ایسا افسر ہے جس کے پاس طاقت ہے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے نیرا اور اشوک دونوں اس کا استعمال کرنا چاہتے ہیں۔الوک کا اپنے اندر چھپے ہوئے انسان سے مکالمہ اکثر ہوتا ہے اور وہ اپنا عرفان حاصل بہت حد تک ''نیرا'' کی شخصیت کے زیر اثر کرلیتا ہے۔ناول کا عنوان ''مکان ہے'' اور پورے متن سے اس کا رشتہ استعاراتی اور ایمائی ہے۔

آئیے یہ دیکھیں کہ اس ناول میں استعمال کی گئی نثر اور اس کا اسلوب کس نوعیت کا ہے۔وہ کونسے ایسے تصورات/فلسفے ہیں جو اس ناول میں زندگی کے مختلف مرحلے کو سمجھنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

پیغام آفاقی کی جزئیات نگاری پر پہلے ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔آفاقی کی جزئیات نگاری اشیاء کی فہرست نہیں بناتی بلکہ انہوں نے تو بڑی مشکل تصورات کی جزئیات نگاری، نیز محسوسات، تجربات کی جزئیات نگاری کی ہے۔یہ بہت مشکل امر تھا اس تکنیک کو اپنے زمانے میں رسوا نے برتنے کی کوشش کی تھی۔

نیرا کا مکان خطرے میں ہے۔کمار کی دھمکیوں سے نیرا پریشان ہوگئی ہے اور اپنے تمام تر اثر ورسوخ والے لوگوں سے ملتی ہے۔کئی لوگ اس کی مدد کے بہانے اس پر نگاہ گڑادیتے ہیں کئی لوگ ایسے ہیں جو مدد اس طرح سے کرنا چاہتے ہیں کہ نیرا کا کام نہ ہو اور وہ مدد کا فریضہ بھی ادا کردیں۔آفاقی کے یہ جملے دیکھیں۔

''اور ان ہمدرد بااثر لوگوں میں کئی ایسے تھے جو اپنی کمزوریوں کو چھپانے کا بالکل الگ ہی طریقہ اختیار کرتے تھے۔مثلاً وہ کبھی کوئی الجھی ہوئی بات کرتے تھے جس سے کچھ واضح نہیں ہوتا تھا اور پھر اسے (نیرا کو) اس پر عمل کرنے کو کہتے تھے اور جب وہ (نیرا) اس میں تھوڑی سی وضاحت کرنے کو کہتی تو وہ اس کے اوپر ناراض ہوجاتے تھے کہ اس نے ان کی بات توجہ دے کر نہیں سنی اور ان کا وقت خراب کرتی ہے۔'' ص31

مندرجہ بالا نوع کی جزئیات نگاری ناول کے بیشتر صفحات پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس قسم کے انوکھے تجربے کو بیان کرنے کے لیے ناول نگار نے مروجہ نثر سے انحراف کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس ناول کی نثر شاعرانہ نہیں ہے البتہ فلسفیانہ ضرور ہے مگر خالص تجریدی یا تصوراتی نوعیت کا فلسفہ نہیں بلکہ عملی نوعیت کے فلسفے ہیں۔

آفاقی نے پورے ناول میں جن تشبیہوں کو استعمال کیا ہے اس سے ان کی نثر کے اسٹائل میں فنی ترسیل کا انداز پیدا ہوا ہے ساتھ ہی ان کے عمیق مشاہدے کا اظہار ہوا ہے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان کی سوچ منفرد ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اشیاء کو اپنی طرح سے دیکھا ہے ان کے یہاں خارجی حسن سے زیادہ داخلی سچائیاں پیش کی گئی ہیں۔ کچھ ایک تشبیہوں کی مثالیں دیکھیں۔

۱۔ ''کمارزور پکڑتی آندھی کی طرح اس کے چاروں طرف ''سنسناہٹ پیدا کر رہا تھا''

۲۔ اسے راکیش کی بات مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح لگی لیکن وہ چپ سنتی رہی۔'' 94

۳۔ آج اسے (آلوک کو) ایسا لگ رہا تھا جیسے پھر کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو...... وہ بڑا ہوگیا ہے اور اس کی چادر چھوٹی ہے اور جا بجا کھلی جگہ پر اسے مچھر کاٹ رہے ہیں۔'' 210

۴۔ تھوڑی دیر بعد مسکراتی ہوئی پینٹ شرٹ پہنے ایک کالج کی طالبہ دکھائی دیتی ہوئی لڑکی آئی جس کی عمر قریب سترہ سال ہوگی اور جس کے پورے جسم پر وہ جوانی تھی جو کیلے کے پیڑ کے اندر کی کونپلوں میں ہوتی ہے۔ (ص 253)

۵۔ مدھو کیسے آہستہ آہستہ بے پردہ ہوگئی تھی جیسے ابلا ہوا انڈا اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے۔''

۶۔ ہمارے کمرے کے اندر باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے سیلاب کا پانی آکر ہمیں پانی کے ٹھنڈے لمس سے جگائے اور تب ہم جانیں کہ ہمارے چاروں طرف کیا ہوا ہے۔'' (ص 351)

۷۔ ایک بار پھر اسے اس دنیا جس کے تانوں بانوں کے اوپر وہ (نیرا) جل رہی تھی کا

خیال آیا...... ایسے جیسے سمندر میں پانی کم ہوتا جائے اور جزیرے اور بڑے بڑے پہاڑ ابھرنے لگیں۔'' (354)

۸۔ اور اشوک کو گفتگو ختم ہوتے ہی ایسا لگا جیسے وہ کسی ایسی چکی سے نکلا ہو جس میں وہ نیرا کی پوری گفتگو کے دوران مسلسل پستا رہا ہو...... اور جیسے اس کے دماغ سے جمے ہوئے بادل اٹھتے چلے جا رہے ہوں اور جیسے اس کے سامنے اس کی آنکھوں میں کمرہ کی ہر چیز زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی چلی جا رہی ہو۔'' (ص 366-367)

۹۔ آپ ویسے ہی دکھائی دیں گے.......... جیسے سورج جب آہستہ آہستہ اپنی جگہ بدلتا ہے تو زمین پر موسم بدل جاتے ہیں۔

۱۰۔ کمار تم اس مچھلی کا شکار نہیں کر سکتے جس نے چارے میں لگے کانٹے کو پہچان لیا ہو اور تم اس ہرن کو بھی جال میں نہیں پھنسا سکتے جو اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتا ہو اور نئے ہاتھ پاؤں پیدا کر لیتا ہو۔ تم اس کتے کو پالتو بنا کر نہیں رکھ سکتے جس کو تمہاری نیت پر شبہ ہو چکا ہو۔ تم اس انسان کو گولی سے نہیں ڈرا سکتے جو اپنی ذات کو جان چکا ہو۔ تم اس انسان کو چاقو سے کیسے ڈرا سکتے ہو جس کے لیے ہر زخم نشتر بن جاتا ہو۔'' (ص 389) ایک لہجے کی تکرار (بات میں وزن اور وقار پیدا کرنے کے لیے) آفاقی کے یہاں اکثر ہوتی ہے، یہ ان کی نثر کی ایک اہم خوبی ہے۔

۱۱۔ آپ کو لگے گا کہ تھانہ بے حد کمزور ہے اور پھر یکا یک لگے گا کہ.......... دراصل ایک ایسا جادوئی گھروندا ہے جہاں جانے کے بعد انسان اپنے کو بھول جاتا ہے۔'' (310) جادوئی گھروندا۔ استعارہ یعنی تھانے کا نیا نام۔

۱۲۔ اور جہاں اگر بادل گھر جائیں اور بارش ہونے لگے.......... تو ان کے سائے سے پہاڑیاں بار بار ایسے رنگ بدلتی ہیں جیسے شوقین عورتیں کپڑے بدلتی ہیں اور جہاں ہوا چلے تو پورا پہاڑ آسمان میں اڑتا ہوا لگتا ہے۔'' (ص 393)

۱۳۔ میں جس کیفیت میں ہوں (نیرا) اس سے اس پہاڑی کیفیت میں بڑی مماثلت ہے۔ (397)

ایسی نہ جانے کتنی ہی تشبیہیں ناول کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں جو عبارتوں میں آ کر ناول میں پیش کیے جانے والے حقائق میں جان ڈال دیتی ہیں۔ آفاقی اکثر جگہوں پر مرکب تشبیہوں کا استعمال کرتے ہیں جن سے کرداروں کی نفسیات ان کی خصوصیات کی وضاحت میں مدد لی گئی ہے نیز کرداروں کی ذہنی وجسمانی خدوخال کو واضح کرنے میں مدد لی گئی ہے آپ نمبر (10) کی تشبیہی ساخت پر نگاہ ڈالیں جہاں تشبیہ در تشبیہ کی ساخت کے استعمال سے "نیرا" کی انفرادیت، صلاحیت اور قوت کو نمایاں کرنے میں مدد لی گئی ہے۔ تشبیہوں پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ناول نگار نے کس حد تک مشاہدہ ومطالعہ سے کام لیا ہے۔ ان تشبیہوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغام آفاقی کے مشاہدات وتجربات اتنے گہرے ہیں کہ جسے تشبیہ کی زبان میں ہی سمجھی جاسکتی تھی۔

کہانی یا افسانے یا ناولوں میں تشبیہ کا استعمال اس لیے کیا جاتا ہے کہ ناول نگار یا افسانہ نگار نے جو کچھ پیش کرنا چاہا ہو وہ محض اطلاع یا خبر نہ بن جائے۔ تشبیہ واستعارے میں جو سب سے اہم بات ہوتی ہے وہ ہے دو چیزوں میں رشتے کی ایسی نوعیت کی دریافت جس میں مصنف کا اپنا ویژن (Vision) کام کر رہا ہوتا ہے کہ وہ چیزوں کو کس طرح سے دیکھ رہا ہے۔

نثر بلکہ اچھی نثر کے لیے تشبیہ واستعارے میں سے زیادہ تشبیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خاص طور پر اس وقت جب فکشن کا متن تیار کیا جا رہا ہو۔ آفاقی اس رمز سے واقف ہیں۔ آفاقی جانتے ہیں کہ نثری تشبیہیں واستعاروں اور شعری تشبیہوں واستعاروں میں فرق ہوتا ہے جس کا لحاظ انہوں نے مذکورہ بالا تشبیہوں میں رکھا ہے۔

پیغام آفاقی نے اپنی نثر میں نظریۂ انطباق سے اکثر مقام پر کام لیا ہے۔ دو متوازی مناظر، واقعہ لا کر وہ اپنے کرداروں کے اندرون کی دنیا کی تبدیلیوں کو مشخص کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تجریدیت سے بچنے کے لیے جو جدیدیت گزیدہ ناول اور افسانے کی کمزوری ثابت ہو چکی ہے وہ اس تکنیک کا استعمال کرتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال دینا یہاں ضروری سمجھتا ہوں۔ نیرا کمار کی نت نئی چالوں سے کچھ ہراساں وپریشان ہو جاتی ہے۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کس طرح اپنے

مکان: اس بھیڑیئے سے بچائے۔ نیرا اندر سے ٹوٹتی بکھرتی ہوئی سی محسوس ہوتی ہے کہ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر آتا ہے۔

"نیرا انہیں کشمکش سے گزر رہی تھی کہ ایک دن جب وہ بس میں کھڑکی سے لگی بیٹھی سوچوں میں گم آ رہی تھی۔ اس کی نظر کھلے میدانوں پر پڑی...... پھر اس کی نظر ایک مکان کے پیچھے سے نکلتے ہوئے ایک بھینسے پر پڑی جو بے تحاشہ بھاگ رہا تھا اور اس سے چند قدم پیچھے ایک بہت مضبوط بھینسا بھیانک طریقے پر حملہ آور تھا......"

قصہ مختصر یہ کہ مضبوط بھینسے نے حملہ تو کیا مگر کمزور بھینسا اسٹیڈیم کی چہار دیواری (جس میں سے صرف ایک آدمی آسانی نکل سکتا تھا) سے نکل گیا مگر کیسے؟ کمزور بھینسے نے چہار دیواری سے نکل کر بھاگنا چاہا اور وہ اسی چہار دیواری میں پھنسا رہ گیا۔ مضبوط بھینسے نے زور زور سے کمزور بھینسے کو مارا اور وہ اس سے نکل کر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ مضبوط بھینسا اس چہار دیواری سے جا نہیں سکتا تھا اور کمزور کی جان اس طرح چھوٹ گئی۔ اگر غور سے اس واقعہ پر نظر ثانی کریں تو یہ ایک تمثیلی صورتحال بھی خلق کرتا ہے۔ اس واقعے سے پیغام آفاقی ایک نظریہ قائم کرتے ہیں وہ یہ کہ۔

"کسی کی اپنی قوت بھی اس کی نہیں ہوتی۔" اچھی نثر میں اسی طرح کے New vision of realify کے مظاہر بکھرے ہوتے ہیں۔ یہاں بھینسا کمزور، سماج کے دبے کچلے لوگ ہیں اور مضبوط بھینسا کمار اور اشوک جیسے لوگ ہیں۔ کمار اور اشوک مجبوراً نہ چاہتے ہوئے بھی نیرا کا ساتھ دینے لگ جاتے ہیں۔ یہ واقعہ پورے ناول کا Thesis معلوم ہوتا ہے۔ اس جملے کے ذریعے انہوں نے بعض فلسفوں پر تنقید کی ہے۔ وجودی افکار میں شعیت یعنی Thingism کی بڑی تحسین ہوتی ہے۔ آفاقی وجود کو شئے نہ بنا کر شئے کو چیزوں کی خصوصیت قرار دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ کرداروں کے تفاعل کے پس منظر میں پیش کرتے ہیں۔ بڑی گمبھیر بات کو تمثیلی رنگ دے کر اسے روز مرہ بنا دیتے ہیں مثلاً۔

زندگی کی کتنی ہی سچائیاں یونہی تولیہ باندھے گھومتی پھرتی ہیں (ص 94)

مکان کی نثر حتی الامکان مدنی لفظیات Urban Wordiology سے الگ

دیہاتی حسیت اور اردو کی عام فہم ذخیرۂ الفاظ سے اپنا رشتہ استوار کرتی ہے اور اردو کی تبدیل شدہ محاوروں اور بول چال پر اپنی بساط بچھاتی ہے۔ آپ مکان کے مختلف صفحات سے کچھ اقتباسات نکالئے اور ان میں افعال اور اسماء کے استعمال کی نوعیتوں پر غور کیجئے مثلاً افعال کا بڑا محتاط استعمال ہے افعال جاننا کا استعمال سب سے زیادہ ہوا ہے۔ پورے ناول میں Plan of Action کی کارفرمائیوں کی وجہ سے ناول میں سنجیدہ ماحول ایک خاص نثری ارضیت کے تحت ابھرا ہے جو پڑھنے والے پر ایک نئے طرز کی جادوئی اثر قائم کرتی ہے جس میں خوف اہم رول ادا کرتا ہے۔

قارئین قرأت کے دوران اس نثر میں مکالموں کی دو سطحوں سے متعارف ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر بیانیے کی زبان مکالمے میں اور مکالمے کی زبان بیانیے میں آگئی ہے ایسا اس لیے ہوا ہے کہ ناول میں ناول کا ہمزاد کردار پورے ناول میں نیرا کے جملہ نکات میں اہم کردار نبھاتا ہے۔ اسے ہم فارم کی سطح پر ایک تجربہ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

پیغام آفاقی اکثر جگہوں پر بات حروف عطف ''تو'' سے شروع کرتے ہیں۔

تو یہ ہے تمہارا گھر، اشوک نے کافی دیر بعد مکان پر نظر دوبارہ ڈالتے ہوئے کہا۔'' یہاں ''تو'' کا استعمال بہت سی تفصیلی بیان سے بیان کنندہ کو بچادیتا ہے۔ یہ بلیغ مکالمے کی پہچان ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے نثر نگار بڑا وہ ہوتا ہے جو مروجہ مرکبات میں اضافہ کرے اور نئے مرکبات کی تشکیل اس وقت ہوتی ہے جب فن کار کو نئے تجربات کو بیان کرنے کی ضرورت آن پڑے آفاقی اس معاملے میں بہت آگے تک جاتے ہیں۔ اکثر نئے مرکبات بناتے ہیں جسے پڑھ کر سماعت کو نئے پن کے احساس کے ساتھ نامانوس پن کا احساس بھی ہوتا ہے۔

'' جیسے اس کی متحرک زبان اب ایک مخصوص قواعد سیکھ گئی تھی اور اس میں احتیاط کا ''اسٹیل پن'' پیدا ہوگیا تھا'' مثلاً سنگین مسئلہ۔ روشنی فلامنٹ۔ اسٹیل پن۔ گھنی زندگی، گندھا ہوا کیچڑ، اصلی والا، باعزت غلام، گھومتا دماغ، زور پکڑتی آندھی، اُبلا ہوا انڈا، ٹھنڈے لمس، جادوئی گھروندا، شوقین عورت، چڑھتی پہاڑی، جانے مانے نقطے۔ سپاٹ منظر وغیرہ۔ مرکبات کی ایک فہرست بنائی جاسکتی ہے۔

فاروقی صاحب نے آج کی بول چال میں شامل انگریزی لفظوں کو اور ان لفظوں کو جو پڑھے لکھے اردو والے بولتے وقت اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں کا استعمال برمحل کیا ہے مثلاً ـ اور جب ایسے میں ساوتری اسے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑ دیتی وہ اتنی شدت سے ''ڈسٹرب'' ہوتا کہ اس کی روح تک کو چوٹ لگتی......''

اس جملے میں ڈسٹرب لفظ کی جگہ کوئی اور لفظ اردو کا رکھئے تو اس لفظ کی ناگزیریت کا احساس ہوجائے گا۔ مناسب انگریزی لفظ کا استعمال بھی اس ناول کی نثر کی انفرادیت ہے۔ یہی نہیں آفاقی صاحب نے تقاضوں اور ضرورت کے اعتبار سے محاوروں کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی سے کیا ہے جن کے استعمال سے کردار کی ذہانت یا احمق پن کا اظہار مقصود ہے مثلاً ـ

کمار: مجھ سے کہنے لگا (اشوک کے بارے) کہ ہم لوگ گوبر میں گھی سکھارہے ہیں وہ کہتا ہے کہ ان کے یہاں لڑائی تو ایک بزنس ہے اور نیرا کے ساتھ یہ لڑائی......گھاٹے کا بزنس لگتا ہے......''

اس ناول میں نثر کے ساتھ نظمیہ انداز بالخصوص نثری نظموں کی ساخت کا استعمال بھی اکثر مقامات پر کیا گیا ہے جس سے ناول میں گہری بصیرت پیدا ہوگئی ہے۔ (مثلاً ناول جس کو 32 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور تمام ابواب کا ایک دوسرے سے فنی ربط قائم کیا گیا ہے۔ جس وقت اردو میں یہ ناول آیا تھا ایک تجربے کا درجہ رکھتا تھا۔) ناول کے پچیسویں باب سے ایک مثال یہاں نقل کی جاتی ہے جو آج کی نثری نظموں کی زبان ہے۔ نیرا اپنے انکل جو ایک بزدل قسم کے اخبار نویس ہیں سے مخاطب ہے ـ

کس نے کمزور کیا آپ کے دل کو/ آپ نے زندگی کی صحبت چھوڑی/ فطرت سے مکمل طور پر کٹ کر دور ہوئے اور اپنے حدود کی تخلیق کرتے رہے/ جوانی اور صحت مند اور باتخلیق رکھنے والا ہارمون آپ کے اندر پیدا ہونا بند ہوگیا/ آپ کا جسم ایک بھرپور انسان کا جسم نہیں بلکہ ایک ٹھہری ہوئی مشین ہے/...... میں بھی مرچکا تھا میں تنہا پیڑ بن گیا تھا/ میری شکل واضح ہوگئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسے ناول میں نظم کے مصرعوں کی صورت میں لکھا گیا ہے اور ایسے کئی مقامات پر اس ناول میں نثری نظموں کے چھینٹے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ بیانیے سے اکتایا ذہن یہاں تخیل اور استعارے کی وادی میں آکر تھوڑی سی جذباتی تسکین حاصل کرتا ہے اور یہیں پر کردار کے اندرون کے تبحر علمی اور ذہانت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔

یہاں نظم ونثر کی دوئی کو ختم کرنے کی کوشش اسی لیے ہے کہ اس ناول میں حقیقت کی تعریف بدلنے کی کوشش ملتی ہے۔ اس ناول کا اسلوب شخصی نہیں تہذیبی اسلوب ہے، ہم اسے عصری اسلوب سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ کہیں کہیں تو محسوس ہوتا کہ ناول نگار جس زندگی، حالات، سوچ کو بیان کرنا چاہتا ہے اس میں وہ اتنا الگ اور گہری بصیرت سے لبریز ہو جاتا ہے کہ زبان چرمرانے لگتی ہے۔ آفاقی نے فطرت پسند فلسفیوں کے اس نظریے کی ہم جو چاہیں وہ چاہ نہیں سکتے کے برعکس یہ لکھا ہے –

۱۔ ''ہم چاہیں تو چیزیں بھی بدل جاتی ہیں۔''

۲۔ اس دنیا میں میں نے اپنی عمر میں یہ سیکھ لیا ہے کہ حکومتیں کہیں ہوتی ہیں لیکن احکامات کہیں اور سے جاری ہوتے ہیں۔ (ص 167)

اوپر کے دو جملے محض نمونہ ہیں آپ چاہیں تو سینکڑوں اقوال نما جملے اس ناول سے اخذ کر سکتے ہیں جن میں برسوں کے تجربات بند ہیں اور جن کی حیثیت Generalized Sentences کی سی ہے۔ مکان میں اسلوب اور تکنیک نیز فلسفے کی سطح پر اکثر مقام پر مروجہ شعریات سے انکار اور انحراف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً کرداروں کا سراپا بیان کرنا محبت والی کہانی سے گریز کرنا، قاری سے مرعوب نہ ہونا یعنی قاری کے Demand سے پرے زندگی کی گہری بصیرت کو پیش کرنا — کسی کردار کی موت سے گریز کرنا، المیہ اور رونا بسورنا وغیرہ سے اجتناب کرنا۔ عام فہم جملوں سے الگ ایسے جملوں کا استعمال جن میں تخیل کی ایک وسیع دنیا آباد ہو علامتیت اور تجریدیت سے گریز کہانی پن میں دلچسپی اور کہانی سے گریز کرنا۔ واقعات کو غیر فطری حد تک غیر متوقع موڑ دینے کی کوشش سے گریز کرنا اس ناول میں ایسے سحر انگیز تلذذ آمیز شاعرانہ جملوں کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے جو قاری کے ذہن کو نفس مضمون کی طرف سے کہیں اور — لے جائے۔ یاد رہے کہ (ہماری اردو تنقید میں اچھی زبان سے مراد شعری زبان مراد لی جاتی ہے) سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ناول Self Alienation کے خلاف ہے لیکن آفاقی ایسی اجتماعیت کے بھی قائل نظر نہیں آتے جس میں فرد کی آزادی بیرا کی طرح ہو جائے اور اس داخلیت کے بھی قائل نہیں جس میں اپنے تنہا ہونے کے غم میں بیرا کا وجود بھی محسوس نہ ہو۔

پیغام صاحب نے اس ناول کے بہانے کئی سطحوں پر تبدیلی کا خواب دیکھا ہے اس میں سب سے پہلی سطح یہ ہے کہ آدمی زندگی کو کیا سمجھتا رہا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس پر دفتر کے دفتر سیاہ ہو چکے ہیں۔ اس نوع کے ڈسکورس نے اس ناول کو ایک تفکیری ناول بنادیا ہے لیکن یہ فلسفہ قاری کو بور اس لئے نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ ناول کے ایک متحرک اور زندہ کردار نیرا کے پس منظر اور کہانی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو گیا ہے۔

نیرا کے اندر اتنی قوت کہاں سے پیدا ہوئی؟ دراصل نیرا کی صلاحیتیں اس لیے ابھر کر سامنے آگئیں کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ جب تک فرد میں ایک خاص نوع کا شعور بالیدہ نہ ہو ہمیں کسی بھی جمہوری ملک میں برناڈ شا کی طرح یہ کہنا پڑے گا کہ Democracy is not the Goverment of the people نیرا جمہوری نظام کے ناکام ہو جانے کو شدت سے محسوس کرتی ہے۔ اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ تعقل پسند، تجزیہ نگار اور فلسفیانہ ذہن کا مالک ہو جاتی ہے۔

ان تمام مباحث کو اگر سمیٹا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ''مکان'' غیر روایتی انداز کا ناول ہے اور اپنے عہد میں موضوع اور فن کے اعتبار سے اچھوتا فن پارہ ہے جس میں مابعد الطبیعاتی، اساطیری، ایمائی انداز اختیار کرتے ہوئے عورت کے کردار کو آج کے تناظر میں رکھ کر پورے عہد کی نفسیات کو ٹٹولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کوئی سچا ناول پڑھنے سے تکلیف ضرور ہوتی ہے اس کا احساس مکان پڑھنے کے بعد کیا جاسکتا ہے۔ آفاقی نے فکشن اور فلسفہ کے فن کارانہ آمیزش کے ذریعے مکان کا متن تیار کیا ہے اور اردو ناول کو امراؤ جان، دھنیا، لاجونتی وغیرہ سے بھی بڑا اور مکمل تانیثی کردار ''نیرا'' کی شکل میں دیا ہے جو بیسویں صدی کی تہذیبی انتشار کا استعارہ بن جاتا ہے۔

نیرا کی جنگ انسان کی معصومیت اور عورت کی صلاحیت وعظمت کو بچانے کی جنگ کے ساتھ ہندوستانی تہذیب کے تحفظ کی جنگ بھی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ناول، ناول کی قرأت نو کا متقاضی ہے۔ (بعض لوگ سب کچھ مغرب کی عینک سے دیکھتے ہیں اور مغرب کے ان ناولوں کا حوالہ ناسمجھی میں دے دیتے ہیں جنہیں خود مغرب کے لوگ پچھلی برس کی جنتری قرار دے چکے ہوتے ہیں)۔ بلامبالغہ ''مکان'' حکم نہیں لگاتا، وعظ نہیں کرتا بلکہ معاشرے میں جو برائیاں ہیں انہیں اپنے کرداروں کے درمیان رکھ دیتا ہے اور مکان کا ہیرو یا ہیروئن کوئی کردار نہیں حالات بن جاتے ہیں۔ آج کے نئے ناولوں کے ہیرو حالات بن جاتے ہیں۔

دراصل مکان پڑھتے وقت ہم اپنے اندر نیرا کے شب وروز کی اذیت اور اس کے اندر ہونے والی تبدیلی نیز زندگی سے متعلق اس کے نظریات کی گرمی کو محسوس کرتے ہیں۔

اس طرح مکان دنیائے فکشن میں ہی نہیں انسانی اذہان کی تاریخ کا ایک نیا تناظر لے کر ہمارے سامنے آتا ہے یہاں انسان تنہا اور منہ بسورتا سا محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے اندر کچھ اُبھرتا ہوا سا محسوس کرتا ہوا اور اپنے چھوٹے چھوٹے مقاصد سے پرے ایک عظیم انسانی آزادی اور اس کے اقدار کی بازیافت کی طرف سفر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بلامبالغہ مکان اردو ناول کے معیار سازی میں اہم کردار ادا کرنے والا رجحان ساز ناول ہے۔

☆☆

۱

یہ ایک سنگین مسئلہ تھا۔ نیرا کا مکان خطرے میں تھا۔ اس کا کرایہ دار کمار اس سے اس کا یہ مکان چھین لینا چاہتا تھا۔ وہ اب تک اپنے اس مکان میں بڑے چین سے تھی۔ اس کے ساتھ اس گھر میں صرف اس کی ماں تھی۔ مکان کے آدھے حصہ میں وہ کرایہ دار تھا جو کرایے کی ایک معمولی رقم دیتا تھا۔ نیرا میڈیکل کی طالبہ تھی اور تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ اسی مکان میں ایک نرسنگ ہوم کھولنا چاہتی تھی۔

نیرا کا یہ مکان بیچ شہر میں تھا اور اس شہر کے پھیلاؤ اور ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے مکان کی قیمت دن دونی رات چوگنی بڑھتی جا رہی تھی۔ نیرا اکثر اپنے مکان کی اس بڑھتی ہوئی قیمت کے بارے میں سوچ سوچ کر مستقبل کے کئی قسم کے اتانے بانے بنا کرتی تھی۔ لیکن ایک دن جب اسے محسوس ہوا کہ کرایہ دار کی نیت بدل رہی ہے اور کمار بھی دوسرے کرایہ داروں کے مانند بغیر بھاری رقم وصول کئے ہوئے مکان خالی کرنا نہیں چاہتا تو اس کے دل میں ایک گہری چوٹ لگی۔ اور جب اس کے کچھ دنوں کے بعد اسے یہ محسوس ہوا کہ کمار اپنی دولت کی ان دیکھی قوتوں کا سہارا لے کر اس کے پورے مکان کو ہڑپ لینا چاہتا ہے تو وہ گھبرا گئی۔ پھر جب اس نے کمار کے قدموں کو روکنے کی کوشش کی اور لوگوں کے پاس مدد کے لئے گئی تو دیکھا کہ تمام لوگوں کے چہرے اور تمام چیزوں کے رنگ بدلنے لگے تھے۔ اسے اپنے سامنے کی حقیقت پر خواب کا سا گمان ہوا اور اسے لگا کہ اس کے مکان کی چھت اب آسمان تک اٹھ گئی تھی۔ اور اس کی دیواریں افق تک بھاگ گئی تھیں۔ یہی نہیں، اسے تو اب ان تمام چیزوں میں جواب تک چھوٹی اور اکہری دکھائی

دے رہی تھیں اب متعدد شکلیں دکھائی دینے لگی تھیں۔ اس کے علاوہ دیواروں پر لٹکے ہوئے کلنڈر اب آسمانی صحیفوں کی طرح زماں و مکاں کی تمام وسعتوں تک پھیلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اور کمرے میں رکھی ہوئی تپائی اب ہزاروں سال پرانی دکھائی دے رہی تھی، جیسے یہ سب کچھ بہت قدیم ہو اور اس کی جڑیں بہت گہری ہوں۔

'میں نے اب تک جو دیکھا وہ سب کچھ اب ٹوٹ کر گر چکا ہے اور اب جو کچھ دکھائی دے رہا ہے یہی میرا مکان ہے۔ مجھے اب اپنے اس مکان کا، دوڑ دوڑ کر، چھو چھو کر، اور اس کی دیواروں کی ان دیکھی دوریوں کا سفر طے کر کے، از سر نو ادراک کرنا پڑے گا'۔ اس شہر کے بیچ رہتے ہوئے بھی یہ بے مکانی کی کیفیت ہولناک تھی۔ 'میرا یہ مکان تو بے حد وسیع اور پُر اسرار ہے۔ اگر یہ کوئی وہم ہوتا یا جاگتے میں دکھائی دینے والا خواب ہوتا تو وہ اسے فوراً ہی جھٹک کر دور کر دیتی لیکن اسے تو اب اسی دنیا میں اپنے کو بسانا تھا۔

☆☆

۲

اسی کش مکش میں ایک دن ماں بیٹی دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھی کمار کی نیت کے بارے میں قیاس آرائی کر رہی تھیں۔

'اس کی چال ڈھال کو دیکھتے ہوئے مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ مکان چھوڑے گا'۔ ماں کی آواز میں ایک مجبوری کی جھلک تھی۔

'اور دیکھو' کیسے تیزی سے یکا یک بدل گیا ہے، جیسے یہ وہ کمار ہے ہی نہیں'۔ نیرا کے لہجہ میں خود اعتمادی کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔

'آج تو آفس جاتے وقت میری طرف دیکھا بھی نہیں، میں دروازے پر ہی کھڑی تھی'

'دل میں چور جو چھپائے بیٹھا ہے، آنکھیں کیسے ملا سکتا ہے'

'تمہارے باپ نے آدمی نہیں پہچانا بیٹی، یہ اسی کا نتیجہ ہے'

'کسی کے چہرے پر تھوڑے ہی لکھا ہوتا ہے'

'ایسا گھور اندھکار تو اسی زمانے میں دیکھ رہی ہوں'

اُس زمانے میں اندھکار تو نہیں ہے، ممی ہم ہی کچھ نہیں دیکھ پاتے ورنہ اس صدی میں تو یوں سمجھ لو کہ کروڑوں واٹ کا بلب جل رہا ہے'

'تمہیں لگتا ہوگا' مجھے تو لگتا ہے کہ ہر چیز روشن فلامنٹ کی طرح اپنی ہی روشنی کے پیچھے چھپی رہتی ہے، ماں نے غور سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

اُس دن شام کو کمار نے نیرا کی ماں کو بلوایا۔ اس نے نیرا کی ماں کو پاؤں چھوتے ہوئے

نمسکار کیا اور ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

'ماتا جی اس نئے گھر میں کچھ کام باقی رہ گیا ہے۔ ایک ڈیڑھ ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔'

نیرا کی آنکھوں میں شکوک کے گہرے سائے تیر رہے تھے۔

'کوئی بات نہیں بیٹا میں آج ہی دیپک کو لکھ دیتی ہوں کہ وہ شادی کی باقی تیاریاں کرے۔ اور اسے یقین دلانے کے لئے اگر تم خود اپنی طرف سے ایک پرچی لکھ کر دے دو تو اچھا ہو۔ میں بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے اس چِتا سے جلد سے جلد اپنا چھٹکارا کرنا چاہتی ہوں۔'

'آپ کی بات سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں'

نیرا کی ماں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

'اچھی بات ہے بیٹا' جیتے رہو، لیکن تم نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا ہے۔' کمار خاموش رہا۔

جب کمار نے پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ جا کر سب انسپکٹر نیر سے اپنے ارادے کا ذکر کیا تو اس نے نیرا کے متعلقین کے بارے میں تفصیل سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ ان تفصیلات کو مکمل طور پر جاننے کے بعد نیر کے ذہن میں تصویریں صاف ہو گئیں ــــــ نیرا ایک ایسی لڑکی تھی جس کا اس شہر میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کے معاملے کو انتظامیہ یا سیاست میں اچھال سکتا ہو۔ اور نہ اس کے پاس اتنے روپے تھے، نہ اتنی فرصت تھی اور وہ یقیناً میڈیکل کی تعلیم کی تکمیل کو مکان کے جھمیلے میں پڑنے سے زیادہ اہم سمجھتی، اس کی ماں ذہنی تناؤ کی مریضہ تھی اور ذرا سا شور و ہنگامہ اس کی زندگی کے لئے موت کا سامان بن کر ان کے لئے ایک بھیانک بھونچال پیدا کر سکتا تھا۔

'کام ہو جائے گا'۔ نیر نے اعتماد سے کہا۔

نیر جی' میں صرف پیسے سے ہی تیار نہیں ہوں، چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کام میں کسی بھی صورت سے کامیابی ہی ہو اس لیے اگر اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ آئے تو مجھے بھی بتا دیجئے گا، میں آپ کے حدود کو سمجھ رہا ہوں'۔ نیر نے اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔

'صاحب نے ایک بار کہہ دیا ہے تو اپنے بل بوتے پر کہا ہے۔ پراپرٹی ڈیلر نے مداخلت کی۔' آپ کیا سمجھتے ہیں؟ نیتا کیا ہوتا ہے؟ ان کے سر پر بھی پچاسوں کا ہاتھ ہوتا ہے آپ جو سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے۔ اب آپ تھانے کی طرف آئے ہیں تو دھیرے دھیرے سب معلوم ہو جائے گا۔ آپ میں اور ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ آپ میان سے تلوار نکال کر چمکاتے ہیں

اور یہ اپنے خفیہ بٹن سے جہاں چاہیں بجلی کا جھٹکا دے دیتے ہیں۔ یہاں کی دنیا بہت پر اسرار ہے، اور اتنی ہی قوی بھی ہے۔ اب تک انہوں نے میرے سترہ کام اپنے ہاتھ میں لیے اور سب کامیابی کے ساتھ کئے۔ بڑے بڑے نیتاؤں نے دوسری طرف اسے ہاتھ ڈالا۔ اور انتظامیہ اور سیاست کی اعلیٰ ترین شخصیتوں سے دباؤ ڈلوایا لیکن انہوں نے ہر ایک کا فیوز اڑا دیا۔ ان کے چہرے کی ایک ایک لکیر کامیابی سے حاصل کی گئی مہارت کی سند ہے ورنہ اس عمر میں چہرے پر اتنی صلابت کس میں ہوتی ہے ــــ یہ محکمہ قانون سے نہیں تجربے سے چلتا ہے۔ یہاں کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا نہیں۔ یہاں کون کتنے پانی میں ہے اس کا اندازہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی ان سے ٹکراتا ہے، یہاں کے ماہر افسر اپنے دماغ کو پرزم کی طرح استعمال کرتے ہیں اور قانون کے سفید حروف سے جو رنگ چاہیں وہی رنگ نکالتے ہیں، اور نیر جی کا تو یہاں سب لوہا مانتے ہیں۔ میں اسی وجہ سے آپ کو ان کے پاس لایا ہوں'۔

کمار مطمئن ہو گیا۔

☆☆

۳

اس کے چند روز بعد ایک دن کمار نے اس مکان کے چاروں طرف کی جھاڑیاں اپنے مزدوروں سے کٹوادیں۔ یہ کام اب تک مالک مکان کی حیثیت سے خود نیرا کرتی آئی تھی۔ جب نیرا نے اعتراض کرتے ہوئے کمار سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اگر کمار نے خود اپنے پیسے سے یہ کام، جو بہرحال ضروری تھا، کرادیا تو کوئی جُرم نہیں کیا اور اس پر اعتراض بے معنی اور بچکانہ ہے۔

پھر ایک دن اچانک نیرا نے دیکھا کہ گھر کے پھاٹک کے ستون پر جہاں اس کے باپ نے اپنے نام کی تختی لگانے کے لیے جگہ چھوڑی تھی وہاں کمار نے اپنا نیم پلیٹ لگا دیا تھا۔ اور اس دن سے نیرا جب بھی اپنے گھر میں گھستی تو پھاٹک پر ہی اسے اجنبی سا شبہ ڈنک مارتا کہ وہ جس مکان میں داخل ہورہی ہے اس مکان کی مالک وہ ہے یا وہ کسی اور کے گھر کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ اس دن کے بعد وہ اس ڈنک کو کبھی دبا نہیں پائی۔ کئی بار اس کے جی میں آیا کہ وہ اس نیم پلیٹ کو اکھاڑ کر پھینک دے لیکن یہ اس کی غیر موجودگی میں اتنے سلیقے اور مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا کہ اسے یوں نکالنے کی کوشش احمقانہ ہوتی۔ کئی بار اس کے گھر آتے جاتے اس کی سہیلیوں نے بھی اس سے پوچھ لیا تھا کہ کیا اس نے یہ مکان بیچ دیا تھا۔ اور اگر بیچا نہیں تھا تو یہ نیم پلیٹ کسی اور نے کیوں لگایا تھا؟ اور وہ اسے ہٹوا کیوں نہیں دیتی؟

اس کے چند روز بعد کمار ایک نئی فیٹ کار لایا تھا۔ وہ یہ کار پھاٹک کے سامنے اس جگہ پارک کرنے لگا جہاں عموماً نیرا کے ملنے والے اپنا اسکوٹر کھڑا کرتے تھے۔

ایک دن اس نے نیرا کی اجازت کے بغیر مکان کی چھت پر ایک بڑی سی پارٹی کا اہتمام کیا حالانکہ چھت اس کی کرایہ داری کی جگہ میں شامل نہیں تھی۔ اس نے پوری چھت پر کرسیاں بچھوائیں اور تب سے وہ چارپائیاں اب چھت پر ہی پڑی رہنے لگیں۔

گرمی کے موسم میں کولر لگے کمرے کو چھوڑ کر وہ کھلی چھت کی خوشگوار ہوا میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے شام کے بعد وہیں اٹھنے بیٹھنے، اور سونے لگے تھے اور چند روز کے بعد رات کا کھانا بھی وہیں لا کر کھانے لگے تھے، شروع میں جب نیرا وہاں چلی جاتی تو ان پر ایک خاموشی طاری ہو جاتی، لیکن رفتہ رفتہ اب وہ ادھر سے بے فکر، گفتگو میں محو ہو کر چہکتے بولتے رہتے۔

ایک دن مسز آشا نے پھولوں کے گملے منگا کر پورے مکان میں سجائے۔ آنگن اور صحن کے علاوہ اس نے پوری چھت پر ہر طرف یہ گملے رکھوائے۔ اس دن وہ کافی دیر تک نوکروں کو بتاتی رہی کہ گملے کہاں کہاں رکھے جائیں، اور ان کی مناسب سجاوٹ کے لیے پورے مکان اور خصوصاً چھت کا مختلف زاویوں سے معائنہ کرتی ہوئی، نوکروں کو انگلیوں کے اشارے سے سمجھاتی رہی۔ اور اس دن جب نیرا دیکھنے گئی کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا تو اسے دیکھ کر مسز آشا کے چہرے پر ایک ایسی بھیانک تلخی پھیلی جیسے نیرا کا وہاں جانا اسے انتہائی ناگوار لگا ہو، اور وہ منہ موڑ کر نوکروں کو ڈانٹتی ہوئی سمجھاتی رہی کہ کون سا پھول کہاں اچھا لگے گا۔ نیرا نے کمار کے والدین کو بھی اکثر پورے مکان کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ مکان کو دیکھتے ہوئے پتہ نہیں کیا کیا سوچتے رہتے تھے۔ وہ صرف کچھ دنوں کے لئے دلی آئے تھے لیکن مکان میں، ایسا لگ رہا تھا کہ ان کی دلچسپی کافی گہری تھی۔ انہی دنوں اس نے دیکھا کہ کمار کے کمرے کا نیم پلیٹ بدلا ہوا ہے، اور پہلے کے مقابلے اب ایک بہت بڑا اپیتل کا نیم پلیٹ لگا ہوا ہے جو نیرا کے نیم پلیٹ سے دو تین گنا زیادہ بڑا تھا اور اس پر پیتل کے حروف پرشکوہ انداز میں چمک رہے تھے۔

ابھی وہ ان باتوں کو صاف صاف سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ ایک دن لوکل تھانے سے ایک حوالدار نیرا کے گھر آیا۔ اس وقت نیرا چھت پر کھڑی تھی۔ اس کی نظر حوالدار پر پڑی جس نے پھاٹک سے اندر آ کر اپنی نگاہ سے پورے مکان کا محاسبہ کیا۔ نیرا پیچھے کی سیڑھی سے اتر کر برآمدے میں آئی تو دیکھا کہ وہ حوالدار واپس جانے کے لئے مڑ چکا تھا۔ اس نے حوالدار سے پوچھ لیا کہ کیا وہ کسی کام سے آیا ہے تو حوالدار نے جواب دیا تھا کہ یوں ہی، ادھر سے گزرتے

ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی لیکن نیرا کو لگ رہا تھا کہ نیرَ اب بھی پسِ منظر میں کہیں گھوم رہا تھا۔

یہ جھگڑے اس کی تعلیم کو بھی متاثر کرنے لگے۔ایک دن مسز آشا کا موڈ دیکھ کر کالج جانے سے پہلے اسے اپنی ماں کو ہدایت کرنی پڑی کہ وہ زیادہ تر اپنے کمرے کے اندر ہی رہے۔ اور اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہو سکی اور اس روز تمام دن اس کا ذہن اسی میں الجھا رہا کہ اس کے گھر پہ کچھ ہو نہ گیا ہو۔وہ کوئی بھی لیکچر توجہ سے نہیں سن پائی تھی۔

ایک دن اس کے ماموں کا لڑکا پربھات کمار اس کے گھر آیا تھا۔اسے دیکھ کر فوراً ہی آشا نے فون کیا اور تھانے سے ایک افسر آیا۔وہ پربھات سے پوچھ تاچھ کرنے لگا کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اس کے گھر اور آفس کا پتہ کیا ہے۔اور یہاں کیوں آتا ہے۔نیرا سے اس کا کیا رشتہ ہے۔اور یہ سب کچھ ایک سادہ کاغذ پر لکھ کر لے گیا تھا۔

اس کے یہاں جب بھی کوئی مہمان آتا تو آشا تجسس کے ساتھ دروازہ کھول کر دیکھتی اور اکثر پھاٹک تک آ کر ان کا دور تک نگاہوں سے پیچھا کرتی کچھ دنوں کے بعد یوں بھی ہونے لگا کہ اس کا لڑکا یا ان کا طرف دار کوئی پڑوسی کافی دور تک مہمان کا پیچھا کرتے ہوئے بس اسٹینڈ تک گیا اور یہ دیکھ کر لوٹا کہ وہ کس راستے پر جانے والی بس پر گئے .... اور ایک دن تو نیرا کا پڑوسی جے چند، جو کمار کا قریبی دوست تھا، تین تین بسیں بدل کر اسی کا پیچھا کرتا چلا گیا۔

آشا نے ایک کتا بھی پال رکھا تھا...... وہ جب نیرا کے یہاں آنے والے مہمانوں کو دیکھ کر بھونکتا تو اسے کوئی منع نہیں کرتا۔وہ اکثر مہمانوں کو بھگاتا ہوا سڑک تک لے گیا۔اور جب وہ اچھلتا کودتا واپس آتا تو اس کو دیکھ کر آشا اور اس کے بچے ہنستے، اور ان کی ہنسی کتے کی ہمت افزائی کرتی۔

اور ایک دن پراپرٹی ڈیلر راستے میں اسے روک کر کہنے لگا کہ اگر وہ مکان بیچنے کا ارادہ رکھتی ہو تو بتائیے اور جب نیرا نے اسے چونک کر دیکھا تو اس نے یہ بھی بتایا کہ اپنے رجسٹر میں مکان بیچنے کے خواہش مندوں میں اس نے پہلے ہی سے اس کا نام لکھ رکھا ہے۔

پھر ایک دن نیرا کے یہاں میرٹھ سے ایک مہمان آیا تھا۔اس سے نیرا کی ماں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ چاہتی ہے کہ نیرا کی شادی کر دے اور شادی کے بعد دونوں اسی مکان میں رہیں...... ٹھیک اسی لمحے آشا قریب کے دروازے سے گزر رہی تھی اور اس نے ٹھٹھک کر سن لیا

ہوئے اسے خیال آیا تھا کہ وہ یہ دیکھ لے کہ یہاں سب کچھ ٹھیک تو ہے، 'کیوں' یہاں کیا ہوا ہے؟ نیرا نے پوچھا تھا۔' کچھ نہیں۔اور یہ کہتا ہوا وہ نیرا کی طرف مزید توجہ دئے بغیر باہر چلا گیا۔نیرا کی چھٹی حس نے تبھی بھانپ لیا تھا کہ بدامنی اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔پھر ایک دن آشا سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔اس کے بعد تھانے کی پولس آئی۔آشا بہت ساری الٹی سیدھی باتیں اس پولس افسر کو بتاتی رہی لیکن وہ اس طرف پوری توجہ دیئے بنا محض آنگن میں کھڑا، پورے مکان کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتا رہا۔پھر اس نے نیرا کو بغور تجزیاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔'' آپ نے ان کو کرایہ دار رکھا ہے تو ان کو ٹھیک سے رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے''۔اور یہ کہہ کر اس نے نیرا کے ردِ عمل کو باریک بینی سے دیکھا جس سے یہ بات صاف جھلک رہی تھی کہ در اصل وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نیرا ایسی باتوں کو رد کرنے میں کتنی قوت اور اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔

ایک دن آشا کے بچوں نے اس کے کچن میں ایک لمبی سی چھڑی کے ذریعے اسٹیل اور شیشے کے کئی برتن گرا دیئے۔اس بات پر اس شام اس کا آشا سے شدید جھگڑا ہوا۔اس نے سیدھے تھانہ میں جا کر اس بات کی رپورٹ درج کرائی۔اس کی رپورٹ کی کاپی لے کر ایک سپاہی اندر گیا تو اس نے واپس آ کر اس سے تھوڑا رکنے کو کہا۔کافی دیر انتظار کروانے کے بعد افسر نے اسے اندر بلایا اور پوچھا کہ اسے کیا تکلیف ہے؟ اور یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا؟ اور جب نیرا بتانے لگی تو اس کی نگاہوں کی حرکت سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نیرا کے خیال میں یہ واقعات کیوں ہو رہے تھے؟ اس کے چند منٹ کے بعد اس نے اسے پھر باہر بیٹھ کر انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔وہ سپاہی اس کے پاس پھر آیا اور اس سے کہا کہ وہ افسر اس کے مسئلے پر تفصیل سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس وقت اس کو فرصت نہیں تھی، اور نیرا اس سے شام کے وقت گھر پر مل لے۔اس سپاہی نے یہ بھی کہا کہ وہ افسر بہت اچھا ہے لیکن اس کے پاس کام اتنا تھا کہ دم مارنے کی فرصت نہیں تھی۔جب وہ شام کو وہاں گئی تو پایا کہ یہ در اصل نیرَ کے کسی دوست کا گھر تھا۔دونوں وھسکی پی رہے تھے۔اور نیرَ اسے سامنے بٹھا کر باتیں کرنے لگا۔پھر وہ قریب آ کر بیٹھ گیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ سٹ گئی۔وہ عجیب کش مکش میں تھی۔ وہ نشے میں ہے، پتہ نہیں ہوش و حواس میں ایسا کر رہا ہے یا محض بہک رہا ہے۔پھر وہ دوست دروازے کے پٹ بند کر کے باہر چلا گیا۔چند لمحوں بعد وہ کترا کر چلی آئی تھی۔نیرَ نے اس کے

تھا......اور پھر یکا یک ہی اس کے گھر میں تمام حرکتیں تیز ہوگئی تھیں۔ اور کمار، اس کی بیوی اور بچے سب شدید ذہنی پریشانی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، اور یہ تناؤ تب ٹوٹا جب آشا نے اسے اور اس کی ماں کو مارنے کے لئے کمرے کے اندر تک پیچھا کیا......اور تب مسز آشا نارمل دکھائی دینے لگی تھی۔ اس دن کمار نے آشا کو ڈانٹا بھی نہ تھا۔ اور نیرا کو تسلی بھی نہیں دی تھی۔ بلکہ اس کا چہرہ بھاری ہوگیا تھا۔

اس دن نیرا نے بہت شدّت سے کچھ محسوس کیا تھا۔

ان واقعات کے پس منظر کو وہ پہلے کیوں نہیں پہچان پائی تھی؟ وہ ابتدا میں، اس وقت جب یہ واقعات تنہا تنہا ہو رہے تھے، ان کے ہونے پر کیوں نہیں چونکی تھی؟ اس آنے والی آندھی کا اندازہ اس کے آثار سے کیوں نہیں لگا پائی تھی۔ کیوں اس وقت وہ محض الجھ کر رہ جاتی تھی۔ اس کے باوجود کہ اس کا ذہن کچھ محسوس کرتا تھا وہ اس بات کو واضح نہیں کر پاتا تھا اور ایک بے چہرہ بے چینی اس کے چاروں طرف اُگتی جارہی تھی۔ ایک بے چہرہ سازش اسے اپنے گھیرے میں لیتی جارہی تھی۔ وہ سرسراہٹ کو سنتی تھی لیکن کوئی شکل نہیں دیکھ پاتی تھی۔

لیکن کیا دیکھنا ممکن تھا؟

کیا اس وقت ان واقعات کا معنی کھل سکتا تھا جب ان کی ابتدا ہوئی تھی۔ مثلاً جب پہلی بار نہانے کی باری کو لے کر جھگڑا ہوا تھا تو کیا میں نے اس وقت غور کیا تھا کہ یہ جھگڑا کیوں ہوا تھا؟ نیرا کو پورا واقعہ یاد آیا......ہوا یہ تھا کہ میں پہلے نہانے چلی گئی تھی کیونکہ مجھے کالج جلدی جانا تھا۔ لیکن ایسا تو کئی بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ یہ جھگڑا اسی دن کیوں ہوا تھا۔ اسے یاد آیا' میں جیسے ہی نہا کر نکلی، آشا نے طنز کیا' بڑے نکھرے ہوگئے ہیں، رگڑ رگڑ کر نہارہی ہے، نہ جانے کس کو دکھانے جارہی ہے'۔

کیا ہوا؟ اس نے بھی چونک کر پوچھا تھا۔ اور پھر بات بڑھ گئی تھی۔ اس وقت میں یہ تجزیہ کرکے مطمئن ہوگئی کہ انتظار کرنے کی وجہ سے آشا بوکھلائی تھی۔ اس وقت اس سے زیادہ اس واقعے میں میں کوئی اور معنی نہیں دیکھ سکی تھی۔

میں تو اس واقعے پر چونکی بھی نہ تھی۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔ کیا بھول بھلیاں ہے۔ میں نے اپنے شعور کے چاروں طرف ایک تاریکی بچھا رکھی ہے اور اس طرح میں نے اپنی

نگاہوں کے دائرے کو محدود کرلیا ہے۔ اور اپنے آپ کو بہت مختصر کرلیا ہے۔ میں نے اپنے کو اپنے چاروں طرف بکھری ہوئی حقیقتوں سے کاٹ کر اتنی انجان، اتنی نادان اور اتنا محدود بنالیا ہے کہ میں جنگل کی وسیع تاریکی میں اپنے چھوٹے سے الاؤ کی روشنی میں بیٹھی رہتی ہوں۔ مجھے دور دور سے جنگل والے دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں لیکن میں ان کو چند گز سے آگے تک نہیں دیکھ پاتی۔ اس جنگل میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے اس سے میں ناواقف رہتی ہوں..........لوگ میرے جنگل میں جال بُن رہے ہیں اور میں ان سے ناواقف ہوں، اور جب کہیں کوئی صدا سنائی دیتی ہے تو میں صرف چونکتی ہوں اور پھر بے دید ہو جاتی ہوں۔

جب مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے، میری روشنیوں کے دائرے میں کوئی جانور گزر جاتا ہے تو میں چیختی ہوں لیکن جیسے ہی وہ چلا جاتا ہے میں اپنے کو مطمئن کرلیتی ہوں۔ میں عموماً یوں ہی اپنے الاؤ کی روشنی میں قید رہتی ہوں۔ میری تنگی، میرا چھوٹا پن ہی میرے ذہن کی زنجیر بن گئے ہیں۔ میں واقعات کو بغور تجزیہ کرنے اور تجزیے کے ذریعہ دور دور تک دیکھنے کے شعور سے محروم ہوگئی ہوں..........اور اب میں اپنے چاروں طرف کے ماحول کو صاف صاف اس لئے دیکھ رہی ہوں کہ میں نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھنا شروع کردیا ہے یوں کہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اسے بلا روک ٹوک دیکھتی ہوں۔ اور روشنی میرے اندر سے یوں پھوٹ رہی ہے جیسے......ٹیوب ویل سے پانی نکلتا ہے۔ کیا چیزوں کو جاننے جاننے، اور پہنچاننے پہچاننے میں فرق ہے؟ کیا علم کے کئی روپ ہیں؟ اور علم کا سب سے پختہ روپ براہِ راست زندگی خود ہے؟؟

کمار کے نمایاں چہرے کو میں نے قریب سے دیکھ کر بھی کیوں نہیں پہچانا تھا؟ تب تک جب تک مجھے اس کی نیتوں کا لمس نہیں ملا؟ نیرا......میڈیکل کی بڑی بڑی کتابوں کو سمجھنا آسان ہے لیکن زندگی کے گلی کوچوں کے اسرار بڑے مشکل ہیں۔

ماضی..........واقعات اپنا روپ بدل رہے تھے۔ پہلے وہ مقامی تھے، اب ہمہ گیر ہو رہے تھے، پہلے وہ سادہ تھے۔ اب ان کا چہرہ بھیانک ہو کر ڈرا رہا تھا۔ پہلے وہ ہوا کی دستک تھے اب چیختے ہوئے طوفان دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے وہ چھوٹے تھے۔ اب بڑے بڑے ہوگئے تھے۔ اب ان کی جڑیں دور دور تک دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ تھانہ، کورٹ، سیاسیات، معاشی فلسفوں، بدلتی ہوئی قدروں، قدروں کو بدلنے والی وجوہات، نئے انکشافات

سے نمایاں ہونے والے نئے کائناتی چہرے.........اور ان چہروں کے ظہور سے پوری کائنات میں چیزوں کے درمیان بدلے ہوئے رشتوں اور ان چیزوں کے بدلتے ہوئے کردار......اور ان چیزوں کے تئیں انسانی رشتوں میں تبدیلیاں......اتھل پتھل......اتھل پتھل اور اس پر حاوی ہونے کی اس کی کوشش......یہ کوشش......ایک سفر تھا، وہ سفر میں تھی۔

اسے یاد آیا.........ایک دن آشا کے کتے نے اسے کاٹ لیا تھا۔ وہ تھانے میں رپورٹ لکھوانے گئی۔ پورے تھانے میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ سڑک سے لان تک ڈیڑھ دوسو آدمی کانا پھوسی کر رہے تھے۔ وہ جاکر ڈیوٹی آفیسر کے ٹیبل کے پاس کھڑی ہوگئی۔ ڈیوٹی آفیسر خود بھی پریشان پریشان تھا۔ وہ بھاگ کر تھانہ انچارج کے روم میں گیا، پھر واپس آیا، اور روزنامچہ لے کر اندر گیا۔ وہ ان حرکتوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ وہ پھر بھاگا بھاگا نکلا اور منشی کے پاس جاکر اسے روزنامچہ میں ایک چھوٹی سی خالی جگہ پر کچھ لکھنے کی ہدایت دینے لگا۔

نیرا ان کو دیکھتی رہی اور ساتھ ساتھ ان چند لوگوں کی گفتگو سنتی رہی جو وہاں کھڑے تھے۔ اس نے اس وقت کسی وجہ سے محسوس کیا کہ ان تمام باتوں سے جو سامنے ہو رہی تھیں، وہ اندرونی طور سے کہیں بہت مضبوطی سے بندھی ہوئی تھی وہ ان چیزوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ بالکل اس طرح جیسے جو کچھ ہو رہا تھا اس پورے عمل میں وہ خود بھی شامل تھی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی اجنبی جگہ پر نہیں آئی تھی۔

اسے معلوم ہوا کہ ایک نوجوان لڑکا کسی ملزم کے نام اور شکل کی مماثلت کی وجہ سے غلط فہمی میں پکڑا گیا اور تھانے کے لاک اپ میں تمام ثبوتوں کے باوجود اقبال جرم نہیں کرنے کی وجہ سے کئے جانے والے زدوکوب سے اس کی موت واقع ہوگئی تھی۔ یہ سن کر اسے خوف بھی ہوا اور حیرت بھی ہوئی۔ انہیں اپنی رائے قائم کرنے کے ناقص شعور پر کتنا اندھا بھروسہ تھا کہ وہ اس انسانی لہجے کو قطعی نہیں سمجھ پائے ہوں گے جس لہجہ میں وہ لڑکا اپنی معصومیت کا اظہار کر رہا ہوگا۔ اور اس لڑکے کو مرتے وقت کتنی حیرت ہوئی ہوگی؟

افسر انچارج پریشان تھا۔ لوگ ٹیلی فون بھی گھبراہٹ میں اٹھا رہے تھے۔ ہیڈ کوارٹرز سے ان کے تبادلہ کی خبر کسی بھی لمحہ متوقع تھی۔ کئی لوگ، بار بار افسر انچارج کے کمرے میں جا رہے تھے، اور پھر نکل کر لان میں صلاح و مشورہ کر رہے تھے۔

لوگوں میں یہ کس نوعیت کی دلچسپی ہے؟

یہ لوگ کیوں اس قدر جٹے ہوئے ہیں؟

کیا انہوں نے بھی اس معصوم مقتول کی آواز اور اس کے چہرے کی طرف سے اپنے کان اور آنکھ اور دل کے کواڑ بند کر لئے ہیں۔ یہ لوگ جو اسی شہر کے ہیں کہاں کہاں سے آئے ہیں اور کہاں کہاں کیا کیا کرتے ہیں؟ اور کہاں کہاں یہ اسی طرح جٹے ہوئے ہیں۔ میں اتنی بڑی ہوگئی ہوں لیکن سماج میں موجود ان مضبوط ترین چہروں سے میں ناواقف کیسے تھی؟ کہیں میں اس طرح اور بھی بہت ساری چیزوں سے ناواقف تو نہیں؟ کہیں میری یہی لاعلمی وہ پردہ تو نہیں جسے میں اکثر اپنی آنکھوں پر پڑا ہوا محسوس کرتی ہوں؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ میں جس زبان میں سوچتی ہوں، اور دیکھتی ہوں وہ زبان ہی پچھڑ گئی ہے۔ کہیں میں محض فرسودہ تصویروں کی دنیا میں تو نہیں رہ رہی ہوں جس میں تصویریں بدل گئی ہیں، لیکن آنکھوں پر اب تک پہلی تصویروں کا ہی عکس غالب ہے۔ کہیں میری آنکھوں کی وہ صلاحیت جس سے آنکھیں پل پل پڑتی تصویروں کے عکس کو مٹاتی جاتی ہیں اور نئی تصویروں کے عکس کو گرفتار کرتی جاتی ہیں، وہ صلاحیت ہی بے حد کم ہوگئی ہو؟۔

کہیں میں سڑک پر چلتے اس مسافر کی طرح تو نہیں ہوں جو نصف اندھا ہے، ایک چیز کو دیکھ سکتا ہے۔ دوسری چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن وہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور بیچ سڑک پر چل رہا ہے۔ تیز اور بے رحم ٹریفک کے بیچ......لیکن جہاں گاڑیاں تیز چلتی ہیں اور اس کے مقابلے میں میری آنکھوں میں تصویروں کے بدلنے کی رفتار بہت مدھم ہے۔ جہاں ڈرائیور بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔ اور اس لئے میں کسی احتیاط کی مستحق نہیں ہوں اور سمجھتے ہیں کہ میں جان بوجھ کر گاڑیوں کے بیچ سے گزر رہی ہوں۔

نیرا کچھ دیر وہاں کھڑی رہی۔ کسی کو فرصت نہیں تھی۔ وہ کھڑی کھڑی مڑی اور لان میں آکر بیٹھ گئی جہاں کچھ لوگ گفتگو کر رہے تھے۔ وہیں باتیں۔

پانچ چھ دنوں بعد جب وہ پھر تھانے گئی تھی تو تجسس کے ساتھ تھانے کے انچارج کے نام کی تختی کو دیکھا تھا۔ انچارج وہی تھا۔

وہ ڈیوٹی افسر کے پاس گئی، آپ مکان خالی کرانا چاہتی ہیں، آپ کورٹ میں جایئے،

ڈیوٹی افسر نے کہا۔

وہ کس زبان میں سمجھاتی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ ان کے سامنے ساری شخصی زبانیں جھوٹی تھیں۔

یہ سب لوگ بھی اپنے الاؤں کی روشنی میں بیٹھے تھے۔

محدود۔

اندھے۔

بے حرکت شعور کی اونچی چہار دیواریوں میں محفوظ۔

وہ ان سے کیا کہتی؟

اور پھر وہ آگے بڑھی۔ تھانہ انچارج نے اس کی بات بڑے غور سے سنی

''آپ کی شکایت میں کس قلم سے لکھوں؟ اس کے قلم دان میں کئی قلم تھے۔

اس کی نظریں اب قلم دان پر گھوم رہی تھیں۔

اس کی نظر ہولڈر کی آخری جگہ پر ٹکی جہاں کوئی قلم نہیں تھا۔ کیا یہاں اور بھی کوئی قلم ہے؟

'ہاں' کیوں نہیں' یہ قلم دان تو آفس سے ملا ہے۔ اس کے علاوہ ایک قلم دان اندر میرے پرائیوٹ ریسٹ روم میں ہے۔'

تھانہ انچارج اسے گھورتا رہا۔

'تمہیں دیکھ کر رحم آتا ہے کہ تم کتنی معصوم ہو، تمہیں کچھ بھی پتہ نہیں، جو کچھ میں وہاں اندر کے قلم سے لکھتا ہوں وہ سرکاری وغیر سرکاری تمام محکموں میں چلتا ہے۔ ایسے محکموں میں بھی جن کے نام سے بھی تم واقف نہیں ہو۔

نیرا محض دیکھتی رہی۔ بالکل خاموش۔

'ویسے آپ اپنی شکایت خود ہی لکھ کر دے جائیں'

وہ باہر آئی اور برآمدے میں بیٹھ کر اپنی شکایت لکھنے لگی۔ ایک بار اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ جو لوگ شکائتیں درج کرانے آئے تھے، یا جن لوگوں کے خلاف شکایتیں درج ہوئی تھیں وہ سب کسی نہ کسی سپاہی یا افسر کے قریب بیٹھے کانا پھوسی کر

رہے تھے۔

اس نے درخواست مکمل کی اور ڈیوٹی افسر کے پاس آئی۔

وہ چند لمحے کھڑی رہی۔ وہ جیسے سب کچھ دیکھ رہی تھی ویسے ہی کرنا بھی چاہتی تھی۔

پھر ڈیوٹی افسر نے اس کی طرف توجہ دی اور اس کی درخواست لے کر نقل کے اوپر رسید کا مہر لگا دیا۔ اس نے اپنی شکایت کی نقل احتیاط سے تہہ کر کے پرس میں رکھی اور واپس چلی آئی، ہمہ گیر شعور کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر عمل۔ وہ اپنے آپ کو ہمہ گیر شعور کے ساتھ ہمہ گیر عمل میں بھی ڈھال رہی تھی۔

شام ہوئی ایک سب انسپکٹر آیا اور اونچی آواز میں دونوں طرف کے لوگوں کو پکارا۔ وہ باہر نکلی۔ سب انسپکٹر کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ استری کیا ہوا یونیفارم کا شرٹ اس کے سینے سے چپکا ہوا تھا۔ وہ بے حد اسمارٹ اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

نیرا نے اُسے وہ پردے دکھائے جو کاٹ دیئے گئے تھے۔ پھر وہ شیشہ دکھایا جو توڑ دیا گیا تھا۔ پھر وہ چوٹ دکھائی جو اس کے سر پر لگی تھی۔

کمار سامنے کھڑا تھا۔

اب اس کی آنکھوں میں مکمل اجنبیت تھی اور چہرہ پر اطمینان تھا۔

'مجھے بھی کچھ بتانا ہے' کمار سب انسپکٹر کو بلا کر اندر اپنے کمرے میں لے گیا۔ پھر کافی دیر تک زور زور سے باتیں کرنے کی آواز آتی رہی۔ پھر آواز نیچی پڑ گئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر نکل کر آیا اور نیرا کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اس کی نظر سب انسپکٹر کی جیب پر پڑی۔ اب وہ کچھ ابھری ہوئی تھی۔

'میں نے مسٹر کمار کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ دوبارہ کوئی ایسی حرکت کرے گا تو میں اسے حوالات میں بند کر دوں گا۔ اس بار چھوڑ دیتا ہوں لیکن آئندہ وہ کچھ بھی کرے تو آپ مجھے بتائیے۔ میں پھر آؤں گا۔

نیرا کو خیال آیا۔ تھانہ انچارج نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اگر وہ رپورٹ خود اپنے قلم سے لکھے تو اس میں کیا اثر ہے۔ لیکن اس وقت اسے اپنے قلم سے لکھی ہوئی رپورٹ میں پنہاں کسی قوت کا ادراک ہوا۔ اس کی وہ بے بسی جو اسے تھانے میں محسوس ہوئی تھی وہ کروٹ لے رہی تھی

اور قوت میں بدل رہی تھی۔

اب کمار کی طرف سے سب کچھ بے جھجک ہو رہا تھا۔ اس نے کھلم کھلا زیادتیاں شروع کر دیں۔ چند دنوں کے بعد اس نے نیرا کی ماں کو بے شمار گندی گالیاں دیں۔ جب نیرا کالج سے واپس آئی تو وہ بیماروں کی طرح بے جان سی بستر پر پڑی تھیں۔ آنسوؤں سے تکیہ کا ایک کنارہ نم ہو گیا تھا۔ سانس مدھم ہو گئی تھی۔ نیرا کے آنے سے جب اٹھیں تو لرزنے لگیں۔

پھر انہوں نے دھیرے دھیرے رک رک کر...... ادھڑے ادھڑے جملوں میں بتایا کہ دن میں کیا ہوا تھا...... ان کو تو کچھ ہو جائے گا۔ یہ غیر معمولی ذہنی تناؤ کی مریضہ ہیں۔ آج بچ گئیں یہی بہت ہے۔

''آپ نے آج کتنی زیادتی کر دی میری ماں کے ساتھ''۔ آنگن میں آ کر نیرا نے پوچھ ہی لیا۔ کمار سے پوچھتے وقت اس کی آواز میں بے پناہ بے بسی تھی جیسے وہ اندر سے ریزہ ریزہ ٹوٹ گئی تھی۔

اپنی اس وسیع اجنبی بے بسی کے لہجہ پر اسے خود حیرت ہوئی۔

یہ کون تھا جو اس کے اندر سے بول رہا تھا۔

اور جس کے لہجہ پر اس کو خود اختیار نہیں تھا۔ جو اس کے اپنے لہجے سے مختلف تھا۔ ٹوٹا ہوا، بے بس، مجبور انسان...... رحم مانگتا ہوا انسان۔ اس کے اپنے لہجے میں اور اس کے اندر کے انسان کے لہجے میں کتنا فرق تھا۔ وہ خود کتنا آگے بڑھ آئی تھی۔ اس کا اندر کتنا پیچھے چھوٹ گیا تھا۔

یہ کس چیز کا فرق تھا؟

کیا یہ اس کے شعور اور لاشعور کا فرق تھا؟

کیا جو کچھ اس کے شعور میں ہو رہا تھا، وہ ابھی پوری طرح اس کے لاشعور میں نہیں اترا تھا۔ وہ دو سطحوں میں بٹ گئی تھی۔ اس کا سر روشن تھا، اور بدن تاریک...... روشنی دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔ اور اس روشنی اور اندھیرے میں ایک مدھم مدھم جنگ جاری تھی۔

''ابھی کیا کیا ہے۔ تم تھانے جاتی ہو اب جاؤ، دیکھوں وہاں پر کون تمہارا خصم بیٹھا ہے۔ اس بڑھی کا تو میں ابھی ہاتھ پاؤں توڑوں گی،...... اور تمہارا خاتمہ تو ایسے کراؤں گی کہ لوگ سمجھیں گے کہ تم نے خودکشی کر لی ہے یا کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہو۔

نیرا نے اس دن بہت سوچا۔

آخر تین دنوں بعد اس نے اپنی ماں کو اپنی پھوپھی کے یہاں شملہ پہنچا دیا۔

''جب تک حالات بہتر نہیں ہو جاتے، تم یہیں رہو، اس نے واپس لوٹتے ہوئے اپنی ماں سے کہا۔

وہ شملہ سے واپس آتے ہوئے بس کی کھڑکی سے باہر پہاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اونچی اونچی پہاڑیاں، پھر اتنی ہی نیچی گھاٹیاں۔ اور پھر اس پر چھپکلی کی طرح چپک کر بھاگتی ہوئی تیز تیز گاڑیاں...... کتنا خطرناک تھا یہاں گاڑی چلانا۔ پیچ در پیچ سڑکیں۔ لیکن نہ کسی کو خوف تھا نہ تشویش۔ موت سیدھے نیچے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن زندگی کی سڑک بھی سامنے تھی۔ پیچ در پیچ سڑکیں...... جب انسان پہلی بار یہاں موٹر گاڑی لے کر آیا ہوگا، تو وہ کتنے خطرے محسوس کرتا ہوگا...... نہیں، اس سے پہلے بھی تو کہیں ایسی سڑکیں رہی ہوں گی، وہ سوچتی رہی...... اسے لگا کہ ان دنوں وہ خود بھی ایسی پیچ در پیچ ڈھلتی بڑھتی سڑک پر چل رہی تھی جس سڑک سے وہ واقف نہیں...... اور جہاں ایک طرف زندگی کی عظیم الشان فلک بوس بلندیاں ہیں تو دوسری طرف موت کی زمیں دوز گھاٹیاں ہیں۔

میرے پاس کتنے پیسے ہیں اور اس کے مقابلے میں کمار کے پاس کتنے پیسے ہیں،

میرے پاس کتنے لوگ ہیں، اور کمار کے پاس کتنے لوگ ہیں،

کوئی مقابلہ نہیں۔

ایک طرف اس کے کمزور ہاتھوں میں اپنا قلم،

اور دوسری طرف وہ تھانہ انچارج کے پرائیوٹ روم میں لکھی جانے والی تحریریں......

وہ پہاڑ سے اتر کر ماں کو پیچھے چھوڑ کر...... اکیلے تن تنہا جا رہی تھی۔

اور کمار زور پکڑتی آندھی کی طرح اس کے چاروں طرف سنسناہٹ پیدا کر رہا تھا۔

اسے لگا کہ کمار اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے پوری قوت سے جٹ گیا ہے۔

جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے۔

جیسے پودے اکھاڑ کر پھینک دئے جاتے ہیں،

اور پھر پڑے پڑے سوکھ جاتے ہیں۔

اور کوئی انھیں ایندھن بنالیتا ہے.........اور زندگی کی سڑک پر کوئی بھی چیز تو اس کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔

کمار پر بھروسہ کیا تھا۔ کمار دھوکا دے گیا۔ اسٹامپ پیپر دھوکا دے گیا۔ تھانے میں کمار کے مظالم کی شکایت کی تو انہیں مجھ سے شکایت لینے کی اور کمار سے پیسے لینے کی عادت پڑ گئی۔ پڑوسیوں پر بھروسہ کیا تھا لیکن وہ گونگے اور تماشائی نکلے.........سوچتے سوچتے کہیں کچھ اٹکا اور اس کی خود کلامی دوبارہ اس کے ذہن میں ریوائنڈ ہوگئی۔

کمار پر بھروسہ کیا تھا؟

تو اس کی جنگ کس سے تھی۔

کس کے خلاف لڑائی میں اس نے کمار پر بھروسہ کیا تھا۔

مکان چھن جاتا تو کیا ہوتا؟

ذہن کے ایک پردے پر جواب جھلملا رہا تھا لیکن اس کے نقوش بے حد دھندلے تھے۔ اور اس کی گہری ضرورتیں، زندگی کی بنیادی ضرورتیں اس دھند میں لپٹی ہوئی تھیں، اور جیسے وہ ایک ایک کر کے بلیک بورڈ پر لکھنے لگی.........کمپیوٹر کے مانند فرضی تصویریں ابھرنے لگیں جو حقیقت نہیں ہوتے ہوئے بھی بھیانک حقیقتوں کی زندہ آوازتھیں......وہ ان چیزوں کا تصور کرتی گئی۔ لوگ ملنے جلنے میں، معاملات کرنے میں، بھروسہ کرنے میں، ہر بات میں یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کی آمدنی اور حقیقت کیا ہے۔

نیرا سوچتے سوچتے محسوس کرنے لگی کہ وہ جتنی آگے بڑھ رہی تھی اسی قدر وہ اس موضوع سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی جس سے اس نے سوچنے کا آغاز کیا تھا اور وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی ویسے ویسے وہ اپنے کو نئے پردوں کے درمیان لپٹا ہوا پا رہی تھی۔ ان نئی سطحوں میں داخل ہونے سے پہلے تو وہ خوف محسوس کرتی کہ کہیں اپنے پیچھے کے موضوع سے بہت دور نہ ہو جائے لیکن ان میں ڈوبے بغیر چیزیں واضح بھی نہیں ہو رہی تھیں اور وہ جب ان باتوں میں ڈوبتی تھی تو واقعی وہ پیچھے کی باتوں سے اتنی دور ہو جاتی کہ ان باتوں کا سلسلہ دھند میں محض لکیر کی طرح دکھائی دیتا، اور اس وقت اب وہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ وہ گنجان جنگل کے بیچ میں ہے اور چیزوں کی جڑیں گھنی مضبوط اور لامتناہی ہیں اور ان کے پھیلاؤ کو محض ان کے گاہے بہ گاہے آنے والے زلزلے کے جھٹکوں سے یا ان کی مقناطیسی قوت ہی سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اور اب اس کی لڑائی کس سے تھی؟ اس پردہ در پردہ بھول بھلیوں جیسی زندگی سے جس میں ابھی وہ کچھ دور گئی تھی تو گم ہونے لگی تھی اور اپنے پیچھے کے راستے بھی بھولنے لگی تھی؟ اگر ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں تو وہ سارے جھلمل کرتے مناظر سنگین تاریکیوں میں ڈھل جائیں گے۔ اور وہ ان کے اندر جھونک دی جائے گی۔ اور تب وہ ان تاریکیوں کو بھی نہیں دیکھ پائے گی کہ وہ کتنی گہری ہیں؟ کتنی پیچیدہ ہیں؟ کتنی اُلجھی ہوئی ہیں؟ وہ اس میں بڑھتے ہوئے محض یہ محسوس کرے گی کہ وہ ایک تاریک خانے سے دوسرے تاریک خانے میں سفر کر رہی ہے اور اس طرح سمتیں کھو چکی ہیں کہ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ کہ وہ ان پردوں کے بیچ کبھی باہر نہیں نکلنے کے لیے لپٹی ہے، وہ نکلنے کے لئے لوٹے گی تو سارے راستے آسمان کی طرف سے اترتے ہوئے دکھائی دیں گے اور وہ بھی اُلجھے ہوئے ہوں گے اور وہ جیسے جیسے اوپر چڑھنے کی کوشش کرے گی ویسے ویسے دھنستی جائے گی۔ پیسے کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوئی مفلسی اور کمزوری گہرے کیچڑ کی طرح ہو جائے گی جس میں کوئی ایک بار پھسل جائے اور ہاتھ میں کوئی ڈوری نہیں ہو تو آدمی اس میں دھنستا جاتا ہے۔ ایسے کہ وہ کیچڑ اس کو اپنے اندر لے کر کھانے لگتا ہے اور جو حصہ کھاتا جاتا ہے اس حصہ پر کیچڑ لگا کر اس کی مرمت کرتا جاتا ہے......اور یہ وہی کیچڑ ہے جو بہت وسیع اور پردہ در پردہ ہے۔

تو اس کی اصل لڑائی کس سے تھی؟ اس کی اصل لڑائی کس سے تھی۔ اس کی لڑائی دراصل یہ تھی کہ اس کی ایک طرف پردہ در پردہ گھنی زندگی تھی اور دوسری طرف پردہ در پردہ گندھا ہوا کیچڑ تھا اور وہ بیچ میں ایک ایسی چیز پر کھڑی تھی جو کسی بیلٹ کی طرح تھی جو مسلسل کیچڑ میں بڑھ رہا تھا اور وہاں رکے رہنے کے لئے اسے زندگی کی طرف تیز تیز دوڑتے رہنا تھا۔

بس اب ایک ایسے موڑ پر آہستہ ہو کر مڑ رہی تھی جہاں داہنی طرف سیدھا کھڑا ایک چٹان تھا اور اسے کاٹ کر نیچے سے نکالی گئی سڑک ایک جھٹکے سے داہنی طرف مڑ جاتی تھی اور مڑتے ہی بس بہت ہی ترچھی، نیچی سڑک پر اتر کر ٹیڑھی میڑھی سڑک پر بڑھنے لگتی۔ اس نے اپنے کو اترتی ہوئی بس کے ساتھ لڑھکتے ہوئے محسوس کیا اور سامنے کی سیٹ کو پکڑ کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد پھر بس قدرے سیدھی سڑک پر آتی ہوئی لگی لیکن پھر ویسی ہی سڑک شروع ہوگئی جہاں اب سڑک کے کنارے کنارے جھاڑیاں اور پیڑ تھے اور کھائیاں اور پہاڑ بھی

ان کے پیچھے چھپ جاتے اور کبھی دکھائی دینے لگتے ــــــ بس ڈرائیور جھٹکوں کے ساتھ بار بار داہنے بائیں سے دیکھتا جاتا تھا۔

وہ دلّی واپس آئی۔ گھر کا دروازہ کھولا تو سامنے ایک لفافہ پڑا تھا۔ کھول کر دیکھا تو اس کے منگیتر دیپک کا خط تھا ــــــ وہ پڑھنے لگی۔

''میں دلّی آیا تھا، آپ سے ملنے آیا، آپ نہیں تھیں تو پڑوس کے کمار سے ملا۔ ان کی گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مکان کے سلسلے میں آپ لوگوں میں بات اس قدر بڑھ گئی ہے کہ معاملہ اب تھانے اور کورٹ میں جا رہا ہے اور معاملات انتہائی تیزی سے بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔ میں نہ تو خواہ مخواہ اس لڑائی میں کودنا چاہتا ہوں نہ اپنا ویزا برباد کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنا ارادہ بدل کر جا رہا ہوں۔

اسے لگا کہ آج وہ اپنے گھر میں مکمل تنہا ہے۔

☆☆

۴

شملا سے واپس آنے کے بعد اس نے پورے سماج کو مکمل طور پر کھنگال کر دیکھ لیا تھا، اور اس کے کھوکھلے پن نے عدم تحفظ کا جو عکس دکھایا تھا، اس کے نتیجے میں وہ صرف اتنا کر سکتی تھی کہ سوچ سکتی تھی، لیکن سوچ کی کئی راہیں بھی جن پر وہ آگے گئی تھی یا تو بیابانوں میں جا کر ختم ہوگئی تھیں، یا شہر کی گنجان اُلجھی ہوئی گلیوں میں بکھر گئی تھیں، اور وہ کہیں بھی آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔

اس کو نہ صرف وہ سماجی قدریں بے جان اور بوسیدہ لگیں جن میں اس کے والدین اور دوسرے معتدل لوگ یقین رکھتے تھے بلکہ جو لوگ پیسے کے اثر اور رشوت اور سفارش اور محض اپنے کام کی باتوں میں یقین کرنے والے تھے، اور یہاں وہاں دھڑ ادھڑ اپنا کام کراتے تھے، اور دنوں دن دولت اور اثر کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اوپر چڑھتے جا رہے تھے ان کے طریقۂ کار کا بھی اس نے بہت قریب سے مطالعہ کیا لیکن یہ جدید ترین طریقے بھی، جو سب کو فائدہ پہنچا رہے تھے اس کے ان مخصوص حالات میں، تجزیے کی آخری منزل پر آنے پر کوئی راستہ نہیں بتا پائے تھے اور اس مقام پر اس نے جس کھوکھلے پن کو دیکھا تھا، اس کھوکھلے پن کا چہرہ اور بڑا ہی ہوتا جا رہا تھا، ادھر کچھ دنوں سے تو اس نے مکان کو بچانے کی بات چھوڑ کر اس کھوکھلے پن پر ہی اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی تھی، کہ اتنے زبردست کھوکھلے پن کے بیچ ہونا خود اپنے اندر ایک انتہائی تشویشناک بات تھی۔ اور اب وہ مکان کے مسئلہ کے بہانے ان باتوں کو بھی آزماتی جا رہی تھی، وہ کم از کم اس کھوکھلے پن کو واضح طور پر دیکھ لینا چاہتی تھی کیونکہ اب جو خطرہ سامنے آیا تھا، وہ صرف مکان کو نہیں تھا، بلکہ اس کو اپنی زندگی کی ہر چیز خطرہ میں دکھائی دے رہی تھی۔

زندگی کا جو منظر اس وقت وہ دیکھ رہی تھی، وہ انتہائی ناقابلِ یقین تھا۔ اپنے مسئلہ کے

سلسلے میں وہ جن لوگوں کے پاس گئی تھی ان مین کئی ایسے بااثر لوگ بھی تھے جو تعلقات یا سیاسی یا سرکاری عہدہ کی وجہ سے سماج میں خاصا مقام رکھتے تھے، اور جن کے بارے میں وہ قطعی طور پر جانتی تھی کہ ان لوگوں نے کئی لوگوں کی انتہائی اہم اور پیچیدہ معاملوں میں مدد کی تھی اور ان کے مسائل محض ایک ٹیلی فون کرکے حل کردیئے تھے، اور وہ یہ بھی صحیح جانتی تھی کہ جن لوگوں کی انہوں نے مدد کی تھی ان میں کسی قسم کی رشوت دینے کی یا کسی اور طرح کوئی خدمت پیش کرنے کی قطعی صلاحیت نہیں تھی، اور جب وہ اُن کے پاس گئی تو انہوں نے قدرے خلوص سے اس کی مدد کرنا چاہی اور ان میں سے کئی ایک کے ٹیلی فون کرنے سے، وہ کمار کی طرف سے پیدا کی گئی دقتوں سے بچ بھی گئی تھی۔ لیکن وہ بھی مکمل طور پر مدد نہیں کر پائے، اور کسی نہ کسی نقطہ پر پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کردیا، یا پھر ایسا رویہ اختیار کرلیا کہ ان کی کمزوری ثابت نہ ہو پائے مثلاً کچھ نے وقت نہیں ہونے کا بہانہ لے کر ٹال مٹول کرنا شروع کیا، اور کئی کئی بار جانے کے بعد وہ اندازہ لگا پائی کہ دراصل وہ شخص ملنا نہیں چاہتا تھا۔

ایسے موقع پر اس کے ذہن میں کئی کئی باتیں اٹھیں،، وہ مجھ سے کچھ توقع تو نہیں رکھتا؟ اگر توقع رکھتا ہے تو وہ بتانے میں دشواری تو نہیں محسوس کررہا ہے؟ وہ اگر خود پوچھ لے تو وہ بُرا تو نہیں مان جائے گا؟ کہیں اس کی کوئی بات اسے بُری تو نہیں لگ گئی ہے؟ کئی بار تو اس نے ان کے گھر والوں سے یا اسٹینو یا چپراسی تک سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ یہ بے اعتنائی یکایک کیوں پیدا ہوگئی؟ اور ان لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی، اور ان میں بھی کئی ایک نے بڑے ناز اٹھوائے۔ اور کبھی کبھی خود انہوں نے اس بات میں دلچسپی لینی شروع کردی کہ پہلے وہ شخص اس کی مدد کرتا تھا، اور اب نہیں کرتا تو وہ کون سی بات تھی جو اب نہیں رہی؟ کہیں وہ اس کی نیرا کے اندر ذاتی دلچسپی تو نہیں تھی؟ اور اگر ذاتی دلچسپی تھی تو وہ کیوں ختم ہوگئی؟ اکثر ان لوگوں نے جوان افسروں یا بڑے لوگوں کے بارے میں بہت قریب سے جانتے تھے، ان مثالوں سے اپنے فائدہ کے لئے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی اور خصوصاً یہ لوگ نیرا کو سامنے رکھتے ہوئے، ان معاملات پر غور کرتے جن میں لڑکیاں یا عورتیں تھیں، اور ان میں کچھ مثالیں ایسی تھیں کہ جب ان کی اس لڑکی یا عورت میں دلچسپی ختم ہوجاتی تو وہ اس کے کام کو بھی ٹالنے لگتے تھے کہ اب وہ اس کی جان چھوڑے، اور زیادہ تر اس میں ایسا تب ہوتا، جب وہ دراصل کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، لیکن اس

عورت میں دلچسپی ہونے کی وجہ سے وعدہ کرلیتے تھے، اور اس کے ساتھ ایک دو بار ہم بستری کرنے کے بعد ان کی دلچسپی کسی اور نئی عورت میں پیدا ہو جاتی تھی ــــــ اور وہ نیرا کے معاملے کو سمجھنے کے لئے کبھی کبھی وہ ان تمام ایسی باتوں میں چھان بین شروع کردیتے تھے جن سے پوری کہانی پر روشنی پڑنے کی امید ہوتی تھی، مثلاً وہ کب کب گئی تھی۔ کتنی دیر بیٹھی تھی، پھر ٹھوس کام کی باتیں ہوئی تھیں، یا وہ ملاقات بلاوجہ، صرف ملنے کا بہانہ تھا، اور پھر وہ بااثر آدمی ان دنوں ایسی کن جگہوں پر گیا تھا جہاں ممکن ہے اس نے نیرا کو تنہائی میں بلایا ہو، اور کبھی کبھی وہ یہ باتیں ان بااثر لوگوں کے ان ٹھکانوں سے متعلق لوگوں سے بالواسطہ لمبی چوڑی گفتگو کرکے اشارے اشارے میں جاننے کی کوشش کرتے اور کبھی کبھی نیرا کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ وہ اس معاملے میں روشنی چاہتی تھی خود اسی سے ایسے سوالات کرتے تھے جس سے وہ ان کے اصل مقصد کو بھانپ جاتی تھی، اور دراصل وہ قطعی طور پر تو کبھی نہیں جان پائی تھی کہ ان لوگوں کی دلچسپی ختم ہونے کی اصل وجہ کیا تھی کیونکہ یہ بھی سچ تھا کہ کبھی کبھی ان کے بے حد مشغول ہوجانے کا موسم آجاتا تھا، اور پھر ان کی ترجیحات بدل جاتی تھیں۔

اور ان ہمدرد بااثر لوگوں میں کئی ایسے بھی تھے جو اپنی کمزوریوں کو چھپانے کا بالکل الگ ہی طریقہ کار اختیار کرتے تھے، مثلاً وہ کبھی کوئی اُلجھی ہوئی بات کرتے تھے، جس سے کچھ بھی واضح نہیں ہوتا تھا، اور پھر اسے اس پر عمل کرنے کو کہتے تھے، اور جب وہ اس میں تھوڑی سی وضاحت کرنے کو کہتی تو وہ اس کے اوپر ناراض ہوجاتے تھے کہ اس نے ان کی بات توجہ دے کر نہیں سنی اور ان کا وقت خراب کرتی ہے، اور شاید یہ سمجھتی ہے کہ ان کا وقت بھی اسی کے وقت کی طرح سستا ہے، اور کبھی وہ کسی کو فون کرکے اس کے پاس جاکر ملنے کے لئے کہتے، اور ان کو اس آدمی پر پورا یقین ہوتا کہ وہ ان کا دوست ہے اور جب وہ ان لوگوں کے پاس جاتی تو وہ لوگ پچاسوں طرح سے باتوں کو گھماتے، اور نیرا سے اس کے سفارشی کے تعلقات کی گہرائی میں جاکر بڑی باریک بینی سے یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ اس کا کام نہیں کرنے سے وہ سفارش کرنے والا شخص کس قدر ناراض ہوگا یا کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے بھی اس کے پاس صرف ٹالنے کے لئے اسے بھیجا ہے اور وہ اکثر اشارے اشارے سے اس کے ان لوگوں سے تعلقات کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرتے، اور وہاں سے جب وہ واپس پہلے والے آدمی کے پاس جاتی اور یہ بتاتی کہ وہ شخص دلچسپی نہیں لیتا تو وہ اس بات پر ناراض ہوجاتے اور کہتے کہ ابھی وہ اس

آدمی کو سمجھ نہیں رہی ہے اور اپنے حدود سے آگے بڑھ کر اس کے بارے میں رائے قائم کر رہی ہے۔ اور اگر وہ اشارہ کرتی کہ وہ دراصل غیر مخلص تھا تو وہ اُلٹے اس سے پوچھنے لگتے کہ کیا اسے اس کی اچھے اور بُرے دوستوں کی پہچان کی صلاحیت پر شک ہے، اور وہ اسے سکھانے گئی ہے، یا اپنے کام سے گئی ہے۔ اور اکثر بعد میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان کو خود بھی واقعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ آدمی قابل بھروسہ نہیں تھا، لیکن ان سے ان کی ملاقات تازہ تھی، اور بڑا اچھا ہوا کہ اس معاملے سے اس کی دوستی پہچان میں آ گئی، اور اس نے تو دراصل اس آدمی کے پاس اسے صرف اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اس کام میں پہچان میں آ جائے گا ورنہ وہ ان سے زیادہ اثر لوگوں کو جانتا ہے، اور وہ ان سے کہہ دے گا، لیکن وہ ابھی اسے ان کے پاس اس لئے نہیں بھیج رہا ہے کہ اس آدمی نے کسی کام کو کرنے کے لئے کہہ رکھا ہے، اور وہ کام مشکل ہے، اس لیے جب کچھ وقت گزر جائے گا اور یہ کام ٹل جائے گا، تب وہ اس کو ان کے پاس بھیجے گا۔ اور کبھی وہ اسے کسی آدمی کے پاس بھیجتے تو اسے سمجھاتے کہ وہ اندرونی طور پر کتنا بااثر ہے، اور اس کے کئے ہوئے کئی ایسے حیرت انگیز کام کا ذکر کرتے جس کا عام لوگوں کو علم نہیں، اور یہ بھی بتاتے کہ دراصل سارے بڑے کام چاہے وہ سرکاری ہوں یا پرائیوٹ، آج کل انتہائی خفیہ طریقے سے ہی ہوتے ہیں اور جو لوگ کراتے ہیں وہ خود بھی پوشیدہ رہتے ہیں اور انسان کی کامیابی کا آغاز ہی وہاں سے ہوتا ہے جہاں سے وہ ان خفیہ لوگوں کو پہچاننا، اور ان کو جاننے، اور بہت سارے خفیہ لوگوں میں جن میں اصلی کم ہیں، اور نقلی اور فریبی زیادہ، ان میں اصل لوگوں کو پہچاننے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے، اور جتنا اہم کام ہو، اسے اتنا ہی چھپا کر کیا جاتا ہے، یعنی جو اس کام کے مرد میداں ہیں اور جن میں وہ قوتیں ہیں وہ اپنے کو اتنا ہی زیادہ خفیہ رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ منظم طریقے سے ان تمام نشانات کو مٹا دیتے ہیں، جن سے ان کو پہچانا جا سکے تاکہ پریس یا پولس یا مخالف ان کو پہچان نہ پائیں۔ بلکہ وہ تو دانستہ طور پر ایسا دھوکا پیدا کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ ہوں اس کے برعکس سمجھے جائیں تاکہ اگر میں کسی کو خبر بھی ہو جائے تو دیکھنے کے بعد اتنا شبہہ پیدا ہو کہ یقین نہیں آئے۔ اور کوئی پاگل یا انتہائی احمق آدمی ہی اس پر یقین کرے۔ مثلاً اس کو ایک بار کسی نے کسی بااثر آدمی کے پاس بھیجا تھا تو بڑی سختی سے ہدایت کی تھی کہ بالکل وقت پر جائے، کوئی نامعقول بات نہ کرے، اور وہ جس آدمی کے پاس جا رہی ہے وہ ہر ہفتہ میں ایک بار ہوم منسٹر سے ایک عبادت گاہ میں ملتا ہے، اور وہ بھی محض چند لمحوں کے لئے اور عوام کے حالات سے انہیں آگاہ کرتا ہے۔ اور سماج کے

سب سے نچلے طبقے کا رویہ سرکار کے بارے میں کیا ہے اور اس پر مہنگائی اور امن و قانون اور اس طرح کے قابلِ توجہ حالات کا کیا اثر پڑ رہا ہے، اس کی صحیح تصویر انہیں بتا کر ان کو خبردار کرتا ہے اور مشورہ دیتا ہے کہ وہ کیا کریں، اور اسی کے مطابق وہ اپنی پالیسی طے کرتے ہیں اور وزیراعظم کو بھی یہ باتیں ہو بہو، لفظ بہ لفظ بتاتے رہتے ہیں۔ اور وہ شخص ایک سبزی کا ٹھیلہ پرانی دلّی کی ایک گنجان آبادی میں لگاتا ہے، اور میلہ کچیلا رہتا ہے، اور اس کے پاس بڑے بڑے افسر چھپ چھپ کر ملنے جاتے ہیں، اور اس نے کئی بڑے بڑے افسروں کے تبادلے رکوائے ہیں، اور کئی تاجروں کو بڑے اہم لائسنس دلوائے ہیں، اور دراصل وہ سرکار کی اس خفیہ ترین ایجنسی کا آدمی ہے جس تنظیم کے بارے میں سرکاری افسروں اور دوسرے منسٹروں کو بھی نہیں معلوم ہے، اور اس شخص کے چارج میں تین صوبے ہیں، اور جب وہ وہاں گئی تھی تو اس نے بڑی شفقت سے بات کی تھی۔ وہ سبزی بیچ رہا تھا گاہک آتے تھے، وہ سبزی تول کر دیتا تھا، پیسے لیتا تھا، رکھتا تھا، اور جب کوئی گاہک نہیں ہوتا تھا تو اس فرصت کے دوران اس سے بات کرتا جاتا تھا، اور پھر اس نے دیکھا کہ اس کی کہنی پر چوٹ لگی تھی اور زخم پک گیا تھا، اور اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں، اور اب اسے شک ہو رہا تھا کہ وہ شخص قطعی وہ اہم ترین شخص نہیں ہو سکتا کہ اسی دوران ایک گاہک آیا اور سبزی خریدی لیکن پیسے نہیں دئے، اور اس سبزی فروش نے اس سے صرف اتنا کہا کہ دوسرے دن وہ اس سے کچھ ضروری بات کرے گا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا

......اور جب وہ شخص چلا گیا تو سبزی فروش نے اس کو بتایا کہ یہ شخص ہوم منسٹر کا باورچی ہے، اور یہ بات وہ خود اپنی آنکھوں سے ہوم منسٹر کے گھر کے قریب ایک دو گھنٹہ کھڑے ہو کر دیکھ سکتی ہے، وہ کوٹھی کے پیچھے راستے سے سبزی لے کر جاتا ہے، ویسے بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ ہوم منسٹر کا باورچی ہے، کیونکہ اس سے ہوم منسٹر کے اس سبزی فروش سے تعلقات کا لوگوں کو علم ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور اگر لوگوں کو ذرا بھی بھنک مل گئی تو پریس والے بھیس بدل کر اس سبزی بازار میں جہاں اتنی بھیڑ ہے آ کر یہاں سے وہاں تک کا سراغ لگا لیں گے، اور پھر کسی دن ساری کہانی ملک کے سب سے بڑے اخباروں کے پہلے صفحہ پر جلی حروف میں سرخی دے کر لکھ دیں گے — اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چپکے سے اس کی مع اس کی دکان کے تصویر لے لیں اور وہ ان سرخیوں کی بغل میں یہ تصویر بھی چھاپ دیں، کیونکہ اس کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کسی دن صبح وہ سبزی بیچنے کے لئے جیسے ہی اپنا ٹھیلہ لگائے تبھی تمام محلے کے لوگ اور پریس رپورٹرز صبح کے اخبار پڑھنے کے بعد وہاں اُمنڈ آئیں، اور اس قدر ہنگامہ

کریں کہ سرکار کو اس کے اوپر انکوائری بٹھانی پڑے، اور بہت ممکن ہے کہ اس باورچی کی یہاں سے سبزی خریدتے ہوئے بھی تصویر لے چکے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ قریب کی کسی عمارت سے چھپ کر انہوں نے یہ پوری بات ویڈیو پر لے لی ہو جس سے وہ یہ ثابت کردیں کہ اس باورچی نے سبزی لی تھی لیکن پیسے نہیں دیئے تھے، جس سے میرا اس سے کسی پُر اسرار تعلق کا پتہ چلتا ہے، اس کی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ آپ رہتے کہاں ہیں؟ میری ایک جھگی ہے بستی میں۔ میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیوی ہے۔ بچے کیا کرتے ہیں؟ وہ کوڑا کرکٹ میں سے پھٹے پرانے کاغذ اور کپڑے وغیرہ جمع کرتے ہیں۔

''آپ شاید اس کی اہمیت نہیں سمجھ رہی ہیں؟ اس نے نیرا کی آنکھوں کے شبہات کو دیکھ لیا تھا۔ میرا ایک چچازاد بھائی کباڑی تھا۔ اس نے بھی اسی طرح ترقی کی۔ اب وہ کروڑوں کا مالک ہے۔ ان دنوں ردی کاغذ کے کاروبار کے سلسلے میں نیویارک گیا ہوا ہے، اور بی اے ایم اے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ بھوکے۔ آپ کو ایک چیز دکھاؤں۔ وہ نوجوان۔ جو وہاں، آلو بیچ رہا ہے۔ اور جس کا آلو ابھی صبح سے بکا نہیں کیونکہ وہ ڈیڑھ سال میں بھی یہ کام نہیں سیکھ سکا وہ ایم اے پاس ہے۔ سوشیالوجی میں۔ اور وہ پونجی میری ہے۔ اب اس عمر میں آلو بیچنا کیا سیکھے گا——

——اور اب وہ سوچنے ہی والی تھی کہ یہ کیا بیہودہ بات ہے کہ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پُرانا کرتا پاجامہ پہنے سبزی لینے آ گیا، اور سبزی فروش نے اس سے بات کرنے کے لئے جلدی سے نیرا کو فارغ کردیا، اور وہ دور آ کر اس شخص کو دیکھنے لگی۔ اور دیکھا کہ اس نے بھی کوئی سبزی نہیں خریدی، اور جب واپس لوٹا تو نیرا اس کے پیچھے پیچھے چلی تو دیکھا کہ وہ دور کھڑی ایک مرسیڈز کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

وہ وہاں سے واپس آنے کے لئے بس اسٹینڈ کی طرف چلی تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ادھیڑ عمر اس کا پیچھا کر رہا ہے، اور اس سے باتیں کرنے کا خواہش مند ہے، اس نے توجہ دی تو وہ قریب آیا۔ میڈم میرا ایک کام کرا دیں گی؟ اور جیسے وہ شخص موقع کھونا نہیں چاہتا تھا اور اس کی ہمدردی جیت لینا چاہتا تھا، فوراً آگے بولا، میرے بچے بھوکے مر رہے ہیں، مجھے آدھی تنخواہ مل رہی ہے، میں سب انسپکٹر ہوں اور ایک چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے سسپنڈ ہو گیا ہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کہاں جاؤں۔

''تو میں کیا کر سکتی ہوں''

''پلیز میڈم۔ آپ کر سکتی ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ انکار مت کیجئے میرے لیے کچھ کر دیجئے۔

اور وہ ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی تھی، اور وہ مایوس نظروں سے اپنے بچوں کی دہائی دیتا ہوا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

کئی لوگ اس کی مدد سے اس لئے نہیں کر پائے کہ کئی ایک تو جو پہلے ان ملاقاتیوں کو اپنے ڈرائنگ روم میں بلا کر بات کرتے تھے اب ایک الگ کمرہ میں بیٹھنے لگے جہاں میز کرسی لگی تھی کیونکہ لوگ آ کر جب آرام دہ صوفہ پر بیٹھتے تھے تو پہلے تو بہت تکلفی سے دھیرے دھیرے وہاں پہنچتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ بیٹھتے تھے، اور پھر اس آہستگی کا اثر ان کے انداز پر پڑ جاتا تھا، اور وہ گفتگو بھی انتہائی اطمینان سے سوچ کر کرتے، تا کہ ان کا انداز ڈرائنگ روم کے ماحول کے شایانِ شان ہو، اور میزبان کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ اس ماحول میں گفتگو کرنے کی تہذیب سے ناواقف ہے۔ اور پھر اٹھ کر جاتے وقت بھی شکریہ ادا کرتے، اور دو چار سکنڈ یہ شکریہ ادا کرنے میں لگا دیتے، اور اگر جوتے کھولنے لگتے تو وہ اور بھی زیادہ وقت برباد کرتے اور اگر وہ ان کو کہتا کہ جوتے کھولنے کی ضرورت نہیں تو وہ اس کے باوجود جوتا کھونے میں، یا انتہائی تامل کے بعد اس کی بات ماننے میں وقت خراب کر دیتے۔ اور روز بروز مدد کے لئے آنے والے ان لوگوں کی تعداد اس قدر بڑھتی جاتی کہ وہ قالین خراب ہونے لگے——تو اس صورت حال میں اس نے ملاقات کا سلسلہ ڈرائنگ دم سے ایک الگ روم میں شروع کر دیا جہاں میز اور کرسی لگی تھی۔ اور جہاں اس نے اپنے عملے کو خاص ہدایت کی تھی کہ وہاں کی کرسیاں ایسی ہوں کہ بالکل آرام دہ نہ ہوں اور تکلیف دہ بھی نہ ہوں کہ لوگوں کی سمجھ میں آ جائے، اور اس ہدایت کی روشنی میں ذہین اسٹینو نے تین ایسی کرسیاں بنوائی تھیں کہ اس کے دستانے بہت چھوٹے تھے کچھ اس طرح کہ صرف کہنی اس پر ٹکتی تھی، اور وہ بھی تب جب سیدھا بیٹھ کر سیدھا رہتے ہوئے نیچے کی طرف جایا جائے، اور اگر کلائی کو کرسی پر رکھا جائے تو اس کے پوری طرح ٹھہرنے کی جگہ نہیں تھی، اور نیچے کی سیٹ کا اگلا حصہ کچھ ایسا جھکا ہوا تھا کہ آدمی بیٹھے بیٹھے آگے پھسلنے لگتا تھا، اور خصوصاً اگر وہ کوئی آرام دہ پوزیشن لینا چاہتا یا زیادہ ہلتا تو کھسلتا، اور نتیجے کے طور پر بالکل سیدھا بیٹھنا پڑتا تھا، اور خوبی کی بات یہ تھی کہ

لوگوں کو کبھی اس بات کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ دراصل وہ جب اندر آتے تو اس سے پہلے باہر اتنی دیر تک کھڑے ہو چکے ہوتے کہ ان کو اپنے اس وقت کے انتہائی قیمتی ہونے کا بھرپور احساس ہو چکا ہوتا۔ اور اندر آتے ہی وہ اتنی توجہ سے باتیں کرنے میں لگ جاتے، اور جملوں کی تراش خراش میں اتنے محو ہو جاتے کہ کرسی ان کے ذہن میں پہنچ ہی نہیں پاتی تھی۔ اور دراصل انہیں یہ محسوس کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ اس کرسی کی وجہ سے یہاں کیا ہو رہا تھا۔ اور پھر وہ اپنی باتوں میں شدت سے لگے ہوتے اور جیسے ہی وہ ان کی بات کی جڑ تک پہنچ جاتا، وہ گھنٹی بجا دیتا اور دوسرے ملاقاتی کو لا کر کھڑا کر دیا جاتا اور وہ باتیں کرنے لگتا، اور گویا وہ دوسرا ملاقاتی خود ہی دھکے دے کر اس پہلے ملاقاتی کو باہر نکال دیتا اور خود بیٹھ جاتا، اور باتیں کرنے لگتا، اور گو کہ وہ باتیں تنہائی میں کرتا لیکن اسے محسوس ہوتا کہ گویا وہ ایک بڑے مجمع میں بول رہا ہے اور اسے اختصار سے کام لینا چاہئے کہ وقت کم ہے۔ اور بولنا سب کو ہے۔ سو گو کہ وہ کافی دیر سے، بلکہ کئی دنوں کے انتظار کے بعد آیا ہوتا، اور کوئی بڑی سی سفارش لے کر یہاں پہنچا ہوتا لیکن وہ پورے استدلال کے ساتھ اپنی بات نہیں کر پاتا، اس کے باوجود اس کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اندر بیٹھ کر جائے تاکہ ان کے اوپر جو باہر کھڑے تھے یا ان کے اوپر جو اس کے ساتھ آئے تھے اور باہر اس کا انتظار کر رہے تھے، اس بات کا بُرا اثر نہیں پڑے کہ اسے زیادہ دیر باتیں کرنے کا موقع نہیں دیا گیا جس سے یہ نتیجہ اخذ کئے جانے کا خطرہ رہتا کہ اس کے تعلقات گہرے نہیں تھے— ایسے لوگوں کے لئے جن کے پاس باتیں کم تھیں لیکن جن کے لئے ملاقات میں دئے گئے وقت کی مقدار زیادہ اہمیت رکھتی تھی، ان لوگوں نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر ایک الگ انتظام کر رکھا تھا، ان کے لئے اس آفس سے منسلک ایک کمرہ تھا، جس میں کچھ یوں ہی سی کرسیاں پڑی تھیں، ان کو وہ اس میں بٹھا دیا کرتے اور وہ اس میں جتنی دیر چاہتے بیٹھتے اور پھر اسی مین دروازے سے نکلتے جس سے آئے تھے، اور نکلتے ہوئے چہرے پر ایسی مسکراہٹیں پیدا کرتے اور پھر اسے دباتے جیسے کافی خوشگوار گفتگو رہی ہو— اور اس میں پیدا ہونے والے قہقہوں کو ابھی تک دبا نہیں پا رہے ہوں، اور اس طرح وہ اپنے مخالفین یا رقیبوں میں غلط فہمی پیدا کر دیتے، اور جب یہ مخالفین یا رقیب اندر جاتے تو وہ بھی توقع رکھتے کہ وہ آدمی ان سے بھی اسی قدر کھل کر باتیں کرے کہ قہقہے چھوٹیں، اور ایسا نہیں ہونے پر وہ اس کو بڑی خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے، اور منہ لٹکائے ہوئے باہر نکل جاتے، اور اپنے پیچھے اس آدمی

کے لئے ایک بدمزگی چھوڑ جاتے، اور وہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ شخص جس سے اس نے اتنی خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے بات کی اس کے چہرے پر ایک بے چینی کیوں تھی؟ اور وہ آخر کیا چاہتا تھا۔ اور کسی کسی کو جو اس سے بہت زیادہ گہرے تعلقات دکھانے کی غرض سے آتے تھے ان کے لیے اس کے اسٹینو نے خاصا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو مستقل آتے تھے، اور ان کو سب پہچانتے تھے، اور وہ اپنے ملنے والوں کو دکھانے آتے تھے کہ وہ کیسے وہاں جاتے ہی پہچانے جاتے ہیں؟ کیسے ان کو پچاسوں لوگوں سے بالکل الگ تھلگ دھیان میں رکھا جاتا ہے، ان کے لئے گلاس میں سادہ پانی آتا ہے، یا چائے آتی ہے، اور پھر ان کے آرام کرنے کے مہمان خانے میں جس سے منسلک ایک باتھ روم بھی تھا اس میں آرام کرنے کے لئے پہنچا دیا جاتا۔ اس نے ایک دن دیکھا کہ وہی باورچی جو سبزی فروش کی دکان پر ملا تھا، وہ ایک بار وہاں چائے بنا کر لایا تھا، اور کبھی کبھی تو وہ لان میں بید کی کرسی پر بیٹھے اخبار بھی پڑھتے، اور کبھی کبھی وہاں چائے بھی پہونچ جاتی، اور ان کے ساتھ آئے لوگ یہ سارا منظر سڑک سے ہی دیکھتے؟ اور یقین کرتے۔ اور پھر وہ انتہائی مطمئن ہو کر جاتے، گو کہ اس کی صاحب مکان سے ملاقات بھی نہیں ہوتی، بلکہ صاحب مکان اور وہ دونوں سمجھ گئے ہوتے کہ جب کوئی بات نہیں تو ملاقات کی کیا ضرورت۔ بلکہ وہ ملاقاتی خود ہی اس صاحب مکان سے کہہ دیتے کہ وہ ان ملاقاتیوں کی بھیڑ پر توجہ دے ان سے ملنا زیادہ ضروری ہے کہ ان کو غلط فہمی نہ ہو جائے— اور اکثر خود اپنی طرف سے یہ بھی کہہ دیتے کہ وہ ان کا خیال نہ کریں اور ان میں سے کچھ ملاقاتیوں کو اپنے صبر کا میٹھا پھل یہ ملتا تھا کہ ان کی ملاقات ڈائنگ ٹیبل پر ہوتی تھی۔

لیکن صاحب مکان نے ملنے کے اس طرز کو بھی مزید ترقی دی کیونکہ ایک ایک کر کے بلانے میں قباحت یہ تھی کہ بہ اک وقت اس کی توجہ صرف ایک آدمی پر صرف ہوتی تھی، اور ان میں کافی ایسے تھے جو پوری توجہ کے حق دار نہیں لگتے تھے۔ لہٰذا لوگ کھڑے ہوتے تھے، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک اٹینڈ کر لیتے، اور اس میں سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ جب ایک آدمی گفتگو کر رہا ہوتا تو باقی اس کی گفتگو اور اس پر ہوئے ردِ عمل کو دیکھ کر اور اس کو جو بہت مختصر سا وقت ملتا تھا، اس سے یہ سیکھ لیتے تھے کہ جب ان کی باری آئے تو کیسے وہ اپنی بات فوراً پل کی پل میں ادا کر دیں اور زیادہ تر باتیں کاغذ پر لکھ کر لئے جائیں، جسے وہاں جمع کر دیں اور پھر وہاں کچھ اتنی بھیڑ بڑھتی کہ جہاں ایک شخص بات کر رہا ہوتا وہیں کچھ لوگ اسے دھکا لگا رہے ہوتے

تاکہ فوراً وہ سامنے آ جائیں اور نتیجے کے طور پر بات کرنے والے کو چہار طرفی کوشش کرنی پڑتی کہ ایک طرف تو اس کی توجہ اپنے موضوع پر ہوتی دوسری طرف اپنے موضوع کے اندازِ بیان پر، تیسری طرف اپنے مخاطب کے چہرے اور موڈ پر اور چوتھی طرف ان لوگوں پر جو اچانک سامنے آ جاتے یا کہیں بغل سے، اس کے پیچھے کندھے کے پیچھے سے کسی خاموش اشارے سے اس کے مخاطب کی توجہ اپنی طرف موڑ لینا چاہتے تھے، اور سر پہ یہ خطرہ بھی لٹکتا رہتا تھا کہ ایک بار اس کی توجہ پھسل گئی تو پھر وہ بھیڑ میں گم ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے اس کی باری ختم ہو چکی —— اور پھر کافی لوگ ایسے ہوتے جو اپنی بات نہیں کہہ پاتے کیوں کہ ان کی باری نہیں آتی، لیکن وہ شکایت نہیں کرتے کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے اس بھیڑ کو دیکھ رہے ہوتے اور پھر اس کار کو بھی دیکھ چکے ہوتے جہاں کچھ لوگ اس کو لیجانے کے لئے کھڑے رہتے اور اسے یاد دلاتے کہ کہیں کسی جلسے یا میٹنگ میں لوگ اب اس کا انتظار کرنا شروع کر چکے ہوں گے۔

ان لوگوں میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ دراصل بھیڑ بہت تھی۔ اور اس کے چاروں طرف دھکے بازیاں بہت تھیں۔ اور اس دھکے بازی کے ماحول میں جٹے رہنے پر بھی کوئی بات بن پانے کی کوئی امید نہیں، محض جٹے رہنے کے تسلی ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد وہ وہاں دو چار بار گئی لیکن بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی، اور اب وہاں کا سیکورٹی والا تمام ملاقاتیوں کو قطار میں لگا رہا تھا، ایک دن وقت کم ہونے کی وجہ سے واپس آ گئی، دوسرے دن گئی تو قطار اتنی لمبی لگ چکی تھی کہ اس کی باری نہیں آئی، تیسری بار بہت سویرے گئی تو معلوم ہوا کہ لوگ منہ اندھیرے رات سے ہی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد ایک دن گئی تو دیکھا کہ لوگ قطار میں جا کر مل رہے تھے، اور کافی لوگ اِدھر اُدھر مایوس کھڑے تھے۔ وہ ایک کنارے کھڑی ہو گئی کیونکہ معلوم ہوا کہ وہ آدمی اس دن گھر میں ہی رہے گا، اس نے سوچا جب قطار ختم ہو جائے گی تو آخر میں وہ قطار میں مل جائے گی، کیونکہ وہ کھڑے کھڑے تھک جاتی تھی، باقی لوگ بھی یوں اِدھر اُدھر بیٹھے تھے، لیکن جب بہت دیر ہو گئی اور دوپہر کے بعد تک اس کی باری نہیں آئی تو اس نے سوچا کہ شاید لوگ پیچھے سے قطار میں ملتے جاتے ہوں گے، حالانکہ جو لوگ اِدھر اُدھر کھڑے تھے ان کی تعداد میں کچھ کمی نہیں آئی تھی۔ بھیڑ اتنی تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور دور تک دکھائی نہیں دیتا تھا وہ اس بھیڑ میں آگے بڑھ کر قطار تک گئی، قطار میں کھڑے لوگ مستعدی سے جمے ہوئے کھڑے تھے، اور ان کے بیچ انچ بھر جگہ

نہیں تھی، وہ پیچھے قطار کے ساتھ ساتھ آگے وہاں جانا چاہتی تھی جہاں قطار ختم ہوتی ہو، لیکن آگے بھیڑ میں دھکے کھاتے پہنچی تو دیکھا کہ پیچھے سے قطار وہاں جا ملی تھی جہاں وہ ملاقاتیوں سے مل رہا تھا اور جو مل کر آ رہے تھے وہ وہیں سے دوبارہ ملنے کے لئے قطار میں لگ جاتے تھے اور قطار ایک مکمل دائرہ بن گئی تھی۔ پھر اس نے یہ دیکھا کہ ایک آدمی نے اسی قطار میں سے ایک آدمی کو اپنی درخواست پکڑا دی اور کچھ پیسے دئے کہ وہ اس کی درخواست اندر تک پہنچا دے، اور تمام لوگ یہی کرنے لگے اور کچھ دنوں بعد بہت ہی نکمّے لوگوں سے وہ پوری قطار بھری رہتی تھی۔

وہ مایوس ہو کر ادھر دوسری طرف اور لوگوں میں کھڑی ہو گئی کہ تھوڑی دیر بعد ایک چپراسی نے آواز دی کہ جو لوگ مل نہیں پا رہے ہوں، وہ پی۔ اے کے پاس آ کر رجسٹر میں اپنا نام لکھا دیں۔ اور یہ رجسٹر صاحب کو پیش ہوتی ہے، تو اس نے بھی جا کر اپنا نام لکھا دیا —— اس نے ایک آدمی کو پی۔ اے سے کہتے سنا کہ وہ اب تک تین بار آ چکا ہے۔ اس نے بھی سوچا کہ شاید کئی بار آنے سے اس کی حاضری اس کو متاثر کرے گی، لیکن جب وہ پانچویں بار وہاں گئی تو جب وہ پی۔ اے کے پاس بیٹھی تھی، تو دیکھا کہ ایک ملنے والے نے پی۔ اے کو ایک شراب کی بوتل پیش کی اور کہا کہ وہ اس لئے نہیں آ سکا کہ وہ ایک ماہ کے لئے باہر گیا تھا، لیکن صاحب یہ نہ سمجھیں کہ وہ وفادار نہیں ہے، تو پی۔ اے نے جواب دیا کہ وہ گھبرائے نہیں، اس دوران وہ تیرہ بار اس کی حاضری لگا چکا ہے، اور اس سے صاحب بہت خوش ہیں، اور انہیں اس بات کا پورا احساس ہے بلکہ افسوس ہے کہ آپ اتنی بار آئے، لیکن وہ اتفاق سے باہر رہے، اور اس کے لئے انھوں نے آپ تک اپنی شرمندگی کا اظہار کرنے کے لئے بھی کہا ہے۔“

اس دن جو وہ اٹھ کر آئی تو پھر وہاں نہیں گئی۔

نیرا نے پہلے سنا تھا کہ ان دنوں لوگ بڑے خود غرض ہو گئے ہیں، اور سارے تعلقات اس بنیاد پر قائم ہیں کہ غرض دائمی ہے اور اشخاص وقتی ہیں، اور خصوصاً یہ ان لوگوں میں بہت رائج ہے جو آج کل تیزی سے ترقی کر رہے ہیں، لیکن جب وہ کچھ ایسے لوگوں کے پاس گئی تھی جن کے بارے میں وہ سمجھتی تھی کہ وہ صد فیصد خود غرض ہیں، تو اس نے وہاں خود غرضی نام کی کوئی چیز نہیں دیکھی، بلکہ ان کو اس نے کافی حد تک بے لوث پایا تھا، لیکن اسی حد تک جس حد تک ان کو فرصت ہوتی تھی، اور ان لوگوں نے اس کے کئی کام کر دئے، اور دوسروں سے بھی اس کام کی مثال دیتے

ہوئے ایسا ہی کرنے کی تلقین کی، اس کے ذہن میں ایک شبہ یہ بھی اٹھا کر دراصل وہ کام انہوں نے اس لئے کیا کہ وہ اسے دکھانا چاہتے تھے کہ وہ اہم یا بااصلاحیت ہیں، لیکن اسے دکھا کر انھیں کیا لینا تھا؟ تو کیا وہ دوسروں کو دکھانا چاہتے تھے؟ لیکن اگر دوسروں کو دکھانا ہوتا تو پھر وہ کسی ایسے آدمی کا کام کیوں نہیں کرتے کہ دہرا فائدہ ہو؟ تو کیا وہ اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لئے کرتے تھے؟ لیکن آزمانے کے لئے وہ اپنا کام کرسکتے تھے؟ تو کیا وہ جو کچھ بن پڑتا تھا کرتے تھے؟ اور بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ لوگ جیسے بہت کچھ اور کئے جا رہے تھے، ویسے یہ بھی کئے جا رہے تھے، اور وہ بس کئے جانے میں ہی لگے ہوئے تھے، بغیر کسی آخری واضح تصور اور مقصد کے — لیکن ان کی تمام کوششوں کا ایک رُخ ضرور ہوتا تھا اور وہ اسی سمت میں بہت آگے دیکھتے ہوئے بڑھے جا رہے ہوتے تھے! دراصل وہ نہ خود غرض تھے، نہ بے لوث — اور ان سے کام لینے کے لئے نہ ہمدردی اور رشتے کام آسکتے تھے، اور نہ ہی انھیں کسی خدمت کی پیش کش سے متاثر کیا جاسکتا تھا۔ اور دراصل نیرا کو سب سے بڑی وقت یہیں پیش آئی تھی، اور لوگوں کی اس خصوصیت کے انکشاف پر اسے اپنا حوصلہ ٹوٹتا ہوا اور اپنی سمجھ اور معلومات پر سے اعتماد اٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اور یہ انکشاف رفتہ رفتہ چمک اور صفائی کے ساتھ اس پر واضح ہوتی گئی تھی، اور اب اسے پورا منظر ہی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ایسی گہرائی میں گری ہو جہاں سے نکلنے کے لئے وہ جب چڑھتی ہو تو ڈھلانوں میں اتنی چکناہٹ ہو بلکہ اس پر کوئی روغن لگا ہوا ہو کہ کہیں سے بھی اس پر ناخن تک جمانے کی جگہ نہیں ہو۔

☆☆

۵

ایک دن نیرا نے سوچا کہ اپنی پریشانیوں کے مداوا کے لئے وہ کچہری جائے۔ اس نے مالک مکان اور کرایہ دار سے متعلق ایک کتاب خریدی اور پڑھتے پڑھتے اس نے ایک پیرا گراف کے نیچے لائن کھینچی' میں تو بلاوجہ اپنی نادانی کی وجہ سے مایوس ہو رہی تھی۔ قانون تو میرے حق میں ہے۔'

دوسرے دن وہ ایک وکیل کے پاس گئی اور اس سے مختلف سوال کئے۔ ان مقدموں میں عام طور سے کتنا وقت لگتا ہے؟

''کم سے کم تین سال۔''

کیا کوئی ایسی بھی صورت ہے کہ جس میں عدالت ایسے ایک، بہت ہی ضرورت مند آدمی کے لئے کوئی اور صورت نکالے۔ مثلاً میرے ہی معاملے کو لیجئے۔ میری شادی طے ہو چکی ہے۔ اور اگر فوراً شادی نہیں ہوئی تو لڑکا ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

''ابھی تک میں نے عدالت میں ایسا تو کبھی نہیں دیکھا۔''

''تھینک یو'' وہ لوٹ آئی۔

شام میں وہ پھر وہی کتاب پڑھ رہی تھی، قانون ساز اسمبلی کی عظیم کوششیں کہ ضرورت مند اور پریشان حال مالک مکان کے درد کا مداوا ہو، خاک میں مل گئیں ——— اس بات کا آخری جملہ پڑھتے پڑھتے وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ اور بیچنل قانون کو پڑھ کر اس کی امیدوں میں جو بلند پروازی پیدا ہوئی تھی وہ امیدیں ایک بے بال و پر پرندے کی طرف ریت پر گر کر خود ہی مٹی

چاٹ رہی ہیں۔

آگے بہت کچھ پر اُمید چیزیں بھی لکھی تھیں۔ایک امید کی کرن پھر چمکتی ہوئی ابھری لیکن اس بار وہ نیرا کی آنکھوں کی سمندر جیسی تاریکی میں جگنو کی طرح چمک کر پھر ڈوب گئی۔اس تاریکی کو اپنی تاریکی کے نہ مٹنے کا یقین اور بھی تاریک کر رہا تھا۔یہ تاریکیاں اس قدر دبیز تھیں کہ پارا سائٹ کی طرح روشنیوں کو کھا کھا کر اور بڑھتی جا رہی تھیں۔عدالتیں تو دانشور ہوتی ہیں تو ان کی دانش کی باتیں کہاں ہیں؟

تاریکی کی آنکھیں اور چمک گئیں۔عدالتیں اگر دانشور ہوتیں تو انصاف مانگنے والے سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے مایوس ہو کر فنا نہ ہو جاتیں۔

تم کسے الزام دے رہی ہو نیرا؟ عدالتیں انسان نے بنائی ہیں اور تم بھی انسان ہو۔

آگے کچھ اور پُر اُمید باتیں تھیں لیکن —— یہ کرن تو اب چمکی بھی نہیں جیسے کرن ہی نہ ہو —— وہ کتاب کے اوراق الٹ کر دیکھتی رہی، پڑھتی رہی، غور کرتی رہی —— عدالت پتھر کی ایک مورت ہے۔ایک ترازو ہے۔

ترازو۔

وہ وکیل کے پاس گئی۔

اور اس سے اُلجھ گئی۔

وکیل نے اسے بہت سمجھایا۔پھر وہ تنگ آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کو ایسے سمجھ میں نہیں آئے گا۔آیئے میں آپ کو اپنا کتب خانہ دکھاؤں۔وہیں آپ کو سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا۔میں خود بھی جب شک میں گرفتار ہوتا ہوں تو اپنے کتب خانے میں چلا جاتا ہوں۔''

وہ اندرونی کمرے میں چلے گئے۔

وہ اندرونی کمرے میں پہنچے تو اس نے نگاہ گھما کر دیکھا کتابیں ایک عجیب انداز میں سجی ہوئی تھیں، جو انداز عام طور سے کتب خانوں میں یا لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں نہیں پایا جاتا تھا۔آپ کو کیسا لگا؟ یہ کتابیں میں نے اپنے طور پر سجائی ہیں، اسی لئے کہ میں پورا قانون پڑھنے کے بعد بھی اُلجھ جایا کرتا تھا اور ان کی حقیقت تک صاف صاف پہنچنے کے لئے بڑے بڑے وکیلوں

کا دستِ نگر رہتا تھا، اور وہ بڑے وکیل، جو کئی کئی برسوں سے اعلیٰ ترین عدالتوں میں پریکٹس کرتے ہیں، وہ خود بھی جب عدالتوں کو سمجھاتے تھے تو لگتا تھا کہ کوئی بارہ سنگھا گھنی جھاڑیوں میں اپنی جھاڑی دار سینگھوں کے ساتھ پھنس کر بحث کر رہا ہے، اور میں اس صورت حال سے قطعی مطمئن نہیں تھا، میں نے ان تمام معاملات کو انتہائی غور سے دیکھنا شروع کیا۔اور پھر جیسے جیسے دیکھتا گیا ویسے ویسے یہاں اپنی کتابوں کو سجاتا گیا۔اس طرح میں نے سب سے اوپر جہاں آپ کی نگاہ مشکل سے پہنچ رہی ہوگی، ہاں غور سے دیکھئے۔تھوڑا مشکل کام ہے لیکن آپ دل شکستہ نہ ہوں کہ ہم وکیلوں کی نگاہ بھی وہاں مشکل سے پہنچتی ہے، اور سب سے بعد میں پہنچتی ہے، وہاں سب سے بڑی کتاب رکھی ہے، وہاں الماری میں جہاں فانوس سا ہے، دراصل یہ فانوس نہیں ہے، بڑی کتابیں کو رکھنے کی مقدس جگہ ہے، لیکن وہاں کتاب ہے نہیں، اور آپ کا شبہ ٹھیک ہے کہ وہ محض ایک فانوس ہے، لیکن میں نے جان بوجھ کر وہ کتاب وہاں نہیں رکھی ہے کہ دراصل وہ کتاب قانون کی کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ کتاب وہ ہے جس سے سب کتابیں نکلی ہیں اور بنیادی طور پر عوام کی خواہشات اور دانش اور آپسی معاہدے کی علامت ہے، اس لیے میں نے اس کتاب کو یہاں رکھنا مناسب نہیں سمجھا کہ اس لائبریری میں صرف قانون کی کتابیں ہیں۔اور وہ کتاب وہاں ہو نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارا واسطہ قانون اور اصول قانون سے ہوتا ہے اور اس کے لئے ہم نے بڑی بڑی امریکی اور برطانوی اور روسی اور یونانی اور ہندوستانی کتابیں رکھی ہیں، اور وہ فلسفے کی کتابیں ہیں، اور عمرانیات کی بھی کتابیں ہیں جن سے ہمارے ملک کا قانونی مزاج نمایاں ہوتا ہے۔اور ان بڑے بڑے قانونی دماغوں کی تخلیقات ہیں جو مقدموں کے فیصلوں کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہیں اور وہ سارے دماغ بھی جب فیصلہ کرتے ہیں، اور بڑے بڑے وکیل جب بحث کرتے ہیں تو اسی طرح اس کتاب کو سب سے اوپر رکھ کر کرتے ہیں، اور ان کا فیصلہ ہو بہو علم قانون کی روشنی میں ہوتا ہے، اور یہ علم قانون اتنا پیچیدہ ہے کہ جسے علم قانون کہتے ہیں اس سے ذہین سے ذہین طالب علم گھبراتے ہیں، اور یہ جو موٹی سی کتاب ہے یہ علم قانون کی کتاب ہے، اس کی قیمت پانچ سو روپے ہے یہ کتاب میں نے اپنی میز پر اس لئے رکھی ہے کہ سارے فیصلے اس کی روشنی میں ہوتے ہیں اور جو اس میں ماہر ہے وہ مقدموں میں ضرور کامیاب ہوتا ہے، اور یہ جو کتاب ہے یہ علم اسناد کی ہے اور یہ دوسری اہم ترین کتاب ہے جو ننانوے فیصد مقدموں

کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہے، اور یہ میری کرسی ہے کہ میں وکیل ہوں، اور یہ آپ کی کرسی ہے کہ آپ موکل ہیں، اور یہ ڈکشنری آپ کی طرف اس لئے رکھی گئی ہے کہ جب بھی مجھے موکل کی ذہنیت کو سمجھنے میں اُلجھن ہوتی ہے تو میں اس ڈکشنری پر نگاہ ڈالتا ہوں کہ ہر موکل اس بڑی کتاب کو ان الفاظ اور معنوں میں سمجھتا ہے جو ڈکشنری میں ہے اور وہ حق بجانب بھی ہے کہ وہ تو اس کتاب کو انہی حوالوں سے سمجھتا ہے، اور انصاف کو اسی نظر سے دیکھتا ہے، لیکن میں اس بڑی کتاب کو اس علم قانون کی روشنی میں دیکھتا ہوں کیوں کہ بڑے بڑے جج اس کتاب کو یہیں سے دیکھتے ہیں اور وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اسی کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں، سو جج کی نگاہ میں اور موکل کی نگاہ میں فرق ہونا لازمی ہے، اور میں جب تک موکل کی نگاہ سے معاملات کو دیکھتا تھا تب تک تقریباً ہر مقدمہ ہارتا چلا گیا۔ اور اب ہر مقدمہ جیتتا ہوں، اور کوئی مقدمہ میں ہارا نہیں کیونکہ چاہے مقدمہ کیسا بھی ہو، لیکن علم قانون پر میری پکڑ اتنی گہری ہے کہ میں ہر مقدمہ میں اس کی تہہ تک پہنچ جاتا ہوں، اور اتنی گہرائی تک پہنچ جاتا ہوں کہ اپنے خیالوں میں جج کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہوں۔

نیرا نے دوبارہ اس فانوس کو دیکھا، اور اسے لگا کہ وہاں کی جگہ کا خالی ہونا ایک سورج کی طرح ہے کہ جس کی تیز دھوپ میں وہ بُری طرح جلتی جا رہی ہے، پھر اس کی نگاہ اُس ڈکشنری پر پڑی، وہ اٹھی، اور ڈکشنری اٹھا کر میز کی اس طرف پہنچی جہاں جورس پروڈنس کی کتاب رکھی تھی، اور اس نے وہ جورس پروڈنس کی کتاب زمین پر پھینک دی۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں اس نظام کی بنیاد ایک انتہائی اعلیٰ قانونی دانش پر قائم ہے، جس کی اعلیٰ ترین دماغ قدر کرتے ہیں، اور جس کے ستونوں پر قانون و انصاف کا پورا عالم کھڑا ہے، اور آپ قانون سے ناواقف ہیں اس لئے ایسا کر رہی ہیں، اور میرے ذہنی سکون اور آراستہ تصورات کی توڑ پھوڑ بلا سوچے سمجھے کر رہی ہیں۔

'تمہارا نیبل ایک بہت بڑا فراڈ ہے'

'صرف ایک میری میز کی توڑ پھوڑ سے آپ کو اطمینان ہوتا ہے تو کر لیجئے، وکیل نے نیرا کو گھورتے ہوئے کہا۔

'آپ کیا کیا توڑیں گی۔ اس دنیا میں تو ہر انسان جج ہے'

وہ پھر کچھ اپنائیت سے بولا

'جذبات میں مت آؤ نیرا —— میں نے اس شکل کی پہچان تمہاری طرح بہت بڑی

بڑی ناکامیوں کو جھیلنے کے بعد حاصل کی ہے۔ میں تمہارا وکیل ہوں اور میں تمہیں سچا مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ یہ کبھی مت دیکھو کہ تم دوسروں سے کیا چاہتی ہو۔ یہ دیکھو کہ وہ لوگ کیسے سوچتے ہیں۔ وہ کیسے چیزوں کا ادراک کرتے ہیں۔ اگر تم ان باتوں کو مدِ نظر رکھ کر سوچوں گی تو بات کرتے وقت اپنے مخاطب کے دماغی ریشوں پر سیدھا چوٹ پہنچاؤ گی اور یہ کام بہت آسان ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ دنیا کا ہر بڑا وکیل دنیا کی کسی بھی چیز کی تعبیر اپنے طور پر نکال سکتا ہے۔'

وہ وکیل کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆

(۶)

آج وہ الوک کو فون کرنے جارہی تھی۔ الوک دلّی میں اسسٹنٹ کمشنر آف پولس تھا اور نیرا کی ایک سہیلی سرلا کا ماموں زاد بھائی تھا۔ اس نے اپنی طرف سے پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ملنے جانے سے پہلے فون کر کے وقت لے لینا چاہتی تھی۔ وہ پنجاب فرنیچرز کی دکان پر گئی جہاں پبلک ٹیلی فون تھا۔ اس وقت دھوپ کافی تیز تھی بلکہ گرد و غبار کے ساتھ لو بھی چل رہی تھی لیکن پھر بھی فون پر بھیڑ لگی تھی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس کی باری آئی۔ جتنی دیر وہ کھڑی تھی اس دوران وہ الوک کی شخصیت کو فون پر گفتگو کے دوران ہی پرکھنے کے لئے اپنے ذہن کو تیار کرتی رہی۔

اس نے نمبر ڈائیل کیا۔

'ہیلو' دوسری طرف سے کسی نے ٹیلی فون اٹھایا۔

'میں نیرا تینجا بول رہی ہوں'

'آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟'

'میں فرینڈس کالونی سے بول رہی ہوں'

'آپ الوک صاحب سے بات کرنا چاہتی ہیں'؟ مزید کئی سوالات کرنے کے بعد اس نے پوچھا 'ہاں'۔ اسے لگا وہ الوک تک جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہی ہے۔

'پلیز ہولڈ کیجئے' دوسری طرف سے آواز آئی اور پھر فون پر خاموشی طاری ہوگئی۔ کئی سکنڈ بعد پھر ہیلو کی آواز آئی۔

'نمسکار' نیرا نے ہیلو کے جواب میں کہا اور اپنا تعارف کرانا چاہا کہ دوسری طرف سے آواز آئی' آپ صاحب سے بات کیجئے'۔

'ہیلو' چند سکنڈ کے بعد ایک بھاری آواز ابھری۔ یہ الوک ہوگا'

'نمسکار۔ سر میرا نام نیرا ہے'

'ہاں' مجھے سرلا نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ آپ کیسی ہیں؟'

'ٹھیک ہوں۔ میں آپ سے ملنے آنا چاہتی ہوں۔ میرے کچھ پرابلم ہیں'

'مجھے معلوم ہے۔ آپ آجائیے'

'میں ابھی تو کالج جارہی ہوں۔ ابھی اس لئے فون کیا کہ آپ سے پوچھ لوں کہ آپ کو کب فرصت ہوتی ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں آج دوپہر کے بعد یا پھر کل آجاؤں'

آپ کو جس وقت بھی سہولت ہو، آجائیے'

نیرا خاموش ہوگئی۔ پھر ایک لمحے کے بعد بولی۔

'تھینک یو سر'

الوک کی گفتگو کے لہجے کے پیچھے جس قسم کی شخصیت کی جھلک اسے دکھائی دی تھی وہ اس قدر قابلِ اعتبار لگی کہ اس کے اپنے اب تک کے سارے تجربات کا تانا بانا بدلنے لگا۔ وہ حیران تھی کہ اس دنیا میں کس کس رنگ کی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ بالکل ہی یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کے اب تک کے تجربات ایک مختلف انداز میں دکھائی دے سکتے ہیں۔ اسے محسوس ہوا کہ الوک انتہائی مخلص ہے۔ وہ ابھی الوک کی گفتگو کے سحر سے باہر نہیں نکل پائی تھی کہ اوروں سے متعلق تجربات بھی اس کے ذہن پر چھا گئے——اس نے محسوس کیا کہ اب وہ ایک گہری جذباتی وابستگی سے الگ ہو کر جو الوک کے تئیں اس کے اندر پیدا ہوگئی تھی دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت کا بھی از سر نو تجزیہ کرلے۔ وہ ان بنیادی باتوں کو پکڑنے کے لئے بے قرار ہوگئی جس کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ الوک سے وہ جو رشتہ محسوس کر رہی تھی اس رشتے میں اور ان رشتوں میں کیا فرق تھا جہاں لوگوں کے چہرے وقت کے ساتھ ساتھ بدل گئے تھے۔ اس کے اپنے اور اپنے خاندان کے ان دوستوں اور رشتہ داروں سے اس کا کس قسم کا تعلق تھا جن دوستوں نے مدد مانگنے پر اسے بستروں پر مدعو کیا تھا اور ایک ایک ملاقات کے لئے اسے کئی بار محض اس کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے بلایا تھا۔ یا ان لوگوں سے اس کے تعلقات کی کیا نوعیت

تھی جو ضرورت پڑ جانے پر ہر قسم کی قربت کے باوجود اپنا قیمتی وقت، اپنی توانائی اور اپنا تھوڑا سا بھی پیسہ صرف کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ اس کا رشتہ محض لین دین کا تھا چاہے وہ رشتہ کتنے ہی دلکش الفاظ اور سلوک کی شکل میں ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس میں لوگوں کی مدد کا بدل دینے کی قوت نہیں تھی تو لوگ تعلقات کی اس سطح پر لاتعلق ہو گئے تھے۔

اپنے رشتوں کی نوعیت کی جانچ کرتے کرتے جب وہ اس نتیجہ تک پہنچی تو اسے ایک مخصوص طمانیت کا احساس ہوا۔ مہینوں بعد پہلی بار آج اس کا ذہن کھلے آسمان کی طرح صاف اور روشن ہو گیا تھا۔

فون کے بعد وہ کالج جانے کے لئے فوراً بس اسٹینڈ کی طرف بڑھی کہ وہاں پہنچ کر اسے اپنا ٹرم پیپر مکمل کرنا تھا۔ اور وہ ان کتابوں کے بارے میں سوچنے لگی جن میں سے اسے مواد جمع کرنا تھا۔ بیچ بیچ میں کمار والے مسئلہ سے متعلق سوالات بھی ابھر ابھر کر اس کی توجہ اپنی طرف کھینچتے رہے۔

شام میں وہ کالج سے گھر لوٹی۔ لیکن اپنی سوچوں میں اس قدر ڈوبی رہی کہ اسے الوک کے یہاں جانے کی رغبت نہیں ہو رہی تھی۔ یہ سارے بھروسے صرف اذیت پہنچاتے ہیں۔ ممکن ہے الوک مدد کرے۔ یہ ممکن ہے۔ الوک سے گفتگو کر کے اسے ایک قوت سی ملی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اب وہ اس تازہ قوت کو آزما کر کھونا اور پھر مکمل طور پر اپنے کو بے سہارا محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی۔

شام ڈھلی۔ پھر رات ہوئی۔ وہ سوچتی رہی۔

'اب میرا اور کوئی نہیں'

اس خیال کے ایک ٹھوس شکل اختیار کرتے ہی اس کا ذہنی تناؤ ختم ہوتا چلا گیا اور وہ گہری نیند سو گئی۔'

بے پروا۔

بے خبر۔

☆

دوسرے دن ایک واقعہ ہوا۔ نیرا پڑھ کر اٹھی تھی اور کالج جانے کے لئے جلدی جلدی نہانے لگی۔ وہ اندر نہا رہی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ کسی نے باہر سے غسل خانے کی چٹخنی چڑھا دی۔

اس بے ہودہ حرکت سے اس کے ذہن میں یکا یک ہی ایک شدید تناؤ پیدا ہو گیا جو اس دوران مسلسل قائم رہا جتنی دیر وہ نہاتی رہی۔ نہانے کے بعد اس نے کئی بار دستک دی تب کسی نے باہر سے چٹخنی کھولی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے آشا کھڑی تھی۔

'کس نے بند کیا تھا' اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

'پتہ نہیں۔ نوکر نے بند کیا ہوگا بچوں نے'

'کمینے ہیں جنہوں نے بند کیا ہوگا' اس نے اونچی آواز میں بے خوفی کے ساتھ کہا۔

ابھی جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر لگا۔

'تم نے میرے بچوں کو گالی دی'، مسز آشا نے چیختے ہوئے اسے تھپڑ مارا تھا۔ پھر وہ نیچے کی طرف جھکی اور بغل میں پڑا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا کر پوری قوت کے ساتھ اس پر وار کیا جسے نیرا نے ہاتھ کی آڑ سے روکنا چاہا تو اس کی کلائی پر شدید چوٹ آئی۔ یہ ہنگامہ سن کر آشا کا شوہر کمار بھی کمرے سے نکل آیا۔

'کیا ہو گیا، کیوں لڑتی ہو؟ اس نے محض رسمی طور پر بیچ بچاؤ کے لہجہ میں کہا گو کہ اندازسے اندرونی طور پر وہ اس حملہ کو دیکھ کر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

کمرے میں آنے کے بعد نیرا نے عموماً ہونے والے اس قسم کے واقعہ کی گہری تجزیاتی چھان بین کی۔ یہ واقعہ کیوں ہوا؟ اور جس طرح اس واقعہ کا آغاز ہوا، جو صورت اس واقعہ نے اختیار کی، اور اس واقعے کے تئیں کمار کا جو رویہ تھا ان تمام باتوں پر اس نے غور کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایک بات تفصیل سے جاننا چاہتی تھی۔ اور ان کے ہر پہلو کو سمجھا چاہتی تھی۔ مثلاً وہ ان باتوں کی گہرائی تک پہنچنا چاہتی تھی کہ مسز آشا نے چٹخنی کیوں چڑھائی تھی؟ پھر وہ اس حد تک کیوں گئی کہ تھپڑ چلا دیا اور پھر ڈنڈا تک چلایا۔ وہ اس کے احتجاج اور للکار سے اس حد تک کیوں بھڑک اٹھی؟ اور اس بات پر کمار خاموش کیوں رہ گیا؟

ان باتوں پر غور کرنا اس نے انتہائی ضروری سمجھا۔ خصوصاً اس واقعہ پر۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ واقعہ آئینہ کی طرح تھا، جس کے خدوخال کی ہر تفصیل اپنے پیچھے موجود کسی اور بات کی نشان دہی کر سکتی تھی۔ جب وہ اس واقعہ کی جزئیات کی مزید گہرائی تک اترنے لگی تو اسے خیال آیا کہ اس نے خود بھی آشا کو گالی دی تھی۔ آج یہ کیسے ممکن ہوا؟ اسے یہ بات اہم لگی۔ اس سے پہلے

اس نے اس شدت اور قوت سے کسی بات پر اپنے ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ آج اس کے اندر وہ کون سی قوت ابھر آئی تھی جو ماضی کی تمام خاموشیوں کو توڑ کر احتجاج کی اونچی آواز بن کر بول پڑی تھی۔ اور وہ بھی بالکل صاف اور واضح لہجہ میں۔ اور جس قوت نے اس کے اوپر چھائی ہوئی کسی دبیز چیز کو اٹھا کر بالکل پرے پھینک دیا تھا۔ اور وہ دبیز چیز کیا تھی جسے اس نے پھینک دیا تھا؟ اس کے اندر سے ابھرنے والی یہ قوت کیا تھی؟

اور مسز آشا نے دروازہ کیوں بند کیا تھا؟ کیا یہ صرف ایک مذاق تھا؟ نہیں۔ یہ مذاق نہیں تھا کیوں کہ دروازہ کھولتے وقت آشا کے چہرے پر مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اور آشا کے درمیان کا رشتہ مذاق کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کیوں کہ ان کے درمیان کئی مقدمے چل رہے تھے اور صورت حال یہ تھی کہ ان دنوں دونوں فریقین کی ایک ایک حرکت ایک دوسرے کے لئے انتہائی معنی خیز ہوتی تھی۔ تو کیا آشا نے یہ حرکت اسے اذیت پہنچانے کے لئے کی تھی؟ یقیناً ایسا بھی نہیں تھا کیونکہ اس نے خود ہی آ کر دروازہ کھولا تھا اور اس میں اس نے زیادہ تاخیر بھی نہیں کی تھی۔ تو پھر اس نے دروازہ کیوں بند کیا تھا؟ اس کا اصل مقصد کیا تھا؟

وہ چاہتی ہے کہ میں واقعات کی طرف سے بے حس ہو جاؤں۔ انہیں چپ چاپ سہتی جاؤں اور ان کو سہنے کی اس قدر عادی ہو جاؤں کہ وہ جو کچھ کرے، اس کا نہ مجھے احساس ہو، نہ علم ہو، نہ اسے توجہ سے دیکھنے کی صلاحیت مجھ میں باقی رہے، اور نہ میں اسے پر احتجاج کروں نہ آواز اٹھاؤں۔ اور اس طرح ایک احساسِ بے بسی میرے اوپر حاوی ہو جائے۔ اور یہ بے بسی مجھے اندر ہی اندر کھائے، اور میں اس کے شکنجے میں اس طرح دب جاؤں کہ درد سے تڑپ بھی نہیں سکوں۔ حتّٰی کہ بالآخر یہاں سے بھاگ جاؤں۔

یہی سوچتے سوچتے کافی وقت گزر گیا۔ جب اس کی نگاہ دیوار گھڑی پر پڑی تو وہ چونکی۔ نو بج چکے تھے۔ اس وقت وہ روزانہ کالج جاتی تھی۔ آج بھی اسے کالج ہی جانا تھا لیکن اس نے صورت حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج کالج نہیں جا کر تھانہ جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ جیسے یہ واقعات اسے آہستہ آہستہ دبوچنا چاہتے تھے۔ اور آج کا یہ واقعہ بھی واقعات کے اسی ہمہ گیر سلسلے کی ایک کڑی تھا جو ان دنوں اس کے چاروں طرف ہو رہے تھے۔ یہ سارے واقعات میرے اس مکان کی کھڑکیوں اور دیواروں سے وارد ہوتے ہیں، ان واقعات کی

وجوہات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش میں یکا یک اس کی توجہ اس کے مکان کی طرف گئی۔ میرے مکان کی نوعیت اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ اور گو کہ اب بھی یہ میرا ہی مکان ہے، میری جائداد ہے پھر بھی اس سے مجھے جو سہارا ملنا چاہیے وہ سہارا ملنے کے بجائے اس کے برعکس اس مکان کے رویہ میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اور یہ مکان میرے ساتھ انتہائی بے رحمی سے پیش آ رہا ہے۔ اب یہ مکان ایک ایسی اذیت بخش مشین بن گیا ہے، جس میں دب کر میری سانس رکنے لگی ہے اور اس کی وجہ سے میری پوری زندگی تباہی کے راستے پر مڑتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے میرے مستقبل کے سارے خواب ٹوٹ رہے ہیں۔

یہی سوچتے سوچتے اس کے گھر اور تھانے کے بیچ کا راستہ طے ہو گیا۔ اب وہ تھانے کے دروازہ پر آ چکی تھی۔

وہ تھانے کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ جب وہ چلتی ہوئی اس سپاہی کے پاس سے گزری جو برآمدے میں کھڑا تھا تو اس کی نگاہ اس سپاہی پر پڑی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ انتہائی قابلِ غور چیز ہو، اور اس کے اندر اس کے سمجھنے کے لئے کچھ اہم باتیں پنہاں ہوں۔ نہ جانے کیوں اسی لمحے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پورے تھانے کے اندر ایک عجیب خصوصیت تھی کہ وہ اس سے روز بروز جتنی قریب آتی جا رہی تھی۔ اور جیسے جیسے اس کو سمجھتی جا رہی تھی اسی قدر یہ جگہ اجنبی ہوتی جا رہی تھی اور ایسی ایسی ناقابلِ یقین اور غیر متوقع باتیں سامنے آتی جا رہی تھیں کہ اس کے ذہن میں بسا ہوا تھانے کا تصور تیزی سے بدلتا جا رہا تھا۔ اب جو تھانہ اس کے سامنے ابھر رہا تھا وہ اس کے اندازے کے برخلاف نہ رشوت لینے کو تیار تھا اور نہ ہی اس کے تحفظ کی کوئی ضمانت دے رہا تھا۔ یہاں ایک عجیب پر اسرار ماحول کا انکشاف ہو رہا تھا۔ جب بھی اس نے چاہا کہ یہاں وہ رشوت دے کر کام کرا لے یا قانون اور انصاف کی دہائی دے کر مدد مانگ لے یا کم از کم صاف صاف یہی معلوم کر لے کہ اسے مدد ملے گی یا نہیں تو اُسے اپنے پاؤں پھسلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہاں کا نظام کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا، اور یہی بات سب سے زیادہ پریشان کن تھی۔

وہ ڈیوٹی افسر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ سر جھکائے کاغذوں کے بنڈل میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی میز کے سامنے کی کرسیاں خالی نہیں تھیں۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر جوڑا پہلے سے

بیٹھا ہوا گویا کچھ کہنے کے لئے ڈیوٹی افسر کی توجہ کا منتظر تھا۔ وہ آگے بڑھی اور چپ چاپ بائیں جانب دیوار کے پاس پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈیوٹی افسر نے ایک بار کرسی کھسکنے کی آہٹ پر نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ نیرا نے اس کو سر کی جنبش سے آداب کیا لیکن اس نے نگاہوں سے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ڈیوٹی افسر کے مخاطب کرنے کا انتظار کرتی رہی۔ اس نے کئی بار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور خاموش نگاہوں سے کئی لمحوں تک اسے دیکھتا بھی رہا لیکن اس کو بلایا نہیں۔ وہ یونہی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں مشغول ہونے کا دکھاوا کرتا رہا۔ کبھی کبھی وہ اپنے اسٹاف کے کسی آدمی سے ادھر اُدھر کی باتیں کر لیتا اور پھر کوئی کاغذ ڈھونڈنے لگتا۔ پھر سگریٹ پینے میں مشغول ہو گیا۔

نیرا نے دوبارہ اپنی گھڑی دیکھی۔ یہاں آئے ہوئے بیس منٹ گزر گئے تھے۔

'وہ مجھے انتظار کروا رہا ہے' وہ جیسے چونک گئی۔

یہ خیال آتے ہی وہ غور سے سوچنے لگی۔ 'میں انتظار کر رہی ہوں یا وہ انتظار کروا رہا ہے؟' اس کے ذہن میں یکا یک یہ سوال سانپ کی طرح پھن نکال کر لہرانے لگا۔ اور پھر یہ سوال اسے انتہائی اہم معلوم ہونے لگا۔ اور پھر چند لمحے بعد اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی ایسی گہری نیند سے جاگ گئی تھی، جس نیند کا اسے اب تک احساس ہی نہیں تھا۔ اس کے اندر ایک بے چینی سی پیدا ہوئی۔

'میں یہاں کیوں ہوں؟ تاخیر ہونے کے باوجود یہاں کیوں رکی ہوئی ہوں؟؟ میں یہاں اس لئے رکی ہوئی ہوں کہ میں اپنی رپورٹ لکھوا کر اس قانونی تنظیم کی مدد لینا چاہتی ہوں؟ اور یہ میری طرف توجہ کیوں نہیں دے رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ مجھے اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور اسے یقین ہے کہ میں اس لیے اس کا مجبوراً انتظار کروں گی کہ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور وہ مجھ سے جتنی دیر تک چاہے انتظار کروا سکتا ہے۔ لیکن مجھ سے قصداً انتظار کروانے کے پیچھے اس کا مقصد کیا ہے۔؟'

وہ بیٹھی رہی اور ہر ممکن پہلو پر سوچتی رہی۔ اور پھر جیسے یکا یک ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

'وہ تمہیں تھکا تھکا کر، نا امید کر کے' بے چارگی کا احساس دلا کر' تمہاری قوت، تمہارے استقلال اور تمہارے یقین کو مسمار کر دینا چاہتا ہے' تمہیں توڑ دینا چاہتا ہے' تمہیں گرا دینا چاہتا ہے!'

تو وہ میرے گرنے کا انتظار کر رہا ہے!!

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

لیکن تھانے سے لوٹنے کے بعد اس کی سوچوں میں ہلچل سی اٹھنے لگی۔! نیرا ـــ تم تھانے کو تو چھوڑ کر چلی آئی ہو۔ لیکن اب تم تنہا ہو۔ اب آگے تم کیا کرنے جا رہی ہو۔ آشا نے جو کچھ تمہارے ساتھ آج کیا تھا وہ کل بھی کرے گی۔ اس کو روکنا ہے۔ اس کے لئے تمہارے پاس قوتیں ہیں۔؟ الوک کا ان دیکھا چہرہ اس کی نگاہوں میں ابھرا۔

لیکن تم دھوکے میں رہتی ہو! تم بے خبر! اور بے گانہ رہتی ہو! تم نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو کبھی نظر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں۔

تمہاری نگاہیں دھند اور گرد غبار سے آلودہ ہیں۔

تمہاری نگاہوں کے سامنے جو چیزیں ہیں، ان سے تمہارا رشتہ کمزور ہے۔ تم جس راستے پر چلتی پھرتی ہو، اس راستے کے اور تمہاری آنکھوں کے بیچ ایک لاپرواہی کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ تم جس پر بھروسہ کر سکتی ہو وہ، وہ ہے، جسے تم دیکھ سکتی ہو، لیکن تم نے اب تک اپنی نگاہ سے دیکھ کر، کتنی چیزوں کو بھراسے کے قابل ٹھہرایا ہے؟ تم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ کیا تمہارے رشتہ داروں اور دوستوں اور دوسرے جاننے والوں میں تھوڑے سے بھی ایسے لوگ ہیں، جن پر تم واقعی بالکل یقین کے ساتھ بھروسہ کر سکتی ہو! کیا جہاں جہاں تم جاتی ہو جس طرح پیسے خرچ کرتی ہو، اس میں ایک بھی ایسا طریقہ کار ہے، جس پر تمہیں مکمل اعتماد ہے؟ اگر ہاں، تو کیا کوئی ٹھوس نتیجہ تمہاری نگاہوں کے سامنے آیا ہے! کیا تم نے ٹھوس باتوں کو پکڑ کر ان سے تھوڑی سی بھی قابل اعتماد چیزیں جمع کی ہیں؟ کتنے لوگ ہیں، جن پر تم بھروسہ کر سکتی ہو؟ کیا تم نے کبھی یہ پلاننگ کی؟

'نہیں کی'

'ہاں' تم ایک ایسی دنیا میں رہتی آئی ہو، اور اس طرح رہتی آئی ہو، جہاں کسی چیز کو تم اپنے طور پر نہیں جانتیں۔

'تو تھانے میں گئی تھی؟

کیوں؟ کیا تو جانتی تھی کہ وہاں سے مدد ملے گی؟

تم نے سنا تھا؟

نہیں۔ محض تمہارا یہ خیال تھا کہ وہاں سے مدد ملنی چاہیے۔ کہ یہ تھانے کا کام ہے۔ اور

تمہارا یہ خیال خام تھا۔

سوچتے سوچتے نیرا کی نگاہ دیوار پر ٹک گئی۔ اس نے کتنے لوگوں پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا تھا جب کہ اس بھروسے کی کوئی وجہ کوئی بنیاد نہیں تھی۔

اس نے دیکھا کہ تقریباً ہر بات میں اس نے آنکھ بند کر کے بھروسہ کیا تھا بلکہ جانچنے اور پرکھنے کا اسے شعور ہی نہیں تھا۔

دراصل اس دنیا میں آج اس نے دیکھا تھا کہ وہ ایک بوڑھی عورت کی اکیلی بیٹی ہے۔ اور اس کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔ کوئی اس کی حفاظت کرنے والا، اس کے لئے سوچنے والا نہیں ہے۔ اور یہ انتہائی خطرناک بات تھی کہ وہ ابھی تک بچوں کی طرح بغیر لوگوں کی نیت کو دیکھے، اور بغیر ان کے کردار کی گہرائی میں گئے ان پر بھروسہ کئے جا رہی تھی۔

سوچنے کے دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ کے ریشے از سرِ نو مرتب ہو رہے ہیں —— جیسے کوئی اس سے ہولے ہولے کہہ رہا تھا — یہاں قدم قدم پر رہزن گھات میں بیٹھے ہیں، یہ بیسویں صدی کی نویں دہائی کی دلی ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں کب رات ہوتی ہے اور کب دن نکلتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا، — یہ وہ شہر ہے جہاں ہر انسان اپنی حفاظت کا آپ ہی ذمہ دار ہے، یہاں بھروسہ کی تجارت ہوتی ہے یہاں معاہدہ بنانے والے ایک ایک لفظ کے ہزاروں ہزاروں روپے لیتے ہیں اور اس شہر میں تم بھروسوں کی سڑک پر چل رہی ہو۔

اور کیسا بھروسہ؟

ایک ایسی خطرناک دیوار جس کی دوسری طرف کھائی ہے۔

اسے اپنے اردگرد، اپنی زندگی کے گرد آویزاں سارے پردے اور دیواریں ایسی ہی لگیں —— اسے نہ دیواروں پر بھروسہ رہا نہ اس فرش پر جس پر وہ کھڑی تھی۔ نہ اس چھت پر جو اس کے سر پر سایہ مہیا کر رہی تھی۔ نہ اس ہوا پر جس میں وہ سانس لے رہی تھی۔

اسے لگا کہ بچپن سے لے کر چند روز پہلے تک وہ زندگی کو جس روپ میں دیکھ رہی تھی وہ زندگی کا اصل روپ نہیں تھا۔ زندگی اس روپ میں تو بھیس بدل کر کھڑی تھی۔ وہ زندگی کا جو روپ اب دیکھ رہی ہے یہ حقیقت ہے — زندگی کے اس روپ کے ایک ایک خدوخال کو غور سے دیکھنے کے لئے وہ بے چین ہو گئی۔ اب تک وہ اندھوں کی طرح چل رہی تھی۔

نہ جانے کہاں،
کس کھائی میں گر کر وہ تباہ ہو جاتی۔

وہ سوچتی رہ گئی۔ زندگی کتنی پیچیدہ، وسیع اور مشکل ہے۔ اسے یاد آیا — وہ تو اس دنیا میں آزاد پرندے کی طرح اڑنا چاہتی تھی — ہلکا ہلکا — ہولے ہولے۔ اس نے بڑے لطیف خواب بنے تھے۔ اور اسی لطافت کے ساتھ وہ اب تک کامیاب بھی رہی تھی۔ پھر اسے کسی استاد نے بتایا تھا،

'صاف اور واضح بات لکھو
اور زیادہ نمبر ملیں گے۔'

یہ بات اسے پانچویں جماعت میں بتائی گئی تھی۔
اس کو یہ بات بہت خوبصورت، بہت اچھی لگی تھی۔
لیکن یہ سب یک لخت کچھ بے معنی کیوں ہو رہا تھا۔
پہلی بار،

کمار، اور پراپرٹی ڈیلر، اور تھانہ، اور پڑوسی — اور ہمارے سارے معاملات، اس کا مکان اس کا کیریر، اور سماج، معاشیات، اخلاقیات۔ یہ کہ پوری زندگی پیچیدہ گئی —

اسے یاد آیا جب وہ بڑی ہوئی اور اسکول میں پہلی بار اس نے مینڈک کو چیر کر دیکھا تھا تو — پورا منظر — دھڑکتا ہوا سرخ دل، جس میں خون مختلف رگوں سے آرہا تھا، اور جا رہا تھا — اور پھیپھڑے اور تلی — اور معدہ اور آنتیں — اور چاروں طرف پھیلا ہوا پیچیدہ نظام — یہ تھی مینڈک کی اندرونی ساخت — اور زندگی کی اندرونی ساخت وہ تھی جو اب کھل رہی تھی۔ زندگی اتنی سادہ نہیں ہے جتنی بچپن کی آنکھوں سے دکھائی دیتی تھی۔

اس کی نگاہیں اب مسلسل پوری زندگی کی چھان بین کر رہی تھیں۔ اور اسے لگا کہ وہ اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔

☆☆

۷

وہ تھانے سے لوٹ کر گھر کے پھاٹک میں جیسے ہی داخل ہوئی، کمار کے دروازے کے پٹ کھلے اور آشانے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس کا اندازہ صحیح تھا۔ اس کے ذہن میں کچھ کھٹکا۔ نیرا کے ہاتھ میں کتابیں نہیں تھیں، صرف ہینڈ بیگ تھا۔

اس نے جھٹکے سے دروازے کو بند کر دیا اور کنڈی چڑھا کر سر اٹھائے سوچتی رہی۔ وہ پیچھے آنگن میں آ گئی لیکن نیرا وہاں دکھائی نہیں دی۔ اس نے اپنے کمرے کو دیکھا اور چند لمحے گھورتی رہی پھر ایک جھٹکے سے کمرے کے اندر چلی آئی اور کمار سے مخاطب ہوئی۔

'تم تھانے سے پتہ کرنا، ابھی ابھی لوٹ کر آئی ہے۔ یہ کالج نہیں گئی تھی'

'تھانے گئی ہوتی تو اتنی جلدی کیسے لوٹ آتی؟'

'تم میری باتوں کو اس طرح جھٹلایا مت کرو ورنہ دھوکا کھاؤ گے، آشانے کہا جو کمرے میں تیزی سے آگے پیچھے گھوم رہی تھی۔

آفس جاتے ہوئے کمار چند منٹ کے لئے تھانے میں گیا۔ اس وقت سنتری دیوار پر کلنڈر لگانے کے لئے ایک کیل ٹھوک رہا تھا۔ اس کی نظر اس سنتری پر ٹھہر گئی۔ کمار جب بھی تھانے آتا تھا تو گاڑی سے اترتے ہی اس کی نگاہ یہاں کی ان چھوٹی حرکتوں اور جزئیات پر بھی ٹک جاتی تھی جن سے بظاہر تھانے کے معمولات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

'اندر ہیں؟' آگے بڑھتے ہوئے اس نے سنتری سے محض ایک احساس تعلق ظاہر کرنے کے لئے کہا۔ سنتری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کیل ٹھوکنے کے لئے دیوار کا معائنہ کرتا رہا۔ کمار

چلتا ہوا ڈیوٹی افسر کے کمرے میں گیا۔ نائر وہاں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اس کے انداز میں آج پہلے والی گرم جوشی نہیں تھی۔

'نیرا آئی تھی کیا؟' اس نے بیٹھتے ہی فوراً پوچھا۔

پھر یکایک خاموشی طاری ہو گئی۔

'آپ پان کھائیں گے!' ڈیوٹی افسر نائر نے جو کمار سے نظریں ملانے کے بجائے ڈبیہ سے پان نکالنے لگا تھا، محض خاموشی توڑنے کے لئے پوچھا۔ وہ جانتا تھا کہ کمار پان نہیں کھاتا تھا۔

اور پھر ایک بار مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔

'ہاں آئی تھی، نائر نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

'کوئی رپورٹ؟'

چند لمحے پھر خاموشی طاری رہی۔ پنکھے کی کھٹ کھٹ واحد آواز تھی جو ابھر رہی تھی۔

'سگریٹ لیں گے؟ نائر نے پھر سکوت توڑا۔

'تھینک یو، کمار انتہائی بے چینی سے پورے کمرے کا جائزہ لینے لگا جیسے ان خاموشیوں کے پیچھے اسے کوئی گونج سنائی دے رہی ہو۔ وہ نائر کے اس غیر متوقع طور پر بدلے ہوئے رویے سے بھی کچھ اُلجھ کر رہ گیا تھا نائر خود بھی صورت حال کے بھونڈے پن میں اُلجھ گیا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس کا وہ اب تک کوئی اطمینان بخش تجزیہ نہیں کر پایا تھا اور اسی دوران کمار کے آ جانے سے وہ دراصل یہ نہیں طے کر پا رہا تھا کہ وہ کیا چھپائے اور کیا بتائے یا وہ پوری بات کو کس انداز میں پیش کرے۔ نیرا اٹھ کر چلی گئی تھی۔ ایسا تھانے میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

کمار کے دل میں اٹھتے ہوئے وسوسے اب نا قابل برداشت ہو رہے تھے۔ اس کی بات کا جواب نہیں ملنے کی وجہ سے اسے اپنی ہتک سی بھی محسوس ہوئی۔ اس نے نائر کو دوبارہ بڑے غور سے دیکھا جو اب ایک فائل نکال کر اس میں کچھ ڈھونڈنے کا دکھاوا کر رہا تھا۔ کمار انتہائی صبر کے ساتھ کچھ دیر تک دیکھتا رہا لیکن اس کی اُلجھن کوتار کی طرح چاروں طرف پسر رہی تھی۔ اسے یہ سب بڑا ناپسندیدہ لگا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نائر نے چاہا اُسے روکے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ کمار سیدھا ایس۔ ایچ۔ او۔ کے کمرے میں چلا گیا۔

آیئے۔' ایس۔ ایچ۔ او۔ نے اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ کے اشارے سے اسے

کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ کمار سیدھا جا کر کرسی پر سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔

کچھ رسمی گفتگو ہوئی۔ لیکن کمار کے چہرے پر تناؤ قائم رہا، پھر کام کی بات شروع ہوئی آج گھر پہ کچھ ہو گیا تھا، نیرا تھانے میں آئی تھی، میں اسی کے بارے میں معلوم کرنے آیا تھا لیکن مسز نائر ریز رو ہو گئے ہیں۔ نہ جانے مجھ سے کیا خطا ہو گئی۔ کمار نے یہ خاکساری کا انداز بیان شدید ناگواری کے ساتھ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ایس۔ ایچ۔ او۔ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کمار کو اطمینان ہوا کہ جو کچھ ہوا تھا وہ ڈیوٹی افسر کی سطح تک ہی محدود تھا۔

'اس نے کوئی رپورٹ درج کرائی ہے؟'

'یہی پوچھنے تو میں آیا تھا'

ایس۔ ایچ۔ او۔ نے گھنٹی کا بٹن دبا کر سنتری کو بلایا

'نیرا نے کوئی رپورٹ درج کرائی ہے؟' ایس۔ ایچ۔ او۔ نے ایسے پوچھا جیسے یہاں سب کو سب کچھ معلوم رہتا ہو۔

سنتری کے ذہن میں پوری تفصیل گونج اٹھی۔

'نیرا آئی تو تھی، لیکن پندرہ بیس منٹ بیٹھ کر چلی گئی نائر بابو سے اس کی بات بھی نہیں ہوئی بس ایسے ہی آئی، ایسے ہی چلی گئی۔ بڑی عجیب...... ، کہتے کہتے جیسے یادو کا منہ کڑوا ہو گیا۔

'ایسے ہی آئی اور ایسے ہی چلی گئی؟؟' ایس۔ ایچ۔ او۔ کو ایک جھٹکا سا لگا جیسے اس کی کرسی میں زلزلہ سا آ گیا ہو۔ پھر اس کے چہرے پر ناگواری کے واضح تاثرات ابھرے جیسے یادو نے کوئی بہت بیہودہ بات کہہ دی ہو۔

یادو خاموشی سے سلوٹ کر کے چلا گیا۔

ساڑھے دس بج چکے تھے۔ کمار کو جلدی تھی۔ سکوت دونوں کو ایک دوسرے کی نگاہوں میں اور بھی بے پردہ کر رہا تھا۔ کمار جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن وہ جاتے ہوئے مناسب لہجے میں رسمی جملے بھی ٹھیک سے نہیں ادا کر پایا۔

آج پہلی بار نیرا کے وجود نے کمار کی توجہ کو متاثر کیا تھا۔ ابھی تک اس نے نیرا کو اپنے تمام غور و فکر میں کوئی جگہ نہیں دی تھی۔ وہ مکان کو اہم اور اس میں رہنے والی اس کیس کو بے قیمت سمجھتا تھا۔

راستے میں وہ اسی بارے میں سوچتا رہا۔

پھر سوچتے سوچتے وہ جھنجھلا گیا۔ اس نے اپنی توجہ سڑک پر مرکوز کرنے کی کوشش کی۔

لیکن نیرا اس کے ذہن پر کھڑی رہی۔ کمار کے سامنے ایک خطرناک اجنبی پن کے ساتھ ایک نیا منظر کھل رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اسے ایسے لگا جیسے وہ دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ اس کی ہوشیاری جو اس کی پوری زندگی میں راز دار کا کام کرتی تھی اور ہر نئی بات کو پکڑ کر معاملے کی تہہ تک پہنچے بنا چین نہیں لیتی تھی، اس وقت پوری طرح چوکنا ہو رہی تھی۔

اس کا مکمل منصوبہ جو ایک مشینی قطعیت کے سات عمل پذیر ہو رہا تھا۔ اور جس میں صرف وقت کے ساتھ نتیجہ کے بر آمد ہونے کا انتظار تھا، اب منتشر ہو رہا تھا اور اس کی زندگی کی مکمل تنظیم میں جہاں جہاں نیرا کے مکان سے رشتہ پیدا ہوا تھا وہاں وہاں تک زلزلہ پیدا کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ خود اس کے اندر بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کسی دن اس وجہ سے تھانے سے اٹھ کر چلا جاتا کہ وہاں اس سے انتظار کروایا جا رہا تھا۔ اگر اس سے تھانے میں انتظار کروایا جاتا تو وہ اس کی وجوہات پر غور کرتا، اور اتنا غور کرتا کہ اس کی وجہ کو پکڑ لیتا اور پھر وجہ کو پکڑ کر اس پر باتیں کرتا اور وہاں اپنی راہ بنانے کے امکانات تلاش کرتا لیکن وہاں سے اٹھ کر جانے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا،

لیکن نیرا نے ایسا کیا تھا۔ اور اس کے باوجود جس وقت نیرا تھانہ سے لوٹتے ہوئے پھاٹک سے اندر گھر میں آئی تھی اس وقت اس کے چہرے پر مکمل اطمینان تھا۔ یقیناً وہ جھنجھلاہٹ یا مایوسی میں بھی اٹھ کر نہیں گئی تھی۔ نیرا کے اندر یہ ردِّ عمل کیسے ہوا؟ اتنی طاقت تو اس نے آج تک کسی میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ بڑی بڑی ہستیوں کو وہ جانتا تھا۔ لوگ کیسے کیسے حربے استعمال کر کے تھانے کو رجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ تھانے کی طرف سے لاتعلق ہونا کسی کے لئے بھی ناممکن تھا۔

تو یہ لڑکی ایسا کیوں کر رہی ہے؟ کیا کوئی اس کی پشت پناہی کر رہا ہے یا وہ محض بیوقوف ہے؟ اگر کوئی اس کی پیٹھ پر ہوتا تو ایس۔ ایچ۔ او۔ کے پاس فون آ گیا ہوتا کیونکہ سفارش کرنے والی طاقتوں کا ایک مروجہ طریقہ ہے۔

'یہ جو کچھ کر رہی ہے وہ میری سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟'

سوچتے سوچتے کسی ٹوٹی ہوئی مشین کی طرح وہ اپنے ہی اندر کہیں پھنس کر اٹک گیا۔

پھر پچھلی یادوں کی کھڑکی کھلی۔ ایک سال چھ ماہ پہلے جب اس نے کافی پیسے کما لئے تھے تو اسے

خیال آیا تھا کہ اس کا اپنا ایک مکان ہونا چاہیئے ۔ وہ پراپرٹی ڈیلر مدن گوپال کے پاس گیا تھا۔ مدن گوپال نے اس کے سامنے ایک خیال پیش کیا جو اسے بالکل ہی نیا لگا۔ اس سے ہوئی گفتگو کے جملے تو گویا کوئی منتر تھے۔ اس نے پوچھا تھا۔

'جس مکان میں آپ ابھی رہ رہے ہیں اس مکان کی قیمت کیا ہوگی؟'

'تقریباً پندرہ لاکھ'

'تو آپ اس مکان کو لینے کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ آپ صرف ہاں کر دیجئے باقی انتظام میں کرادوں گا۔ آپ کو اس میں بالکل کچھ کرنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آپ کرایہ دار ہیں۔ مالک مکان آپ کو نکال نہیں سکتے۔ فائدے کا بیس فی صد خرچ کرنا ہوگا۔ تھوڑی مار پیٹ، گالی گلوج اور مہمانوں کی بے عزتی کیجئے۔ وہ بھاگ بھاگ کر تھانے جائیں گے۔ باقی تھانے والے خود ہی دیکھ لیں گے۔ اسی دوران میں خود ان کے پاس جاؤں گا اور ان کو مشورہ دوں گا کہ وہ کوئی اور مکان خرید کر پُرسکون زندگی گزاریں۔ اگر وہ کسی اور سے مکان بیچنا چاہیں تو مکان کی پوری قیمت نہیں مل سکتی۔ اس مکان کی قیمت مارکیٹ میں اگر پندرہ لاکھ ہے تو دس لاکھ سے زیادہ کوئی نہیں دے گا۔

مدن گوپال کی اس تجویز پر اس نے خاموشی سے کافی غور و خوض کیا۔ چند شبہے ذہن میں اٹھے جنھیں اس نے فوراً صاف کر دیا تھا، مثلاً اسے خیال آیا تھا کہ بہت ممکن ہے کہ وہ محلے میں تمام لوگوں کے پاس جائیں۔ لیکن ننانوے فی صد لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی شریفانہ ہے، پھر کون ان کی باتوں پر یقین کرے گا؟ سچائی کس کو صاف صاف دکھائی دیتی ہے —— اس لمحے اس کے دل میں ایک چور سا ابھرا تھا کہ جو بھی سچائی کو جاننے کی غرض سے آگے بڑھے گا اسے وہ راستے میں ہی بہکا دے گا۔

اور پھر وہ مدن گوپال کے ساتھ سب انسپکٹر نیر سے ملا تھا۔ نیر نے اتنی صاف باتیں کی تھیں اور اس کے پورے لائحہ عمل کی ساخت کچھ اتنی مربوط اور مضبوط تھی کہ سارا عمل انتہائی رواں، خودکار اور مکمل طور پر نتیجہ خیز دکھائی دے رہا تھا۔ نیرا اور اس کی ماں کو تنگ کرنے سے لے کر —— ان کے مع اپنے سامان کے اس مکان سے باہر نکلنے تک کا منظر۔ اور تب سے سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، نیرا اور اس کی ماں کی حالت کا وہ گہرا جائزہ لیتا جارہا تھا اور اس کے چہروں کے تاثرات کا مسلسل

مطالعہ کرتا جارہا تھا۔ بالکل کھٹملوں کے رات بھر کاٹنے والا سماں تھا، رات رات بھر ادھوری نیند اور کبھی کبھی تیز درد سے جاگ جانا — چونک چونک کر — اور پھر نیند کے بوجھ تلے دب جانا، نیندوں کا مسلسل بوجھ — سردی، دھوپ، لو کے تھپیڑے، اور پھر ان کے تھانے کی طرف جانے کا منظر۔

'خاموشی سے دیکھو، باتیں کم کرو، گفتگو میں اوپری باتیں کی جاتی ہیں، اس نے اپنی بیوی کو ایک دن سختی سے سمجھایا تھا۔ لیکن آج نیرا کا یہ بدلا بدلا سا رویہ جیسے ہر چیز آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کھسک رہی ہو۔ جیسے کانٹے میں لگائے ہوئے چارے میں مچھلی کی دلچسپی ختم ہو جائے ——

اسے اپنے انداز فکر میں کسی خطرناک کمزوری کا احساس ہوا۔

شام کو گھر جاتے وقت وہ تھانے میں پہونچا۔ اس نے انچارج سے گہری توجہ کے ساتھ بات کی۔

'یہ تھانہ ہے' انچارج نے اعتماد سے کہا' اور تھانہ حکومت کی علامت اور نمائندہ ہوتا ہے، اور حکومتیں کسی کے تیور سے دبتی نہیں ہیں، بلکہ وہ تو بغاوتوں پر گہرائی سے غور و خوض کرتی ہیں اور پھر مناسب ترین طریقے سے ان کو کچل دیتی ہیں، اس باغیانہ روّیہ سے آپ کو جتنی تشویش ہے، آپ کے مقابلے میں ہمیں اس کے بارے میں زیادہ فکر ہے۔ ہم انتہائی باریک بینی سے ایک ایک نشیب و فراز پر غور کرتے ہوئے قدم اٹھاتے ہیں کہ حکومتیں تو دماغی قوتوں سے چلتی ہیں، خصوصاً ایک ایسے ماحول میں حکومت کرنے کے لئے جہاں حکومت ہماری نہیں ہے بلکہ انہیں کی ہے جن پر ہم حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں بہت عجیب و غریب چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہر تجربہ نیا ہوتا ہے۔ انسان بڑی عجیب چیز ہے۔ کچھ انسان مخصوص حالات میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی ہم قطعی امید نہیں کرتے اور کبھی کبھی تو چاہتے ہوئے بھی ہمیں اپنا روّیہ بدل دینا پڑتا ہے ہم اپنی ساری طاقت اور غصے کے باوجود ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کی کچھ وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی، اور جب تک وجہ نہیں سمجھ میں آتی ہم ان پر ہاتھ نہیں ڈالتے ہیں۔

یہ باتیں کرتے ہوئے وہ افسر انتہائی اُلجھا ہوا اور متحیر دکھائی دے رہا تھا۔

'بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جو انتہائی شریف ہوتے ہیں، لیکن ہمیں ان کو ذلیل کرنے کو جی چاہتا ہے جیسے ہمیں ان کی شرافت سے گھن آتی ہو —— اور کافی ایسے لوگ ملتے ہیں جن کی سچائی سے ہم اکتا کر چڑ جاتے ہیں جیسے ہمارا وقت خراب ہو رہا ہو۔

بہر حال دنیا بہت بڑی ہے، اب یہی لڑکی چلی گئی۔ اگر آپ ہماری جگہ ہوں بلکہ اگر سارا تھانہ آپ کے ہاتھ میں ہو تو آپ کیا کریں گے؟ میں یہ بات صبح سے کئی بار سوچ چکا ہوں!

کمار کو تھانہ انچارج کی اس بات پر سخت حیرت ہوئی۔ اسے لگا کہ تھانہ سکڑ کر اپنے طریقے کے خول میں گھس گیا ہے۔ اسے محسوس ہوا کہ لوگوں کے اوپر تھانے کی پکڑ اس قدر مکمل نہیں ہے جیسا وہ سمجھتا ہے بلکہ یہ کسی انجانی چیز کو چھوتے سے بھی ڈرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہاں کا نیچے کا عملہ نا سمجھی کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے کسی پر جھپٹ پڑتا ہو۔ لیکن پھر بھی یہاں شاید کوئی بھی کسی بھی ردِ عمل کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ یہ منجھے ہوئے تاجروں سے کم ذہین اور محتاط نہیں ہیں اور ان کے اندر اختیار کے نشہ میں اندھا ہو جانے والی بات قطعی نہیں ہے —— اسے محسوس ہونے لگا کہ یہ محض بھول بھلیوں کی طرح ہیں ان میں یہاں ان انسانوں کی ہڈیاں ملتی ہیں، جو ان کی طرف جانے والی راہوں میں چلتے چلتے کھو جاتا ہے لیکن کسی کو اس کی ہولناک اور خاموش نیتوں کا علم ہو جائے تو یہ خود اس کی طرف سے محتاط ہو جاتے ہیں۔ کمار وہاں سے چپ چاپ انچارج کو دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا لیکن تھانے سے یوں ہی چلے آنے کو اس کا جی نہیں چاہا۔ وہ نیر کے پاس جا بیٹھا کیوں کہ یہی وہ افسر تھا جس نے اس کو کامیابی کی گارنٹی دی تھی اور وہ اس معاملہ پر اس افسر کا رویہ دیکھنا چاہتا تھا۔

نیر نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا 'آپ چنتِت کیوں ہیں؟ ہر کیس جو میں نے لیا اپنے انداز کا الگ کیس تھا' اور اس میں شامل لوگ الگ الگ قسم کے تھے، اور سب الگ الگ انداز میں چیختے تڑپتے اور بھاگتے تھے، آپ وشواس رکھئے، آپ کا یہ کیس نئے انداز سے برتا جائے گا۔ تھانہ انچارج صاحب نے جو کچھ کہا وہ اپنے حساب سے سوچ کر کہا ہے لیکن اس کو کرنا تو مجھے ہے، آپ آگے دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔

آپ تو صرف مکان کی بات سوچ رہے ہیں، لیکن میں تو اس لڑکی کا رویہ دیکھ کر خود اس کے بارے میں بھی سوچنے لگا ہوں، یہ اپنے انداز کی الگ ہی لڑکی ہے۔'

کہتے کہتے نیر کی آواز اور سنجیدہ ہو گئی۔

'ہر لڑکی اپنے انداز کی الگ ہی ہوتی ہے اور اپنے کو الگ ہی انداز کی سمجھتی ہے، لیکن اب مجھے بھی دلچسپی ہے کہ میں اس لڑکی کو ایک مخصوص خوبصورتی سے ہینڈل کر کے انچارج کو اور یہاں کے پورے عملہ کو دکھاؤں کہ ہمیں کسی انوکھی صورت حال میں کیسے کام کرنا چاہئے اور یہ کہ میں اس

لڑکی کو کس خوبصورتی سے ہینڈل کرتا ہوں۔ آپ دیکھئے تو۔ رفتہ رفتہ تھانے اور کورٹ بھگاتے بھگاتے اور قدم قدم پر اسمارٹ نس کے استعمال کا موقعہ دیتے دیتے اور ساتھ ہی ساتھ چابکدستی سے اس کے اوپر دباؤ بڑھاتے بڑھاتے میں اس کے پرس کے پیسے اور آنکھوں کی جھجک سب کچھ چھین لوں گا اور پھر وہ دن آئیں گے کہ ہماری ہر چوٹ کو وہ اپنی دونوں ٹانگوں کے بیچ روکے گی، اور اس خوش گمانی میں رہے گی کہ وہ بہادری سے ہمارا مقابلہ کر رہی ہے اور اسے یہ پتہ بھی نہیں رہے گا کہ وہ وہاں جا رہی ہے اور ان لوگوں سے مدد لے رہی ہے جہاں ہم چاہتے ہیں، ہم ہی ایک طرف سے اسے دبائیں گے اور ہمیں دوسری طرف سے اسے پیار سے پچکاریں گے اور سہارا دیں گے۔ وہ ہماری آغوش میں ہمیں سے پوری یکسوئی اور دلجوئی سے جنگ میں مشغول نظر آئے گی اور اس خوش گمانی میں مبتلا رہے گی کہ وہ بہت بہادری سے لڑ رہی ہے اور پھر ہم اس کو سراہتے ہوئے انعام کے طور پر اس کو مقدمہ لڑنے کے لئے سکے بھی دیں گے۔ اور دوسروں سے بھی دلوائیں گے، اور تب اسے پتہ چلے گا کہ وہ جنگ لڑتے لڑتے کہاں پہنچی ہے۔ اور پھر وہ خاموشی سے ایک دن یہ بھی محسوس کر لے گی کہ یہ جنگ اس کا پیشہ بن چکا ہے، اور اس پیشے کی دنیا میں وہ مشہور و مقبول ہو چکی ہے اور وہ جان جائے گی کہ اس کو اب یہ جنگ اس وقت تک لڑنا ہی ہے جب تک اس کے جسم میں کشش کی آخری کرن باقی ہے کہ اس سے پہلے جنگ کا یہ محاذ بند ہو ہی نہیں سکتا۔ سمجھے!' نیر نے کمار کی آنکھوں میں جھانک کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اور کمار کو لگا کہ تھانے کے اپنے حدود کے اندر بھی بے پناہ وسعتیں پوشیدہ ہیں، اور دراصل اس وسعت اور گرفت کا انحصار ان افسروں کی قوتِ متخیلہ پر ہے، اسے لگا کہ جیسے نیر ایک چھپے ہوئے سانپ کی طرح پھن نکالے بیٹھا ہو، اور اس کو کمار نے اصلی شکل میں جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

'کمار جی' اگر آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح آگے پیچھے کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے، کمار کی رگوں میں یہ سن کر ایک جھرجھری سے دوڑ گئی،' جب آپ نے ایک بار کوئی بات کی ہے تو اس پر ہمت سے قائم رہیے۔۔ یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے،

کمار کو ایک انجانا سا ڈر لگا۔ یہ کتنی اجنبی جگہ ہے اور کتنی عجیب بات ہے کہ ساری عظیم تر قوتیں حد نظر سے آگے ہوتی ہیں، انسان اپنی تمام کوششوں اور جدّ و جہد کے باوجود دراصل کتنا بے بس ہے۔

☆☆

۸

پچھلے تین چار مہینوں میں نیر اور کمار ایسی ایسی بہت ساری کاروائیاں کر رہے تھے جس کے دباؤ سے لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے نیرا جیسی لڑکیاں کال گرل بن جاتی تھیں اور پھر اپنے بچاؤ کے لئے پولس کو رشوت دینا شروع کر دیتی تھیں، لیکن نیرا کی شخصیت سے اس دباؤ اور رگڑ کے نتیجے میں نکلتی ہوئی کرنیں نیر کے لئے غیر متوقع تعجب انگیز اور مایوس کن تھیں۔ نیر کو شدید رنج تھا کہ نیرا اس راستے پر کیوں نہیں چل رہی تھی۔ اور یہ بات دنوں دن اس کے غصے کو بڑھاتی جا رہی تھی۔

چند روز بعد ایک شام جب مکان نمبر سولہ والے ڈاکٹر بھدوئی جو کمار کے گہرے پرانے دوست تھے، سوچ میں ڈوبے ہوئے گلی میں گھوم رہے تھے، ٹہلتے ٹہلتے پان کی دکان کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں کچھ اور لوگ کھڑے تھے۔

'محلے کا ماحول بہت گندہ ہو رہا ہے۔ انھوں نے اس طرح کہا جیسے اس موضوع سے پہلے سے ہی سب واقف ہوں، 'ہماری بھی بچیاں ہیں'۔

ہاں کئی دنوں سے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اگر اسے مدد کی ضرورت ہے تو اس کی ایک جگہ ہوتی ہے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور تھانے میں جائے یا عدالت میں جائے، لیکن یہ اجنبی مردوں کا گھر میں آنے جانے کا کیا سلسلہ؟ یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہوا۔

دو چار لوگوں کے دلچسپ انداز میں جمع ہو کر سرگرم انداز میں بات چیت کرتے دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی ادھر کھنچ آئے۔

'آیئے چل کر پوچھتے ہیں'

اس بات میں ایسی کشش تھی کہ لوگوں کا ایک تانتا نیرا کے گھر کی طرف لگ گیا۔

اس وقت نیرا پڑھنے جا رہی تھی۔ دوسرے دن اس کا پریکٹیکل امتحان تھا۔ گھر میں اس کی ماموں زاد بہن سونیا موجود تھی۔ وہ سرکاری نوکر تھی اور اپنے گھر میں یہ بتائے بنا نیرا کی ہمدردی میں یہاں آتی تھی۔ نیرا کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں معلوم ہو جانے پر کہ وہ سرکاری نوکر ہے یہ اس کو کسی جھگڑے میں پھنسا کر اس کی یہ نوکری ہی خطرے میں نہ ڈال دیں۔ پہلے ہی پولس کے پوچھنے سے لوگوں نے آنا جانا کم کر دیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں کہ پھاٹک کے باہر کئی لوگوں کے قدموں کی آواز اور گفتگو سنائی دی۔ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔

نیرا نے دروازہ کھولا تو پورا محلہ سامنے تھا۔ اس نے لوگوں کو تعجب سے دیکھا۔

'کیا بات ہے؟'

سب اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اس کے اوپر آفت کے بادل جھول رہے ہوں۔

وہ سوچ رہی تھی۔

کھڑی۔ محوِ حیرت۔

رنجیت سنگھ بھیڑ میں سے نکلا اور نیرا کے دروازے کے پٹ ہٹا کر آگے بڑھتے ہوئے ٹھیک ڈرائنگ روم کے بیچ میں پہنچ گیا۔ کئی اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے بغیر پوچھے ہوئے بے تکلفی سے اندر آ گئے اور کمرے میں چاروں طرف غور سے دیکھنے لگے۔ کوئی کسی کو روکنے والا نہیں تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ نیرا حیرت میں ڈوب گئی تھی، آخر کار وہ جھنجھلا گئی۔

'آپ اندر کیسے آ گئے؟ یہ میرا گھر ہے، میوزیم نہیں ہے؟'

'نہیں۔ یہ میوزیم بھی نہیں ہے۔ اب تو یہ کوٹھا بن گیا ہے، کیا بہترین صوفہ سیٹ ہے، اور پورا کمرہ کتنے قرینے سے سجا ہوا ہے، تم پریشان ضرور ہو لیکن اس پریشانی سے نکلنے کا بھی خوب طریقہ ڈھونڈا ہے۔ پریشان لوگ اپنے محلے کے لوگوں سے اپنا دکھ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کی لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں، ہمیں بیوقوف سمجھ رہی ہو؟ یہ ضرور تمہارا گھر ہے لیکن محلے سے باہر تو نہیں ہے۔ یہ مکان بھی تو اس محلے کا ایک حصہ ہے اور تم بھی محلے کا ایک حصہ ہو۔ یہاں رہنا ہے تو ٹھیک سے رہو'

'شرافت سے' دوسری آواز آئی۔

'کوٹھامت کھولا'

'کوٹھا کس نے کھولا ہے؟' 'وہ چلا پڑی'

'یہ لڑکی کون ہے'، رنجیت سنگھ بھیڑ کے زور پر پوچھ رہا تھا۔

'یہ کوئی بھی ہو تم پوچھنے والے کون ہو؟ نیرا کی طبیعت اب اُوب رہی تھی، اس کو اتنا غصہ آیا تھا کہ وہ رنجیت سنگھ پر تقریباً جھپٹ پڑی تھی۔

'محلے میں ہیں تو پوچھیں گے ہی، تم چھپا کیوں رہی ہو؟'

'لیکن یہ میرا پرسنل معاملہ ہے'

'پرسنل معاملہ ہو یا کچھ بھی ہو لیکن اس سے محلے میں گندگی پھیل رہی ہے۔ اور تم نے مدد کے لئے سب کو یہ چھوٹ دے رکھی ہے۔ تم نے مدد کے لئے ہم سے کیوں نہیں کہا؟ ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں اور تم جس راستے پر مجبور ہو کر جا رہی ہو اس سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں، تمہاری مدد کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔ تم کو ہم سے کہنا چاہیئے، لیکن باپ بھائی نہیں ہونے سے تمہارا دماغ بگڑ گیا ہے'

نیرا نے دیکھا کہ دروازے کے باہر صحن میں کچھ اور لوگ کھڑے ہیں اور اِدھر اُدھر سے سر نکال کر گھر کے اندر جھانک رہے ہیں، رنجیت اب بھی ڈرائنگ روم کے اندر ہی کھڑا تھا اور بحث میں لوگوں کی دل چسپی دیکھ دیکھ کر اس کا جوش اور بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی دوران کمار کا وہ دوست بھی جو ایک دن اس کے پیچھے تین بسیں بدل کر راجوری گارڈن تک گیا تھا وہ سرسراتا ہوا گھس آیا اور رنجیت کے بغل میں کھڑا ہو گیا۔ اس کو دیکھ کر نیرا کو لگا، یہاں کوئی بھی آ جا سکتا ہے، اور کسی کو روکنے کی اس میں قوت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ایک لمحے کے لئے نیرا کو لگا جیسے پوری سڑک اس کے ڈرائنگ روم میں گھس آئی تھی۔

'باہر تو آپ لوگوں میں سے کوئی میرا ساتھ دیتا نہیں ہے، لیکن میں اپنے گھر میں مضبوط رہنا چاہتی ہوں تو آپ لوگ ہی مجھے چین سے چھوڑنا نہیں چاہیئے،

پھر نیرا کو لگا جیسے کوئی اس کی گردن پکڑ کر دبا رہا ہو اور وہ رنجیت پر چلا پڑی، ایک تو وہ کتنے آتے ہیں انکوائری کرنے اور اب تم آئے ہو، کیا پوچھنا چاہتے ہو اور کیوں؟ تمہاری دلچسپی کی وجہ کیا ہے، اگر میں بُری ہوں یا میرا گھر بُرا ہے تو تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ اگر میں بگڑتی ہوں، اگر میرا

کچھ بگڑتا ہے تو تم کو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ میرے گھر میں کوئی بھی آئے۔ کوئی شراب پئے۔ تمہارا کیا۔ کیا رشتہ ہے میرا تم لوگوں سے؟ صرف یہی رشتہ ہے کہ میرے سر پر چڑھے بیٹھے رہو۔ تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے پاس مدد کے لئے آؤں اور تم جو کچھ اونچ نیچ سمجاتے رہو اس کو سمجھداری کی باتیں مان کر سنتی رہوں اور اُلجھی رہوں۔ اور تم اس طرح مجھے اپنی لاپرواہیوں سے ٹھکراتے رہو، صرف اس لیے کہ تمہارے نزدیک میری پریشانیوں کو وہ فوقیت حاصل نہیں ہے جو میں چاہتی ہوں اور تم چاہتے ہو کہ تمہاری اس پرواہی کے باوجود میں تمہاری ہی چوکھٹ پر اس کوشش میں لگی رہی ہوں کہ تمہاری مدد مجھے مل جائے۔ اور میں سمجھ سے کام نہ لوں، میں کئی بار لوگوں کے پاس گئی لیکن سب کے اندر یہ خواہش چھپی ہوئی دیکھی کہ میں ان کے ارد گرد چکر مارتی رہوں۔ صرف اس لیے کہ میں اس محلے میں ہوں، اور جب میں اپنے طور پر نئے طریقے تلاش کرنے لگتی ہوں تو یکا یک سب کہنے لگتے ہیں کہ میں باغی ہو رہی ہوں، آپ کے پاس میرے ان مسائل کا حل نہیں ہے تو میں ان سے خود ہی اپنے طریقے سے نبٹ لوں گی۔

'تو تم یہ کر رہی ہو' یہ اندر کون بیٹھی ہے'

'یہ لڑکی جو اندر بیٹھی ہے یہ میری ماموں زاد بہن ہے۔ میں اکیلی ہوں اس لیے یہ ساتھ میں رہ رہی ہے،

تو تم اسے بھی خراب کر رہی ہو؟ کیا واقعی وہ تمہاری کزن ہے؟، رنجیت جاننے پر تلا ہوا تھا۔ کتنی کمانڈنگ تھی اس کی آواز— کہ اس کے پیچھے پورا محلہ تھا۔ نیرا تنگ آ گئی تھی۔ انہیں اپنی بات سمجھانے کا اس کے پاس اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔

اس کے بنیادی حقوق کا وجود اس وقت ختم ہو گیا تھا۔ اس وقت جو کچھ تھا وہ بھیڑ کی طاقت تھی۔ اُس پر اس وقت اس بھیڑ کے ساتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے ہونے کے ایک عجیب رشتہ کا انکشاف ہوا اور اسے فوراً یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اس رشتے سے ہم آہنگ ہو جائے۔ یا اسے رد کر دے۔ اس بھیڑ کو اپنی نیک نیتی اور سمجھداری پر اتنا یقین تھا کہ اس کے وہ لوگ نیرا کی ہر بات کو بچکانہ سمجھ کر ٹال رہے تھے اور اسے زبردستی اس راستے پر لانا چاہتے تھے جسے وہ خود اچھا سمجھتے تھے۔

'ہم جو کچھ کر رہے ہیں تمہارے بھلے کے لیے ہی کر رہے ہیں، ایک بوڑھے پڑوسی نے نیرا سے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

’میری باتوں کا بھی بُرا مت ماننا، میں نے تمہارے گھر کو کوٹھا صرف ڈانٹنے کے لئے کہا تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، نیرا نے کہا۔

اسی درمیان نیر ادھر گیا۔

’کیا بات ہے؟‘ اس نے آتے ہی حاکمانہ لہجے میں پوچھا۔

’اندر ایک لڑکی ہے، وہ کیا کرتی ہے، یہ نہیں بتا رہی ہیں، پتہ نہیں کیا دھندہ چلتا ہے۔ جب کوئی غلط بات نہیں ہے تو چھپاتی کیوں ہے؟‘

نیر ایسے آگے بڑھا جیسے پورا محلہ ایک گھوڑا ہو اور وہ اس پر سوار ہو۔ پوری بھیڑ بھی جیسے اس کے نیچے سمٹنے لگی۔

’کون ہے اندر؟‘ نیر نے آگے بڑھ کر سختی سے پوچھا۔

نیرا کو اندازہ ہو گیا کہ تھوڑی دیر میں بات اور بڑھے گی اور ممکن تھا کہ وہ سونیا کو پوچھ تاچھ کے لیے تھانہ لے جائیں۔ اب اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اب یہاں سے کہیں جا بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے راز داری کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے جو پوشیدہ سہارے اب تک قائم رکھتے تھے اب ان کے بھی ٹوٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ اور ان کے بچانے کی جو کوشش وہ کر رہی تھی اس میں اب وہ ہار چکی تھی۔

نیرا، اپنے کو ٹوٹنے سے بچاؤ ورنہ اگر ٹوٹ جاؤ گی تو مٹ جاؤ گی، اس کا دل اس وقت بھی نہیں مان رہا تھا کہ وہ لوگوں کی برتری اور اقتدار کو تسلیم کر لے۔

تمہارا گھر جس میں تم کھڑی ہو ایک کھنڈر بن جائے گا، یہ دیواریں آج کے بعد تمہیں کبھی تحفظ کا یقین نہیں دلا سکیں گی۔ اور لوگ تمہارے، اس گھر کو اور تم کو راستہ بنا لیں گے۔ اور تم ان کے بوٹوں تلے کچلتی رہو گی۔ اور پھر کبھی اس سے نجات نہیں پا سکو گی۔ دیوار کے گرنے کی دیر ہے آج یہ لوگ تمہارے مکان کو جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں اور اس لڑکی کے بارے میں ایک باریک تفصیل پوچھ رہے ہیں۔ کل یہ تمہاری ایک ایک حرکت کے بارے میں پوچھیں گے اور ان کے پیچھے چھپے ہوئے مقاصد اور منصوبوں کی چھان بین کریں گے۔ اور ان کے ذریعے تمہاری ہر ایک حرکت کو مانو، خورد بینی نگاہوں سے دیکھتے رہیں گے جب کہ تم ان کی چالوں کو بالکل دیکھ نہیں پاتی ہو۔ اس نے دیکھا نیر کے چہرے پر خود اعتمادی کی ایک چمک تھی۔

نیرا تم اکیلی ہو۔ بالکل اکیلی۔ اس دنیا میں تمہارا کوئی محافظ نہیں ہے، کوئی نہیں جو اس لمحے میں تمہارے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ کوئی نہیں جس کا نام لے کر اس بڑھتی ہوئی بھیڑ کو روک سکو۔ اگر تم نے کسی پر بھروسہ کیا تھا تو یہ خواب تھا۔

اسے وہ لوگ یاد آئے جنہوں نے اسے مدد دینے کے بدلے میں بستروں پر مدعو کیا تھا، اسے لگا کہ یہ پوری بھیڑ اور اس بھیڑ پر سوار نیر ہاتھ میں کوڑا لیے ایک بھرپور اور بے پناہ قوت کے ساتھ اسے ان بستروں پر دھکیل رہا ہے۔ اسے لگا جیسے سب کہہ رہے ہوں ’سماج نے جھگڑوں کے فیصلے کے لئے نظام بنایا ہے، ساری دنیا اسے مانتی ہے، تم اس سے الگ کہاں جا رہی ہو،

اور وہ ٹوٹ گئی۔ ڈھہ گئی۔ اس کا سب کچھ ڈھہ گیا، اور وہ دیکھتی رہی، وہ وہیں کھڑی رہی اور کانپتی نظروں سے بھیڑ کو تکتی رہی۔

’یہ لڑکی میری ماموں زاد بہن ہے، اس نے صاف صاف بتا دیا۔ بالکل اس لاچارگی سے جیسے کوئی چاقو کی نوک پر جیب سے روپے نکال کر رکھ دے۔ اس کا نام سونیا ہے۔ وہ سرکاری نوکر ہے۔ آکاش بھون میں پبلسٹی ڈویژن میں کام کرتی ہے.........اور کچھ؟، اس نے کاٹنے دار لہجے میں پوچھا۔

اس ٹھوس جواب نے بھیڑ کو ایک جھٹکے سے مطمئن کر دیا۔ لیکن یہ بتانے کے بعد اسے لگا کہ نہ صرف یہ کہ وہ کمزور ہو گئی ہے بلکہ اس کی کمزوری ثابت ہو گئی ہے۔ وہ توڑ دی گئی ہے اور وہ اب کچھ نہیں ہے، اور اس کی اپنی ہی جو نئی تصویر اب اس کے سامنے آئی ہے وہی سچائی ہے۔ اسے ’اپنے ساتھ ہوتے ہوئے کسی شدید ظلم کا احساس ہوا۔

’یہ لوگ میرے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتے ہیں گویا میرے اندر آتی ہوئی تبدیلیاں ان کے لئے خطرناک ہیں لیکن جب کمار کے یہاں پر اسرار لوگ آتے ہیں، جب ارد گرد کی کتنی ہی کوٹھیاں پر اسرار طریقے سے بلند ہوتی رہتی ہیں اور ان کے اندر مکمل خاموشی اور بھرپور نغموں کی دھند میں ہزاروں باتیں ہوتی رہتی ہیں تو وہاں لوگ کیوں نہیں جاتے؟ ان جگہوں کے بارے میں لوگ کیوں نہیں کچھ بولتے جہاں سے توازن لگاتار ٹوٹتا رہتا ہے اور جن کی وجہ سے رشتے دنوں دن نئی شکلیں پکڑتے رہتے ہیں، اور جہاں سے نئی نئی شکلیں اور نقوش ابھر کر پوری زندگی کو متاثر کرتے رہتے ہیں، ان گھروں میں اور میرے اس گھر میں کتنا فرق ہے۔‘

بھیڑ سامنے کھڑی تھی۔ وہ بھیڑ کو دیکھ رہی تھی اور نیر کی نظروں کا جائزہ لے رہی تھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی بے چینی اور جھنجھلاہٹ تھی جیسے وہ جو کچھ چاہتا تھا اس میں ابھی کچھ باقی رہ گیا ہو۔

دونوں کی نگاہیں اس لمحہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔

'نیرا اس نے تمہیں دبایا ہے۔ اُس دباؤ کو قبول نہ کرو تمہارا کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ کچھ برباد ہو گیا ہے۔ تم اس بربادی کو روک نہیں سکتیں لیکن تم بھی کچھ توڑ سکتی ہو، کچھ گرا سکتی ہو، کچھ مسمار کر سکتی ہو۔ یہ شخص نیر جو تمہارے پڑوسیوں کا اعتماد حاصل کیے ہوئے ان کی مدد سے اس وقت تمہیں زیر کرنا چاہتا ہے اس کے امیج کو توڑو۔ یہ پڑوسی اس کی تمام بُرائیوں کے باوجود اس کی اس حرکت کو قابلِ ستائش سمجھ رہے ہیں اور انھوں نے اس کا بدنما چہرہ نہیں دیکھا ہے۔ ان کی نگاہوں کا پردہ فاش کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ کہو کہ تمہاری چھو کر دیکھی ہوئی بات میں ایک حقیقی قوت ہے اور اس قوت سے تم اس بھیڑ کو کاٹ کر اس کی اڑان کو روک سکتی ہو۔ اسے بکھیر سکتی ہو۔ ٹوٹنے کے بعد بکھرتے نہیں، جہاں جس حال میں ہو اسی حال میں اپنے کو آباد کرو۔' اور یہ خیال آتے ہی جیسے نیرا نے اپنے اندر کمان کی طرح کھینچی ہوئی ایک قوت کو محسوس کیا اور اسے لگا کہ وہ چاہے تو ایک لمحہ میں نیر کے چہرے کو مسخ کر سکتی ہے۔ اور اس کے جسم کی دھجی اڑا سکتی ہے۔ کیا ہے جو مجھے روک رہا ہے۔ کوئی خوف؟ کیسا خوف؟ مٹنے کا؟ اب تو میں مٹ چکی ہوں۔ اب مٹنے کا کیسا خوف؟ اب تو میں پہلے سے بھی طاقت ور ہو گئی ہوں کہ مجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔ اب مجھے کوئی بات خوفزدہ نہیں کر سکتی۔

'مسٹر نیر، آپ نے اب تک پندرہ بیس مہمانوں سے محض ان کو ڈرانے کے لئے پوچھ تاچھ کی۔ آپ بے دھڑک یہ جانتے ہوئے کہ میں اکیلی رہتی ہوں، دروازے پر دستک دیتے ہیں اور بلا اجازت اندر آ کر صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں اور اوٹ پٹانگ پوچھ تاچھ کرنے لگتے ہیں اور باہر آپ کے دوست یہ کہتے پھرتے ہیں کہ میں آپ کو دیر تک بٹھاتی ہوں۔ شاید ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ انہیں آج میں بتاتی ہوں۔ آپ نے میری شکایت تھانے میں سننے کے بجائے وقت نہیں ہونے کا بہانہ بنا کر مجھے اپنے گھر بلایا اور وہ گھر آپ کا نہیں، آپ کے دوست کا تھا۔ اور جب میں وہاں گئی تو آپ لوگ وہسکی پی رہے تھے۔ اور آپ مجھے تسلیاں دیتے

ہوئے شراب کا گلاس ہاتھ میں لیے میرے قریب آ کر بیٹھ گئے اور میری پیٹھ پر ہاتھ رکھنے کے بعد میری کمر چھونے لگے۔ اور شاید آپ نے یہ سوچا کہ آپ کے ڈر سے اور اپنے کام کے لالچ میں میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ لیکن مسٹر نیر، آپ کافی اندھے ہیں۔ آپ جتنی دور تک دیکھ رہے ہیں، میں اس سے آگے تک دیکھ رہی ہوں اور آپ زندگی کو جتنا آسان اور معمولی سمجھتے ہیں میں نہیں سمجھتی، میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی کتنی پیچیدہ ہے۔'

یہ کہتے ہوئے نیرا نے محسوس کیا کہ اپنے اندر سے اٹھتے ہوئے یلغار کے اعلان میں ایک خاص اثر ہے اور وہ آگے اسی روانی میں بولتی چلی گئی۔

'آج میں اس پوری بھیڑ کے سامنے یہ بتاتی ہوں کہ آپ مسٹر کمار سے مل کر ہتھکنڈے رچ رہے ہیں اور وہ میرا مکان چھیننا چاہتا ہے۔ اور آپ مجھے کال گرل بنانا چاہتے ہیں، اگر مجھے بکھر کر دوبارہ اپنے کو سمیٹنے کے لئے کال گرل بھی بننا پڑے تو میں بنوں گی لیکن میں بکھروں گی نہیں۔ میں نے اپنے کو اپنی طاقت سے باقی رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے اور اس کے ساتھ ہی میں آپ کو یاد رکھوں گی۔ آپ کی اس وردی اور اس عہدے کو نہیں بلکہ آپ کے اندر اس خطرناک انسان کو یاد رکھوں گی جو ایک جانور کی طرح میرے پیچھے گھوم رہا ہے۔ آپ کے اندر ایک کمینہ انسان ہے۔ ذلیل کتا۔ مسٹر نیر میں جانتی ہوں کہ یہ ساری پوچھ تاچھ ایک بکواس، ایک غیر قانونی حرکت اور ایک ڈرامہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے نیرا کی نظریں پوری بھیڑ میں ٹارچ کی روشنی کی طرح نیر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

ایک بڑے مجمع کے سامنے اپنے اوپر آئے ہوئے الزام کو سننے کے لئے نیر تیار نہیں تھا۔ اسے ایسی بات کی قطعی امید نہیں تھی۔ وہ خاموش ہو گیا، وہ کئی لمحوں تک سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیا کہے۔ اسے اپنے منہ پر طمانچے کی طرح لگتا ہوا محسوس ہوا جسے بہت مشکل سے برداشت کرتے ہوئے وہ لوٹنے لگا لیکن اس کی آنکھیں انتقام کا پیغام دے رہی تھیں۔ اس نے اپنی بغل میں کھڑے سپاہی سے کہا۔ گفتگو میں ہم کسے پکڑ سکتے ہیں؟ بہت چلا رہی ہے۔ لیکن ہم اسے کسی دن بتائیں گے کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ جب کوئی اجنبی آدمی جو اس کا رشتہ دار نہیں ہو، وہ اس کے گھر آئے تب بتاؤ۔'

وہ جیسے ہی مڑا نیرا نے اسے آواز دی۔ 'آپ جو کہہ رہے ہیں وہ کر کے جایئے۔ اسی

کے لئے آئے تھے۔ آپ تو میرے چال چلن کی جانچ کرنے آئے تھے۔ تلاش کیجئے سچائی کو— آپ قانون کے ٹھیکیدار ہیں۔ آپ اپنی کاروائی کو جاری رکھئے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے چلے جانے سے آپ کا چہرہ ہم لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو جائے گا؟— آپ ہمارے دماغ کو اتنا کمزور سمجھتے ہیں؟

نیز بغیر کچھ بولے اپنی موٹر سائیکل کے پیچھے بڑھتا جا رہا تھا۔

'جایئے اور اتنا یاد رکھئے کہ آندھی اور طوفان کی گرد آلود ہواؤں میں بھی میری آنکھ بند نہیں ہوگی، چلئے آپ بھی چلئے، نیرا نے رنجیت کو کہا۔ وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ باقی لوگ بھی دھیرے دھیرے اِدھر اُدھر چلے گئے۔ لوگوں کے جانے کے بعد نیرا کو اپنا ہی کمرہ نہ جانے کیوں اجنبی اجنبی سا لگا جیسے وہ کسی گیسٹ ہاؤس میں ہو۔ وہ صوفہ پر بیٹھی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی سانس تیز ہو گئی تھی اور وہ ہانپ رہی تھی۔

سونیا نے اوّل سے آخر تک یہ سارا منظر خاموش نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ اس کی ذرا بھی مدد نہیں کر پائی تھی۔ وہ نیرا کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بغیر کچھ بولے ہوئے اس کی گود میں سر رکھ کر سو گئی۔ نیرا در و دیوار کو دیکھتی رہی اور پھر جیسے اس پورے واقعے کو ریویو کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھانے لگی تھی 'نیرا جذبات میں نہ آؤ— تم جذبات کی تھرتھراہٹ سے اپنا توازن کھونے لگتی ہو۔ اور تم یہ بھول جاتی ہو کہ تم پر پیچ پہاڑی سڑکوں سے ہو کر گزر رہی ہو جہاں ہر لمحہ نگاہ کو دائیں بائیں اور آگے دوڑاتے ہوئے نشیب و فراز کی چکنی لکیروں پر انتہائی چابکدستی کے ساتھ آگے چلنا ہے تمہیں یہاں اپنی گاڑی کو تیزی اور تندی سے نہیں بلکہ انتہائی احتیاط سے چلانا ہے۔ راستے اور راستوں کی چیز کو دیکھتے ہوئے، تولتے ہوئے، اور جانچتے ہوئے، انتخاب کرتے ہوئے— ورنہ اگر لوگوں نے سمجھ لیا کہ تم جذبات میں آ جاتی ہو اور تیزی اور تندی میں تھرتھرانے لگتی ہو تو وہ اس تیزی اور تندی کو بڑھاوا دینے والے عوامل کے ذریعے تمہاری رفتار کو اتنا بڑھا ئیں گے کہ تم نازک ترین موڑوں پر اپنے کو سنبھال نہ سکو اور گاڑی سمیت کھائیوں میں گر جاؤ۔ اور اگر انہوں نے دیکھ لیا کہ تم جذبات میں آ جاتی ہو تو وہ مختلف قسم کے ڈھولکوں سے تمہارے اندر جذبات کا وہ طوفان پیدا کر دیں گے کہ تم اس کے اثر میں اپنے پاؤں کو اکھڑتے ہوئے محسوس کرو گی۔ جب سے تم نے اپنے دشمن اور اس کے حالات کی سنگینی کو پہچانا ہے تب سے تمہارے اندر سوئی ہوئی

قوتوں نے بھی بیدار ہو کر تمہیں توانائی فراہم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور تم اسی توانائی کی لہروں کو اپنے اندر محسوس کرتی ہو۔ لیکن اس کی تیز ہواؤں کو اپنے حواس پر مت چھانے دو کہ ان پر تم آنکھ بند کر کے بھروسہ نہیں کر سکتیں۔

ہر وہ چیز جو تمہارے اندر اندر آنکھیں بند کر کے بڑھتی ہے اور اپنے ساتھ تمہیں بھی آنکھیں بند کر کے بڑھنے کی ترغیب دیتی ہے وہ صرف تمہاری دوست ہی نہیں دشمن بھی ہو سکتی ہے، ان چیزوں کو پہچانو اور ان سے بچو چاہے وہ کتنی ہی آزمودہ کیوں نہ ہوں کیوں کہ یہ قوت کے چشمے جو ایک نشے کی کیفیت پیدا کر کے جدوجہد کی ترغیب دیتے ہیں وہ قوت کے چشمے اندھے ہوتے ہیں اور خود راستوں کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ بہت قوی ہوتے ہیں اور ان میں بڑے بڑے کرشمے دکھانے کی قوت بھی ہوتی ہے کہ ان کے پانی جدوجہد میں ٹوٹے ہوئے ریشوں کو چور چور ہونے کے باوجود پھر سے جوڑ دیتے ہیں، اور ان کو آگے بڑھنے کی قوت دیتے ہیں، لیکن ان پر پورا قابو رکھو کیونکہ اس وقت تمہیں آنکھوں کی ضرورت ہے۔ دشائیں تلاشنے اور متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ اس اُلجھی ہوئی زندگی میں صرف صحیح سمتوں کی تلاش ہی تم کو بچا سکتی ہے۔ ہاں، ان دشاؤں کی تلاش کے لئے تمہاری زندگی تمہیں دھکیل رہی ہے تو تم پوری خود اعتمادی سے آگے بڑھو اور ان سنگین لمحات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے ہوتے ہوئے دیکھتی رہو۔ تم اپنی جگہ مضبوط رہو اور آنکھوں کو کھلی رکھو۔ تمہاری اپنی زندگی کی اسٹیرنگ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے، تم گاڑی چلا رہی ہو۔ بارش ہو، تیز ہوائیں ہوں، طوفان ہو، اندھیرا ہو، بادلوں اور کڑکتی بجلیوں کا شور ہو، سامنے سے اچانک کوئی گاڑی آتی ہو یا تمہاری گاڑی پھسلنے لگی ہو یا یہاں تک کہ تمہاری گاڑی ان سڑکوں سے پھسل کر نیچے کھائیوں میں گر رہی اور پلٹیاں کھا رہی ہو، اور چوٹیں آ رہی ہوں اور گاڑی میں آگ لگ گئی ہو، اور تم اس کی آگ اور اور گرم دھوئیں میں بھن رہی ہو اور تمہارے اوپر بے ہوشی طاری ہو رہی ہو، اس وقت بھی تم سب کچھ دیکھتی جاؤ اور آنکھیں کھلی رکھو کہ شاید کوئی چیز پکڑ میں آ جائے اور تم دیکھو گی کہ اگر آنکھیں بند نہیں ہو جائیں تو وہاں بھی بچ نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی کہ زندگی سے ہر سمت میں نکلے ہوئے انگنت راستے ہمارے اردگرد میں پھیلے ہوتے ہیں۔ انہیں محض دیکھنا ہوتا ہے۔ اس بھول بھلیاں دنیا میں ہر نقطے سے دیکھائیں ہر دشا میں جاتی ہیں، اور ہر جگہ پہونچتی ہیں، کہیں بھی انتہا نہیں ہے۔ پھر ہار کا ہونا کیسے ممکن ہے۔

اب وہ اپنے اردگرد کے درمیان ایک نئے انداز میں کھڑی تھی۔ اب نہ کوئی جوش تھا نہ کوئی جذبہ —— وہ کچھ بھی نہیں تھا جو پہلے اسے بہا رہا تھا یا دھکیل رہا تھا۔ محض چیزوں اور لوگوں اور واقعات اور صورت حال کو تولنے، دیکھنے، ان کی کاٹ چھانٹ کرنے، ان کو الٹنے پلٹنے، ان کو نئے انداز میں سجا کر ان کے بدلے ہوئے روپ کو دیکھنے اور ان تبدیلیوں کو ذہن نشیں کرنے کا عمل تھا۔

ان دن تمام رات وہ کچھ تلاش کرتی رہی۔ اسے اسی حالت میں نیند آ گئی۔ نیند میں اس نے کئی بار ایسے خوابوں کی جھلکیاں دیکھیں اور اپنے اندر ایسی کیفیت محسوس کی کہ اسے لگا آج کی اس کی نیند جب معمول نہیں تھی۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو بھی اس کے اندر جیسے بدلتے موسموں والی بے چینی تھی۔ تم سب مجھے کیا سمجھتے ہو؟' اس نے ایک کھا جانے والی نگاہ سے اپنے چاروں طرف کے ماحول کو دیکھا 'تم سمجھتے ہو کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں! میں عورت ہوں۔ میں ایک سمندر ہوں کہ جس میں پورا کا پورا پہاڑ غرقاب ہو سکتا ہے لیکن میں جو کچھ اپنے اندر سہتی ہوں اس سے نئی چیزیں جنم لیتی ہیں۔ —— میں کوکھ ہوں —— میرے اندر جو عکس پیدا ہوتا ہے وہ محض خیال نہیں ہوتا۔ وہ سوچتے سوچتے چھت پر چلی گئی اور شام کی ہوا میں دیر تک ٹہلتی رہی۔

☆☆

۹

نیرا انہیں کش مکش سے گزر رہی تھی کہ ایک دن جب وہ بس میں کھڑکی سے لگی بیٹھی سوچوں میں گم آ رہی تھی تو بس دہلی کی باہری سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک چوراہے پر ریڈ لائٹ پر رکی۔ دور اس کی نظر کھلے میدانوں پر پڑی جہاں ایک اسٹیڈیم تھا، جو چاروں طرف سے چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ سامنے میدان میں کافی لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے جیسے کوئی بہت عجیب و غریب بات ہونے والی ہو —— پھر اچانک اس کی نظر ایک مکان کے پیچھے سے نکلتے ہوئے بھینسے پر پڑی جو بے تحاشہ بھاگ رہا تھا —— اور اس سے چند قدم پیچھے ایک بہت مضبوط بھینسا بھیانک طریقے سے اس پر حملہ آور تھا۔ بدحواسی کے عالم میں بھاگتے بھاگتے پہلے بھینسے نے کوئی راستہ نہ دکھائی دینے کی صورت میں، اس چھوٹے سے راستے سے بھاگنے کی کوشش کی جو اسٹیڈیم کی چہار دیواری میں تنہا تنہا آدمی کے نکلنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ دونوں جانب لکڑی کی ستون تھے، لیکن چند فٹ اوپر سے یہ کھلا تھا۔ بھینسا سیدھا اس میں گھسا لیکن اس کا پچھلا حصہ اس میں پھنس گیا۔

وہ انتہائی انہماک سے دیکھنے لگی۔
کہیں بس آگے نہ بڑھ جائے،
اس کا جی چاہا، بس رکی رہے، اور وہ دیکھتی رہے،
اور دیکھے کہ اب کیا ہوتا ہے،
سامنے ٹرافک کی بڑی بھیڑ تھی، اسے خوشی ہوئی،
وہ جاننا چاہتی تھی،

بڑی شدت!

بڑی گہرائی سے جاننا چاہتی تھی کہ اب کیا ہوتا ہے،

اس کی نظر اس چھوٹے بھینسے پر تکی تھی۔

جو پھنس چکا تھا۔

جب اسے احساس ہوا کہ وہ پھنس چکا ہے تو اس نے پیچھے نکلنے کی کوشش کی لیکن اب اس کے بدن کے آگے کا چمڑہ یوں جمع ہو جاتا کہ وہ نہیں نکل پاتا —— بڑا بھینسا جو خونخوار طریقے سے اس پر حملہ آور تھا، اب اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

'بیچارہ!' اسے لگا کہ اس کا کلیجہ، اس چھوٹے بھینسے کے لئے درد سے بھر آیا۔

اور پھر —— اس بڑے بھینسے نے سر نیچے کر کے، اپنی پوری طاقت، اس پھنسے ہوئے بھینسے کو مارا —— لیکن انجام امکان کے برخلاف ہوا —— اس بھینسے کی اس چوٹ سے چھوٹا بھینسا اوپر اُٹھ گیا اور کھمبوں کے اوپر سے ہوتا ہوا اس پار ہو گیا —— اب وہ اس پار تھا —— اور یہ اس پار!

چھوٹا بھینسا اب بے فکری اور بے خوفی سے ہلتا ڈولتا ادھر بھاگ رہا تھا —— اور بڑا بھینسا مچل مچل کر اسے دیکھتا رہا —— ٹریفک اب آگے بڑھ رہی تھی۔

بس چلی —— اور آگے بڑھی ——

لیکن یہ واقعہ اس کے ذہن میں اپنی کسی پیچیدگی کی وجہ سے اٹک گیا۔

'اس واقعہ میں کچھ عجیب بات تھی'۔

وہ پاڑا کیسے بچ گیا؟

وہ کس قوت سے اچھلا تھا'

وہ قوت کس کی تھی؟

بڑے بھینسے کی۔

لیکن وہ قوت جو اس کی طرف جان لیوا گولی کی طرح چلی تھی'

بڑے بھینسے کی اس قوت نے اسے کیا کر کے دیا؟

وہ قوت کہیں اپنے محور پر ناچ گئی تھی۔

کسی کی اپنی قوت بھی، اس کی اپنی نہیں ہوتی۔

وہ بھی آزادانہ اپنے محور پر ناچ جاتی ہے۔

نیرا نے محسوس کیا کہ چیزیں اپنی ہوں یا دوسروں کی'

وہ تعلق سب سے برابر رکھتی ہیں۔

اور اپنے محور پر آزادانہ ناچ جاتی ہیں۔

اس نے کمار کی اور اپنی مختلف قوتوں پر غور کیا۔ کیا وہ بھی اپنے محور پر ناچتی ہیں؟؟؟ وہی چوٹ جو بیچ میدان میں اس پاڑے کی ہڈیاں توڑ سکتی تھی وہیں اس پھاٹک پر اس کی نجات دہندہ بن گئی۔

بھاگ نیرا —— بھاگ —— تو اپنی جگہ بدل، چیزیں اپنا رویہ بدلیں گی۔ چل —— تو صرف اپنی جگہ بدل —— تو صرف جگہوں کا انتخاب کر —— یہ اردگرد کی تمام چیزیں، تیرے لئے اپنی شکلیں بدل لیں گی —— چل یہ ایک سائنسی تجربہ ہے، تو اس کا استعمال کر۔

اب کمار کی طرف سے ناکامیوں کی بوچھار مجھے مضبوط سے مضبوط تر کرتی جائیگی، حتی کہ اس کی ہر تباہ کن کوشش میری طرف آ کر توانائی میں تبدیل ہو جائیگی، اور اس جادوئی تماشے میں کمار خود اپنی قوت سے ہی لڑتا ہوا دکھائی دے گا —— وہ اپنی ہی قوت کو صرف کرتا ہوا تھک جائے گا —— وہ تھک جائیگا، چڑ جائے گا، اور اس کا حوصلہ پست ہو جائے گا۔

☆☆

۱۰

اس کے گھر پہ پڑوسیوں کے اس بھونڈے انداز میں جمع ہونے کے واقعہ کو ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن اسے ہائی کورٹ سے ایک نوٹس ملا جو کمار کی ذہنیت اور انداز فکر کا مکمل نمائندہ تھا۔ کمار نے اس کے خلاف ایک لاکھ ستر ہزار روپے کے حرجانہ کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نوٹس کے اہم نکات وہ تمام کاروائیاں تھیں جن میں اس نے قانونی چارہ جوئیاں کی تھیں اور عدالتوں میں یا سرکاری افسروں کے پاس درخواستیں دی تھیں۔ اب وہ اس پریشانی کے عوض میں حرجانہ چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اس حرجانے کے در کے لئے بھی اپنی خاندانی آمدنی کو معیار بنایا تھا اور اس حرجانہ کے عوض میں اس نے یہ لکھتے ہوئے کہ نیرا کے پاس حرجانہ دینے کے لئے پیسہ نہیں تھا۔ اس نے عدالت سے نیرا کا گھر نیلام کرنے کی درخواست کی تھی۔

کمار کی نظر میرے مکان پر ہے۔ کیا میرے پاس اس مقدمہ کو بہت اچھی طرح لڑنے کے لیے پیسے نہیں ہیں؟ میرے اور میری ماں کے پاس زیورات ہیں فکسڈ ڈپوزٹ میں میری شادی کے لئے پیسے رکھے ہوئے ہیں۔ اور کیا میں اس مکان پر قرض نہیں لے سکتی؟ وہ کیسے سمجھتا ہے کہ مکان کو صرف وہی خرید سکتا ہے؟ کیا میں مکان کے اس بقیہ حصے کو کرایہ پر نہیں دے سکتی؟ اور اگر دے سکتی ہوں تو کیا اسے اس مکان کو خریدنے کا اختیار نہیں حاصل ہو جائے گا؟ کیا پھر میرے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں آجائے گا کہ یہ مکان جس کے ہاتھ چاہوں، اس کے ہاتھ بیچوں؟ کیا کمار کے ذہن میں یہ بات آئی ہوگی کہ میں ایسا کر سکتی ہوں؟

کمار خود دیکھ لے گا کہ یہاں نئی باتیں بھی وجود میں آ سکتی ہیں۔ اور اس دنیا کا چہرہ

جیسا وہ دیکھ رہا ہے، وہ کسی تنہا کمزور لڑکی کی وجہ سے بدل بھی سکتا ہے۔

تو کیا وہ اپنے مکان کو بیچنے کی حد تک جا سکتی ہے؟

'میں نے کس بنیاد پر یہ سمجھ لیا کہ یہ میرا مکان ہے؟ اور اگر ہے تو کوئی اسے چھین نہیں سکتا؟ کیا یہ یقین محض ایک خیال نہیں ہے؟ اگر اس دنیا میں میرا کچھ ہے تو وہ محض میں خود ہوں۔' یہ مقدمہ ایک چوہے دان کی طرح تھا اور اب وہ چوہے دان کے منہ کے اندر ٹھہری ہوئی اس کے اندر جھانک رہی تھی۔

لیکن نیرا کو قطعی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ زندگی ہر موڑ پر دیو قامت واقعات کے روپ میں آتی ہے لیکن مجھے کھا نہیں پاتی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں مجھے بار بار اس پر دھوکا ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے بڑی ہے۔

مقدمے کی نوعیت اختصار میں سننے کے بعد ہائی کورٹ کے وکیل نے حامی بھر لی۔

'فیس؟!'

'چھ ہزار۔ یہ دعویٰ کی رقم کی بنیاد پر طے ہوئی ہے۔'

'لیکن اتنی بھاری رقم دینا تو میرے لئے مشکل ہے۔ میرے یہاں بنک اکاؤنٹ میں جو پیسے ہیں وہ میری تعلیم اور شادی کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ اگر میں یہ مقدمہ لڑوں گی تو کنگال ہو جاؤں گی۔' اس کے لہجے میں ایک اپیل سی جھلک آئی۔

وکیل اس کی باتوں سے اُکتا گیا۔

'آپ اس بات کو صرف اپنے نقطۂ نظر سے دیکھ رہی ہیں۔'

نیرا نے چونک کر وکیل کو دیکھا۔

اسے لگا کہ عدالت ایک زندہ متحرک جسموں والا، کھاتا پیتا، بڑھتا، پھیلتا اور تاک میں لگا بہت بڑا جاندار ہے — جس کی اپنی آنکھیں، اپنا منہ، اپنے دانت، اپنا پیٹ، اور اپنے ہاتھ پاؤں ہیں، اور اپنا نقطہ نظر ہے، جو زندہ رہنے کے لئے انصاف کی کاروائیوں میں لگا رہتا ہے۔

اس نے وکیل کا چہرہ اور صاف صاف دیکھا — وہ بھوکا تھا،

ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں۔ وہ بات نہیں ہے جو آپ محسوس کر رہے ہیں، دراصل

میرے کہنے کا انداز کچھ غلط تھا۔ میں جذباتی ہو گئی تھی اس لئے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ میں کچہری کی رسم و راہ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میں آپ سے اپنی پریشانیوں کا ذکر اس لئے کر رہی تھی کہ اگر میں آپ کی فیس دینے پر تیار نہیں ہوتی، اور واپس چلی جاتی ہوں تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کی بات نہیں سمجھ پائی۔ میں آپ کی فیس کے سسٹم کو سمجھتی ہوں لیکن اس لیے تیار نہیں ہو رہی ہوں کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اور اگر میں جو فیس دینے کے لئے تیار ہوں، اسی میں آپ میرا کام کرنے کی گنجائش نکال سکیں تو اس پر ایک بار سوچ لیجئے۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ آپ کے سامنے ایک مقدمہ آیا ہے جس میں آپ کو کچھ پیسے مل سکتے ہیں۔ آپ کے لئے غور کرنے کا موقعہ پیدا کر رہی ہوں۔ اگر آپ کے پاس کافی مقدمے ہیں اور آپ مشغول ہیں تو ظاہری بات ہے کہ آپ میرا مقدمہ نہیں لیں گے۔ اور میں اس قسم کی ہمدردی نہیں مانگ رہی ہوں، لیکن اگر آپ کے پاس فرصت ہو تو میرے مقدمہ کو لینے میں آپ کا فائدہ ہی ہے۔ آپ کو اس معاملے میں اپنی فیس کی در پر خواہ مخواہ اڑے رہنے کے بجائے حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ مقدمہ آپ کو ملے اس کے لئے میرے پاس دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ میں اس بات کو صرف اپنے نقطہ نظر سے دیکھ رہی ہوں۔

دراصل میں محض ایک ٹھوس نقطہ نظر سے دیکھ رہی ہوں۔'

ٹھیک ہے۔ مجھے آپ کی بات سے واقعی اتفاق ہے۔ اور ایسی بات ہے تو میں یہ مقدمہ لوں گا۔' تھینک یو۔ نیرا کو گہرے اطمینان کا احساس ہوا۔

نیرا نے محسوس کیا کہ یہ پوری گفتگو ان سماجی عوامل میں سے تھی جو انسان کے اوپر اپنے اثرات صادر کر کے اس کو گہرائی سے یہ محسوس کرواتے ہیں کہ اسے کس راستے جانا ہے اور اسے کیسے سوچنا چاہئے اور یہ وہ جگہیں تھیں جہاں کمار کی گرفت بہت مضبوط تھی، لیکن نیرا نے اب زیادہ سے زیادہ اپنے اعمال سے منسلک ہونا شروع کر دیا تھا اور اسی میں اسے کامیابی دکھائی دے رہی تھی۔

اور اب اس نے طے کر لیا کہ وہ جو کچھ اس کی راہ میں آ رہا تھا لیکن جو سمجھ میں نہیں آ رہا ہو یا جس کو سمجھنا ضروری ہو اس کو اور تیزی سے آنے دے تا کہ پورے منظر کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ واضح اور مکمل ہو جائے۔ اور اب وہ اپنے اوپر کسی بھی قوت کی پابندی کو قبول کرنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے اب پہلے سے زیادہ شدید گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو جاری رکھنا بے حد ضروری سمجھا۔

ڈرائنگ روم والا کمرہ اس کے اور اس کی ماں کے مشترک استعمال میں تھا۔ گھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کوئی مرد رہ سکتا۔ رات کے وقت کوئی بیمار ہو جاتا تو دوا لانے ہسپتال جانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ جھگڑا ہو جاتا تو جا کر قانونی مشورہ لینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اگر وہ حراست میں لے لی جاتی تو دنوں دن کوئی اس کا پوچھنے والا یا اس کے گھر کو دیکھنے والا نہ ہوتا۔

اس کے کمرے کے باہر برآمدے میں لوہے کا گریل ڈال کر ایک کمرہ نما جگہ بنائی گئی تھی جس میں گھر کے فالتو سامان رکھے گئے تھے۔ اُسے خیال آیا کہ اگر چھت کے اوپر کوئی ایسا شیڈ بن جاتا جس میں یہ سامان رکھا جا سکتا تو یہ جگہ خالی ہو جاتی اور اس میں ایک چارپائی ڈالی جا سکتی تھی اور یہاں کوئی کھوالی کرنے والا رہ سکتا تھا۔ چھت پر کمرہ بنانے کے لئے پیسہ لینے وہ بینک گئی۔

وہ بینک کے کاؤنٹر پر کھڑی تھی کہ اندر سے چپراسی آیا اور اسے بلا کر منیجر کے کیبن میں لے گیا' تشریف رکھئے' منیجر نیرا کو اس کے والد کے زمانے سے ہی جانتا تھا۔

وہ بیٹھ گئی۔

'اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں'

'جی کہیے—بُرا کیوں مانوں گی'

'آپ کے اکاونٹ میں صرف چودہ ہزار روپے ہیں۔ اور آج آپ اس میں سے آٹھ ہزار نکال رہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ پیسہ بنک سے نکالنے سے پہلے آپ نے اچھی طرح غور کر لیا ہوگا'۔

'جی' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور اس کی نگاہیں اِدھر اُدھر اُلجھنے لگیں۔

''نیرا جی۔ آٹھ ہزار خرچ کرنا یا کسی کو دینا آسان ہے' لیکن ہزار بھی پیدا کرنا یا واپس لینا بہت کٹھن ہوتا ہے۔''

'جی میں جانتی ہوں اور آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ میں سمجھ رہی ہوں اور آپ کی شکر گزار ہوں، لیکن اس وقت جس چیز کی مجھے اشد ضرورت ہے اور جو چیز اس وقت میرے لیے پیسے سے زیادہ سیکورٹی کی گارنٹی دے سکتی ہے، میں اس پر کام کر رہی ہوں، میں سب کچھ جھونک کر کچھ بھی دے کر اس کو حاصل کرنے کو بے قرار ہوں،

اتنی دیر میں کلرک پیسہ لے کر آ گیا۔

نیرا نے روپیہ لے کر رکھ لیا اور جانے کو اٹھی۔

نیرا کو اندیشہ تھا کہ چھت پر کمرے کی تعمیر کرتے وقت اگر کمار یا مسز کمار میں سے کوئی بھی موجود ہوا تو اس کا امکان تھا کہ وہ کام کو روکنے کے لئے ضرور کوئی خواہ مخواہ کا اعتراض کھڑا کریں گے اور آئندہ کے لئے وہ اس بات پر نگرانی رکھنا بھی شروع کر دیں گے۔ اس کے مدِّ نظر اس نے منصوبہ بنایا کہ یہ کام وہ اس وقت کرے گی جب وہ موجود نہ ہوں اور سارا کام دن ہی دن میں گھنٹہ دو گھنٹہ کے اندر مکمل ہو جائے—— ایسا ہی ہوا—— ایس بیسٹس شیٹ، اینٹیں، سمنٹ، بالو، دروازے کے چوکھٹ، تار پولین سب خرید کر آ گئے۔

کام شروع ہوا کمرہ کی صرف تین دیواریں مکمل ہوئی تھی کہ شام ہو گئی۔

کمار اور مسز کمار گھر لوٹے تو یہ سب کچھ دیکھا۔

اس دن رات میں کافی دیر تک کمار کے گھر میں بڑی سرگرمی رہی۔ اس کا رشتہ دار قانون داں بھی آیا—— صبح آشا نے چھت کی سیڑھی کے دروازے پر تالا لگا دیا۔

دوسرے دن آشا نے آفس سے چھٹی لے لی۔ اب وہ مستقل گھر پر تھی۔ اور سیڑھی پر تالا لگا ہوا تھا۔ نیرا کا کزن پردیپ اپنے ایک قریبی دوست کے ساتھ آیا تھا۔ نیرا کو بھرپور اندیشہ تھا کہ جیسے ہی کوئی کام دوبارہ شروع ہوگا آشا فوراً جھگڑے پر اُتر آئے گی اور پولیس کو فون کرے گی اور اس بات کا پورا پورا امکان تھا کہ پولس پردیپ اور اس کے دوست کو دیکھتے ہی حراست میں لے لیگی۔ وہ کسی بھی لحاظ سے کھل کر اس بات میں کمار کا یوں مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اور کرتی تو ضرور ہار جاتی۔

لیکن اگر نہیں کرتی تو بھی خسارہ میں ہی رہتی۔

اور یہ کام مستقل طور پر رک جاتا۔

اب تک پانچ چھ ہزار روپیہ کا خریدا ہوا وہ سامان جس میں سے کچھ لگ چکا تھا، اور کچھ بچا ہوا تھا برباد ہو جاتا۔ ان تینوں نے ایک ساتھ سر جوڑ کر اس مسئلہ پر سوچنا شروع کر دیا۔

نیرا کو اس طرح سوچنے میں بڑی بے چارگی کا احساس ہو رہا تھا،

اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ قفس کے اندر پر مار رہی ہو،

اور محض،

ترکیبیں سوچنے کی جدوجہد اور اپنی کمزوریوں کے احساس میں لپٹی چلی جاتی ہو۔ یہ صورت حال اسے قطعی طور پر غیر اطمینان بخش لگی۔ اس کا کچھ بھی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا، اسے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود کہ آشا جھگڑا کرنے کو تیار تھی۔ اور اس کی طرف سے چھت پر مسلسل نگرانی جاری تھی۔ وہ سوچ کر کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ نکالنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اس کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اس کی اس ناکامی سے اس قدر خائف اور پریشان ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ کمزور تھی اور اتنی ہی بربادی اس کے لیے بہت بڑی تھی۔

اس نے محسوس کیا کہ اگر اس کے پاس بہت پیسے ہوتے تو وہ شاید اتنی گھبری توجہ نہیں دیتی۔ اگر اس کام میں پیسہ داؤ پر نہیں چڑھا ہوتا تو شاید اس قدر بے چین نہیں ہوتی۔ تو اسے تو اپنی سمجھ پر ہی بھروسہ کرنا تھا اور اسی سے اس کمی کو پورا کرنا تھا اور اپنے کو اس قدر مضبوط کرنا تھا کہ اس کی تمام قوتوں کا بدل ثابت ہو جو اس کے پاس نہ تھیں، نہ جن کے ہونے کی کوئی امید تھی۔

کیوں نہ ہم پیچھے سے ایک سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھیں'

اور چپکے چپکے دیواریں بنالیں۔

اس طرح کہ شور نہ ہو۔

پردیپ نے تجویز پیش کی۔

وہ خاموش دیکھتی رہی۔

اور پردیپ اور اس کے دوست نے دوبارہ کام شروع کروا دیا۔

پردیپ—— وہ کام تو کر رہا تھا، لیکن کتنا خوفزدہ تھا کہ کہیں، کوئی ہلکی سی آواز اندر سوئی، بیٹھی ہوئی، آشا کے ذہن میں کوئی اندیشہ نہ ڈال دے۔

چھت پر دیوار جڑی جا رہی تھی، پڑوس میں کسی کی نظر پڑی۔ اور پھر آشا کے دروازے پر دستک ہوئی۔—— دروازہ کھلا—— آشا باہر نکلی اور چھت پر نگاہ ڈالتے ہی چور چور چلانے لگی۔

پردیپ اور اس کے دوست سیڑھی سے فوراً نیچے اترے۔ آشا ان کے سامنے ان کو روکنے کے لئے کھڑی ہوگئی، وہ کترا کر اپنے اسکوٹر تک پہنچے، محلے کے کئی آدمی لپکے، لیکن اتنی دیر میں وہ دونوں نکل

گئے — آشا نے اسکوٹر کا نمبر پڑھ لیا۔ پھر وہ نیرا کے اوپر جھپٹ پڑی۔ آشا کے لڑکے نے کنٹرول روم فون کر دیا۔ پولیس جیپ آ گئی اور سب کو تھانے لے گئی۔ دونوں طرف سے بیانات لکھ لئے گئے۔ وہاں سے نیرا اپنی چوٹوں کے معائنہ کے لئے ہسپتال بھیج دی گئی۔

گھر واپس آئی تو دیکھا —— چھت پر بنائے ہوئے کمرے کی دیواریں توڑ دی گئیں تھیں۔ اور چھت کی سیڑھی کے دروازے پر دو بڑے بڑے تالے لگے ہوئے تھے۔ پھر اُلٹے پاؤں تھانہ گئی۔ لیکن اس بات پر وہاں کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔ تب وہ کچھ اوپر گئی لیکن وہاں بھی زبان پر تالا لگا ہوا تھا۔ پھر تھری ویلر میں بیٹھ کر تین کلومیٹر دور ڈی۔ سی۔ پی کے پاس گئی۔

ٹھیک ہے۔ میں تھانے میں بات کر لیتی ہوں۔ تم وہاں جا کر اے۔ سی۔ پی۔ سے ملو، وہ دوبارہ انہیں کے پاس بھیجی جا رہی تھی جہاں سے بڑھ آئی تھی۔

تھانے میں واپس گئی تو اسسٹنٹ کمشنر آف پولس کے دفتر کے باہر کرسی پر بیٹھ کر دو گھنٹہ کا طویل وقت۔ کبھی باہر اِدھر اُدھر دیکھ کر اور کبھی اپنے اندر مختلف قسم کی باتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے انتظار میں کاٹنا پڑا اور پھر بھی ملاقات کے لئے نہیں بلائی گئی۔

'میں نے پرچی اندر دے دی ہے۔ صاحب نے دیکھ بھی لیا ہے'

اندر لوگ بے حد مشغول تھے۔

وہ باہر اٹکی ہوئی تھی۔

جنھیں وہ بلندیاں سمجھتی تھی۔

ان بلندیوں کے اصل میں دیوار ہونے کا اسے سنسنی خیز ادراک ہوا۔ اور ان دیواروں نے سارے راستے بند کر دیے تھے۔

وہ ٹھہر گئی۔

اور اپنے چاروں طرف کی اس ہوا پر ایک گہری نگاہ ڈالی جس سے نئی نئی باتیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

اب وہ کہاں جائے۔

ہاں، کیا وہ ان فلک شگاف بلندیوں کی سیر کرے۔

کیا وہ ان میں بھاگتی ہوئی ٹیڑھی میڑھی ٹکڑے۔ کے جال کی طرف بچھی ہوئی سڑکوں

میں اُلجھتی چلی جائے۔

یا اُنہیں زیر کرے۔

انہیں توڑ کر۔

یا خود بلند تر ہو کر۔

یا کسی اور وادی میں جا کر، ایک نئی دنیا بسا کر۔

جیسے بھی ہو، ان چٹانوں کی بلندی پر وہ حاوی ہو۔

وہ بیٹھے بیٹھے واپس آ گئی۔

لیکن دوسرے دن صبح وہ پھر وہیں گئی۔

'آپ ایس۔ ایچ۔ او سے مل لیجئے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے۔ نیرا کے داخل ہوتے ہی اے۔ سی۔ پی نے کہا اور وہ کھڑے کھڑے واپس آ گئی۔

وہ بھاری قدموں سے ایس۔ ایچ۔ او کے آفس میں یوں داخل ہوئی کہ جیسے اسے خود لگ رہا تھا کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے۔

ہم ایک گھنٹے بعد ایک افسر انکوائری کے لئے بھیجتے ہیں — اور وہ دیکھے گا کہ کہاں تالا لگا ہے — وہ گھر واپس پہنچی۔ دیکھا تو تالے کھلے ہوئے تھے۔

'تالا تو نہیں لگا ہے، ایک گھنٹہ بعد ایک سب انسپکٹر آیا۔

'آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے کھول دیا ہے۔

تو اب کیا ہو سکتا ہے؟ وہ دھمکی آمیز گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ نیرا کو لگا کہ وہ آنکھیں جنھوں نے اسے ایک لمحہ کے لئے گھورا تھا، اب وہیں ہیں اور اسے گھور رہی ہیں — وہی دھمکی آمیز......

دو گھنٹے بعد پھر تالے لگ گئے۔

اب اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں جائے۔

دوسرے دن عدالت کا ایک نوٹس آ گیا ——

تعمیر رک گئی، مزدوروں کو دی ہوئی مزدوری، چھت پر رکھی ہوئی سمنٹ کی بوریاں اور اینٹیں —— سب برباد ہونے لگیں۔

کمار نے عدالت میں دعویٰ کیا تھا کہ چھت اس کے استعمال میں ہے اور اس کی کرایہ داری میں شامل ہے۔ ــــ اپنے اس دعوے کے حق میں اس نے کوئی کاغذ نہیں پیش کیا تھا۔ لیکن عدالت نے تادمِ فیصلہ کام روکنے کا حکم دے دیا تھا۔

اسٹے آرڈر ــــ وہ آگے بڑھی

یہ اسٹے آرڈر ــ کیا تھا؟ وہ چھت کے اوپر شیڈ کی تعمیر کیوں کر رہی تھی؟ اسٹور کا سامان منتقل کرنے کے لئے اور اسٹور کا سامان کیوں منتقل کرنا چاہتی تھی؟ آگے کی گھیری ہوئی جگہ میں کوئی آدمی رکھنے کے لئے، اور آدمی کیوں رکھنا چاہتی تھی؟ تا کہ اگر وہ رات میں بیمار ہو جائے، یا وہ گرفتار ہو کر چلی جائے، تو اس بارے میں اس کی کوئی مدد ہو سکے۔

اگر کمار نے اس کے خلاف اسٹے آرڈر لینے جائے، تو اسے ایک دن لگتا ہے ــ اور پھر اس کے فیصلہ میں وہی تین سال ــ وہ جائے، نہ جائے، عدالت اپنی لبوتوش دیواروں تلے اُسے کھینچ رہی تھی۔

کیوں جب وہ چیخ پکار کرتی ہے،
تو انہیں بلڈنگوں سے صرف اس کی بازگشت کی گونج سنائی دیتی ہے۔
اور جب وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر کچھ کرنے چلتی ہے،
تو انہیں بلڈنگوں سے فوجیں اُتر آتی ہیں،
اور اسے ڈوریوں میں باندھ کر چاروں سمتوں میں کھینچنا شروع کر دیتی ہیں۔
اس قدر کہ وہ ہوا میں معلق ہو جاتی ہے۔

یہ کیسا رشتہ ہے، اس کا ــ ان جگہوں سے، ان دیواروں سے ــ ان بلند و بالا عمارتوں سے۔

کمار مقدمات کا ایک جال بُن رہا تھا۔

اس نے وہ کوئی پہلو نہیں چھوڑا تھا جس سے کوئی نہ کوئی مقدمہ نیرا کے خلاف بن پاتا ہو۔

وہ اُسے کھینچ کھینچ کر، دھکے دے دے کر کچہری میں لے جا رہا تھا۔ ــــ سب سے پہلے اس کے بھیجے ہوئے ایک غنڈہ نے نیرا کو اغوا کرنے کی دھمکی دی۔ نیرا نے خود ہی امن و امان

کے لئے خصوصی مجسٹریٹ کے یہاں درخواست دی۔

دوسرا مقدمہ نیرا کو آشا کے خلاف اس وقت کرنا پڑا جب جھگڑے میں لگی چوٹ پر تھانے نے کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا۔ وہ جائے کہاں کہاں جاتی ہے۔ کمار سوچ رہا تھا۔

نیرا کے مقدمہ کے متوازی ایک مقدمہ کمار نے بھی کیا کہ نیرا نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بلا کر مسز آشا کو دھمکی دی اور گھر میں گھس کر مار پیٹ کی۔

چھٹا مقدمہ کمار نے ہائی کورٹ میں نیرا کی طرف سے دی گئی مختلف درخواستوں اور کئے گئے مقدموں کی وجہ سے پیدا شدہ ذہنی تناؤ اور مالی نقصان کے نام پر یہ کہتے ہوئے کہا کہ اس کا ہرجانہ کمار کے مالی مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے، نیرا سے دلوایا جائے ــ

مقدموں کی اس لڑائی میں، پانچواں مقدمہ نیرا کو کمار کے خلاف کرنا پڑا کہ اس نے اپنا نجی مکان اسی شہر میں بنوالیا ہے اور اس لیے وہ یہ مکان خالی کرے۔ ایک اور الگ مقدمہ اس بات کے لئے کرنا پڑا کہ کمار نے پچھلے دو سال سے کرایہ نہیں دیا تھا۔

ساتواں مقدمہ کمار نے کیا کہ مکان کی چھت پر اس کا قبضہ ہے اور اس پر نیرا کو کچھ بھی بنانے کا اختیار نہیں ہے۔

آٹھواں جھوٹا مقدمہ زبانی گواہوں کے حوالے سے کمار نے یہ کیا کہ نیرا کے والد نے اس سے تین ہزار روپے لئے تھے۔

اسے لگا کہ یہ مقدمے اسے صرف خوفزدہ ہی نہیں کرتے، بلکہ اسے مضبوط بھی کر رہے ہیں ایسا کیوں ہے؟۔

وہ اس مدھم سی بات پر غور کرنے لگی جیسے کوئی اہم بات ہاتھ آ رہی ہو۔ اور پھر سوچتے سوچتے نیرا کو ایسا لگا جیسے اس کے ذہن میں کوئی گانٹھ کھل گئی ہو۔ اور اس پر کسی نئی دلچسپ بات کا انکشاف ہوا ہو!

''جو کچھ ہو رہا ہے، اسے پوری شدت سے ہونے دو'
تم صرف اسے دیکھتی رہو''

اور ایک دن تم یہ محسوس کرو گی کہ تم بہت مضبوط ہو گئی ہو، کیوں کہ جب تم کسی چیز کو دیکھتی ہو تو صرف اس کی قوت ہی نہیں، اس کی کمزوریوں کو بھی جانتی ہو۔ اور وہ چیزیں تمہاری اپنی بن

جاتی ہیں، ان کی خصوصیات کو جاننے کے بعد اس کی حرکات وسکنات کو متاثر کرنے پر تمہاری بھی اتنی قدرت ہو جاتی ہے، جتنی تمہارے مخالف کی ہوتی ہے۔ چیزیں بذات خود کسی کی نہیں ہوتیں وہ ان کے اشارے پر حرکت کرتی ہیں، جو انہیں جانتا ہے۔ اور ان کی حرکتوں کو متاثر کرنا جانتا ہے۔ تم تو دوسروں کی حرکتوں اور ان کے خیالات کو خود ان کے خلاف استعمال کرسکتی ہو، ان کی کوششوں کی سمت خود ان کی طرف اس طرح موڑ سکتی ہو، کہ انہیں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ چیزیں اپنے اندر جادوئی خصوصیات رکھتی ہیں۔

ان کی دکھائی دینے والی شکل، ان کے معنی، اور ان کے رشتے کسی ایک وقت میں تو محض ایک سطح سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور کسی چیز کی کون سی سطح ابھر کر سامنے آتی ہے، اس کا انحصار، اس پر ہے کہ وہ چیز کن ہاتھوں میں ہے، لیکن ایک سے زیادہ ہاتھ لگنے سے ان کے اندر ایک نئی سمت پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کی اگلی سمت کا تعین ان دو ہاتھوں کے آپسی رشتہ سے ہوتا ہے کہ ان میں کیسا رشتہ قائم ہے۔

چند روز بعد کمار نے اس کے خلاف کچہری میں دو تین جھوٹے مقدمے کئے، مکان کی چھت کی کرایہ داری کے بارے میں، مکان کی مرمتی کا پیسہ نیرا سے لینے کے بارے میں، اور بصورت دیگر مستقبل کا کرایہ اس میں سے منہا کرنے کے سلسلے میں۔ لیکن جب ان مقدموں کا نوٹس آیا تو نیرا پر ایسا کوئی اثر نہیں ہوا جیسا کمار نے توقع کی ہوگی، بلکہ نیرا نے ان نوٹسوں کو ایسے لیا جیسے اس کا اسے پہلے سے علم ہو، وہ کانوں کان پہلے ہی سن چکی تھی کہ کمار ایسا کرنے والا ہے اور وہ ذہنی طور پر اپنے کو تیار کر کے گویا اس کا انتظار ہی کر رہی تھی۔

وہ کچہری گئی۔ راکیش نیرا کی ایک بڑی بہن کا کلاس فیلو تھا، اور اس ناطے وہ اسے کافی عرصہ سے جانتی تھی۔ جب مقدمات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے اپنا مقدمہ اسی کے حوالے کیا۔ وہ اس دن اپنے مقدموں کے سلسلے میں ہی کچہری گئی تھی۔ دن بھر کچہری میں ہی رہی۔ بہت کچھ سمجھا بہت کچھ باقی رہ گیا۔ شام ہونے لگی۔

'چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔' راکیش نے کہا۔

وہ راکیش کے اسکوٹر پر بیٹھ گئی۔

'کہیں چل کے کافی پیتے ہیں، وہ خاموش رہ گئی۔

'راکیش نے اسکوٹر اوپن۔ پارک کے کینٹین کے پاس جا کر روکا۔ کافی آ گئی۔

راکیش نے رفتہ رفتہ ذاتی نوعیت کی گفتگو شروع کر دی۔

'میں آپ سے بہت قریب محسوس کرتا ہوں۔ کئی دنوں سے آپ کی یاد بہت شدت سے آتی رہی ـــ شام کے وقت گھر لوٹنے کے بعد سناٹوں کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے ـــ اسے راکیش کی یہ بات مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح لگی لیکن وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

دوسرے دن کے لئے کالج کا بہت سارا کام باقی تھا، کافی ختم ہوئی تو نیرا نے کہا۔

میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔

وہ اٹھے۔ وہ اسکوٹر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ لیکن چلتے چلتے راکیش نے اپنی مرضی سے اسکوٹر سنیما ہال کی طرف موڑ دیا۔

'چلو فلم دیکھیں، اس نے نیرا کی جانگھ پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر دبایا اور پھر اسکوٹر اور تیز کر دیا۔ نیرا اسکوٹر کی آواز میں گم اور اس کی رفتار میں گرفتار کوئی احتجاج نہ کر سکی۔ اس نے مزید محسوس کیا کہ وہ مقدموں کی وجہ سے راکیش کے ساتھ عجیب وغریب طرح سے بندھی ہوئی ہے۔ ہال پر راکیش نے جھٹکے سے اسکوٹر روکا۔ اسکوٹر سے اُتر کر کاؤنٹر پر جا کر ٹکٹ لئے، اور نیرا کو عقابی نظروں سے کھینچتے ہوئے اندر چلا گیا، وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

ہال میں راکیش فلم دیکھتا رہا۔'

وہ راکیش کو دیکھتی رہی۔

وہ وہاں کیوں بیٹھی تھی؟

کیا دونوں ایک ہی بات سوچ رہے ہیں؟

اگر نہیں تو ہم آہنگی کے بغیر دونوں وہاں کیوں بیٹھے فلم دیکھ رہے ہیں۔

وہ یکا یک اٹھ کیوں نہیں جاتی؟

اس نے محسوس کیا، وہ کہیں بندھی ہوئی تھی۔

کیا وہ راکیش کے ساتھ کیل سے ٹھونک دی گئی ہے؟

نہیں۔

وہ تو کچھ دیکھ رہی ہے۔

تین چار دن بعد راکیش نے پھر بُلایا تھا۔

ذرا آپ ہی آج چائے بنا دیں گی۔' نیرا کچن میں چلی گئی۔ چائے لے کر آئی تو راکیش اپنا شرٹ اُتارے کرسی پر دراز تھا، وہ چائے پیتا رہا اور نیرا کو گھورتا رہا۔

پھر وہ اُٹھ کر اس کی کرسی کے پاس چلا آیا۔ اور اچانک اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

''یہ آپ کیوں کر رہے ہیں؟ اس کی آواز میں خالص سوال کا لہجہ تھا۔ ردِعمل جذبات سے بالکل عاری تھا۔

'کیوں؟ راکیش کو جھٹکا سا لگا۔

'مجھے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں، نیرا کا لہجہ خالص بیانیہ تھا۔

'ایسی کیا بات ہوگئی؟ راکیش نے اسے اپنے بازوؤں میں کس لیا۔

اور اس کی آنکھوں اور چہرے کو گھورتا رہا جہاں کوئی تغیر نہیں تھا۔

'تم بالکل اکسائیٹڈ نہیں ہو رہی ہو،

'آپ کو میرے اندر کچھ نہیں ملے گا، وہی لہجہ تھا۔

نیرا دوسرے دن پھر راکیش کے یہاں گئی تھی۔

'آپ بیٹھئے۔ میں ذرا نہا کر آتا ہوں،

وہ اپنی فائل دیکھنے لگی۔

غسل کے بعد راکیش آیا۔ صرف تولیہ باندھے ہوئے

'آپ بور تو نہیں ہو رہی ہیں'

'نہیں۔' اس نے نظریں اٹھائیں۔

'راکیش قریب آ کر اسے گھور کر دیکھ رہا تھا جیسے اس کی ساری توجہ اس پر مرکوز تھی،

اور پھر اس کی انگلیوں کے ایک دانستہ جھٹکے سے تولیہ پھسل کر فرش پر گر گیا۔

نیرا کی نگاہیں راکیش کے جسم پر رکی کی رکی رہ گئیں۔

وہ دیکھتی رہی' اسے نہ غصہ آیا نہ حیرت ہوئی۔

نہ کوئی اُلجھن ہوئی'

نہ اپنی بے عزتی کا احساس ہوا' جیسے خود اس کے ساتھ کچھ نہ ہوا ہو۔ صرف کوئی چھپا ہوا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا ہو۔

نیرا — دیکھو — جو کچھ سامنے ہے دیکھو — اپنی نظروں کو جھکنے نہ دو — شرماؤ نہیں۔

اس کو دیکھنا ضروری ہے۔

زندگی کی کتنی ہی سچائیاں یوں ہی تولیہ باندھے گھومتی پھرتی ہیں۔

وہ مطمئن تھی۔ اور اس کی نگاہیں ٹھوس ہوگئی تھیں۔

اسے ایک روحانی خوشی سی ہوئی کہ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ایک دل شکن گھناونی حقیقت غیر متوقع طور پر اس کے سامنے آئی تھی، لیکن اسے دھوکا کھا جانے کا احساس نہیں ہوا۔ ورنہ وہ مسلسل چوٹیں کھاتے کھاتے اب مسلسل سہمی سہمی سی رہنے لگی تھی۔

دیکھو نیرا — اور تب تک دیکھتی رہو جب تک تمہارے اندر سے چونکنے والی بات ختم نہ ہو جائے۔ اور وہ دیکھتی رہی — اور اس وقت تک دیکھتی رہی جب — اسے لگنے لگا کہ وہ ایک معمولی بات دیکھ رہی ہے۔

یہی دنیا ہے۔ نیرا، اس نے اپنے آپ سے پورے یقین سے کہا۔

'آپ چاہیں تو تولیہ باندھ لیں۔ یہ ایک نازیبا حرکت ہے۔ دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مجھے معلوم تھا کہ تولیہ کے اندر کیا ہے۔

راکیش کو محسوس ہوا کہ وہ واقعی بیوقوف ہے۔ اور خواہ مخواہ ننگا کھڑا ہے۔ اس نے جھک کر تولیہ اٹھالیا۔

نیرا کو تولیہ اٹھانے کے لئے جھکتے ہوئے راکیش پر رحم سا آ گیا۔

'آپ نے یہ حرکت کیوں کی۔ آپ کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیئے۔ آپ نے کیا سوچ کر ایسا کیا'؟ اس نے نرمی سے کہا۔

'آئی۔ ایم۔ سوری، راکیش کی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے۔

راکیش کے یہاں سے واپس آنے کے بعد کچہری کا منظر اس کی آنکھوں میں چہرہ در چہرہ ابھرنے لگا، اسے یہ پورا منظر ڈروانا لگنے کے بجائے دلکش لگا۔ اس کا جو جی چاہا کہ کچہری میں مقدمے بڑھتے ہی جائیں، اور ان کا جال اتنا پھیل جائے کہ اس میں سے اس کے نکلنے کی کوئی

صورت باقی نہ رہے تا کہ وہ ٹھیک ان مقدموں کے بیچ کھڑی ہو کر اپنی اس پوری قوت سے اس پورے نظام کے ایک ایک پہلو سے برسرِ پیکار ہو کہ وہ اس عمل کے دوران میں اس کے ایک ایک خدوخال کو ان کے نقوش اور رنگوں کی باریکیوں کے ساتھ جان جائے، اور وہاں کا سب کچھ اسے جانا پہچانا سا لگنے لگے کہ میری زندگی کا یہ پہلو، یعنی، کچہری، جو ایک ایسی لازمی چیز ہے کہ میری زندگی میں آنے کا پورا پورا اختیار رکھتی ہے، اور اس طرح اس سے میرا ایک تعلق ہے وہ میرے لیئے اجنبی نہ رہ جائے اور اس سے اتنی گہرائی میں اُلجھ کر سب کچھ دیکھ لوں کہ کچھ دنوں بعد کمار یہ محسوس کرنے لگے کہ اس کا یہ خیال کر وہ مجھے کچہری میں کھینچ کر لے جائے گا اور جس خیال پر اسے بڑا اعتبار ہے، اور جس سے وہ بہت خوش ہوتا ہے، بے معنی ہو کر رہ جائے اور اس کو وہ میری حوصلہ شکنی کرنے کے لئے استعمال نہیں کر سکے۔ نیرا یہ سوچتے ہوئے اپنی جگہ بالکل اکھڑی اکھڑی سے محسوس کر رہی تھی لیکن یہ بھی گہرائی سے محسوس کر رہی تھی کہ وہ جہاں سے اکھڑی اکھڑی محسوس کر رہی تھی دراصل وہاں اس کی جڑیں مضبوط ہو ہی نہیں سکتی تھیں اور اسے اپنی جگہ مضبوط ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان تمام سمتوں میں مضبوط اور بسی ہوئی ہو جن سمتوں میں اس کو ڈھکیلنے اور گرانے کی کوشش کی جا سکتی، اور کچہری ایسی ہی ایک جگہ تھی، جو کھائی کی طرح اس کے اردگرد میں ہی موجود تھی انہیں اردگرد میں جہاں تھانہ بھی بستا تھا اور پڑوسی بھی بستے تھے، اور ناداری بھی بستی تھی اور مانند سراب بھٹکتے چلے جانے والے رشتے بھی بستے تھے اور وہ گنڈمڈ پہاڑیاں بھی بستی تھیں جن میں رشتے کھو جاتے تھے، اور اسے لگا کہ اس کے مکان کی چھت آسمان تک اٹھ گئی ہے اور اس کی دیواریں پہاڑی نما افق سے اس چھت سے ملی ہوئی ہیں، ان دیواروں پر عدالتوں کی بڑی بڑی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور ان تصویروں میں بنے ہوئے انسان چلتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اور وہ دیواریں دیوار نما ضرور ہیں لیکن یہ عجیب وغریب دیواریں ہیں کہ چھت ان کے اوپر کھڑی ہے لیکن وہ دیواریں عمارتیں بن گئی ہیں اور کہیں پہاڑیاں بن گئی ہیں اور کہیں کہیں اس میں بڑے بڑے سیاہ دروازے ہیں جو گپھاؤں کی شکل کے ہیں، اور جن کے آگے عجیب عجیب نئی دنیائیں آبادی دکھائی دیتی ہیں، سوچتے سوچتے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اسے لگا کہ اور کچھ نہیں ہے بس ایک زندگی کا بوجھ ہے جو وہ ڈھوتی جا رہی ہے، اور وہ بے حد تنہا ہے، اور اس کی زندگی بھی کیا ہے کہ اس قدر جدوجہد ہے اور اس کے باوجود وہ پیدائش اور موت کے درمیان کھلی

ہوئی ایک آنکھ کی طرح ہے کہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ ہے لیکن اس کی معیاد مقرر ہے، اور اس سے آگے اس کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ اپنے چاروں طرف اس کا کوئی اختیار ہے، اور وہ دراصل ایک حباب کے مانند ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اس کے اپنے ہونے کا اتنا زبردست اور مکمل احساس محض ایک گہرا فریب ہے جس سے نجات کے لئے کہ اس پر اس کی آنکھ نہیں کھلے، وہ مختلف چیزوں میں اپنے کو مشغول رکھتی ہے، اور یہ ساری مشغولیت اپنے کو دھوکے دینے کے لئے ایک آئینہ کی طرح ہے، جس میں وہ اپنی شکل دیکھتی رہتی ہے، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں ہے اور وہ محض آئینہ میں دکھائی دینے والا عکس ہے۔ اور یہ سب کچھ جو وہ دیکھ رہی ہے وہ محض تماشہ اور زندگی ایک کھیل ہے اور اس کھیل میں جیتنے یا ہارنے کا احساس ہی اس کی روح ہے، اور اسی روح کی گہرائی میں کہیں اس کی بقا مضمر ہے۔ کہ لہروں کی طرح ڈوبتے اور اتراتے رہنے کا احساس ہی دائمی ہے اور اس احساس کی لہریں ہی ہر چیز کی اصل ہیں۔ نیرا محسوس کر رہی تھی کہ اس کی زندگی کے نقوش اب اور تیزی سے یکے بعد دیگرے بدلنے لگے تھے — چند ماہ پہلے اس کے ذہن میں جو آتش فشاں پھوٹا تھا، اور جس نے سب کچھ جلا کر رکھ دیا تھا، اس کی ایک ایک چنگاری سے سورج پیدا ہو رہا تھا اور الوک بھی ان چند سورجوں میں سے ایک تھا ——

اپنی زندگی کے اس دور میں جب وہ اندھوں کی طرح چل رہی تھی لوگ اسے اپنے اشاروں پر دوڑاتے تھے اور وہ چوٹ کھاتی تھی تو ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھی — لیکن اب یہ چوٹیں، اور یہ دوسروں پر بھروسہ کرنا، ایک کھیل، ایک لذت آمیز عمل بن گیا تھا، اور جیسے جیسے وہ اس آندھی کے ساتھ تیز حرکت میں آ رہی تھی، ویسے ویسے اس کو لگ رہا تھا کہ اب وہ ایک رقاصہ کی طرح دوسروں کے لیے سب کچھ کر رہی ہے، وہ اپنے آپ سے باہر نکل آئی تھی اُسے ناچنے دوڑنے، بھاگنے اور تھکنے میں لذت مل رہی تھی ——

وہ دوسروں کے ساتھ ایک ہوتی چلی گئی، سب اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔

☆☆

۱۱

کمار کے یہاں بچے کے جنم دن کے فنکشن میں مختلف قسم کے لوگوں کا ہجوم جگمگا رہا تھا، خصوصاً اس میں شالیمار کلب کے ممبران تھے، کمار اس کا پریزیڈنٹ تھا۔ وکیل، ڈاکٹر، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، پراپرٹی ڈیلر، سیاست گر، پروفیسر، فلم ساز، ٹریولا یجنٹ مین پاور ایجنٹ جوڈیشیل افسر، پولس افسر، ایڈمنسٹریشن کے افسر، کارپوریشن کے عہدے داروں سے لے کر آرٹسٹ، میوزیشین، مذہبی رہنما — ہر قسم کا چہرہ موجود تھا۔

یہ انسانوں کا درخت تھا جو اپنی قوت سے بڑھ رہا تھا۔

اس کی اپنی جڑیں اس اور اپنی شاخیں اور اپنی فضائیں تھیں، سب پتوں کی طرح، اس کا حصہ بن گئے تھے۔

لیکن وہ جس درخت کا حصہ بن گئے تھے، وہ خود کہاں سے نکلا تھا اور کہاں پہنچنا چاہتا تھا یہ انہیں نہیں معلوم تھا۔

وہ جاننا بھی نہیں چاہتے تھے، وہ بس اسی بات پر مطمئن تھے کہ اس درخت کے ساتھ ان سب کی — شاخیں بھی کھلی ہواؤں میں اور دھوپ کی روشنی میں بلند ہوتی جا رہی تھیں، اور ان کی جڑیں مٹی کی تاریکی میں گہری ہوتی جا رہی تھی۔

پورا شامیانہ خوش لباس لوگوں کی جھرمٹوں سے جگمگا رہا تھا۔

وھسکی کے گلاس تیرنے لگے، گفتگوؤں اور تبصروں کا سلسلہ تیز تر ہوا۔

'ان سے ملئے' یہ بہت کام کے آدمی ہیں، یہ میونسپلٹی میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں لیکن

ان کے بڑے بھائی مسٹر کھنا سکریٹری ہیں، منسٹری آف...... ہاں ہاں ان کو جانتا ہوں، میرے لئے کوئی سیوا ہو تو بتائیے گا، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، کئی نگاہیں اس آفس سپرنٹنڈنٹ پر مرکوز ہوگئیں، اور کئی نگاہیں اسے چاروں طرف سے رجھانے لگیں، —— اور یہ ہیں پریزیڈنٹ سبزی منڈی — ان کے تعلقات کونسلر دگل سے ہیں، اور یہ — اور ان سے ملئے —— اور اب آپ آیئے، ان سے ملواؤں، یہ اپنی محنت سے اٹھے ہوئے آدمی ہیں، پہلے سبزی کا کاروبار شروع کیا تھا، پھر شملہ سے دلی سیب بھیجنے کا کنٹریکٹ لیا، اس میں بہت اسکوپ ہے اگر آدمی ذہین ہو، دوسروں کے لئے روشن مثال ہیں۔

'یہ کیسے'؟ اسے سب یوں دیکھنے لگے جیسے ایسے علم کی تو سب کو تلاش تھی۔

'شملہ سے رپورٹ بھیج دی کہ برف باری سے سڑک بند ہونے سے سیب راستے میں خراب ہوگئے ...... اب انھوں نے پلاٹوں کا کام شروع کیا ہے، پہلے سے معلوم کر لیتے ہیں کہ کون سا — پلاننگ کے باہر کا علاقہ اب پلاننگ میں شامل ہونے والا ہے، وہاں پلاٹ خرید لیتے ہیں یہ کیسے معلوم کر لیتے ہیں؟ اجی معلوم کیا کر لیتے ہیں، آفس کے لوگ خود فون کر کے بتا دیتے ہیں،

اور ان سے ملئے ......

اور ان سے آپ مل کر بہت خوش ہوں گے، یہ ......

یہ ہیں، بہت بڑے ساہوکار بس یوں سمجھ لیجئے، ان کا اپنا پرائیوٹ بنک ہے۔ دو تین شراب کے ٹھیکے ہیں، اور چھ سات کوٹھیاں ہیں، ایک بہت بڑا فارم ہے، جہاں سوئمنگ پُل وغیرہ سب کچھ ہے، اور اس کے علاوہ —

'وہ سب کچھ ہے، جو آپ بھی نہیں جانتے، اشوک نے خود ہی اپنا تعارف کرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

اور ان سے ملئے ان کی بہت بڑی نرسری ہے، غیر ممالک کے سربراہوں کے محلوں تک میں ان کے یہاں سے پودے اور پھول بذریعہ ہوائی جہاز جاتے ہیں، —— ایسے پودے جو صرف ایرکنڈیشنڈ میں ہی زندہ رہتے ہیں۔

لوگوں کے چہرے اب پانی میں ڈولتے ہوئے عکس لگ رہے تھے۔

شراب گلاسوں میں اچھلنے لگی تھی، گلاس زیادہ ملنے لگے تھے۔

'اور یہ ٹنٹ ہاؤس والے ہیں، جتنے بڑے فنکشن ہوں سرکاری یا سیاسی یا گھروں پر ان میں سب کچھ انہیں کے یہاں سے جاتا ہے۔

اور آپ اور لیجئے؟

سوڈا یا پانی؟ برف؟

'یہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں، یہ ٹیکسوں کے ماہر ہیں،

'ٹیکس تو متعین ہوتے ہیں، اس میں آپ کیا کرتے ہیں،؟

اجی آپ تو بالکل ہی نرے ہیں—ان کو آپ بتایئے شرما صاحب—

'اور آپ کا وہ نیا مکان بن گیا؟' باجوا نے کمار سے پوچھا'

'ہاں'

'تو جس مکان میں آپ رہ رہے ہیں اس کا کیا کرنے جا رہے ہیں بیچنے کا ارادہ ہے؟

'میں خریدنا چاہتا ہوں۔'

'نہیں ابھی کچھ دنوں رکھنے کا ارادہ ہے'

'ویسے بھی تو آپ نے اس مکان کی ضمانت پر قرض لیا ہے، تو جب تک قرض واپس نہیں کرتے مکان بیچ کیسے سکتے ہیں، ستارہ بنک کے برانچ منیجر نے کہا۔

لیکن یار آپ کا جھگڑا تو کچھ دوسرے قسم کا تھا نا، وہ لڑکی نیرا مالک مکان ہونے کا دعویٰ کر رہی تھی— کمار کی آنکھوں میں ساری پرچھائیاں منجمد ہو گئیں۔

'آیئے اب کھانا کھانے چلتے ہیں، سبھی ڈگمگاتے ہوئے چل دیے۔

☆

تھوڑے ہی عرصہ میں نیرا یہ محسوس کرنے لگی کہ سب کچھ ویسا ہی نہیں تھا جیسے اسے دکھائی دیتا رہا تھا بلکہ بہت سی چیزیں ویسی بنتی گئی تھیں جیسی وہ خود تھی یا جیسا وہ ہونا چاہتی تھی، جیسے وہ ایک لمحہ آیا تھا کہ پڑوسی تقریباً دشمنی پر اُتر آئے تھے لیکن تھوڑی دیر بعد مطمئن ہو کر لوٹے تھے، وکیل پوری فیس لیتا تھا لیکن وہ کم پیسے پر اس کا مقدمہ لڑنے کو تیار ہو گیا تھا۔ کمار کا ہائی کورٹ والا مقدمہ انتہائی تباہ کن تھا لیکن اس مقدمے کے بھیانک نقوش اور چہرے کو بھی اس نے اپنے

سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یوں ایک ہی جگہ رہتے ہوئے وہ اپنی ساخت کو بدل کر اپنے اردگرد کو متاثر کر سکتی ہے۔ میرے ہاتھ میرے اردگرد کی بہت ساری چیزوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ میرا کیریر، میرا گھر، میری خواہشات، میرا طرز زندگی—یہ سب تالے ہیں جن کی چابی ابھی کسی اور کے پاس ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ میں اس سے فرار حاصل نہیں کر سکتی اور اس مفروضہ کی بنیاد پر وہ میرا استحصال کر رہے ہیں۔ اگر میں اس تالے کی چابی حاصل کر لوں تو کیا ہوگا؟ اور کروں گی۔

یہ تالا کیا ہے؟ یہ نظریوں اور رشتوں کا تالا ہے جس کے ساتھ ساتھ میری پرورش ہوئی ہے اور جنہیں میں نے اپنا رکھا ہے۔ صرف انہیں کے ذریعے زندگی کی ضروری چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ تحفظ، آرام و آسائش، عزت اور بقا۔ اس سے یہ ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ صرف انہیں کے ذریعے کیوں؟ اس لئے کہ مجھے کسی اور ذریعہ کا علم نہیں ہے۔

یا اس لیے کہ میں اس کا بدل تلاش نہیں کر سکتی۔ اس جانور کے ساتھ کیا ہوتا ہے جو پانی سے نکل کر صحرا میں رہنے لگتا ہے؟ وہ کیسے اپنی ضروریات کو حاصل کرتا ہے؟ میں بھی ایسا کر سکتی ہوں۔

میں ناگزیریت کے تالے میں مقفل نہیں ہوں۔ میں اپنی مرضی سے اپنے کو جب چاہوں، آزاد کر سکتی ہوں۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

وہ میڈیکل کی ایک ذہین طالبہ تھی—اسے وظیفہ ملتا تھا— آج اسے لگا کہ پہلی بار اسے اپنے معاملات و مقدمات میں اپنی ذہانت کے بھرپور استعمال کا موقع مل رہا تھا، جب وہ اپنی ذہانت سے اپنی زندگی اور تقدیر کی سب سے بڑی لڑائی لڑ رہی تھی——

اس نے غور کیا—

یہ مکان تمہاری ملکیت ہے۔ تم اس مکان کی مالک ہو۔ یہ دوطرفہ رشتہ ہے کہ مکان تمہاری ملکیت ہے اور تم مکان کی مالک ہو اور اس طرح مکان تمہارے ساتھ مقفل ہے۔ اور تم مکان کے ساتھ مقفل ہو۔ لیکن مکان کے ساتھ تمہارا رشتہ ایک الگ ہی چیز ہے۔ اور یہ تمہارے اور مکان کے علاوہ تیسری چیز ہے۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اس وقت بالکل فلسفی ہو گئی تھی لیکن وہ یہ

بھی محسوس کر رہی تھی کہ اس وقت یہ سوالات اس کے لئے فلسفہ نہیں تھے بلکہ وہ ذہنی جدوجہد اور کش مکش کی راہ تھے جس سے گزرنے میں ہی اس کی بقا مضمر تھی۔ اور اس رشتے کی شکل کیا ہے؟ یہ رشتہ تمہاری زندگی کو کیسے متاثر کر رہا ہے۔ اور اس تالے کو رکھنا ہے یا توڑنا ہے۔ اہم بات اس رشتہ کا کردار ہے۔ ایک مغنی گانے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ گانے کو گاتا ہے۔ ایک کھلاڑی کھیل کا مالک نہیں ہوتا، وہ کھیل کھیلتا ہے۔ زندگی سے ہمارا دائمی رشتہ یہی ہے۔

میرے رشتہ دار — میرے قریبی دوست — سریو استو انکل، سونیا۔

میں ان سب کو بتاؤں گی کہ وہ کیسے مجبوری اور بے بسی کی زنجیریں کاٹیں، کہ تالے کی چابی کہاں ہے۔

میرے منصوبہ میں میرے اس مکان کا کردار اب ایک پرآسائش زندگی اور کاروبار کے لئے معاشی وسائل فراہم کرنے کا نہیں ہوگا۔ یہ مکان — اس کی قیمت اور جو پیسہ اس پر مل سکتا ہے اب وہ میرے ہاتھ کی تلوار بنے گا۔ اور بینک میں شادی کے انتظامات کے لیے رکھا روپیہ اب شادی پر نہیں بلکہ مقدمات پر، اور میری ماں کی دیکھ ریکھ پر اور میری تعلیم اور میرے کیریر پر خرچ ہوگا۔

اور میرا دن رات کا وقت — جو اب تک سماج کے مختلف لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مقدموں کے بارے میں سوچتے رہنے میں خرچ ہوتا تھا، وہ اس دنیا کے بارے میں جس میں ہم رہتے ہیں، سائنسی طریقے سے قابل استعمال اور مفید علم اور تجربہ حاصل کرنے میں صرف کروں گی۔

میں اپنے اس وقت اور توانائی سے جو کچہری میں صرف ہوتا ہے، کمار کو کچہری میں بار بار بلاؤں گی۔ اس کا وقت بہت قیمتی ہے۔ اگر میرا ایک دن خراب ہونے سے مجھے پچاس روپیہ کا نقصان ہوتا ہے تو اس کا ہزار روپیہ کا نقصان ہوتا ہے۔ اور میں اپنے تجربات دوسروں کو دے کر ان سے بدلے میں مدد لوں گی۔

کمار سے لڑنے کے سلسلے میں لوگوں کو سمجھنے میں جو بہت پیچیدہ تھے توانائی صرف ہوتی تھی میں صرف تھکتی تھی۔ لیکن اب میں اس تجربہ کا استعمال اپنے اور دوستوں کی کاروباری زندگی میں کروں گی۔

اور کمار کی پیدا کی ہوئی پریشانی میرے لئے زندگی کو زیادہ جاننے، سیکھنے، اور زندگی میں زیادہ مضبوط ہونے میں معاون ہوگی۔

کمار سے اس کی لڑائی بڑی عجیب سی لڑائی ہے۔ یہ کمار کی دولت اور میری تخلیقی قوتوں کی لڑائی ہے۔ اب تک میں صرف اس لیے پریشان ہوتی رہی ہوں کہ میں کمار کی دولت سے لڑتی تھی؟

کمار کا حربہ کیا ہے؟

اس کا تقریباً تیس لاکھ کا کاروبار ہے اور پندرہ ہزار روپیہ ہر ماہ اس کی آمدنی ہے۔ وہ پیسے سے کام کرانے کا ماہر ہے۔ وہ پیسے خرچ کر کے سیاسی طاقت بھی بنائے رکھتا ہے اور اس کے کلب میں ہر کاروبار اور ہر پیشہ کے لوگ آتے ہیں۔ اس مکان کو حاصل کر کے چار لاکھ روپیہ کا فائدہ اٹھانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ خرچ کر دینا اس کے لیے محض کاروبار ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس کا اندازہ سیدھا سادہ تھا — اگر وہ ایک روپیہ خرچ کرے گا تو اسے تین روپئے کا فائدہ ہوگا۔ یہ منصوبہ ہر اعتبار سے ٹھوس تھا۔

نیرا نے اس عرفان کے ساتھ محسوس کیا کہ اس نے مکمل اختیار، خلاق اور تخلیقی علم کا سرچشمہ دیکھ لیا ہے۔ اور اس پر ایک قدرے متحیر کرنے والی بات منکشف ہوئی ہے کہ وہ چشمہ اس کے اندر سے بھی نکلتا ہے۔ اس کی چشمہ کی روانی صرف اس حدود بندی سے رکی تھی، جو اس نے خود اپنے تخیل پر عاید کر رکھی تھی۔

نیرا نے کمار کا تصور کیا تو وہ اس کے سامنے بہت ہی چھوٹا ہو کر رہ گیا تھا کیوں کہ اس کی زندگی زیادہ ٹھوس تھی اور زندگی کے باہری ڈھانچے سے اس کی وابستگی اور اس پر اس کا انحصار نیرا کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا۔ اس کی توجہ کا زیادہ تر حصہ اس باہری ڈھانچے کو آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ اس کے اوپر وہ خطوط برتری حاصل کر چکے تھے جن خطوط کی اس سماجی نظام میں ایک مستقل شکل تھی۔ اور جو حاصل کی جا چکی چیزوں کے منجمد حالت میں ہو جانے کی پہچان ہوا کرتے تھے۔ نیرا کو لگا کہ جیسے وہ خود خالقِ کائنات کی طرح ہی ایک چیز ہو جس کے اندر یہ قوت موجود ہو کہ جو اپنے آپ کو ایک لامحدود شخصیت میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، جو ہر چیز پر حاوی ہو سکتی ہو۔ کمار اس کے سامنے بہت ہی چھوٹا ہو کر رہ گیا۔ وہ خالق نہیں تھا۔ وہ صرف ایک آلۂ کار تھا۔

وہ اپنے رشتے بدلنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔

ایک منجمد انسان۔

وہ سوچ رہی تھی سوچوں کی دنیا میں گم تھی۔

اور کمار پسِ منظر میں گھوم رہا تھا۔

اُدھر صرف دو ماہ کے عرصہ میں نیرا کو زندگی ایک بالکل نئی شکل میں دکھائی دینے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ توڑ جوڑ سے وہ کچھ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ جب جنگیں ہوتی ہیں تو اچھے اسلحے بنانے کے لئے اچھی اسٹیل کی ضرورت ہوئی ہے۔ لیکن اس بہتر اسٹیل بنانے کے طریقوں کی ایجاد کے فائدے صرف اس جنگ تک ہی محدود نہیں ہوتے، وہ صنعتی انقلاب میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جنگ کے دباؤ سے گزری ہوئی قوم بہت کچھ بدل چکی ہوتی ہے واقعات ختم ہو جاتے ہیں لیکن تبدیلیاں لافانی شکل اختیار کر لیتی ہیں صنعتی انقلاب، رائتی انقلاب عالمی تاریخ اور حیاتیاتی ارتقا کی تاریخ اسے کئی جگہ سے یاد آ گئی۔ اس کی زندگی میں بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔

وہ جو بدل رہی تھی،

اس تبدیلی میں کمار صرف پہیہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس نے اپنے اکاؤنٹ کے روپیوں اور زیورات کا تخمینہ کیا۔ کمار کے ساتھ ہوئے مقدموں کے لئے پچاس ہزار روپے خرچ کر دوں تو؟ دس ہزار وہ کسی آدمی کو اس بات کے لئے تیار کرنے پر خرچ کر دے کہ وہ مکان کی دیکھ ریکھ کرے۔ اور بتا تا رہے، دس ہزار روپیہ میں وہ ایک کمرہ کچھ دنوں کے لئے کرایہ پر لے کر وہاں ماں کو رکھے گی اور خود بھی وہیں رہ کر اطمینان سے مطالعہ کرے۔ دس ہزار روپیہ خود اپنی تعلیم پر خرچ کرے۔ اور چھ ماہ بعد میڈیکل کی تعلیم مکمل ہوتے ہی وہ تیس ہزار روپے خرچ کر کے مڈل ایسٹ چلی جائے۔ وہاں سے اپنی آمدنی سے ماں کے لئے اخراجات بھی بھیجے گی اور کمار کے مقدمات سے بھی نپٹے گی۔ اور وہ یہ سب کچھ حالات کا جائزہ لیتی ہوئی حسب ضرورت کرتی جائے گی۔

اب نیرا کو کمار اور مسز کمار سے اُلجھن ہونے لگی۔ تھانے اور کورٹ کے تصور سے اسے ابکی آنے لگتی۔ وہ ان کے بارے میں اب سوچنا تک پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے اندر ہو رہا تھا۔ لیکن باہر اب بھی موسم وہی تھا۔

ایک دن نیرا اپنی چار پانچ سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی گپ شپ مار رہی تھی۔ اسی دوران

عدالت سے ایک سمن لے کر ایک سپاہی آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ پر سمن لیا اور ہاتھ میں لئے ہوئے واپس آئی۔ کاغذ اس نے کونے میں رکھی میز پر ڈال دیا۔

'یہ کیا ہے نیرا؟'

'کچھ نہیں'۔

'کچھ کیوں نہیں؟ تم بتاتی نہیں'

'کورٹ کا سمن ہے۔ شام کو فرصت سے دیکھوں گی'

وہ اب اپنی بنائی ہوئی اس چھوٹی سی دنیا میں، ایک اطمینان، سکون اور تحفظ محسوس کر رہی تھی — ایک الگ تھلگ — اس کی اپنی دنیا!

اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرے گی تو الگ کمرہ خود ہی کرایہ پر لے گی اور وہیں رہ کر سب کچھ کرے گی۔ ایک پر سکون تنہائی جہاں وہ کھل کر سب کچھ سوچ سکے اور جہاں سے تب وہ ایک کھلی نگاہ پوری دنیا پر ڈال سکتی تھی۔ اور یہ مل جانے پر اسے کسی اور کی مدد کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔'

سوچتے سوچتے نیرا کو ایسا لگا کہ اس کی تمام پریشانیوں کی جڑ اس کا بکھراؤ ہے۔ وہ ہمیشہ ایک غیر یقینی کی ہی فضا میں رہی۔ اس نے کبھی اپنے اندر وہ خود اعتمادی محسوس نہیں کی کہ وہ تمام چیزوں کو جانتی ہے۔ وہ اپنے، دوسرے لوگوں اور کائنات کی چیزوں کے آپسی رشتہ، اور بیرونی چہرے کو صاف صاف کبھی نہیں دیکھ پائی اور ان کی اندرونی ساخت اس کے لئے ہمیشہ ایک معمہ رہی۔ پوری زندگی کی ساخت ایک گہری پر اسراریت میں ڈوبی رہی۔ وہ اپنے سے متعلق تمام باتوں کو ایک نگاہ سے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی، اور اسے یہ احساس ہوتا رہتا کہ زندگی بہت بڑی تھی، اور وہ بہت چھوٹی سی، اور زندگی چاروں طرف اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ اس میں وہ ایک بھٹکی ہوئی بچی کی طرح ہے۔ اسے اکثر کوشش کرنے کے بعد لگا کہ زندگی چاروں طرف ہے اور وہ چونکہ صرف ایک سمت میں دیکھ سکتی ہے اس لیے زندگی پر گرفت ممکن نہیں۔ لیکن آج وہ اس کو اپنی نگاہوں کے زاویے میں مکمل طور پر لانا چاہتی تھی۔ اس نے جو اپنی نگاہوں کے سامنے اور چیزوں کے اوپر جو پردے کے اوپر پردہ پڑا ہوا دیکھا تھا، اس کو بھی وہ ٹھیک سے پہچان لینا چاہتی تھی تا کہ سب کچھ اس کے سامنے ہو اور ایک ٹھوس شکل میں ہو۔ اب تک وہ اپنی زندگی میں ہونے والے اور

اپنے معاملات میں آنے والے ایک ایک فرد اور ادارے کو تنہا تنہا جانتی گئی تھی، اور جس قدر جانتی گئی تھی اس قدر اپنے کو مضبوط ہوتا ہوا محسوس کرتی گئی تھی، لیکن اب وہ پوری سوسائٹی کو ہی نہیں، پوری کائنات کو اس کی کمر کی ریڑھ کی ہڈی پکڑ کر اسے دبوچ لینا چاہتی تھی، وہ نیر، کمار، الوک — ایک قطار میں سب کو کھڑے کرکے صاف صاف دیکھنا چاہتی تھی، آج وہ ان سب کے ذریعہ ان خطوط تک، ان رشتوں تک پہنچنا چاہتی تھی، جو ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، تاکہ ان کو پکڑ کر وہ چیزوں کو جان سکے — اس نے اب تک کمار کو ڈیل کیا تھا، راکیش کو ڈیل کیا تھا، وکیل، عدالت، اور مقدموں کو ڈیل کیا تھا، اپنے مقدموں کی روشنی میں اپنی ذاتی زندگی کی گہری چھان بین کی تھی، لیکن اب بھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ چیزوں کے ٹکڑوں کو دیکھتی رہتی ہے، اور ٹکڑوں کے پیچھے لڑھکتی بھاگتی رہتی ہے، وہ کیوں نہ اس مکمل وجود کو پکڑ لے، تاکہ اس مکمل وجود کے ساتھ بھی ڈیل کرنے میں وہ اسی طرح کامیاب ہو جائے جیسے ٹکڑوں کے ساتھ کامیاب ہوئی تھی۔ وہ اب تک مکمل وجود کی حرکتوں کو کئی جگہ جھیل چکی تھی، اور اب بھی جھیل رہی تھی، وہ اسے کافی حد تک جان چکی تھی، اور جس طرح وہ ٹکڑوں کو سمجھ کر ان پر اس طرح حاوی ہو گئی تھی کہ وہ ٹکڑے اس کے اپنے بن گئے اس طرح مکمل کو بھی جان کر، اس پر حاوی ہوا جا سکتا ہے۔

وہ غور سے دیکھنے لگی، سب کو ایک ساتھ — لیکن جیسے ہی وہ ایک نقطہ سے کھڑی ہو کر، مکمل کی جڑوں کے قریب پہنچنے لگی ویسے ہی حیرت انگیز طریقے سے سارے ٹکڑے اپنی شکل بدلنے لگے۔

ایک دن کمار کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

یہ لڑکی — اس طرح نہیں سوچتی جس طرح دوسرے سوچتے ہیں۔ یہ لڑکی مقدمہ لڑنے پر تلی ہوئی ہے۔ پچھلے چھ ماہ میں اس کے ارادہ میں کمزوری کے بجائے مضبوطی آتی گئی ہے۔ جذبات میں آدمی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن پھر جلد ہی آگے پیچھے دور دور تک دیکھنے لگتا ہے — اور لڑکیاں تو عام طور سے حقیقت پسند ہوتی ہیں اور بہت جلد حالات کو پہچان کر اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیتی ہیں، — اس نے سوچا تھا کہ نیرا کے ذہن میں تناؤ اور بکھراؤ پیدا ہوگا اس کی پڑھائی خراب ہونے لگے گی لیکن وہ سب الٹا ہونے لگا، اس نے اپنی ماں کو دور بھیج دیا، وہ خود اپنے ہاتھوں سے کھانا بنانے لگی، اس کا وقت ضائع ہوتا ہے، لیکن وہ اکتاتی نہیں۔ اور ایک بار بھی اس

نے کسی سے کچھ نہیں کہلوایا۔

بلکہ — میں نے خود ہی چار پانچ بار مختلف لوگوں کو یہ سمجھا کر بھیجا تھا کہ وہ بغیر میرا حوالہ دیے ہوئے نیرا سے بات کریں اور یہ امید دلائیں کہ وہ اس جھگڑے کا نپٹارا کروا دیں گے — وہ ناکام رہے نیرا نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے خود ہی لوگوں کو نیرا کے پاس کیوں بھیجا تھا۔ اتنی جلدی کیا تھی؟ عجلت کا یہ احساس کہاں سے جنم لے رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے اپنی کامیابی پر شک ہے اور یہ شک ہی اب ایک مہلک اذیت بن کر میرے اندر کسی چیز کو کھا رہا ہے، اس کا تخیل اس کے اپنے اور نیرا کے درمیان جھول رہا تھا۔

جب نیرا کی تھانے میں سنوائی نہیں ہوتی تھی تو لوٹتے وقت وہ اداس اداس دکھائی دیتی تھی اور بعد میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا لیکن اب جب بھی جھگڑا ہوتا ہے، وہ فوراً تھانے اور ہسپتال پہنچ جاتی ہے اور رپورٹ کی کاپیاں عدالت میں جمع کر دیتی ہے۔ وہ شہادت بناتی جا رہی ہے، وہ انتہائی چالاک اور سمجھ دار نیرا بن گئی ہے۔ وہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تھانے اور عدالت کی کاروائیوں پر حاوی ہونا چاہتی ہے اور اس نے ان شہادتوں کی بنیاد پر ایک درخواست سرکار کو بھی بھیجی ہے — اور یہ ساری شہادتیں — یہ رپورٹیں کہاں سے مضبوطی حاصل کر رہی ہیں؟ وہ خود میری ہی زیادتیوں اور کوششوں اور اسکیموں میں خامیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر میرے خلاف استعمال کر رہی ہے۔

لگتا ہے اب اس کے گھر آنے والوں میں ایسے ایسے لوگ ہیں جن سے ٹکرانا ممکن نہیں اور جن کو دھمکی دینا نقصان دہ اور خطرناک ہو سکتا ہے — مثلاً۔ ایک گاڑی جس میں ایک لڑکی آئی تھی، اس گاڑی کا رجسٹریشن نمبر لکھ کر جب اس نے محکمۂ ٹرانسپورٹ سے مالک کا نام پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ گاڑی کسی ہائی کورٹ کے جج کی بیوی کے نام ہے — اب پتہ نہیں، وہ گاڑی واقعی اب بھی جج کی بیوی کی ہے اور وہ لڑکی جج کے گھر کی ہے یا کسی اور نے یہ گاڑی خرید لی ہے ——

لیکن وہ کس بات سے تشویش میں پڑ گیا ہے؟

اس وسعت سے،

جو نیرا کے چاروں طرف پھیلتی جا رہی ہے؟ کیسی وسعت؟

اس کے تعلقات کی؟

اور اس کے اردگرد،

پھیلتے ہوئے امکانات سے پیدا بے یقینی کی فضا کی وسعت؟

ہاں وہ صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

اور اس نے تو نیرا پر حاوی ہونے کا منصوبہ ہی اس بنیاد پر بنایا تھا کہ وہ اس کو چاروں طرف سے ناپ تول سکتا تھا۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔ وہ یہ تعلقات بنا کیسے رہی ہے؟۔۔۔ یہی تعلقات بنانے کے لئے مجھے ہزاروں ہزار روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں، ورنہ میرے یہاں کوئی نہ آئے، لیکن اس میں کیا کشش ہے؟ وہ تو صورت سے بھی اتنی سنجیدہ اور مسائل میں ڈوبی ہوئی رہتی تھی کہ اس کے چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔

وہ طاقت کیا ہے؟ کیسی ہے؟ وہ لوگ کون سے ہیں؟ وہ دائرہ کون سا ہے؟ وہ کلب کون سا ہے؟ وہ رسم وراہ کیسی ہیں؟ وہ نظام کیا ہے؟ وہ تنظیم کس قسم کی ہے جو نیرا کو مضبوط بناتی جارہی ہے؟ میں پہچان نہ پایا، میں اتنے دنوں سمجھ نہ پایا، اس لئے کہ میں نیرا کو سمجھنے کے لئے دولت، آمدنی، رشتہ دار، اور بارسوخ لوگوں کے بارے میں پتہ کرنا چاہتا تھا، اور سمجھ نہیں پایا تھا۔ اور نیرا میرا بے پناہ نقصان پہنچا رہی ہے۔ اور اب میں اس کی ایک جادو کی طرح پھیلتی ہوئی پکڑ سے بہت دور نہیں ہوں۔۔۔ نیرا سے میرے معاملات کی یہ خبر میرے تجارتی حلقوں میں بھی پہنچ گئی اور تجارتی عکس کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ پہلے لوگ اس کے بارے میں اونچی رائے رکھتے تھے، صاحب اثر سمجھتے تھے۔۔۔ لیکن اب نیرا پورے خاکے پر دھبہ کی طرح پھیلتی چلی جارہی ہے۔۔۔ لوگ یہ سوچنے لگے ہیں کہ میں ایک بیوہ عورت کے مکان کا کرایہ نہیں دے رہا ہوں۔۔۔ بہت مشکل سے اس نے صفائی دی تھی کہ وہ کرایہ اس لئے نہیں دیتا کہ اس نے نیرا کے باپ کو کچھ پیسے دئے تھے، پھر یہ بہانہ بنایا تھا کہ وہ مکان سے نکالنا چاہتی ہے اس لئے کرایہ نہیں دیتا، لیکن لوگ یہ سوچنے لگے ہیں کہ میں کرایہ کی مناسب رقم نہیں دے رہا ہوں اس لئے مالک مکان مجھے نکال رہے ہیں، اس پر اس نے کہا تھا کہ اس نے کرایہ اس لئے بند کیا تھا کہ نیرا اس سے اینٹھ کر بات کرتی ہے۔ اور جب وہ جھک کر بات کرے گی تب وہ کرایہ دے گا۔۔۔ لیکن میں نے ہی نقصان پذیر بات کہہ دی تھی، اور وہ بھی انجانے میں۔۔۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیرا جو مجھے قریب سے جانتی ہے۔ وہ مجھ سے ڈرتی نہیں۔ اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں درحقیقت بہت با اثر نہیں ہوں۔ نیرا سے میرا لڑنا اور اس کا پلٹ کر مجھ سے اُلجھ جانا، میرے لئے مضر ہے۔ اور میرے سامنے

ایک ہی راستہ تھا کہ میں اس کو پوری قوت سے کچل دوں۔۔۔ لیکن اگر میں نے کھلے عام اس کے ساتھ ایسا کچھ کرنے کی کوشش کی تو یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ میں اپنے فائدے کے لئے یا کسی بات کو اپنی شان کا مسئلہ بنا کر مقدمہ لڑ سکتا ہوں، اور یہ بات میرے پیشے میں میرے اوپر داغ لگنے کے برابر ہے۔۔۔ نیرا سے میری کیا لڑائی ہو سکتی ہے؟ سب لوگ یہی کہیں گے اور میرا کاروبار ایسا ہے کہ میں بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ لوگ یہ سب کچھ جاننے کے بعد مجھے اس کاروبار میں چلنے کے لاکھوں روپیہ کی زبانی لین دین سے الگ رکھنا شروع کریں گے لوگ اس کے کچہری میں جانے آنے سے ہی اس کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس پر یہ کہ نیرا اس کمزوری سے نہ صرف واقف ہے بلکہ وہ جو مقدموں کی تعداد بڑھائے جارہا ہے وہ سب نیرا بھی اس لئے بڑھاتی چلی جارہی ہے کہ یہ خود مجھے اپنے جال میں بہت بُری طرح اُلجھاتے چلے جارہے ہیں، نیرا کسی جادوئی لکیر کی طرح مجھے اپنی لپیٹ میں لیتی جارہی ہے۔

نیرا نے خود پڑوسیوں سے کہا تھا' عورت کے لئے کچہری جانا اچھی بات نہیں ہے لیکن بزنس مین کے لئے بھی تو کچہری جانا اچھی بات نہیں ہے، اور اس نے کہا تھا کہ وہ چن چن کے میرے ایک ایک جاننے والے کے پاس مقدموں کی تفصیل بھیجے گی۔۔۔ تو میں نے تو ان میں کئی لوگوں کو یہ کہہ رکھا ہے کہ یہ مکان میرا ہے اور بنک سے تو میں نے اس مکان کے جعلی کاغذات کی بنیاد پر مکان کی ملکیت کا دعویٰ کر کے قرض بھی لے رکھا ہے۔۔۔ سوچتے سوچتے وہ سخت بے چینی میں ٹہلنے لگا۔ وہ جو ایک دن ڈاکیہ سے کہہ رہی تھی کہ میرے یہاں آنے والے خطوط کے پتے لاکر وہ دے دے تو وہ اسے ہر پتہ کے دو روپیہ دے گی، کمبخت ڈاکیہ کا کیا بھروسہ۔

میں نے کتنی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں کہ نیرا کو خوفزدہ کرنے کے لئے اس پر ایسے مقدمے کرائے جس میں میرے پاس ٹھوس شہادت نہیں تھی۔ میں مکمل طور پر اس دھوکے میں تھا کہ وہ مقدمہ نہیں لڑ پائے گی۔ اب میرے ہارنے کی خبر آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔ لوگوں کے اوپر میرے یہاں پارٹی میں افسروں اور ججوں کو دیکھ کر کیسی ہیبت بنی تھی۔ اب لوگ اس کے باوجود اس پر یقین نہیں کریں گے کہ ججوں اور مجسٹریٹوں سے میرے گہرے تعلقات ہیں۔ اب تو لوگ میری ہر بات پر شک کریں گے۔ میری ہر چیز اپنا اعتبار کھو بیٹھے گی۔ لوگ تو یہی دیکھ رہے تھے کہ وہ نیرا جیسی معمولی لڑکی کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہا ہے۔ اور جب وہ اپنے معاملے میں کچھ نہیں کر پا رہا

ہے تو وہ دوسروں کی کیا مدد کرے گا۔ اور اب لوگوں کی دلچسپی کتنی عجیب شکل پکڑ رہی تھی، لوگ اس کے اثر و رسوخ کی حقیقت جاننے کے لئے اب نیرا سے گفتگو کرنے میں دلچسپی لینے لگے تھے—اور تو اور—اس لڑائی میں اس کے ساتھ اڑ جانے کے بعد اسے اڑے ہوئے دیکھ کر—بغیر کچھ کئے نیرا کی اہمیت لوگوں کی نظر میں یکا یک بڑھ گئی تھی، وہ تو کسی کے پاس نہیں جاتی ہے لیکن لوگ خود اس کے پاس آنے لگے ہیں، وہ تو مفت میں پارٹیاں دئے بغیر لوگوں کی نگاہ میں اتنی ہی اہم بن گئی تھی جتنا وہ خود تھا—اب تو لوگ اسے اپنے ذاتی مسائل بتا بتا کر اس سے مشورہ لینے لگے ہیں، لوگ مجھے جھوٹا سمجھنے لگے ہیں اور اسے سچا—ایسا کیوں ہوا۔

چند روز پہلے اسے یاد آیا، جب پڑوس میں دسرتھ سنگھ کے لڑکے کی شادی تھی تو انھوں نے نیرا کو بھی بلایا تھا، اور وہاں نیرا تنہا نہیں تھی، محلے کے کئی لوگ چھوٹے سے بڑے تک اس سے باتیں کرنے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ کیا اسی سے نیرا کو بڑھاوا مل رہا تھا، کیا لوگ نیرا کی مدد کر سکتے ہیں، اس نے قریب سے گزرتے ہوئے سنا بھی تھا—مجھے کسی اچھے وکیل کا نام بتائیں گی؟ آپ نے حال ہی میں ایک مقدمہ جیتا ہے نا؟ آپ کے پاس کوئی سفارش اور مدد بھی نہیں تھی۔ پھر بھی آپ مقدمہ جیت گئیں۔ یقیناً آپ کا وکیل اچھا ہوگا، اس لئے پوچھ رہا ہوں—اور نیرا مسکرا کر اس سے بات کر رہی تھی—اب اگر نیرا نے یہ مقدمہ اس وکیل کو دلوایا تو وہ وکیل اس کے اپنے مقدموں میں یا تو فیس کم کر دے گا یا کمیشن دے گا۔

اور میں پیچھے چھوٹتا جا رہا ہوں۔ وہ مجھ سے بھی تو پوچھ سکتا تھا، وہ مجھے بھی تو جانتا ہے؟ اسے میرے اوپر بھروسہ نہیں رہا۔؟ کمار کو لگا اس کا وجود کٹ کر مٹی میں گر رہا ہے—لوگوں کو میرے وکیل پر بھی بھروسہ نہیں رہا—ہر ایک اسی طرح سوچتا ہوگا، کیا کیا متاثر ہوتا جا رہا ہے، میرے تعلقات کی شہرت پر تو میرے پورے کاروبار کا انحصار ہے۔ میری شہرت کو گہن لگ رہا ہے۔ چاروں طرف روشنی پھیکی، فضا اندھیری ہو رہی ہے۔ کمار ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ یہ آثار چاہے جس وجہ سے نمایاں ہو رہے ہوں، لیکن یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہیں، اور جو چیز نقصان دہ ہے اس کے نقصان کو روکنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ یہ تمہاری نرم رفتاری، اور ٹکڑے ٹکڑے کوششوں کا نتیجہ ہے کہ نیرا تمہارے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے میں کامیاب ہو رہی ہے وہ تم کو سمجھنے اور تمہارے فیصلوں اور حرکات کے بارے میں اندازہ لگانے میں کامیاب ہو رہی

ہے۔ کچھ ایسا کرو کہ اس اندازے کو توڑ دو، کچھ ایسا کرو اور اتنی تیزی سے کرو کہ نیرا کے اندر جو خود اعتمادی حاصل کر کے سنبھل کر بڑی لڑائی لڑنے والا ایک رویہ ہے—وہ بے کار ہو جائے۔ دھرا کا دھرا رہ جائے۔

دسرتھ سنگھ کے یہاں شادی کی تقریب سے جب وہ لوٹی تو اس نے محسوس کیا کہ رفتہ رفتہ لوگوں کے رویے میں حیرت انگیز تبدیلی آتی جا رہی ہے—آج مسز یادو پوچھ رہے تھے کہ اس کا وکیل کون ہے؟

اور یہ جاننے کے لئے کہ

وہ کیسے مقدمہ جیت گئی تھی،

وہ کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ کیا لوگ اس کے مقدمہ کے جیت جانے کی وجہ سے—اس میں دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی عزت کرنے لگے ہیں؟ جو سلام کا جواب نہیں دیتے تھے وہ اکثر اس کو خود ہی نمستے کرنے لگے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟

اور میری دوست بھی اب مجھ سے زیادہ گھل مل گئی ہیں۔ وہ میری گفتگو زیادہ توجہ سے سننے لگی ہیں۔ ایک دن کوئی لڑکی کہہ رہی تھی، میں بہت حقیقت پسند ہوں، اور کوئی اور کہہ رہا تھا۔ تمہاری باتیں سنتے ہوئے ایسا لگتا ہے، کہ ہم ننگی آنکھوں سے، پردوں اور پہروں کے اندر تک صاف صاف دیکھنے لگتے ہیں—اور ایک دن سونیا کہہ رہی تھی—تمہاری گفتگو سنتے ہوئے پوری دنیا بدلنے لگتی ہے، آدمی ویسا نہیں رہ جاتا جیسا پہلے تھا، اس کے اندر کئی چیزیں اس طرح بدل جاتی ہیں کہ پھر وہ اپنی پہلی والی جگہ پر لوٹ کر آ ہی نہیں سکتا، میں چونک گئی، میں نے اس سے وضاحت کے لئے کہا تو اس نے کہا اگر ہمارے کمرے میں، اس پلنگ کے نیچے کوئی چور گھسا پڑا ہو، تو جیسے ہی ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہاں چور ہے اس کے بعد ہم جب تک چور کو نکال نہ لیں، اپنے کو دوبارہ یقین دلا ہی نہیں سکتے کہ اس کمرے میں کوئی نہیں ہے—تو جب تم بات کرتی ہو تو اس سے لوگوں کے چہرے پر سے ایسے نقاب اتر جاتا ہے کہ ہم صاف صاف دیکھنے لگتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ہمارے اندر لوگوں کو صاف طور سے دیکھنے کی عادت جنم لینے لگتی ہے۔

اور نیرا کو لگا کہ اس کے اپنے معاملات کے بارے میں کئے ہوئے فیصلے کے نتیجے میں

ایک تبدیلی انجانے میں آ رہی ہے۔اس کا اپنا ہی ایک نیا چہرہ ابھر رہا ہے۔

اس کے ارد گرد دوستوں کی تعداد کا بڑھنا، اسی کی ایک جھلک ہے۔اسے محسوس ہوا کہ اسے ان تمام چیزوں کو ایک بار غور سے دیکھنا چاہئے جو پہلے اس سے جڑی ہوئی تھیں لیکن اس نے ان کے ساتھ موافقانہ رشتہ نہیں ہونے کی وجہ سے ان کو نظر انداز کر دیا تھا اور جواب اس سے مکمل طور پر کٹ گئی تھیں۔

اس نے محسوس کیا کہ جب سے اس نے ان چیزوں کو اپنے سے، اپنی ذات سے، الگ کر کے دور رکھا تھا، ان کا رنگ بدل گیا تھا، ان سے کئی پرتیں غائب ہو گئیں تھیں، اور جیسے جیسے خود اس کے اندر تبدیلی آئی تھی، ویسے ویسے ان چیزوں کے رنگ حتٰی کہ ان کی ساخت تک میں تبدیلی سی دکھائی دینے لگی تھی۔

☆☆

۱۲

جس دن نیرا کے گھر پر اس کی چھت پر کمرہ بنانے کے سلسلے میں جھگڑا ہوا تھا اس دن جب پردیپ اور اس کے دوست اسکوٹر میں بیٹھ کر نکلے تھے تو پیچھے سے کمار کی بیوی نے اس کے اسکوٹر کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ جب اس جھگڑے میں لگی ہوئی چوٹ سے متعلق نیرا کے مقدمہ کی سماعت ہوئی اور کمار اور اس کی بیوی کو عدالت سے سمن ملے تو وہ طیش میں آ گئے۔

'اب کیا کیا جائے؟'

'ہم بھی مقدمہ کریں۔'

'لیکن کس پر؟'

'نیرا کے اوپر'

'لیکن ہم کیسے ثابت کریں گے کہ نیرا نے ہم پر حملہ کیا؟'

'ہم اس مقدمہ میں اس لڑکے کو بھی شامل کریں گے جو اسکوٹر پر بھاگا تھا،

'اس کا نام کیا ہے؟'

'ہم محکمہ ٹرانسپورٹ سے اس اسکوٹر کے نمبر کے حوالے سے اس لڑکے کا نام دریافت کر لیں گے۔'

'اور گواہ؟'

'ہم اپنے نوکر سے گواہی دلوا دیں گے ہمارا نوکر کہے گا کہ وہ ان کو پہچانتا ہے

نیرا کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے خلاف بھی ایک فوج داری مقدمہ قائم ہوا ہے جس

میں اس کے رشتے داروں کے نام ہیں اور جس میں عدالت سے ناقابل ضمانت وارنٹ جاری ہونے کے آرڈر ہو چکے ہیں، تو اس نے نام جاننے کی کوشش کی لیکن کلرک نے بے رخی دکھائی۔ نیرا کے اندر جاننے کی بے حد بے چینی تھی، چند لمحے وہ چپ چاپ خاموش کھڑی رہی کہ شاید کلرک اس کی تڑپ کو سمجھ لے، اس نے ایک نظر نیرا کو دیکھا بھی پھر بھی خاموش رہا۔

وہ کچھ دیر کھڑی رہی، پھر باہر آ گئی —— کچھ دور جانے کے بعد وہ چلتے چلتے ٹھہر گئی، اور کنارے کھڑی ہو کر سوچنے لگی، اسے کنارے کھڑے بھی بڑا عجیب لگ رہا تھا، اِدھر اُدھر جاتے ہوئے لوگ اسے گھور رہے تھے، وکیل پولس آفیسر ہاتھوں میں فائلیں اور کاغذات لئے ہوئے سنجیدگی سے آگے بڑھتے ہوئے وکیلوں کے منشی دور شیڈ میں ٹیبل پر ٹائپ رائٹر لگائے ہوئے، ٹائپسٹ —— اور قسم قسم کے لوگ —— مرد عورت، بوڑھے جوان ——

اگر وہ ابھی چلی جاتی ہے تو پتہ نہیں چل پائے گا کہ کس کس کے نام سے سمن ہے، پھر وہ ڈسٹرب رہے گی، تمام رات اس کے ذہن میں یہی سوال گھومتا رہے گا۔ کل سنیچر اور پرسوں اتوار کو بھی عدالتیں بند رہے گی، —— اور منگل کو امتحان ہے —— اس کا پچھلا پیپر بھی اسی طرح خراب ہوا تھا، وہ چاہتے ہوئے بھی ذہن سے ان مقدموں کے خیال کو نکال نہیں پائی تھی۔

اگر اس میں ویریندر سریواستو انکل کا نام ہوا تو کیا ہوگا —— کمار نے پردیپ کا نام پتہ کرنے کے لئے اسکوٹر کے نمبر کی مدد لی ہوگی —— اور اسکوٹر انکل کے نام ہے —— اگر ان کے نام سمن گیا تو گھر میں قیامت برپا ہو جائے گی —— دہلی میں وہ واحد گھر ہے جہاں میں جب بھی پریشان ہوتی ہوں تو چلی جاتی ہوں —— اگر آج کمار میرے اوپر حملہ کر دے تو میں اور کہیں نہیں جا سکتی —— صرف ویریندر انکل کے یہاں —— ان سے میں ہر بات بتاتی بھی رہتی ہوں۔

لیکن یہ چھت والی بات اور پردیپ والی بات ہم چھپا گئے تھے۔ چھپانا نہیں چاہئے تھا۔ بہر حال چھپا گئے تھے —— اگر سریواستو انکل کے نام سمن چلا گیا تو ان کی حالت ضرور نازک ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو پھر سارا عتاب میرے اوپر آئے گا —— اور ان کا پردیپ کے اوپر سے بھی اعتبار اٹھ جائے گا۔ پردیپ تو ہمیشہ ہی ان سے ہر بات بتا دیا کرتا ہے لیکن اب ان کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ پردیپ ان سے نہ جانے کیا کیا چھپاتا ہے —— انہیں صدمہ پہنچے گا —— اب وہ ہمیشہ اپنے بیٹے کو شک کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس شک کی اذیت سے مجروح ہوتے

رہیں گے —— اور اگر وہ کہیں اس سمن کی تاب نہ لا سکے —— وہ کتنے فخر سے اس دن کہہ رہے تھے کہ زندگی بھر انھوں نے اس بات کا خاص لحاظ رکھا تھا کہ انہیں تھانہ کچہری کا منہ نہ دیکھنا پڑے —— لوگوں میں اس بنا پر ان کی قدر و منزلت ہے کہ وہ انتہائی شریف، مدبر اور پاک خصلت آدمی ہیں —— اور لوگ ان کے پاس آتے ہیں —— وہ کیسے کہہ رہے تھے کہ کئی بار تو انہوں نے خسارہ برداشت کر لیا لیکن تھانے اور کچہری نہیں گئے —— اور اب جب انہیں سمن ملے گا تو وہ کیا محسوس کریں گے —— جو سپاہی سمن لے کر جائے گا وہ ان کے ساتھ نہ جانے کیا برتاؤ کرے۔ اس وقت گھر پر اور کوئی ہو یا نہ ہو۔

اس کی آنکھوں میں ایک تصویر گھومنے لگی کہ ایک باوردی سپاہی ویریندر سریواستو کے دروازہ پر جا کر گھنٹی دباتا ہے —— اندر سے سریواستو آتے ہیں، سپاہی ان سے کچھ پوچھتا چھ کرتا ہے، پھر جیسے کچھ پیسے کی امید کرتا ہے، اور ویریندر سریواستو کچھ نہیں کہتے تو وہ سپاہی ان کو اذیت دینے کے لئے انتہائی خشک اور بے رحم لہجہ میں کہتا ہے کہ ان کے خلاف فوجداری مقدمہ ہے کہ وہ کسی کے گھر میں غنڈوں کے ساتھ مکان خالی کرانے گئے تھے —— اور عدالت نے اس بات کی صداقت سے ابتدائی مرحلہ میں مطمئن ہو کر ہی یہ سمن جاری کیا ہے —— اور وہ اس سپاہی سے سمن لے لیتے ہیں —— اور پھر آہستہ آہستہ قدموں سے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرتے ہیں، گھر میں اور کوئی نہیں ہے، ذہن پر دباؤ اور تناؤ بڑھتا جاتا ہے —— اور وہ دل کے مریض ہیں —— وہ اس سے آگے نہیں سوچ پائی، اسے لگا کہ وہ سڑک کے کنارے کھڑی سوکھ گئی ہے —— نہیں —— وہ آج معلوم کر کے جائے گی، کون جانے، جب تک میں یہ معلوم کر اسکوں کہ سمن نکلا ہے کہ نہیں تب تک ان تک سمن پہنچ ہی جائے۔

وہ واپس کلرک کے پاس گئی —— کلرک نے اسے پھر دیکھا —— ادھر آئیے —— وہ قریب آ گئی —— وہ محسوس کر رہی تھی، اس وقت وہ کتنی چھوٹی ہو گئی تھی —— اسے ٹھیک سے محسوس کرو، ان لمحوں میں اس طرح چھوٹا ہو جانا بھی زندگی کی ایک ضروری تفصیل ہے، اسے جانو —— کہ یہ چھوٹی چھوٹی جانکاریاں، قوتوں کے وہ ذرے ہیں، جن سے شعور کا طاقتور ٹیلہ تیار ہوتا ہے —— کلرک نے ایک فائل کے ایک صفحہ کا اوپری حصہ دکھایا جس میں مدعا علیہن کے نام تھے —— اس پر اس کا اپنا نام تھا، پھر —— ویریندر کمار سریواستو کا —— پھر ——

'کیا ویریندر کمار صاحب کو——'

'سب کو سمن کیا گیا ہے'

'کیا یہاں سے سمن جا چکا ہے'

'یہ تو دیکھنا پڑے گا'

'وہ ضمانت کرالیں'

'کیا رُک نہیں سکتا، ان کا نام سراسر غلطی سے آ گیا ہے'

تو کیسے جانتی ہے نیرا کے غلطی سے ہی آ گیا ہے؟——اس نے اپنے آپ سے ہی سوال کیا——وہ کتنی سادگی سے بات کر رہی تھی، اس کی بات میں سچائی تھی، وہ جانتی تھی، لیکن یہ سچی بات کتنی جھوٹی، کمزور اور بے سہارا ہو کر گزر رہی تھی—— کسی دوسری سچائی کے سامنے جو بہت بڑی تھی، کلرک کہہ رہا تھا۔

'نہیں' ضابطہ فوجداری میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے—— سمن جاری رکھنے کے احکامات صادر ہو گئے ہیں، بدل نہیں سکتے'——

اس نے محسوس کیا کہ جھوٹوں کی سچائی جھوٹی ہوتی ہے، کمزوروں کی سچائی کمزور ہوتی ہے، اور ملزموں کی سچائی بھی ملزم ہوتی ہے—— سب سچائیاں برابر نہیں ہوتیں۔ صرف سمتوں میں سچائی ہے۔ نئی نئی باتیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اور چاروں طرف ایک مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی سچائی ہے، اور ابھی جو کچھ نہیں ہوا ہے اور مستقبل میں ہونے والا ہے، اور جو ان ہوا' ہے' وہ بھی' اپنے زاویے سے ایک سچائی ہے، اور نئی سچائیوں کے سامنے آنے سے، پرانی سچائیاں مٹتی تو نہیں لیکن دھندلی ہوتی ہوتی کہیں کھو جاتی ہیں۔

اور وہ نئی سچائی ہی جگمگا اٹھتی ہے۔

اور تب چاروں طرف وہی ہوتی ہے۔

اور یہی سچائیوں کی سچائی ہے۔

سچائیاں، سچ ہوتے ہوئے بھی کھو جاتی ہیں، اور نئی نئی سچائیاں سامنے آ جاتی ہیں، اگر انسان آگے بڑھ جائے اور اس طرح جب انسان سچائیوں سے آگے بڑھ کر نئی سچائیوں کی تلاش میں بڑھتا ہے تو نئی سچائیاں جنم لیتی ہیں۔

سوچتے سوچتے اسے لگا کہ وہ ایک انتہائی اجنبی کردار اختیار کرتی جا رہی ہے، اور تمام چیزوں کے تئیں، جن کے درمیان وہ تھی، اس کی نظر بدل رہی ہے، اور وہ اپنے کو الگ تھلگ کر کے کسی نئی راہ پر آگے بڑھنا، اور باہر نکل کر دور——بہت دور جا کر اپنے تمام موجودہ تعلقات سے اپنا مکمل طور پر پیچھا چھڑا کر——وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ تب اس وقت ان چہروں میں اور ان سچائیوں میں کتنی قوت باقی رہ جاتی ہے!

میں باہر جا کر بھی نہیں، یہیں، انہیں کے بیچ کھڑے کھڑے سب کچھ بدلوں گی۔

☆

نیرا کو لگا کہ اب کمار نے اس کی کوئی ایسی رگ پکڑ لی تھی کہ اس نے لڑائی کا میدان ہی بدل دیا تھا اور اب وہ جس میدان میں اسے کھینچ لایا تھا وہاں کمار کی آنکھوں میں ایک بے رحم اعتماد جھلک رہا تھا اور خود وہ بے سروسامان ہو کر رہ گئی تھی جیسے اب تک اس نے جتنے سہارے کھڑے کئے تھے وہ سب زمین بوس ہو گئے تھے۔ اور کمار کی اس پکڑ میں جو درد تھا اس کی شدت سے کوئی چیز اسے نہیں بچا سکتی تھی، اور وہ ذہنی طور پر اپنی وسعتوں میں جن چیزوں کو شامل کر کے بڑی ہوئی تھی، اور اپنے کردار میں جھیلنے، اور چیلنج کو جان بوجھ کر قبول کر کے بڑے ہوتے جانے اور سچائیوں کو آگے بڑھ بڑھ کر بے نقاب کر کے اور خوف اور جھجک کے پردوں کو جس طرح ہٹا کر بے خوف ہوئی تھی، وہ سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ اب جو کچھ تھا یہ اس کے قوت برداشت کا امتحان تھا، اس کے ذہن کا امتحان نہیں تھا، اس کے کردار کا امتحان نہیں تھا بلکہ یہ اب خود اس کا امتحان تھا کہ اب اسے اپنے مکان اور انکل میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا، اور اس انتخاب کے لئے وقت کم تھا کہ جو کچھ بیتنے جا رہا تھا وہ اس پر نہیں بیتنے جا رہا تھا بلکہ اس کے چاروں طرف بیتنے جا رہا تھا، اب اسے انکل کے گھر سے اٹھتے ہوئے دھویں اور اپنی زندگی سے اٹھتے ہوئے دھویں کا موازنہ کرنا تھا، انکل کے گھر کے اس دھویں کا جو اس کی اپنی زندگی کے اٹھتے ہوئے دھواں کا ہی اگلا بادل تھا، جو وہاں تک پھیلا ہوا تھا، کہاں، کہاں آگ لگ رہی ہے، اور اس آگ کی جلا دینے والی قوت کو

تھامنے پر اس کا کوئی اختیار نہیں، وہ آگ صرف دیکھ سکتی تھی، وہ مسلسل اس شدید درد کی آگ میں کباب کی طرح زندہ بھنتی رہی، اس کے دل میں گہرا درد اٹھ اٹھ کر کچوکے لگا جاتا، اور وہ جب اسے بھولنے کی کوشش کرتی تو وہ وہیں کہیں اندر جا چھپتا اور پھر کسی بھی لمحہ دبے پاؤں درد کی لہروں سے اسے تلملا دیتا ہے۔ دو دنوں تک وہ جیسے اس کش مکش کی سولی پر لٹکی رہی، اور ایک غشی کی کیفیت اسے توڑتی رہی لیکن آخرکار اسے پھر محسوس ہوا کہ تجزیہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جو اسے کوئی راہ دکھا سکے گا اور وہ کسی عملی فیصلہ پر پہنچ پائے گی۔ اور اس نے صورت حال کا بغور جائزہ لیا تو دیکھا کہ اب تک وہ چپکے چپکے اپنے اندر ہی اندر رہ کر سب کچھ جھیلتی تھی، اور لوگوں کے اس کو تھکانے، دھمکی دینے، رسوائیوں اور اس کی دولت کو چھیننے کے پروگرام اور فطرت کو وہ جھیلتی چلی گئی تھی یہاں تک کہ اس نے اپنی ماں کو شملہ پہنچا دیا تھا، وہ دوڑ نے بھاگنے کے لئے تیار ہو گئی تھی، اس نے اپنی پڑھائی تک کو نقصان پہنچتے دیکھتے ہوئے بھی اُف تک نہیں کیا تھا، اس نے اپنی ماں کو چھوڑ دیا تھا، کس لیے؟ کہ وہ اپنی زندگی میں اس مضبوطی تک پہنچنا چاہتی تھی جہاں اسے بقا کی ضمانت ہو، اور اسے اعتماد تھا کہ وہ کمار اور حالات کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہے! لیکن اب وہ انکل کو کہاں بھیج سکتی ہے؟ اب انکل میرے ہاتھ کی ہتھکڑی بن رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ انکل اس طرح نہیں سوچتے جس طرح میں سوچتی ہوں۔ اس لئے کہ میں زندگی کو چھونے اور دیکھنے کو جو اہمیت دیتی ہوں اور اس سے جو قوت حاصل کرتی ہوں، انکل کے ساتھ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ ان چیزوں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ وہ گھبراتے ہیں، اور اس سے ان کے دل کی دھڑکن بڑھتی ہے۔ وہ وہ نہیں ہیں جو میں ہوں، وہ میرے بالکل برعکس ہیں۔ اور ان کا یہ برعکس ہونا ہی اس درد کی جڑ ہے۔ یا تو میں ویسی ہو جاؤں جیسے وہ ہیں، یا وہ ویسے ہو جائیں جیسی میں ہوں، اور اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر یہ درد قائم رہے۔ اور پھر انکل کے یہاں جو ہو اس کے لئے میں ذمہ دار کیوں قرار دی جاؤں۔ کون ذمہ دار ہے؟ کیا میں؟ میں خود بھی بقا اور فنا کے دہانے پر کھڑی ہوں۔ اگر انکل ویسے ہو جاتے ہیں جیسی میں ہوں تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا، اگر میں ان کی طرح ہو جاتی ہوں تو میں دوبارہ اسی گہرائی میں گر جاتی ہوں جہاں سے بچنے کے لیے سب کچھ کر رہی ہوں؟ یہ انکل کی کون سی بھیانک شکل ہے جو میرے سامنے آ رہی ہے؟ کیا اسی شکل کو انکل کہتے ہیں؟ اور جیسے اسے ایک گہرا شک ہو گیا۔ کس نے بنائے ہیں یہ رشتے؟ میں اپنے رشتے خود قائم کروں گی۔

اگر کچھ چیزوں سے میرا رشتہ بدل چکا ہے تو مجھے صاف پہچاننا چاہیے۔

ماں ماں ہی رہے چاہے زندہ یا مردہ۔ کیریر، کیریر ہی رہے، چاہے رہے یا ختم ہو جائے۔

لیکن ان کے ساتھ اس نئے رشتے کو میں تسلیم نہیں کروں گی جس میں انہیں تالا بنا کر میری کلائیوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ — یہ خطرہ کہ میری ماں مر جائے گی، کمار کے ہاتھ میں ایک تالے کی طرح ہے جو وہ میری کلائیوں میں ڈالے ہوا ہے۔ یہ خطرہ، یہ خوف کہ میرا تعلیمی کیریر برباد ہو جائے گا، یہ ایک تالا ہے — ماں ہو تو ماں کا کردار ادا کر رہی ہو، یا نہ ہو، لیکن ایسی ماں نہیں ہو جو دشمن کے ہاتھ میں ہتھیار کے طور پر کام آئے کیریر ہو اس کیریر کا کردار بھی کیریر ہو ورنہ نہیں ہو، لیکن ایسا کیریر نہ ہو جو مجھے ہی دبانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہو، کہ ایسی صورت میں ماں ماں نہیں رہ جاتی اور کیریر، کیریر نہیں رہ جاتے، یہ کچھ اور ہو جاتے ہیں۔

اور ان سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے

☆

انکل، انکل ہوں یا نہ ہوں، لیکن میرے لئے بوجھ بن کر مجھے توڑیں نہیں۔

آسائش، آسائش ہو یا نہ ہو، لیکن آسائش کا خواب ہمت شکن نہ ہو۔

زندگی زندگی ہو، یا نہ ہو۔

لیکن دشمن کے ہاتھ میں ہتھیار بن کر زندگی کو چوسنے والا آلہ نہ ہو۔

——اور میرا کردار — اگر میرا کردار مجھ سے مطابقت نہیں رکھتا، اگر — اس کا کوئی بھی حصہ یا یہ پورا کا پورا کمار کے ہاتھ کا جال بن گیا ہو، جس میں وہ مجھے گرفتار رکھنا چاہتا ہے، تو مجھے اس کردار کو بدلنا ہوگا — اگر میری فطرت سے واقفیت کمار کو مجھے پکڑنے میں مدد دیتی ہے تو مجھے اپنی فطرت کو بدلنا ہوگا، اور میں اپنے کو تبدیل کر کے، ایک ایسی شکل اختیار کروں گی، جسے کمار کی آنکھیں دیکھ نہیں پائیں گی، اور اگر سمجھ بھی لیں گی تو آگے چل کر وہ پائیں گی کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا تھا، وہ صرف اوپری پرت تھی، ایک دھوکا تھا، میں کمار کی پکڑ کی آخری سرحدوں سے ہزاروں پردے آگے بڑھ جاؤں گی۔

کمار تم دھوکے میں ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ مکان اور تعلیم اور ماں اور انکل کو پکڑ کر تم مجھے پکڑ

سکتے ہو؟ لو— میں تمہیں بتاتی ہوں۔ اگر میری آنکھ مجھے دھوکا دے تو میں ان آنکھوں کو چھوڑ دوں گی اگر میرے ہاتھ میرے دشمن بنے تو میں انہیں کاٹ کر پھینک دوں۔ اگر میرے خواب مجھے کمزور کر رہے ہوں تو میں بے خواب زندگی کو فوقیت دوں گی لیکن تم نہیں جیت سکتے۔ تم نے جو رگ پکڑی ہے آج میں اس رگ کو ہی کاٹ کر پھینک رہی ہوں۔ مجھے کوئی چیز نہیں پکڑ سکتی کمار۔ میں آزاد ہوں، آزاد۔

اگر میری ماں کی جان خطرے میں ہے— اور ان کے مرجانے کا اندیشہ ہے، تو وہ مرجائیں، اب میں اس سے اپنی ہمت اور ارادے کو نہیں توڑ سکتی۔ اگر انکل کے نام سے کمن نکل رہا ہے۔ اگر پردیپ اور انکل کے درمیان زبردست غلط فہمیاں پیدا ہوں گی، اور یہاں سے وہاں تک کے سارے رشتے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، سارے جذبات اتھل پتھل ہو جائیں گے، ہمن ملنے سے اگر ان کے گھر میں قیامت برپا ہو جائے گی، اگر ان کو دل کا دورہ پڑ جائے گا، اور ان کے گھر میں صفِ ماتم بچھ جائے گا— اگر انکل کا وہ گھر جہاں مجھے آخری سہارا ملتا ہے دلّی میں— اگر وہ گھر چھوٹ جائے، میرے لئے اجنبی بن جائے تو بن جائے— اگر میرا مکان بک جاتا ہے بک جائے۔ میری شادی کے لئے ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں بچتا نہیں بچے، اگر مجھے اپنی پڑھائی کچھ دنوں کے لئے چھوڑنی پڑتی ہے، چھوٹے، اگر مجھے لوگوں کے بستروں میں سونا پڑتا ہے، تو سونا پڑے، اگر عدالتیں میرے کے لئے بے معنی ہو رہی ہیں تو ہو جائیں، اگر تھانہ میرے لئے مکمل طور پر اجنبی اور دشمن بن رہا ہے تو بن جائے، اگر میرا مکان بک جاتا ہے بک جائے۔ میری شادی کے لئے ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں بچتا نہیں بچے، اگر مجھے اپنی سوسائٹی، اپنے گھر، اپنے جسم، اپنے جذبات— اپنی ایک ایک سانس سے بغاوت کرنی پڑتی ہے تو پڑے—— لیکن اب میں اس راستے کو نہیں چھوڑ سکتی جس پر چل کر میں اپنی ایک ایسی دنیا تخلیق کر سکتی ہوں جس میں میری روح کو کچلنے کے لئے ہمارے مخالفین کے ہاتھ میں کوئی حربہ نہیں رہ جاتا— دوسروں کی تخلیق کی ہوئی دنیا چاہے جس قدر خوبصورت ہو لیکن وہ میری نہیں، اور اس پر میرا اختیار نہیں—— وہاں تو ہر حالت میں ایک ایسی ہی صورت حال ہوگی اور وہاں مکمل طور پر وہی خطرات اور بے بسی کی فضا ہوگی جسے میں جھیل چکی ہوں، اور جھیل

رہی ہوں، وہاں میں دوسروں کی پکڑ میں رہوں گی— لیکن یہ راہ، جو سب کچھ لٹانے کا حوصلہ حاصل کرنے کے بعد دکھائی دے رہی ہے— یہ مجھے اپنے پورے اردگرد سے آزادی— اور ایک نئی اپنی دنیا سے روشناش کرائے گی— یہ تو اپنی زندگی کی اٹھان کو برقرار رکھنے یا ختم کر دینے کا سوال ہے۔ ان تمام لوگوں سے میرا رشتہ کیا ہے؟ تمام دنیا کا اور تمام رشتوں کا خیال کس لیے؟ اسی زندگی کی وجہ سے تو جس کی وجہ سے میں وجود میں ہوں— اور اس زندگی میں بھی کس چیز کے ئے؟ اس زندگی کے آگے بڑھنے اور باقی رہنے کے لئے اور اس زندگی کے ذریعے اپنے وجود کا احساس باقی رکھنے کے لئے۔ اگر یہ زندگی صرف پاؤں کی بیڑی بن کر رہ جائے تو ایسی زندگی کے لئے ان رشتوں کو کیوں باقی رکھنا؟

آنکھیں رہتے ہوئے بے وجودیت کی آگ میں جھلتے رہنے کا کرب میں نہیں جھیل سکتی۔

یہ میرے خوابوں کے ٹوٹنے اور وجود کے فنا ہونے پر میری مدد کے لئے کیوں نہیں آتے؟ اس لئے کہ وہ ان خوابوں کو تسلیم نہیں کرتے، وہ میرے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ صرف ان رشتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کے جال میں میری جیسی جانیں پھنسی ہوئی ہیں۔— میں جانتی ہوں سارے لوگ مجھ پر دباؤ ڈالیں گے، سارے لوگ مجھ سے رشتہ منقطع کریں گے، سارے لوگ میری موجودہ زندگی سے ان ساری چیزوں کو واپس کھینچ لینے کی دھمکی دیں گے جن سے میری موجودہ زندگی بنی ہوئی ہے۔

لوگ مجھے بے رحم کہیں گے۔

لوگ مجھے جنونی کہیں گے۔

لیکن، دنیا کے تمام لوگ، تمام چیزیں، اور تمام دلیلیں مجھے غلط کہہ رہی ہوں، ہر چیز حتّٰی کہ میرا دل، میرا دماغ، میری روح، سب مجھے غلط کہہ رہے ہوں لیکن جب تک میں جانتی ہوں کہ میں صحیح ہوں، میں اسی راہ پر رہوں گی— میں اچھی ہوں یا بُری، یا میرے لئے کوئی چیز اچھی ہے یا بری اس کا بھی فیصلہ صرف میں کر سکتی ہوں۔

ہم مسلسل دوسروں کی نگاہوں میں اوپر اٹھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور ان کی نظروں میں نیچے گرنے سے بچتے رہتے ہیں۔ یہی بات انسان کے پاؤں کی سب سے بڑی بیڑی

اور اس کے ہاتھوں میں پڑی مضبوط ترین ہتھکڑی ہے اور ہم اس میں بندھے ہوئے زندگی کی راہوں کی اس بلندی پر چلتے رہنے کی جاں توڑ کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس عمل کے دوران ہم کبھی ایک کی نگاہ میں اپنے کو تولتے ہیں اور کبھی دوسرے کی نگاہ میں —— ہمیں ہر ایک نگاہ پر اعتبار ہوتا ہے، نہیں ہوتا تو صرف اپنی نگاہ پر۔ ہم خود اپنا ماتحت یا تابع بننا نہیں چاہتے۔ ہم دوسروں کی نگاہوں کی فضا میں تیرتے ہوئے کبھی نیچے کھائی کی طرف پھسلتے ہیں اور کبھی کبھی انہیں نگاہوں کی تالیوں پر ہم اوپر چڑھتے ہیں اتنا اوپر اور پھر اتنی نازک رسیوں پر جو قطعی ناقابل اعتبار ہوتی ہیں۔

☆

وہ صبح سے ہی بستر سے اٹھنے کے بعد عجیب کھوئی کھوئی سی محسوس کر رہی تھی۔ وہ خواب اس کے خیالوں میں تیر رہا تھا جھلملا رہا تھا اور بار بار اس کے اندر ایک لہر سی دوڑا دیتا تھا، جس لہر کو وہ اپنے اندر کسی گہرے نغمہ کی طرح اٹھتی ڈوبتی ہوئی محسوس کر رہی تھی اور وہ بھی کچھ اس طرح کے جیسے وہ کچھ اور نہیں اس کی اپنی روح ہو، جو لہر بن کر اسے اپنے آپ کو دکھا رہی ہو، اور جس کے جھونکوں کو وہ اپنے پورے وجود میں محسوس کر رہی ہو۔

اس خواب میں تہہ در تہہ معنی کھلتے جا رہے تھے۔ اور ان معنوں کے کھلنے کے ساتھ اس کی اپنی زندگی اور صورت حال کی گہرائی میں دور تک تہہ در تہہ کبھی معنی کھلتے اور کبھی بند ہوتے جیسے آسمان میں تیرتے ہوئے بادل کے بے شمار ٹکڑوں کے سائے سے کسی وادی میں درختوں اور جھیل کے پانیوں کے اوپر کبھی اجالا ہوتا ہو، اور کبھی ہلکا سایہ سے ہوتا، اور اس سے درختوں کے روشن اور مدھم ہونے میں تو کم فرق پڑتا ہو، لیکن وہ پانی کا گہری پُر اسراریت اور طوفان ہلکوروں کے ساتھ رنگ بدلتا ہو، اور اس طرح ایک انتہائی بھیانک پر اسرار سرسراتا ہوا سماں بندھ گیا ہو۔ وہ کچھ ایسا ہی اس وقت اپنے اندر محسوس کر رہی تھی، اور جب سے بستر سے اٹھی تھی، وہ خواب اس کے ساتھ ساتھ ٹہل رہا تھا، اور اس کی توجہ باہر کے در و دیوار، آنگن، کچن اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں سے اتر کر، اس کے خیالات کے اندر مقید سی ہو گئی تھی۔

سونیا نے نیرا کے چہرے پر یہ عجیب کیفیت دیکھی تو پوچھ بیٹھی۔ تم آج صبح سے ہی عجیب سی، خیالوں میں ڈوبی ہوئی ہو، یہ تمہیں اکثر ہو کیا جاتا ہے، کبھی کبھی تو تم بہت ہی پریکٹیکل

دکھائی دیتی ہو جیسے سامنے کا سب کچھ آنکھیں پوری طرح کھول کر دیکھ رہی ہو، اور اس کو سمجھنے کو بے حد اہمیت دے رہی ہو، اور کبھی اس طرح اپنے آپ میں ڈوب جاتی ہو جیسے باہر کی ہر چیز تمہارے لئے بے معنی ہو جاتی ہے۔ کبھی باہر آتی ہو۔ کبھی اندر جاتی ہو! اس کی آواز میں ہنسی پھوٹ پڑی۔

میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا ہے سونیا۔ دیکھا کہ میں کسی گاؤں میں رہتی تھی اور اس گاؤں میں بڑی مار کاٹ ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ جو وہیں کے جانے پہچانے چہرے ہیں بلکہ وہ لوگ جو وہاں پشتہا پشت سے ہمارے پڑوسی تھے، اور ان کا گھروں میں آنا جانا اور کھانا پینا اور اپنے گھریلو مسائل میں اور دکھ سکھ میں شریک ہونا ہوتا رہتا تھا، وہی جانے پہچانے چہرے چھرے ڈنڈے لئے، اور ان کے ساتھ کچھ باہر کے آئے ہوئے اجنبی لوگ جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈنڈے اور بندوقیں تھیں اور جن کے چہرے پر عجیب عجیب قسم کے خود تھے، پوری بستی میں مار کاٹ مچا رہے ہیں اور ان سے پوچھنے پر کہ وہ لوگوں کو کیوں مار رہے ہیں، کچھ نہیں بولتے اور اپنا کام تیزی سے کرتے جا رہے ہیں، وہی لوگ میرے گھر میں بھی آ گئے ہیں، اور ہم سب گھر کے پیچھے سے بھاگ نکلے ہیں، اور میں بھاگتی جا رہی ہوں اور بھاگتے بھاگتے میدانوں میں پہنچ گئی ہوں اور پھر میں کسی سڑک پر آ گئی ہوں، اور مجھے خیال آیا ہے کہ اب مجھے شہر کی طرف جانا چاہئے کہ بیچ میں اور کوئی جگہ نہیں ہے، اور پھر میں سڑک پر بھاگ رہی ہوں۔ پھر دھیمے چلنے لگی، مجھے پھر یاد بھی نہیں رہا کہ میں کتنے دنوں سے اس سڑک پر چل رہی تھی، اور کہاں سے بھاگی آ رہی تھی، شہر کے تصور میں خیالات اس قدر جا کر بسنے لگے کہ بس آگے شہر تھا، اور سڑک تھی اور میں تیزی سے بڑھی جا رہی ہوں میری نگاہ میری جوتیوں پر جاتی ہے اور دیکھتی ہوں کہ وہ اب پرانی ہو گئی ہیں اور جگہ جگہ سے پھٹ گئی ہیں یہ جوتیاں جب پہن کر میں نکلی تھی اس وقت یہ نئی تھیں، یہ سفر کتنا طویل ہے، اور یہ سڑک کتنی کھردری ہے، اگر یہ جوتیاں پھٹ کر ٹوٹ جائیں گی تو کیا ہوگا، میری سڑک پر نگاہ جم جاتی ہے، میں پریشان ہو اٹھتی ہوں، میں چاروں طرف دیکھتی ہوں، چاروں طرف دھوپ ہے، فضا بے حد گرم ہے، دھول اڑ رہی ہے، دور میری نگاہ کچھ جھاڑیوں میں پڑ رہی ہے، ایک دو جنگلی چھوٹے چھوٹے جانور دھوپ کی شدت سے بچاؤ کے لئے ان جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں، جب ایک جگہ ملے سائے میں انہیں گرمی ناقابل برداشت محسوس ہوتی ہے تو دوسری

جھاڑی اور پھر تیسری جھاڑی میں بھاگتے پھر رہے ہیں، اور یہاں وہاں بھاگنے میں جب ان کے پاؤں جلتے ہیں تو وہ بے چینی سے اُچھلتے ہیں، میں گرم سڑک کی گرمی کی شدت سے جوتی گرم ہونے کی وجہ سے نیچے سڑک کے کنارے چلنے لگی ہوں جہاں کہیں کہیں ہلکی سی گھاس مل جاتی ہے، اور پھر دور دور تک گرم ریت ہے، کبھی کبھی کوئی پیڑ آ جاتا ہے، لیکن میں وہاں ٹھہرتی نہیں ہوں کہ مجھے بھوک بھی لگی ہے اور مجھے جلدی پہنچنا ہے، شہر کی عمارتیں دور دھند میں دکھائی دیتی ہیں، لیکن پھر کبھی کبھی کسی بگولے سے اُڑتی ہوئی گرد میں چھپ جاتی ہیں، کبھی سڑک اور اس کی بغل کی ریت پر ابھرتے بھاگتے ہوئے سراب میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں اس درمیان میں دیکھتی ہوں کہ اب کبھی کبھی لوریاں ادھر سے گذرنے لگی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کروں کہ وہ مجھے بٹھالیں لیکن دیکھتی ہوں کہ ان پر بندوقیں لیے ہوئے موٹے تگڑے جوان اور ادھیڑ اور کچھ خوفناک، بڈھے بیٹھے ہیں اور ان کی صورت گدھوں سے ملتی ہے اور پھر دیکھتی ہوں کہ لاری میں لاشیں بھری ہوئی ہیں، اور پھر لگتا ہے کہ ان میں ایک جو سفید کپڑوں میں تھا وہ گوشت کا کاروبار کرتا تھا اور ایک ہوٹل بھی شہر میں چلاتا تھا، اور کبھی کبھی گاؤں میں مرغیاں اور بکرے خریدنے بھی آتا تھا، یہ وہی تھا، وہ مجھے بھی دیکھتا ہے اور مجھے یکا یک اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھے بھی مار کر گاڑی میں ڈال لینا چاہتا ہے کیونکہ وہ مجھے للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مجھے صاف صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ میرے چہرے اور بال اور پیشانی کو نہیں دیکھ رہا ہے، بلکہ اس کی نگاہ میرے کولہوں پر ہے اور وہ مجھے ایسے دیکھ رہا ہے جیسے بکروں کے وزن کا اندازہ لگانے کے لئے کرتا ہے، اور دیکھتے دیکھتے اس کی لاری پھر آگے بڑھ کر کھو جاتی ہے، وہ لاری آگے کیسے کھوگئی، پتہ نہیں، یا تو میرا خواب ہی اس لمحے دھندلا پڑ گیا، یا سڑک پر دھند پڑی تھی، یا گاڑی کے پیچھے سے گرد اڑی تھی، سب کچھ چند لمحوں کے لئے گڈمڈ ہوا، اور پھر سب کچھ دکھائی دینے لگا، اب گاڑیاں اسی طرح لاشوں سے بھری، جا رہی تھیں، اور مجھے بار بار گاڑیوں کو دیکھ کر یہ خیال اٹھا کہ ان سے مجھے لیے جانے کو کہوں، اور بار بار میں سڑک سے اور بھی دور ہٹ جاتی ہوں کہ کہیں یہ مجھے زبردستی نہ اٹھالیں، اور میں سڑک کے کنارے چل رہی ہوں اور ایک عجیب دہشت سی پھیلی جا رہی ہے، اور میں سڑک سے بہت دور ہٹ کر بھی نہیں چل سکتی تھی کہ کھیت اور میدان ہموار نہیں تھے اور ان میں کافی نشیب و فراز تھے، اور وہاں تو نہ پانی کی امید تھی، نہ کھانے کی نہ کسی گاڑی کی جو

شکاری نہ ہو اور جو شاید مرتے وقت ہی ادھر آ نکلے اور مجھے دیکھ کر اٹھا لے، کہ خوفناک اور معاون جتنے بھی امکان تھے وہ اس سڑک کے تصور سے وابستہ تھے، لیکن سڑک سے دور جانے پر سارے راستے محدود ہو جاتے تھے، اور وہاں تو کوئی راستہ نہیں تھا، اور اس لئے میں سڑک پر ہی چل رہی تھی۔ اسی بیچ میں ایک کار آتی دکھائی دی، اس میں ایک موٹا آدمی کار چلا رہا تھا اور دو عورتیں اس کی بغل میں بیٹھی تھیں اور سامنے کے شیشے پر گرد کی موٹی تہہ پڑی تھی، اور یہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا کہ اس میں بیٹھے ہوئے واقعی مرد تھے یا عورتیں، اور ان کے رنگ بگڑ گئے تھے، اور جب قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں پیچھے دو لڑکیاں بھی بیٹھی تھیں، وہ کار کچھ دور آگے جا کر رُک گئی، میں اس کی طرف بڑھی، شاید اس نے میری تھکی ہوئی حالت دیکھ کر گاڑی روک لی، میں قریب گئی وہ اپنے بریک اور اکسیلٹر میں جھانک رہا تھا۔ اور بے حد منہمک تھا، پھر اس نے شاید بغیر نگاہ اٹھائے ہی محسوس کرلیا کہ یہ کسی انسان کا سایہ ہے، عورتیں اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں، لڑکیاں بھی پیچھے سے سیٹ کے اوپر سر اٹھا کر اس کی کوشش کو دیکھ رہی تھیں، میں قریب پہنچی تو اس نے یونہی ہاتھ باہر نکال کر لیکن نگاہ بغیر اٹھائے ہوئے اور اکسیلیٹر میں الجھے ہوئے مجھ سے کہا 'بھیا ذرا دھکا لگا دینا' مجھے خوشی ہوئی' میں نے گاڑی کے پیچھے جا کر پورے دل و جان سے اپنی پوری قوت سے گاڑی کو دھکا لگایا، اتنی قوت میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں لگائی تھی لیکن گاڑی کو اسٹارٹ کرنا ضروری تھا، جو کچھ قوت لگاتا تھا، یہیں لگاتا تھا اور ابھی بس صرف ابھی لگانا تھا میں نے کار کے پیچھے جٹ کر اپنے پاؤں کو لوہے کی طرح سخت کرلیا اور کار چل پڑی، انجن کی طرف سے انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی، اور میں اب پیچھے سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کار کے گیٹ کی طرف بڑھی جواب انجن کی وجہ سے خود بخود چل رہی تھی۔ اب اس موٹے آدمی کا ایک ہاتھ اسٹیرنگ پر تھا اور دوسرا کلچ پر، نگاہ اس کی سیدھے سامنے سڑک پر تھی دوسرے پاؤں سے وہ اکسیلیٹر دبا رہا تھا۔ مجھے کھڑکی کے پاس محسوس کیا تو جیسے اسے خیال آیا کہ وہ کچھ بھول گیا تھا، اور 'تھینک یو ویری مچ'— اس نے بغیر میری طرف دیکھے ہوئے خوش دلی سے کہا، اور کار تیز ہوگئی، اور پھر زن سے نکل گئی، کچھ اتنی تیزی سے وہ نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوئی کہ میں اور کچھ نہیں دیکھ سکی اور صرف یہ محسوس کیا کہ وہ اپنے پیچھے ایک بے پناہ خلا کاٹتی چلی گئی ہو، جیسے ہوائیں دو طرف ایسے پھٹ کر الگ ہوگئی ہوں، جیسے تیز موٹر بوٹ کے گزرنے سے جھیل کا پانی پھٹ جاتا ہے، اور اس کے بعد مجھے

پھر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھوک بہت لگ گئی تھی، اور پیاس کی شدت سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا لیکن وہاں خشک گرم ریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میری نگاہ گھومتی گھومتی درخت کے اوپر جا پہونچی، اور دیکھا کہ وہاں ایک چڑیا بیٹھی تھی اس وقت مجھے یاد آ رہا ہے، مجھے اب کچھ نہیں پتہ چل رہا تھا کہ میں لڑکی تھی یا لڑکا تھا، مجھے بس یوں لگ رہا تھا کہ میں سب کچھ تھی مجھے اس چڑیا کو مار لینا چاہئے، میں نے نیچے سڑک پر کنکر کی تلاش کرنے کے لئے نگاہ ڈالی۔ ایک پتھر کا ٹکڑا دکھائی دیا۔ میں نے اٹھالیا، اب چڑیا کو مارنا تھا اور ایک ہی بار میں مارنا تھا کہ دور دور تک اور کوئی چڑیا نہیں تھی اور آگے کہیں حد نظر تک کوئی درخت نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اگر ایک بار میں نہیں گرتی اور اُڑ جاتی تھی تو پھر کوئی چیز میرے ہاتھ نہیں آتی، میں نے اس چڑیا کو غور سے دیکھا اور ہاتھوں سے پتھر کا نشانہ لیا، مجھے ایسا لگا کہ میرا ہاتھ جو یوں تو اِدھر اُدھر ہر کام لاپرواہی سے کرتا رہتا تھا، اس وقت، میں اس کو تمام لاپرواہیوں سے آزاد کر کے، اس پر اس قدر مکمل گرفت رکھنا چاہتی تھی کہ میری نگاہیں جس چڑیا کو دیکھ رہی تھیں اس چڑیا اور میری آنکھ اور میرے ہاتھوں کے اندر کے احساس میں ایک مکمل اور نپا تلا ہوا رشتہ بن جائے کہ میں پتھر پھینکوں تو اس کے کہیں اِدھر اُدھر بھٹک جانے کا ایک ذرہ برابر بھی اندیشہ نہ ہو کہ یہ اس وقت میری زندگی کا سوال تھا اور یہاں کسی غلطی کے ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی، ۔ سو میں نے یوں تول کر جو پتھر مارا تو وہ ٹھیک چڑیا کے پیٹ میں جا کر لگا، اور وہ تو جب پتھر میرے ہاتھوں سے نکلا تھا تبھی مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہ چڑیا کے پیٹ میں ہی لگے گا۔ اور مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ جاتے ہوئے پتھر کو اس وقت بھی جب وہ ہاتھ سے نکل کر چڑیا کی طرف جا رہا تھا اور ہوا میں تھا، میرے اندر سے کوئی قوت وہاں تک نکل کر اس کو سیدھے راستے پر پکڑے ہوئے لیے جا رہی تھی چڑیا پٹ سے نیچے آ گری، میں آگے بڑھی اور چڑیا کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا لیکن اب اس کو کیسے کھاتی یہ سوال میرے ذہن میں ابھرنے لگا۔ میرے ہاتھ میں کوئی چاقو نہیں تھا اور کہیں آگ بھی نہیں تھی، میں نے اس کو دانتوں سے کاٹا، اور سوچا کہ یونہی کچا کھا جاؤں گی۔ مجھے لگا کہ میں دانتوں سے اس طرح کاٹتے ہوئے درندہ سی ہو رہی ہوں، اور بغیر بھنے ہوئے کھانا بھی میرے اندر درندگی کی نشاندہی کر رہا ہے۔ لیکن میں نے اس خیال کو اپنے اندر ہی دبا دیا اور وہ بالکل ایسے دب گیا جیسے نرم موم انگلیوں سے دب

جاتا ہے، اور پھر میں نے دانت سے کھینچ کر اس کا گلا کاٹا، اور تھوڑا خون باہر نکلا، میں اس خون کو چاٹ چاٹ کر پی گئی، لیکن اس گرم خون سے میری پیاس نہیں بجھی بلکہ اور بڑھتی گئی، اور میرا جی چاہا کہ میں اب ہر چیز کو چباؤں تا کہ اس میں سے اسی طرح کا رقیق مادہ اور نکلے، اور میں اس سے اپنا پیٹ بھرتی جاؤں تا کہ پیاس اگر بجھے نہیں تو بھر جائے، پھر میں نے اس کے پر نوچ دئے، اور کھانے کے وقت پھر خیال آیا کہ میں درندوں کی طرح کچا کھانے جا رہی ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں اس پورے خیال کے ساتھ یہ خیال آیا کہ یہاں اب کچھ نہیں رہا تھا، یہاں تو اب جیسے وہ پورا میدان، وہ پوری سڑک جہاں میں کھڑی تھی، اور وہ گرم دھوپ، اور جلتا ہوا آسمان اور دہکتی ہوئی زمین، ایک چولہا بن گئے تھے، اور میں اس میں خود بھی بھن کر کباب ہو رہی تھی۔ تو اس طرح بھوننے کا عمل انسانیت کا عمل کہاں رہا؟ اور مجھے کچا کھانے میں ایک عجیب مٹھاس کا احساس ہوا۔ میں پوری چڑیا کھا گئی، تو پیٹ کے اندر کچھ سکون محسوس ہوا، لیکن ایسا لگا کہ یہ سکون انتہائی وقتی تھا کہ بھوک اس قدر تیز تھی، اور چڑیا اتنی چھوٹی تھی اور سفر کی محنت اتنی سخت تھی کہ وہ چڑیا فوراً ہضم ہوگئی اور اب کوئی چڑیا بھی دور دور تک نہیں دکھائی دے رہی تھی تب میں نے سوچا کہ اب جو بھی گاڑی آئے گی اس کو خود رکواؤں گی اور اس میں بیٹھ کر جاؤں گی۔، تھوڑی دیر بعد ایک جیپ آئی، میں کنارے سے سڑک پر آ گئی، جیپ تیزی سے بڑھی آ رہی تھی، میں نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کو رکنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ گو کہ مجھے دیکھ رہے تھے اور میری صورت حال کو بھی وہ دیکھ رہے تھے اور چاروں طرف کے ماحول کی روشنی میں میری پریشانی کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار کم نہیں ہوئی، مجھے یکایک بجلی کی طرح خیال آیا کہ میں اپنے ہاتھ ہلا ہلا کر ان کو، صورت حال کی شدت کے متعلق، اشارے سے بتاؤں لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ اگر میں ہاتھ ہلا ہلا کر اشارہ کروں گی اور پھر بھی وہ گاڑی نہ روکیں تو مجھے زبردست ناکامی کا احساس ہوگا، اور میں ناکام ہونا نہیں چاہتی تھی، ۔ میرا ہاتھ محض اسی طرح اٹھا رہا، اور جیپ قریب آ کر مجھ سے کترا کر گزر گئی۔ اس لمحے بہت گہرائی سے میرا جی چاہا کہ میں اس جیپ کو پیچھے سے پکڑ لوں اور اس کے ساتھ گھسٹتی چلی جاؤں، لیکن وہ جیپ چلی جا رہی تھی اور میں اسے پکڑ نہیں پائی تھی، اور اب مجھے خیال آیا کہ میں شہر کی طرف چلوں اور تیز چلوں اور مجھے لگا کہ میں چل سکتی ہوں، اور میں چل پڑی اور سڑک پر یہاں وہاں،

گرم ہواؤں سے پیدا ہوتے چھوٹے موٹے بگولوں سے گرد اڑتی رہی اور میں اس پیاس اور تھکن کو بھول کر اس سڑک میں کھو گئی جو میرے سامنے تھی، اور مجھے لگا کہ میرے اندر کی کسی چیز نے باہر دور تک نکل کر مجھے شہر سے باندھ دیا ہے اور وہ نہ دکھائی دینے والی چیز مجھے شہر سے باندھ کر کھینچے ہوئے ربر کی طرح اب سکڑ رہی ہے اور میں اس کی طاقت سے کھنچتی جا رہی ہوں، لیکن میں نے اپنے کو پوری قوت سے سنبھالے رکھا کہ میں گر نہ جاؤں اور گھسٹنے نہ لگوں، اور میں اس کشش میں کھنچی چلتی رہی، پھر مجھے لگا کہ وہاں ربر کی طرح کوئی چیز نہیں تھی بلکہ میں عجیب طرح سے آگے خود اپنے چلنے کی قوت پر بڑھی جا رہی تھی، اور مجھے لگا کہ مجھے میرے اپنے اندر ہی کوئی دوست مل گیا ہے جو مجھے قوت دیتا جا رہا ہے اور میں بڑھتی رہی، اور چلتی رہی، اور پھر مجھے لگا کہ مجھے کچھ کھینچ نہیں رہا تھا بلکہ دراصل میں خود بڑھ رہی تھی، اور جیسے میں اپنی اس قوت سے بڑھ رہی تھی جو میرے وجود میں پاؤں تک اتر رہی تھی، اور پھر مجھے لگا کہ میرے جوتے گھس گئے ہیں لیکن میں بڑھنا چاہتی ہوں اور پھر مجھے لگا کہ میرے پاؤں نیچے سے گھس رہے تھے، لیکن پھر میں نے یہ جاننا بھی بند کر دیا اور بس صرف ایک بار مجھے ایک بہت گہرے درد نے چونکایا جب مجھے لگا کہ سڑک میرے دل کو چھو رہی ہے اور اس کے بعد جیسے میں خواب دیکھنے لگی تھی،۔ میں دیکھ رہی تھی کہ میں سڑک پر چل رہی ہوں اور اپنے آپ کو ہی، اپنے اوپر اوپر چلتے ہوئے دیکھ رہی ہوں، اور میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ بھی جو بچنے کیلئے اوپر اٹھے ہوتے تھے سڑک سے گھس کر کٹ گرے۔ اور پھر میں محض آگے بڑھ رہی تھی، اور میرا منہ بھی گھسا تو مجھے کچھ محسوس نہ ہوا، اور آخری وقت جو میں نے دیکھا وہ صرف اتنا تھا کہ میں آگے بڑھ رہی تھی اور میں گو کہ پوری طرح گھس گئی تھی لیکن دو آنکھیں میرے دماغ کو اپنے اوپر لئے ہوئے مسلسل بڑھی جا رہی تھیں، اور پھر لگا کہ ہم دونوں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے، اور تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میں کناٹ پلیس کی ایک سڑک پر کھڑی تھی۔ اور اس طرح کھڑی تھی کہ میرا پورا جسم ساکت سنبھلا ہوا کھڑا تھا، اور صرف آنکھیں حرکت کر رہی تھیں، اور میں سڑک پار کرنے کے لیے چلتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی کہ کب ان کی بھیڑ اور رفتار کچھ کم ہو اور میں بیچ میں سے نکل کر دوسری طرف پہونچ جاؤں اور میں دیکھ ہی رہی تھی کہ میری آنکھ کُھل گئی۔ اور اِس وقت میں صرف یہی سوچ رہی ہوں کہ وہ جو تیز رفتار بے رحم ٹرافک تھی جس

کے کنارے میں کھڑی ہوں وہ کہاں ہے اور میں کہاں کھڑی ہوں؟ سونیا مجھے اب تک محسوس ہو رہا ہے کہ میں گھس رہی ہوں، اور بڑھ رہی ہوں، اور مجھے صبح سے کئی بار ایسا لگ چکا ہے کہ جیسے سڑک دل کو چھو رہی ہے۔

سونیا نے نیرا کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں غور سے جھانکا تو وہ ڈر سی گئی کیوں کہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے اچانک لگا تھا کہ نیرا واقعی گھس رہی تھی۔ اور اس کی آنکھوں میں ویسا ہی خاموش اور چٹانوں سے زیادہ سخت کرب تھا۔ اور جیسے سڑک اس کے دل کو اب چھو رہی ہو اور اس کے باوجود نیرا صرف اس امید پر زندہ ہو کہ جب تک آنکھیں اور دماغ سلامت ہوں تب تک انسان فنا نہیں ہو سکتا اور اس امید کے علاوہ جیسے نیرا کے اندر ایک طوفانی شدت رکھنے والا یقین اسے لیے جا رہا ہو کہ وہ شہر میں ضرور داخل ہو گی اور شہر کی تیز رفتار ٹرافک کو پار کر کے اپنے لئے جگہ تلاش کرے گی اور بغیر جسم کے جینے کا کوئی اور روپ بھی پیدا کرلے گی۔

☆

رفتہ رفتہ نیرا کو احساس ہوا کہ اس کے ارد گرد اور اس کے ساتھ ساتھ فضول اور بے معنی چیزوں کا ایک انبار اس کی زندگی میں شامل ہو کر چل رہا ہے۔

اور آج شام ہوتے ہی یہ احساس کچھ اتنی تیزی سے شدت اختیار کر گیا کہ اب اس میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

وہ ان کو چن چن کر فنا کر دینا چاہتی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کسی تنہا، کھلی جگہ میں نکل جانا چاہتی تھی۔

رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

ساری دکانیں بند ہو چکی تھیں لیکن سڑک کی دوسری جانب ایک پان کی دکان کھلی تھی۔ وہ ادھر مڑ گئی وہاں جا کر ماچس کی ایک ڈبیا خریدی — اب وہ کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھی۔ وہ کہاں جائے — وہ چلتے چلتے بائیں جانب اس لین کی طرف مڑی جو آگے جا کر ببول پارک میں کھلتا تھا — ببول پارک، ایک ویران سا پارک تھا جس میں جگہ جگہ دلّی کی زمین میں پائی جانے والی

مخصوص چٹانیں، پہاڑی نما منظر بناتی تھیں۔ آگے چاندنی بکھر رہی تھی۔ وہ جا کر ایک اونچے سے چٹان کے نیچے ایک چھوٹے سے پتھر پر بیٹھ گئی—— آگے ایک کھائی تھی، اس سے آگے پھر سرپٹ میدان—— اور ادھر اُدھر پتھر—— خاموش پتھر——

اس نے ماچس والی مٹھی کھولی اور پوری ماچس کو غور سے دیکھا جیسے شکاری شکار سے پہلے اپنی رائفل کو دیکھتا ہے۔ پھر اس نے ماچس کی ڈبیا یوں کھولی جیسے اپنے سوا وہ پوری کائنات کو جلا دینا چاہتی ہو۔ ایک ایک تیلی نکال کر وہ جلانے لگی۔

اس نے پہلی تیلی جلائی۔

اس خوف کے نام کے اگر میں نے کمار سے جھگڑا کیا تو میری پڑھائی خراب ہو جائے گی۔ آج میں اس خوف کو جلا کر فنا کر رہی ہوں۔ وہ جلتی ماچس کو دیکھتی رہی جب تیلی آخری سرے تک جل گئی تو اس نے اسے ایک طرف پھینک دیا اور اس سے نکلتی ہوئی لو اور پھر دھوئیں کی آخری لکیر کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے دوسری تیلی جلائی۔

اس بدنامی کے خوف کے نام کہ لوگ مجھے کچہری اور تھانے میں جاتے ہوئے دیکھ کر کیا کہیں گے۔ آج میں اس خوف کو جلا کر فنا کرتی ہوں۔

اس نے تیسری تیلی جلائی۔

چوتھی تیلی۔

اس خواہش کے نام کہ میں ایک پُرسکون زندگی گزاروں کہ اس خواہش نے مجھے غلام بنا رکھا تھا

پانچویں۔

پولس اسٹیشن سے لگی ہوئی امیدوں کے نام——

تیلی۔

پڑوسیوں کے نام کہ جو دشمن کے ندیم بن گئے۔

معصومیت کے نام—— جس سے مجھے روحانی پیار تھا۔

سادہ دلی کے نام جو میری عقل پر پردہ ڈالتی تھی۔

سریواستو انکل کے نام—— کہ جن کی بیماری کا خیال مجھے کمزور بناتا ہے۔

کمار کے ڈیڑھ لاکھ کے حرجانے کے مقدمے کے نام۔

راکیش کے نام—— جس نے بے دھڑک سچائیوں کے اوپر سے پردہ ہٹا دیا۔

سچائی کے نام—— جو ایک نہیں ہوتی، اور جس کا کوئی قد متعین نہیں۔

اپنی عصمت کے نام—— جو خوف کو جنم دیتی ہے۔

غنڈوں کے نام—— کہ جن سے اب میں بھاگنے کو تیار نہیں۔

مکان کے نام——

اور اس نے چن چن کر ان تمام خیالات کو جلا کر دھواں کر دیا، جو اسے پکڑے ہوئے تھے، اور وہ اٹھی——

اور یہ آخری تیلی—— ان تیلوں کے نام کہ میں رشتوں کے اس شمشان گھاٹ تک کو یاد رکھنا نہیں چاہتی۔

وہ لوٹی——

آج اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا،

وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی،

گھر پہنچی تو سونیا سڑک پر ٹہلتی ہوئی، اس کا انتظار کر رہی تھی—— کہاں گئی تھی؟

آج میں آگ کے شعلوں میں سارے جراثیم جلا آئی ہوں—— اب میں تمام بیماریوں سے پاک ہوں—— بالکل پاک—— شفاف پانی کی طرح صاف—— آج سے میں ایک نئی زندگی شروع کر رہی ہوں۔

''کیا؟ بہت فلسفی ہو رہی ہو؟؟

'نہیں فلسفی نہیں، سچ مچ—— یہ ماچس کی ڈبیا دیکھو۔ اور اپنی بات پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر دونوں کے قہقہے پھوٹ پڑے۔

ٹھیک اسی لمحے—— پیچھے کی گلی سے کمار اور مسز آشا ٹہلتے ہوئے آ رہے تھے۔ کمار نے نیرا کو اس قدر کھل کر قہقہہ لگاتے دیکھا تو چونک گیا۔

اتنا صاف قہقہہ،

پہاڑی چشموں،

سے گرتے،
بے پرواپانی کی طرح،
بولتے ہوئے
کھنکتے ہوئے قہقہے۔!

☆

آج پھر کاغذ کا ایک ورق اس کے سامنے تھا۔

اس وقت جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ بالکل اجنبی ہے۔

نیرا لکھ رہی تھی۔

اور وہ میرے اندر سے ہو رہا ہے — اب مجھے ماں کی یاد پریشان نہیں کرتی، کمار کے گھر سے آتی ہوئی تیز ریڈیو کی آواز ڈسٹرب نہیں کرتی۔ بجلی کی جگہ لالٹین سے بھی اطمینان سے پڑھ لیتی ہوں۔

لیکن جیسے جیسے یہ باہر کا پورا منظر میری نگاہوں میں منجمد ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے میرے اندر سے آتش فشاں کی طرح لاوا اگلتا ہوا ایک نفرت کا طوفان اٹھ رہا ہے۔ لگتا ہے جب تک وہ یہاں سے جائیں گے نہیں، میرا گھٹنا رہے گا۔ میں اپنے دم گھٹنے کے اس احساس کو نہیں دبا پا رہی ہوں، میں نے کئی بار کوشش کی کہ اسے بھی ڈائری میں لکھ کر خاموش کر دوں، لیکن یہ قابو میں آنے والی شے نہیں لگتی، اس کا زلزلہ دماغ کو تتر بتر کر دیتا ہے۔

میں اپنے خیالات کو یکجا نہیں کر پاتی۔

میں بار بار سوچتی ہوں کہ اس پر کیسے قابو پاؤں۔

جب میری اندرونی جڑیں کٹی ہوئی تھیں تو باہری طاقتوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور جب باہری طاقتوں کو ہٹا چکی ہوں کہ کیا میں پھر بہہ رہی ہوں؟ کیا مجھے اپنے کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ یہ اندھی طوفانی قوت کیا ہے؟ وہ پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ کچھ کچھ پہچاننے لگی۔ وہ اپنا ہی ابھرتا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی وہ طاقت کوئی اور نہیں تھی، یہ وہ خود تھی! وہ متحیر تھی۔ اور وہ اب پھر ایسے لکھنے لگی جیسے اپنی کہانی لکھ رہی ہو۔

لیکن — نیرا یہ تمہارے اندر سے تمہاری شخصیت کی کونپلیں نکل رہی ہیں۔

تمہارے اندر سے اٹھتی ہوئی یہ طاقت وہ بہار ہے جو برسوں سے مسلط خزاں کی جگہ لے رہی ہے۔ تمہاری بیمار شخصیت صحت مند ہو رہی ہے، تمہارا کمزور دل مضبوطی حاصل کر رہا ہے یقیناً تم زندگی کے بہت ہی اہم مرحلہ پر ہو۔

یہ وہ درخت ہے جو اپنی نشو و نما کے لئے ہواؤں اور مٹی اور پانی اور روشنی کی دنیاؤں سے اپنی غذا خود حاصل کرے گا۔

نیرا — تمہارا زندگی کو جھیلنا ایک جامع تخلیقی عمل تھا۔ جھیلو اور مستقبل میں جھیلنے کے عمل کو جاری رکھو۔

☆☆

۱۳

اسے الوک کی یاد آئی،

اب جو ایک نئی تصویر ابھر رہی تھی اس میں ان تمام چیزوں کو از سرِ نو دیکھنے کی ضرورت تھی، الوک سے نہ ملنے کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ یہ ضروری تھا۔ اس نے سال بھر پہلے، دوستوں سے ملنے سے انکار تو نہ کیا تھا، اس نے تو دوستی کو مسترد کیا تھا، دوستی کے اس رشتے کو مسترد کیا تھا۔ لیکن زندگی کے نئے خانے کو مرتب کرنے سے تو انکار نہیں کیا تھا۔

اب تو میں نے زندگی میں جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ اس قدر تابناک ہے کہ اس حسن کو لوگ دیکھنا چاہیں گے۔

تو وہ ملے الوک سے۔ اور دیکھے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔
وہ الوک سے کیا مانگے گی؟
وہ الوک سے کیا چاہے گی؟
اگر الوک نے اس سے پوچھ لیا کہ وہ اس سے کیا مدد چاہتی ہے تو وہ کیا کہے گی۔
کیا تھانے اور کورٹ کے سلسلے میں اسے الوک کی مدد کی ضرورت ہے؟
اسے کیا مدد چاہیئے؟
وہ اتنا زیادہ کیوں سوچ رہی ہے؟
وہ الوک سے کیا رشتہ تلاش کر رہی ہے؟

☆

سوچتے سوچتے وہ جھنجھلا گئی۔
یہ کس نوعیت کی سوچ ہے جو
اسے اُلجھائے ہوئی ہے؟
یہ سوالات کہاں سے اُٹھ رہے ہیں؟
یہ کیا؟، کیوں،، کس لیے؟
یہ سب۔
جو اس جال کے ٹکڑے ہیں، جس میں، میں گرفتار تھی۔
اب میری سوچ بھی بدلنی چاہیئے۔
کہ
یہ کائنات میرے لیے اب ایک جگہ ہے۔
کھیلنے کی۔
کچھ کرنے کی۔
ایک دوسرے میں شریک ہونے کی۔
جہاں، وہ شخص ہی سب سے زیادہ نمایاں اور دلکش ہے،
جو زندگی،
اور کائنات کی پیچیدگی کو،
بغیر کسی اُلجھن اور ذہنی تناؤ کے،
انتہائی انہماک سے مزے لے کر برتتا ہے۔
اور۔
جو نٹ کھٹ بچوں کی طرح نئی حرکتیں کر کے یہاں وہاں چونکاتا رہتا ہے۔
اور جس کے نہ ہونے سے زندگی سونی پڑ سکتی ہے۔
اور یہ نٹ کھٹ شخص
ان لوگوں سے مختلف ہوتا ہے، جو زندگی کو اپنے اوپر لاد کر چلتے ہیں، جن کی چال اور روح بوجھل ہوتی ہے اور جن لوگوں کی ندرت بھی تحیر کی سرحدوں سے، بہت پیچھے چھوٹ جاتی ہے۔

اور جس کے برعکس۔

یہ کھیلتا ہوا انسان۔

اپنی تخلیقی اور جارحانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے قدموں کی آہٹ سے انسانی تحیّر کے پردے اٹھتے ہیں، اور جو فرض کی طرح لدی ہوئی ٹھوس زندگی کی حقیقت کو اپنی چال کی وسعتوں سے جھٹلانے لگتا ہے——

نیرا کو الوک کے عہدے کا خیال آیا

اپنے اوپر بوجھل پن لیے ہوئے۔

سوکھتے ہوئے، پھل کی طرح۔

ہاں وہ بھی وہی ہوگا۔

جو لوگ خطرات اور حقیقتوں سے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں—لوگ ان کو دیکھنا، سمجھنا، ان میں شریک ہونا اور ان کے تماشہ گاہ میں جانا پسند کرتے ہیں—

نیرا کو لگا کہ زندگی ایک اسٹیڈیم ہے—اسی اسٹیڈیم کی طرح جس میں اس نے بھینسوں کی لڑائی دیکھی تھی——اور لوگ بسوں میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں——اور چاہتے ہیں کہ بس رکی رہے۔

لوگوں کی دلچسپی تو عجیب ہے۔

کھلاڑی اپنی روح کی گہرائیوں سے قوت کے چشمے کاٹ کر نکالتے ہیں اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کے مظاہرہ میں اپنی ذات کو بلند ترین منازل پر پہنچتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور لوگ ان کے اس عمل سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اور اس میں شامل ہو کر وہ خود اپنی زندگی کی بوجھل گھاٹیوں سے نکل کر وہاں پہنچ جاتے ہیں، جہاں کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔

اور جہاں بنانے اور بگاڑنے کے عمل کو لوگ گہرے انہماک سے دیکھتے ہیں، اور اپنے اندر بھی وہی ہوتا ہوا محسوس کرتے ہیں——حتیٰ کہ اگر تماشہ اچھا ہوا، تو دیکھنے والوں پر جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور وہ زندگی کی کثافت سے بھاگ بھاگ کر چوری چھپے نکلتے ہیں، اور اس تماشہ گاہ میں پہنچتے ہیں۔

اور یہ عجیب و غریب تماشہ گاہ کچھ ایسا ہے کہ مختلف لوگ، مختلف زاویوں سے بیٹھے

ہوئے دیکھ رہے ہیں، اور جس کا منظر بھی جادوئی کیفیت کے ساتھ تہہ در تہہ اور ٹکڑا ٹکڑا سجا ہوا ہے، اور یہاں وہ دلچسپ ترین کھیل دکھا رہی ہے۔ خطرناک ترین کھیل— کہ وہ اس چھوٹے بھینسے کی طرح ہے—اور کمار بڑے بھینسے کی طرح!—اور لوگ بسوں میں بیٹھے ہیں، اور بسیں لمبی ٹرافک کی قطار کے پیچھے ریڈ لائٹ پر رکی ہوئی ہیں اور لوگ سوچ رہے ہیں کہ بس رُکی رہے

کہ تماشا ایسے ہے۔ جیسے کوئی پتلی رسی پر چل رہا ہو۔

اور نیچے۔ کھائیاں ہوں۔

ہزاروں گز گہری۔

دھند میں ڈوبی ہوئی۔

☆

میں نے جس روپ میں زندگی اور اس کے داؤ پیچ کو دیکھا ہے، اور اس کی پیچ در پیچ راہوں اور اس میں گھومتے ہوئے سایوں کو دیکھا ہے یقیناً الوک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ میں اسے یہ سب کچھ بتاؤں گی تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ میں اس سے کچھ لینے نہیں بلکہ اس کو کچھ دینے گئی ہوں۔

رزم ہو یا بزم—عورت کہیں بھی جاتی ہے، تو ایک بار اپنے سراپا کا جائزہ ضرور لے لیتی ہے۔ جیسے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے یا پھر اس سے اپنی بات کو کہنے اور سمجھانے میں اس کا حسن خاصا رول ادا کرتا ہے۔ عورت اپنی بات، چاہے وہ کوئی بھی بات ہو، صرف زبان سے نہیں، اپنے پورے سراپا سے کہتی ہے۔ وہ بھی جانے سے پہلے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی، اپنے آپ کو غور سے دیکھا—آخریوں کیسے چلی جاتی، بال ٹھیک کیے، چہرے کی جلد کو غور سے دیکھا۔ سنجیدگی کی پرتیں پڑ گئیں تھیں، مسکرا مسکرا کر ان کو نرم کرنے کی کوشش کی، آنکھیں تنی ہوئی تھیں، ان میں مسکراہٹیں ڈال کر ان کو شگفتہ اور معنی خیز کیا، کپ بورڈ کے سامنے گئی تو کئی بار کپڑے کا انتخاب کیا۔

بالآخر ہلکے ہرے رنگ کا ایک سوٹ نکالا، بال اچھی طرح گوندھ گوندھ کر باندھے اور دوپٹہ اپنے سینے سے ہوتے ہوئے کندھوں پر ڈال کر اپنے آپ کو دیکھا—پھر اپنی مسکراہٹ کا معائنہ کیا اور مسکراہٹ کو روک کر سنجیدہ صورت کو بھی دیکھا، ہر طرح سے ٹھیک لگ رہی تھی۔

الوک کے دفتر کا پتہ اس کی ڈائری میں تھا، ایک بار پھر اس نے پتے کو غور سے پڑھا، اور آگے بڑھی، سامنے ایک چہار دیواری تھی، اندر محکمہ پولس کے دفتر تھے۔ پھاٹک پر سنتری رائفل لیے کھڑا تھا۔ دیوار پر اسسٹنٹ کمشنر آف پولس، دیونگر کا بورڈ لگا تھا، وہ اندر مڑ گئی۔

الوک کے دفتر پر بہت سے لوگ انتظار کر رہے تھے، اس نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اپنا نام لکھ کر سپاہی کے ہاتھ اندر بھیج دیا۔ سپاہی فوراً لوٹا۔

'آپ آ جائیے'

وہ آگے بڑھی تو ذہن الوک کی طرف تھا، نگاہ آگے کی جانب اور دل اپنے چاروں طرف موجود لوگوں کی طرف جن کے سامنے اس کو یہ عزت افزائی ملی تھی۔ دروازہ آہستہ سے کھولا تاکہ بے ہنگم شور نہ ہو۔ اندر سامنے ایک بڑی سی میز کے پیچھے الوک کوئی کاغذ دیکھ رہا تھا—دروازہ کھلتے ہی اس نے نگاہ اٹھائی، اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ الوک کو سر کی جنبش سے نمسکار کیا، اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔ اور کاندھے میں ہینڈ بیگ تھا—الوک نے بیٹھنے کے لئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

الوک نے مشغولیت سے فارغ ہو کر اس کی طرف توجہ دی۔

بتایئے؟

اس نے الوک کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ الوک اس کی بات مکمل توجہ سے سننے جا رہا ہے۔ چند لمحے تک تمام تیاریوں کے باوجود بھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ گفتگو کا آغاز کہاں سے کرے کہ الوک نے اسے انتہائی سیدھے انداز میں کہا۔

'نیرا۔ آپ کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کا مسئلہ کیا ہے' وہ مسکرایا۔

'نہیں دراصل بات یہ ہے کہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'

''کیا؟'' الوک چونک اُٹھا، '' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے مسئلہ کو سمجھ چکی ہیں کیونکہ انسان کا ایک ہی مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسئلہ کو پہچان نہیں پاتا۔'' میرے پاس کوئی مدد کے لئے آتا ہے تو میں محض اتنا ہی کرتا ہوں کہ اس کو اس کے مسئلے کی پہچان کرا دیتا ہوں کہ اس کا مسئلہ کتنا گہرا ہے، اس میں کیا کیا الجھاؤ ہے، اور ان سے نپٹنے کے لیے ان کے پاس کیا کیا ذرائع ہیں، میں ایک پولس افسر ضرور ہوں لیکن اپنے رسوخ اور اثر کا بہت کم استعمال کرتا ہوں۔''

''میں آپ کے پاس آئی ہوں، لیکن خود نہیں سمجھ پا رہی ہوں کہ آپ سے کیا مانگوں؟''

'کوئی کسی کو دنیا میں کچھ نہیں دیتا، الوک نے گفتگو میں مداخلت کی، اور وہ جو چیز دی جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، وہ محض اختیار، علم یا تجربہ کا استعمال ہوتا ہے۔

'میں نے آپ کو فون کیا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ آ جاؤ، اور میں نے کہا بھی تھا کہ میں آؤں گی لیکن نہیں آئی، اور میں چاہتے ہوئے بھی آپ سے دوبارہ فون کر کے نہیں بتا پائی کہ میں نہیں آؤں گی اس لیے کہ میں یہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ میں آپ سے کیا کہوں گی کہ میں کیوں نہیں آ رہی ہوں، آپ سے فون پر گفتگو ہونے کے دوسرے دن سے کچھ ایسا لگا کہ مجھے اس سارے مسئلہ کو کسی اور طرح سے لینا چاہیے، میں آپ کو فون کرنے سے پہلے ان تمام لوگوں کے پاس جا چکی تھی جن سے جان پہچان ہونے کے ناطے تھوڑی بھی مدد کی امید تھی، لیکن کہیں سے بھی کوئی خاطر خواہ مدد نہیں ملی، بعد میں اندازہ ہوا کہ دراصل مدد مل بھی نہیں سکتی تھی، اور مل بھی جاتی تو اس سے وہ بنیادی مسئلہ وہیں میرے اندر موجود رہ جاتا جس کی وجہ سے یہ مسئلہ کھڑا ہوا تھا۔ میرا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ میں مکمل طور پر اپنے تمام معاملات میں کسی نہ کسی پہلو سے سوسائٹی اور گھر اور اس کے نظام پر تکیہ کیے بیٹھی تھی، اور ایک عجیب سادگی اور معصومیت کے ساتھ سمجھتی تھی کہ وہ سب چیزیں اور لوگ میرے اپنے تھے، میرا پورا بھروسہ فرضی اور غیر حقیقی تھا، اور اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اصل صورت حال جس کا مجھے پہلے ذرہ برابر بھی احساس نہیں تھا، یہ نہیں سمجھتی تھی کہ ہر چیز میرے اردگرد اور میرے آس پاس اور پاؤں کے نیچے سے کھسک سکتی تھی۔ مجھے اپنی جس کمزوری کا رفتہ رفتہ احساس ہوا وہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں جو سماج کا ایک حصہ بن کر، اس سماج کے مطابق زندگی بسانے کا خواب دیکھ رہی تھی وہ میری بہت بنیادی غلطی تھی، اور جب میں تنہا رہ گئی تب مجھے احساس ہوا کہ میں محض صفر تھی، اور زندگی کی لڑائی کا آغاز وہاں سے کرنا تھا۔ تو مجھے اپنی تعمیر خود کرنی تھی، میں جیسے جیسے دیکھتی گئی، میرے ہاتھ پاؤں مضبوط ہوتے چلے گئے اور آج میں پوری قوت سے اور کامیابی سے کمار کا مقابلہ کر رہی ہوں، میں اپنے کو بے حد مضبوط پاتی ہوں۔

آج بھی جب مجھے اپنی تنہائی کا وہ ہولناک سناٹا یاد آتا ہے جس کا احساس مجھے اپنے مشکل کے دنوں میں گہرائی سے ہوا تھا تو مجھے لگتا ہے کہ اس سوسائٹی کے زیادہ تر لوگ خطرناک درندوں کے منہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن اس بات کو وہ جانتے نہیں۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے، اور جی چاہتا

ہے کہ سب کو جا جا کر بتا دوں کہ مجھے بار بار لوگوں نے کہا کہ سوسائٹی کی جو حقیقتیں ہیں، ان کو میں تسلیم کرلوں اور میں ان سے لڑ نہیں پاؤں گی لیکن میں نے دیکھا کہ سوال لڑنے کا نہیں تھا بلکہ اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ میں بے حد کمزور تھی، میں نے بعد میں محسوس کیا کہ یہ دنیا کو جاننے کی کوشش ہی خود اصل لڑائی ہے، اور اس کو جاننا کتابوں کو پڑھنے کی طرح نہیں ہے بلکہ دنیا اور زندگی کو جاننے کا عمل ایسا ہے کہ اگر اسے مکمل طور پر جاننا ہو تو اس سے کوئی نہ کوئی لڑائی چھیڑنا ضروری ہے، پھر میرے اندر جاننے کی خواہش اتنی بڑھی، اور اس کی اتنی شدید ضرورت کا احساس ہوا کہ آپ سنیں گے تو یقین نہیں کریں گے، لیکن یہ حقیقت ہے اور حقیقتاً میں نے ایسا کیا ہے کہ زندگی کے ان سنگین پردوں میں گھسنے کے لیے میں نے جان بوجھ کر ایسے مسائل کھڑے کئے اور ان کو پھیلایا کہ میں ان سے لڑنے پر مجبور ہو جاؤں کیونکہ زندگی کے اندر تک گھس جانا ضروری تھا اور جس دن سے اس کا انکشاف ہوا اس دن سے میں درد اور زخم کو علم سمجھنے لگی، کیونکہ یہ درد ہی کی آنکھ تھی جس سے میں چیزوں کو ان کے حقیقی روپ میں محسوس کر سکتی تھی، آپ کو میں شاید ایک پاگل لڑکی لگ رہی ہوں گی۔''

الوک کا انہماک بڑھتا گیا، اس کے اندر ایک حیرت بڑھتی جا رہی تھی اور وہ نیرا کو غور سے دیکھنے لگا تھا، اور پھر گفتگو کی ایک ایسی فضا پیدا ہوئی کہ نیرا بول رہی تھی، اور واقعات کی جھانکیاں یکے بعد دیگرے گزرتی جا رہی تھیں، اور پھر وہ ان ذہنی وارداتوں کا ذکر کر رہی تھی جن سے گزرتے ہوئے اسے اپنی شخصیت اور پوری کائنات کا روپ رنگ بدلتا ہوا محسوس ہوا تھا —— وہ یہ سب بیان کر رہی تھی۔

اور پورا کمرہ۔ کمرے کی ایک ایک شئے، الوک کے ساتھ نیرا کو سننے میں ہمہ تن گوش تھی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ میرے چاروں طرف کے حقائق ہیں، اور میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہم ان حقائق کی آقائیت کے زیر سایہ زندگی گزارتے ہیں—— لیکن اب میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے اسے بدلنا چاہتی ہوں میں خود حقیقت کو بدلنا چاہتی ہوں—— اور میں جان گئی ہوں کہ یہ کیسے بدلے گی۔ یہ حقیقت مجھ سے ہے۔ ان چیزوں کو حقیقت کا رتبہ، حقیقت کا رنگ ہم نے دیا ہے۔ اور ہم اس رتبے اور اس رنگ کو بدل بھی سکتے ہیں، —— ہم دراصل خود اپنے سائے کو ہی حقیقت اور اٹل مان لیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمارا سایہ ہے—— اگر ہم خود کو بدلیں تو یہ سایہ بدل جاتا ہے۔ لیکن ہم اپنے سائے کو دیکھ لیتے ہیں، اپنے آپ کو نہیں دیکھ پاتے—— اور جب ہم سائے کو

بدلنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ نہیں بدلتا، اور ہم تھک کر اسے نا قابل تبدیلی سمجھ لیتے ہیں، ہمارا اپنا بدل جانا بہت معنی رکھتا ہے، بلکہ ہمارا یہ جان لینا ہی کہ ہمارا وجود ہے اپنے اندر ایک جھنجھوڑ دینے والی حقیقت اور سانحہ ہے۔

ہم کہ جو چیزوں کی شکلیں متعین کرتے ہیں۔

جب ہم اپنے کو پہچان نہیں پاتے۔

تو دراصل ہم فنا ہو جاتے ہیں۔

اور جانوروں کی طرح، ہمارے جسم و روح پر ماحول حاوی ہو جاتا ہے۔

ہمارا مکان ہمارے لوگ ہمارا پیسہ یہ سماج یہ تھانہ یہ کورٹ حتی کہ ہمارے جذبات اور ہمارے جسم کے اعصاب تک دوسروں کی پکڑ میں ہیں۔ کیا میں بھی ان کی پکڑ میں ہوں؟۔ میں ان کی پکڑ میں نہیں ہو۔ میں بچپن سے اپنے مکان کی چھت کے نیچے رہتی آئی ہوں۔ اور آج یکایک مجھ سے کوئی وہ چھت چھین رہا ہے، گویا وہ مکان میرا نہیں اور مجھے باہر نکلنا پڑ سکتا ہے۔ میں اس مکان اور اس کی چھت کو پکڑے رہنا چاہتی ہوں۔ میں بغیر مکان کے نہیں رہ سکتی۔ آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنی چھت اور اپنے مکان کے اندر بھی محفوظ رہنے کے لئے انسان کو مسلسل جدو جہد کرنے اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرا سارا وقت صرف یہ سمجھنے میں گزر رہا ہے کہ کن کن چیزوں کو کتنی گہرائی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میرے ان الفاظ کی کوئی قیمت اور اہمیت نہیں کہ یہ مکان میرا ہے،۔ آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکان کوئی پیدائشی حق نہیں ہے۔ اگر یہ پہلے سے بنا بنایا بھی ہے تو بھی اپنے کو اس مکان کے رکھنے کے لائق بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی ضرورت کے، جو محض میں ایک لفظ میں بیان کر رہی ہوں، کتنے گہرے اور وسیع معنی ہیں کہ اس میں واقعتاً پوری کائنات سما جاتی ہے۔ اور یہ بات میں اپنی ننگی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں، آج میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں، اگر اس کی تصویر کسی کیمرے سے لی جائے، چاہے وہ کیمرہ شیشے کا ہو یا سماجی عقائد کا تو یہ میرا ہی اپنا مکان لگے گا وہی جس میں میں رہتی آئی ہوں لیکن آج اس مکان کے پورے وجود کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے کہ اب وہ عقیدوں کی بنیاد پر قائم تصویر محض ایک چیتھڑے کی طرح حقیقی منظر کو پراگندہ کر رہی ہے، اور کچھ نہیں۔

وہ بول رہی تھی—— اور الوک کو لگ رہا تھا کہ نیرا کی روح اسی کے سامنے ناچ رہی تھی۔

نیرا نے روانی کے ساتھ، ایک ایک تفصیل بیان کی۔ ایک ایک واقعہ، ایک ایک مشاہدہ وہ بیان کرتی جا رہی تھی، زبان سے، آنکھوں سے، ہاتھوں سے، ہاتھوں کی انگلیوں کے اشارے سے، اور وہ تحیر کے عالم میں سن رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا، نیرا کی ایک ایک انگلی کی ایک ایک حرکت کو، جو ہر نئی بات، ہر نئے واقعہ پر نئے انداز میں حرکت کر رہی تھیں، جیسے اس کی پوری زندگی اپنی تمام گردشوں اور پیچیدگیوں اور ندرتوں کے ساتھ اس کے شعور میں مکمل طور پر بس گئی ہو، اور وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، وہ اس کی اپنی نہیں بلکہ اس پوری زندگی کی بولی تھی جو اس کا لباس بنی تھی۔ چھوٹے چھوٹے واقعات اور کرداروں سے لے کر —زندگی کی گرفت سے اوپر اٹھ جانے —اور زندگی کو اپنی سمت میں لے کر بھاگنے کی خواہش تک —ہر چیز اپنے ماحول سے مکمل ہم آہنگی رکھتی تھی— کیسے ماحول کے دباؤ نے درجہ بدرجہ اس لڑکی کو شدید غلامی سے مکمل آزادی کی طرف دھکیلا تھا، وہ یہ صاف صاف دیکھ رہا تھا، اور کیسے کیسے نیرا نے خود اپنی نگاہوں میں بے چہرگی سے، ایک واضح اور روشن چہرہ کی طرف سفر کیا تھا اور وہ اس چہرے کے ساتھ زندہ رہنے کی کس قدر ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

نیرا اپنی زندگی کی بے شمار نئی سمتوں میں بھاگ رہی تھی، جیسے اپنے مکان کے در و دیوار کو چھونے کی کوشش کر رہی ہو، اور اس کی تاریک چھت پر فانوس لٹکانا چاہتی ہو جو خالی نہ ہو بلکہ جس میں سورج رکھا ہوا ہو۔

اسے یہ بہت اچھا لگا۔

نیرا کی باتیں سنتے سنتے اس کے تخیل میں بجلیاں کوندنے لگیں، — لیکن یہ تو میرے اندر کہیں کوڑے مار رہی ہے۔ الوک کے اندر نیرا کے بجائے اپنے وہ سارے تجربات وہ ساری یادیں، جن سے اس کی زندگی مرتب ہوئی تھی، وہ سب جاگنے لگے —اسے خود اپنی زندگی کا وہ ڈھانچہ دکھائی دینے لگا جس میں وہ جکڑا ہوا تھا۔

اس کے کانوں میں نیرا کے جملے ٹپکتے رہے، اور آنکھوں کی پتلیوں میں وہ بیٹھی رہی۔ نیرا اب اور پر جوش طریقے سے سب کچھ بیان کر رہی تھی۔ الوک کا ذہن نیرا کی انگلیوں سے بالکل ہم آہنگ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ان انگلیوں سے بندھا ہوا ہے۔

اور جب نیرا نے اپنی باتیں ختم کیں تو دیکھا کہ الوک پتھر کی طرح جامد ہو گیا ہے۔ اس کے کئی لمحوں بعد الوک کے جسم میں حرکت ہوئی تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ نیند سے جاگا ہو۔ اس نے

ایک لمبی سانس لی اور پھر نیرا کو غور سے دیکھا۔

نیرا اسے بہت دور اجنبی سی لگی —وہ اب مزید نیرا سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا —وہ تنہائی چاہتا تھا، خاموشی۔ کیا میں خود اپنی جگہ محفوظ ہوں؟؟؟، الوک کو ایک جھٹکا سا لگا۔

'اچھا پھر ملیں گے' اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا، اور پھر اپنے آپ میں لوٹ گیا۔

'اچھا' —وہ نمسکار کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

'تم پھر فون کرنا، یا آنا، الوک اٹھ کر اپنے ریسٹ روم میں چلا گیا۔ اسے بار بار نیرا کی سوسائٹی کے تحفظات کی یقین دہانی اور فرد کے ان کے اوپر اعتماد کے غیر حقیقی ہونے کی بات یاد آ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ نیرا کی کہانی ایک پیغام بہت وضاحت سے دے رہی تھی کہ ہر انسان کو اس نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو دیکھ لینا چاہیے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

☆☆

۱۴

نیرا تھانے کے رویے سے مایوسی ہوئی تھی لیکن پولس کے وجود سے وہ نہ آنکھیں بند کر سکتی تھی، نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس محکمہ کی بلند ترین سیڑھیوں تک چڑھ کر اس کی مکمل شکل کو دیکھ لینا چاہتی تھی، وہ علاقہ ڈپٹی کمشنر آف پولس مسز بترا کے پاس گئی۔

''میں آپ کی مدد کے لئے آئی ہوں کہ میرے لئے اپنے ہی گھر میں جانا ناممکن ہو رہا ہے، تھانے میں جاتی ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ مالک مکان اور کرایہ دار کا جھگڑا ہے، اصل باتیں بالکل سیدھی ہیں میری ماں ذہنی مریض ہیں، جھگڑے اور تناؤ سے ان کا بلڈ پریشر اور بڑھ جاتا ہے، مجبوراً مجھے اپنی ماں کو شملہ چھوڑ کر آنا پڑا ہے، اب میں گھر میں تنہا رہتی ہوں، پڑھنے کے ساتھ گھر کا پورا کام بھی اب مجھے ہی کرنا پڑتا ہے، حالانکہ یہ میرا میڈیکل کا فائنل ایئر ہے۔''

''میں اپنے یہاں آنے جانے والوں کے نام اور پتہ دے دیتی ہوں۔ آپ کبھی بھی پتہ کرا لیں آنے والا انھیں میں سے ایک ہوگا— میں آپ کو یہ بھی لکھ کر دے دوں گی کہ کس دن کون آیا اور کتنی دیر رہا— لیکن آپ صرف اتنی مہربانی کر دیں کہ آنے والوں کو پولس خوفزدہ نہ کرے، کوئی حال چال پوچھنے آجاتا ہے وہی بڑی بات ہے، پولس کیس میں پھنسنے کا ڈر ہو جائے تو پھر کون آتا ہے، میں آپ کے پاس پولس کی حرکتوں سے پناہ مانگنے آئی ہوں۔''

مسز بترا بالکل پتھر کی طرح خاموش رہیں۔

''کرایہ دار نے میرے برآمدے کے پردے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور اپنے لئے بجلی کی وائرنگ اس طرح علاحدہ کروائی ہے کہ میری وائرنگ کٹ گئی ہے۔ اور جب

میں وائرنگ کرانے جاتی ہوں تو وہ وائر مین کو بھگا دیتے ہیں ایسی حالت میں کمرے میں بے ترتیب بجلی کے کھنچے ہوئے تاروں میں تین بار شارٹ سرکٹ ہو کر آگ لگ چکی ہے، آپ کسی کو بھیج دیں جو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ دونوں طرف کے کاغذات دیکھ لے— اور ایک بار کہہ دے کہ چھت کی سیڑھیوں پر جو تالا کمار نے لگایا ہے وہ غیر قانونی نہیں ہے تو میں دوبارہ نہیں آؤں گی''—

مسز بترا خاموش رہیں۔

''میری اتنی واضح درخواست کو بھی سننے والا کوئی نہیں ہے؟؟''

''میرا پرسوں سے امتحان ہے، میری ساری کاپیاں، کاغذات اور کتابیں سب ان سیڑھیوں کے میزانن میں بند ہیں، اور میں ایسے وقت میں یہاں بھاگ رہی ہوں— اور ایک ایک جگہ دو دو گھنٹہ، چار چار گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد بھی کبھی ملاقات ہو رہی ہے، کبھی نہیں ہو رہی ہے،— آپ کم از کم میری کتابیں اور نوٹس نکلوا دیں۔''

مسز بترا کی خاموشی کو توڑنے کے لئے اب اس کے پاس اور کوئی بات نہ تھی۔ اس نے غور سے مسز بترا کو دیکھا اور پھر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''میں شکست نہیں مانوں گی، میں......'' وہ کچھ کہہ نہیں پائی، اس کے پاس اب کہنے کے لئے جو کچھ تھا وہ شاید مسز بترا کے چہرے سے ٹکرا کر اسے جھنجھوڑ دیں گی۔

لیکن جیسے یہ آخری بات بھی کوئی بات نہ ہو۔ نیرا نے ان کو غور سے دیکھا— اسے لگا کہ وہ اور بہت کچھ دیکھ رہی تھیں، جہاں تک اس کی اپنی نظر میں پہنچ رہی تھی،

''میں نے اے، سی، پی سے کہہ دیا ہے۔ آپ ان سے جا کر مل لیں۔''

آخر میں مسز بترا نے بڑے اطمینان سے کہا۔

دوسرے دن وہ اے۔ سی۔ پی۔ کے پاس گئی۔

''آپ نیرز سے مل لیں''

وہ نیرز کے پاس گئی۔

’’ وہ لڑکے کون تھے، جو آپ کے یہاں آئے تھے، چھت کے جھگڑے کے وقت؟‘‘

’’ یہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گی‘‘

’’ یہ تو آپ کو بتانا ہی پڑے گا۔‘‘ سب انسپکٹر نے آنکھ کے تیور بدلے۔

’’ میں مسز بترا کو بتادوں گی۔‘‘

مسز بترا کے نام پر سب انسپکٹر تذبذب میں پڑ گیا وہ ایس۔ ایچ۔ او۔ کے پاس گیا۔ ایس۔ ایچ۔ او۔ نے یہ بات اے۔ سی۔ پی۔ کو بتائی، اے۔ سی۔ پی۔ نے مسز بترا کو فون کیا اور بڑی انکساری کے ساتھ ذمہ دارانہ لہجے میں کہا۔

’’ میڈم اگر آپ گستاخی نہ سمجھیں تو عرض کروں کہ آپ کا نام چھوٹی چھوٹی باتوں میں آنا مناسب نہیں ہے۔ آپ کے پاس یہ لڑکی نیرا آئی تھی۔ اس کے گھر پر جھگڑا ہوا تھا جس میں اس نے چند غنڈوں کو بلایا تھا اور کمار کے اوپر حملے کروائے تھے، رپورٹ درج ہوئی ہے، اب نیرا سے ان کا نام پوچھا جا رہا ہے تو وہ بہت ڈھیٹ طریقے سے آپ کا نام لے کر انکار کر رہی ہے، اور کہتی ہے کہ آپ ہی کو ان لوگوں کے نام بتائے گی جو اس کے یہاں آتے ہیں، اس طرح مقدموں کی تفتیش کیسے ممکن ہے؟؟‘‘

’’ اچھا!‘‘ مسز بترا نے کہا۔

’’ آگے کیا حکم ہے۔‘‘

’’ ٹھیک ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔‘‘

نیرؔ واپس آیا۔ ’’اب آپ جا سکتی ہیں۔‘‘

اس کے بعد کسی نے تھانے میں اس سے بات نہیں کی۔ دوسرے دن پھر وہ مسز بترا سے ملنے گئی۔ دروازے کے باہر کھڑی تھی کہ وہ آئیں۔ اندر جانے سے پہلے انھوں نے ایک نظر اسے دیکھ لیا تھا۔ اس نے نمستے کیا لیکن انھوں نے دھیان نہیں دیا۔ اس کی باری آنے پر کانسٹبل نے اس کا نام پکارا۔ وہ اندر گئی۔ مسز بترا سامنے بیٹھی تھیں لیکن ان کی نگاہیں نیچی تھیں۔

’’ ہاں کہو کیا ہے؟‘‘ آج ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر نیرا کچھ گھبرا گئی۔ کچھ نا امید ہوئی لیکن اس نے اپنی پوری بات بتائی ——

’’ ایسا ہے کہ تم اپنا اور میرا وقت خراب نہ کرو۔‘‘

وہ نگاہیں نیچی کیے کوئی فائل دیکھتی رہیں۔ کمرے میں ایک مکمل خاموشی تھی۔ تقریباً دو منٹ تک وہ کھڑی رہی۔ دیوار پر الکٹرونک گھڑی کی سوئیاں آگے کھسکتی رہیں۔ مسز بترا کا وہ چہرہ جو پچھلے دنوں پتھر کی طرح خاموش تھا، آج سرخ ہو رہا تھا۔

’’ ٹھیک ہے۔‘‘ انھوں نے سر ہلا کر جانے کا اشارہ کیا۔

نیرا نے ایک نظر مسز بترا کو دیکھا اور واپس مڑی —— پیچھے وہ اردلی کھڑا تھا جو گھنٹی کی آواز سن کر آیا تھا — اس اردلی نے اسے پچھلی بار سامنے پڑی کرسی پر ٹھنڈے پانی کا گلاس دیا تھا۔ اسے آج اپنی بدلی بدلی حیثیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی — کیوں؟ اس نے ذہن پر زور ڈالا۔

اس نے کیا غلطی کی؟ وہ سوچ رہی تھی۔

کچھ نہیں!

جب بھی ایسا ہوتا ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آتا تو عموماً اس کے پیچھے میری کوئی غلطی نہیں ہوتی .... وہ سوچتی ہوئی باہر نکلی۔

نیرا جیسے ہی باہر نکلی۔ مسز بترا کا موڈ آف ہو گیا۔ انھیں بار بار پچھلے دن کا وہ منظر یاد آ رہا تھا جب وہ کہہ رہی تھی، ’’ آپ کی پولس مجھے تنگ کر رہی ہے۔‘‘ پھر وہ منظر یاد آیا جب وہ کہہ رہی تھی — پرسوں میرا امتحان ہے — میرے سارے نوٹس اور میری کتابیں اور کاپیاں سیڑھی پر بنے ہوئے کمرے میں بند ہیں اور وہ یہ سن کر بھی خاموش رہ گئی تھیں — پھر انھیں وہ منظر یاد آیا جب وہ کہہ رہی تھی — آپ صرف یہ حکم دے دیں کہ میرے گھر آنے والوں کو پولس خوفزدہ نہ کرے ورنہ میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی —— اور یہ سب کچھ سننے کے بعد انھوں نے اسے اے۔ سی۔ پی۔ کے پاس بھیجا تھا — اور آج جب وہ دوبارہ آ گئی تھی تو انھوں نے صرف اپنے ذہن کی اُلجھن ختم کرنے کے لئے اُسے ڈانٹ دیا تھا۔

وہ یہ دیکھ رہی تھیں کہ نیرا سمجھ رہی ہے کہ وہ اسے ٹال رہی تھیں وہ کب ٹالنا چاہتی تھیں؟ لیکن خود کتنی مجبور تھیں۔ جس وقت انھوں نے پولس سروس جوائن کیا تھا تب سے اب تک وہ کتنے حیرت انگیز طور پر بدل گئی تھیں۔ کیسے آخر کار وہ خود بھی وہ سب کچھ ہو گئی تھیں جس سے وہ نفرت کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے سروس اس لئے جوائن کیا تھا کہ یہاں عزت، اختیار اور دوسروں کو مدد

کرنے کا موقع تھا، لیکن آج ان کے سامنے سے نیرا جیسی لڑکیاں مایوس چلی جاتی ہیں۔ آج وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتیں اور اب وہ صرف ایک ایسا سرکاری نوکر رہ گئی تھیں جو سب کچھ اس لئے کرتی تھیں کہ انھیں تنخواہ مل رہی تھی اور سماج میں اعلیٰ مقام ملا ہوا تھا۔ انہیں یہ سب کچھ کرتے ہوئے خوشی قطعی نہیں ملتی تھی، لیکن وہ صبح و شام سب کر رہی تھیں۔ وہ اتنی بڑی اور اتنی مضبوط ہوتے ہوئے بھی، کس طرح خوفناک قوتوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھیں۔ اس شہر کی قوتیں کتنی بے پناہ، کتنی بے رحم، کتنی جابر اور کتنی مکمل تھیں کہ وہ اس میں کام کرتے کرتے ٹوٹ گئیں۔ اکثر انھوں نے خود بھی سوچا تھا کہ وہ کیا سے کیا ہوگئی ہیں۔ لیکن ہر پہلو سے نقوش کچھ اتنے اُلجھ جاتے کہ وہ یہی سوچ کر چپ ہو لیتیں کہ زندگی بہت پیچیدہ ہے اور جو کچھ سامنے ہے، اور جو کچھ انہیں بہائے لئے جارہا ہے وہی قابلِ تسلیم سچائی ہے۔ انھوں نے یہ سوچ کر احتجاج کرنا چھوڑ دیا تھا کہ مسلسل اس سچائی کے خلاف ردِّ عمل کی حالت میں زندہ رہنا ایک احساس ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا۔ لیکن جب بھی نیرا جیسا فریادی ان کے سامنے آتا تو انھیں اندر سے ایسی چوٹیں لگتی تھیں کہ سارے بند زخم بیدار ہو جاتے۔

اور آج نیرا والے واقعے کا ردِّ عمل کچھ زیادہ ہی شدید تھا۔ نیرا کے اندر انھوں نے جو احتجاج دیکھا تھا اس احتجاج کو اپنی بے حسی کی وجہ سے کچلتے دیکھ کر اُن کے اوپر جو کچھ گذر رہا تھا وہ ان کے لئے نا قابلِ برداشت تھا، وہ ہمیشہ کی طرح اس کی ٹیس کو جذب نہیں کر پا رہی تھیں۔ بے چینی میں انھوں نے فائلیں بند کردیں۔ انھیں محسوس ہوا کہ یہ اداسی جو اس وقت اُن کے اوپر چھا رہی تھی وہ اس نظام کا ایک ناگزیر حصہ تھی۔ انہیں لگا کہ ان کی اپنی ذاتی شخصیت درحقیقت بے معنی ہوگئی تھی۔ ان کے پاس محض ایک سرکاری چہرہ تھا جو لوگوں کی نگاہوں میں اہم تھا لیکن وہ بھی ٹرانسفر ایبل تھا۔

دیوار سے نظر سامنے آگئی تو دوسرا فریادی آنکھوں میں دکھ لیے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ کاش تمہاری طرح میرے لیے بھی کوئی جگہ ہوتی جہاں میں اپنے دکھوں کا اظہار کر لیتی یا کم از کم نیرا کی طرح احتجاج کر آتی!

جیسے ہی فریادیوں کا سلسلہ ختم ہوا، اردلی پھر اندر داخل ہوا۔

میڈم — دو آدمی آئے ہیں، ان کی کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

بھیج دو۔

دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی تقریباً بیالیس چوالیس سال کا، تازہ استری کی ہوئی ریشم کی سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس، اس پر سفید ٹوپی، آنکھوں پر عینک۔ اندر داخل ہوا، اس کے پیچھے دوسرا آدمی بھی تھا۔

''تشریف لائیے۔''

لیکن وہ آدمی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے جیسے کچھ مسز بترا سے اور کچھ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

''حضور ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو کرتا ہے وہ تو پکڑا جاتا ہے لیکن جو کرواتا ہے وہ کیوں نکل جاتا ہے نیچے والے کی سزا ہو جاتی ہے، اوپر والا بچ جاتا ہے۔''

مسز بترا ان کو دیکھتی رہیں اور ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، لیکن جیسے وہ اصولوں کی بنیادوں پر قائم اس احتجاج کی شدت سے کرسی پر بیٹھ بھی نہیں رہا تھا۔

''آپ تشریف رکھئے، بات کیا ہے؟ میں غور سے سنوں گی۔''

میڈیم — ان کو ایک ڈیپارٹمنٹل انکوائری میں گواہ کے طور پر بلایا گیا ہے۔

مسز بترا نے پوری فائل پڑھی، مدعی اپنے مکان کا مقدمہ جیت کر قبضہ لینے کے لئے گیا تو وہ لوگ جو مقدمہ ہار گئے تھے مار پیٹ پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سب انسپکٹر نے آٹھ ہزار روپے لیے تب پولس موقع پر گئی۔ اس سب انسپکٹر کی شکایت سامنے والے آدمی نے کی تھی جس پر لوکل اسسٹنٹ کمشنر پولس نے انکوائری کی، وہ انکوائری چل رہی تھی کہ شکایت کرنے والا کمشنر آف پولس کے پاس چلا گیا، اور شکایت وجیلنس ڈیپارٹمنٹ کو بھیج دی گئی وجیلنس میں انکوائری مکمل ہونے کے بعد فائل مسز بترا کے پاس آئی تھی کہ وہ آگے مناسب کارروائی کریں۔ اور اب سزا دینے کے لئے فائنل انکوائری باقاعدہ ضابطہ کے مطابق آخری مرحلہ پر آگئی تھی۔

ہاں اب بتائیے۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بترا نے گہری تجزیاتی نگاہ سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جناب آدھا پیسہ تو انسپکٹر نے کھایا تھا لیکن وہ بچ گیا اور بے چارہ یہ سب انسپکٹر اس میں پھنس گیا۔''

'انکوائری مکمل طور پر ہوئی ہے اور آپ سب کے بیانات اس میں درج ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں آئی ہے جس سے انسپکٹر کا قصور ثابت ہوتا ہے۔ جب تک ثبوت نہ ملے کسی کے خلاف کارروائی نہیں ہو سکتی — لیکن اس معاملے میں اس کی لاپرواہی یا اس کی شمولیت کا اندازہ ہونے پر اس کے خلاف کارروائی ضرور ہوگی — اور اب بھی آپ اگر کوئی مزید ثبوت فراہم کر سکتے ہیں تو ضرور بتائیں۔

وہ دونوں مسز بترا کو دیکھنے لگے جیسے صورت حال بالکل غیر متوقع ہو — لیکن اب اس کا ساتھی بولا۔

''لیکن جناب کوئی صورت ایسی ہے کہ سب انسپکٹر بچ جائے؟''

''آپ سب انسپکٹر کو بچانے آئے ہیں؟''

''چونکہ ہم بنیادی طور پر اس سب انسپکٹر کو اس بات کا ذمہ دار نہیں سمجھتے اس لیے چاہتے ہیں کہ اس کا نقصان نہ ہو۔ ایسا کوئی طریقہ ہے کہ وہ بچ جائے۔''

مسز بترا نے ایسے لوگ قدم قدم پر دیکھے تھے لیکن آج وہ اپنا جذباتی توازن کھو بیٹھیں جیسے اس آدمی کو مزید سمجھانا بے سود تھا، یہ آدمی کچھ طے کر کے آیا تھا۔ ان کے دل میں ایک غصہ اٹھا۔

''ہاں۔ ایک طریقہ ہے۔''

''کیا ہے؟..........'' وہ دونوں خوش ہو گئے۔ ''فرض کر لیں اس سب انسپکٹر نے اپنی نوکری کے دوران اس قسم کے چالیس کیس کیے ہوں۔ اور اگر ہر معاملے میں اوسطاً پانچ ہزار روپے لیے ہوں تو دو لاکھ روپے ہوئے — اُن چالیس لوگوں میں صرف آپ اتنے جیالے نکلے کہ اس معاملے میں انکوائری کروائی۔ تو اگر وہ اس دو لاکھ میں سے پندرہ ہزار آپ کو دے دے تو آپ اپنی گواہی خراب کر دیں۔ یہی ایک طریقہ۔''

وہ دونوں گھبراہٹ میں اچھل پڑے۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

لیکن مسز بترا غصہ میں بھری مطمئن انھیں دیکھ رہی تھیں۔

''جو کرنے آپ آئے ہیں۔ جب آپ نے آٹھ ہزار روپے دیے تھے اس وقت آپ ہی کہتے پھرتے ہوں گے کہ نیچے سے اوپر تک سب رشوت خور ہیں — آپ نے کمشنر آف پولس کو بھی نہیں بخشا ہوگا اور آج جب انکوائری کرتے کرتے ڈیپارٹمنٹ اس مقام پر پہنچا

کہ وہ اس رشوت خور کو سزا دے سکے تو آپ کو اس آدمی سے ہمدردی ہو گئی۔'' مسز بترا کی آواز میں شدید جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

مسز بترا کے دفتر میں ماتحتوں کے ساتھ میٹنگ چل رہی تھی۔ اچانک وہ نیرا کا ذکر لائیں اور جب سب انسپکٹر نیر نے آڑی ترچھی بات بنا کر ٹالنا چاہا تو مسز بترا کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''کبھی کبھی آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر سوچو کہ جب تم سڑکوں پر چلتے ہو تو لوگوں کو کیسے دکھائی دیتے ہو؟''

''میڈم ہم کوئی سادھو، مہاتما اور ریفارمر تو ہیں نہیں۔ — سینکڑوں دقتیں سامنے آتی ہیں۔ اور ان کے باوجود سب کچھ نبھانا پڑتا ہے — بات بات میں سیاسی دخل اندازی ہوتی ہے، قدم قدم پر لوگ جھوٹی رپورٹیں لے کر آتے ہیں.........''

''تم ایک نوجوان افسر ہو، اگر تم نے بھی مان لیا کہ سدھار ممکن نہیں تو پھر ہمیں زندگی بھر اس گندے امیج کو ڈھونا پڑے گا۔ — وہ میرے پاس آئی تھی۔ اس لیے کہ ہمارے کندھوں پر سرکار نے یہ چمکتے ہوئے اسٹار قانون اور آئین میں دیے گئے حقوق کی حفاظت کے لئے لگائے ہیں — وہ مجھ سے فریاد کر رہی تھی اور میں اس کو اطمینان بخش جواب نہیں دے پائی'' —

مسز بترا کے نوجوان خوبصورت چہرے کے دونوں طرف جھولتے ہوئے چھوٹے چھوٹے بال لہرا گئے۔

''میڈم ہمارے مسائل بہت دقیق ہیں۔'' سب انسپکٹر نیز نے اجازت لے کر کہا۔ ''میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اکثر ایسی صورت حال کا سامنا کرتے ہیں جس میں ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ ظاہری بات ہے کہ جب تک ہمارا ذہن اس سلسلے میں صاف نہ ہو تب تک ہم اپنے اعمال کے بارے میں مشکوک رہتے ہیں۔ ایک طرف ہم پولس افسر کی حیثیت سے یہ سوچتے ہیں کہ ہمارا محکمہ ملک کے آئین کے ذریعہ قائم کیا گیا وہ ادارہ ہے جس کا مقصد آئین اور دستور تعزیرات ہند کے مطابق مجرم کے خلاف کارروائی کرنا ہے۔ اور یہ کام سائنسی خوش اسلوبی سے کیا جا سکتا ہے، ہم اس پر اپنے کو مطمئن کر سکتے ہیں، اور فخر بھی کر سکتے ہیں کہ ہم اپنا کام بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہماری مجبوری ہے کہ ملک میں آئین کے مطابق منتخب عوام کے نمائندہ اور منسٹر عوام کی دانش اور خواہش دونوں کی

ترجمانی کرتے ہیں اور اس دانش اور خواہش میں خوبی خرابی نکالنے والے ہم کوئی نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا احترام کرنا اور ان کی پیروی کرنا ہمارا فرض ہے۔ تیسری طرف ہمارا اپنا ضمیر ہوتا ہے۔ ہم بحیثیت انسان کہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ کچھ چیزیں صحیح اور کچھ باتیں بنیادی طور پر غلط ہیں۔ اور چونکہ پولس بھی انسانوں کا ایک ادارہ ہے اس لئے ان انسانی قدروں سے پولس ناوابستہ نہیں رہ سکتی۔ ہم اپنی تہذیب اور اور معاشرہ کو روبہ زوال ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے، اور جہاں احساس ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس لئے اپنے کسی مسئلے کو سلجھا نہیں پاتا کہ مکمل معاشرے میں ایک زبردست بکھراؤ اور الجھاؤ ہے، اور عوام کچھ باتوں کو مجبوراً جھیل رہے ہیں تو ہمارے اندر ان باتوں کو درست کر کے عوام کو راحت دینے کی جائز خواہش پیدا ہوتی ہے۔ چوتھی طرف ہم ایک انسان بھی ہیں سے اور ہمارا ایک مستقبل بھی ہوتا ہے، ایک کنبہ ہوتا ہے، اور ہم اپنا فروغ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ پوری سوسائٹی میں ایک لوٹ مچی ہے اور کچھ لوگ دھڑ ادھڑ دولت جمع کرتے جا رہے ہیں، اور پھر اس دولت کو جائز شکل دے کر سماج میں اونچا مقام حاصل کر رہے ہیں، اور پھر وہ سارے مراعات اور فائدے حاصل رہے ہیں جو جائز دولت سے وابستہ ہیں، بلکہ اس دوڑ میں ان سے بہت آگے ہیں جن کے پاس جائز دولت بہت تھوڑی ہے، اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ زندگی میں زندہ رہنے کی کم سے کم ضرورت کے لئے بھی ہر شخص کو جگہ جگہ رشوت دینی پڑتی ہے یا سفارش خریدنی پڑتی ہے، اور اپنی جگہ اپنے سماجی مقام پر قائم رہنے کے لئے بھی جائز طریقے سراسر ناکافی ہیں اور ایمان داری اور خلوص کو ہر شخص ایک متروک قدر ماننے لگا ہے اور برائیوں کو کوئی بُرا نہیں مانتا حتی کہ سب کچھ لٹا کر انسان اگر اپنے ضمیر کی قوت سے بھی زندہ رہنا چاہے تو رشوت دے کر ضمیر ٹوٹ جاتا ہے۔ اور نئی قدروں کو نہ مان کر نقصان اٹھانے کے بعد اپنا ہی شعور اپنے کو گالی دینے لگتا ہے تو پھر وہ پولس افسر بھی انھیں میں سے ایک ہو جاتا ہے جو سب ہیں۔ آخر اس صورت حال میں ایک پولس افسر کو کیا کرنا چاہیے؟ کیسے سوچنا چاہیئے؟

ہمیں یہ بتایا جائے کہ ہم کس طرح سوچیں؟ اور جو کچھ بتایا جائے اسے پہلے اپنے ضمیر اپنے دانش اور اپنے تجربات کی آگ میں تپا کر جو کچھ نکلے اسے صاف صاف اس کی اصل شکل میں بتایا جائے، ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مسز بترا نے کہا۔

"میں تمہاری پوری بات سے اتفاق کرتی ہوں۔"

نیز کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا اور ایک اطمینان کی لہری دوڑ گئی۔ وہ جو کرسی پر اپنی گفتگو کے دوران تنا ہوا بیٹھا تھا، ایک فاتحانہ انداز میں آرام سے پیچھے کی طرف جھک گیا، اور مسز بترا کو دیکھنے لگا، وہ چند لمحے کی مزید خاموشی کے بعد قدرے نرم لیکن انتہائی کاٹ دار لہجہ میں بولیں۔

"نیز تم اصلی شکل دیکھنا چاہتے ہو۔ آؤ ہم اپنی اصل شکل دیکھیں اور میں یقین دلاتی ہوں کہ اس کمرے میں ہم جو بھی باتیں کریں گے وہ مکمل رازدارانہ ہوں گی۔ اور میں ایک افسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک شخص کی حیثیت سے بات کروں گی۔"

کمرے میں ایک بار پھر مکمل سناٹا چھا گیا۔ نیز پھر اپنی کرسی پر تن کر محتاط بیٹھ گیا۔

"تم نے اب تک کتنے پیسے کمائے ہیں؟" انھوں نے نیز سے پوچھا اور جیسے کمرے میں دھماکہ ہو گیا۔ ایک عجیب کش مکش کا ماحول پیدا ہو گیا۔

"تم یہ نہیں بتانا چاہتے۔ تم کیوں نہیں بتانا چاہتے ہو؟ اس لئے کہ تم ایک سچائی کا اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔ تم یہی بات اپنے دوستوں کو بتا سکتے ہو، تم یہی بات اپنے گھر والوں کو بتا سکتے ہو، تمہاری اس دولت کا اظہار تمہارے طرز زندگی سے ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، لیکن یہ بات تم مجھ سے نہیں بتا سکتے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم بھی وہ سب کچھ ہو جانے پر مجبور ہو جاتے ہو جیسے کچھ دوسرے ہیں، تم میرے سامنے اپنی مجبوری کا اظہار کر سکتے ہو، لیکن تم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ تم نے اپنی ساری مجبوریوں کا بیان کیا ہے لیکن یہ بتانا بھول گئے کہ تمہاری ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ تم سچ نہیں بول سکتے ہو——میں یہ سوال تمہیں پریشان کرنے کیلئے قطعی نہیں کر رہی ہوں، میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تم کس طرح سوچو، کیونکہ یہی تمہارا مسئلہ ہے، یہی تمہاری مجبوری ہے کہ تمہارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے سامنے تجربوں کی سچائیوں کی آگ میں تپی ہوئی بات اصلی شکل میں بتاؤں۔"

مسز بترا نے انتہائی نرم لہجے میں آگے کہا" تم اٹھ کر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم نے آج تک ایک پیسہ نہیں کمایا ہے، جانتے ہو کیوں نہیں کہہ سکتے ہو؟ اس لیے کہ تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ میں تم کو جھوٹا سمجھوں یعنی تم یہ سوچتے ہو کہ میں اب تک تم کو سچا سمجھتی ہوں یا کم از کم سو فی صد جھوٹا نہیں سمجھتی، یا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم پیسے کماتے ہو۔ یعنی تم جو کچھ کرتے ہو وہ

ترجمانی کرتے ہیں اور اس دانش اور خواہش میں خوبی خرابی نکالنے والے ہم کوئی نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا احترام کرنا اور ان کی پیروی کرنا ہمارا فرض ہے۔ تیسری طرف ہمارا اپنا ضمیر ہوتا ہے۔ ہم بحیثیت انسان کہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ کچھ چیزیں صحیح اور کچھ باتیں بنیادی طور پر غلط ہیں۔ اور چونکہ پولس بھی انسانوں کا ایک ادارہ ہے اس لئے ان انسانی قدروں سے پولس ناوابستہ نہیں رہ سکتی۔ ہم اپنی تہذیب اور اور معاشرہ کو روبہ زوال ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے، اور جہاں احساس ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس لئے اپنے کسی مسئلے کو سلجھا نہیں پاتا کہ مکمل معاشرے میں ایک زبردست بکھراؤ اور الجھاؤ ہے، اور عوام کچھ باتوں کو مجبوراً جھیل رہے ہیں تو ہمارے اندر ان باتوں کو درست کر کے عوام کو راحت دینے کی جائز خواہش پیدا ہوتی ہے۔ چوتھی طرف ہم ایک انسان بھی ہیں اور ہمارا ایک مستقبل بھی ہوتا ہے، ایک کنبہ ہوتا ہے، اور ہم اپنا فروغ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ پوری سوسائٹی میں ایک لوٹ مچی ہے اور کچھ لوگ دھڑ ادھڑ دولت جمع کرتے جارہے ہیں، اور پھر اس دولت کو جائز شکل دے کر سماج میں اونچا مقام حاصل کر رہے ہیں، اور پھر وہ سارے مراعات اور فائدے حاصلر ہے ہیں جو جائز دولت سے وابستہ ہیں، بلکہ اس دوڑ میں ان سے بہت آگے ہیں جن کے پاس جائز دولت بہت تھوڑی ہے، اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ زندگی میں زندہ رہنے کی کم سے کم ضرورت کے لئے بھی ہر شخص کو جگہ جگہ رشوت دینی پڑتی ہے یا سفارش خریدنی پڑتی ہے، اور اپنی جگہ اپنے سماجی مقام پر قائم رہنے کے لئے بھی جائز طریقے سراسر ناکافی ہیں اور ایمان داری اور خلوص کو ہر شخص ایک متروک قدر ماننے لگا ہے اور برائیوں کو کوئی بُرا نہیں مانتا حتیٰ کہ سب کچھ لٹا کر انسان اگر اپنے ضمیر کی قوت سے بھی زندہ رہنا چاہے تو رشوت دے کر ضمیر ٹوٹ جاتا ہے۔ اور نئی قدروں کو نہ مان کر نقصان اٹھانے کے بعد اپنا ہی شعور اپنے کو گالی دینے لگتا ہے تو پھر وہ پولس افسر بھی انھیں میں سے ایک ہو جاتا ہے جو سب ہیں۔ آخر اس صورت حال میں ایک پولس افسر کو کیا کرنا چاہیے؟ کیسے سوچنا چاہیے؟

ہمیں یہ بتایا جائے کہ ہم کس طرح سوچیں؟ اور جو کچھ بتایا جائے اسے پہلے اپنے ضمیر اپنے دانش اور اپنے تجربات کی آگ میں تپا کر جو کچھ نکلے اسے صاف صاف اس کی اصل شکل میں بتایا جائے، ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مسز بترا نے کہا۔

''میں تمہاری پوری بات سے اتفاق کرتی ہوں۔''

نیز کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا اور ایک اطمینان کی لہری دوڑ گئی۔ وہ جو کرسی پر اپنی گفتگو کے دوران تنا ہوا بیٹھا تھا، ایک فاتحانہ انداز میں آرام سے پیچھے کی طرف جھک گیا، اور مسز بترا کو دیکھنے لگا، وہ چند لمحے کی مزید خاموشی کے بعد قدرے نرم لیکن انتہائی کاٹ دار لہجہ میں بولیں۔

''نیز تم اصلی شکل دیکھنا چاہتے ہو۔ آؤ ہم اپنی اصل شکل دیکھیں اور میں یقین دلاتی ہوں کہ اس کمرے میں ہم جو بھی باتیں کریں گے وہ مکمل رازدارانہ ہوں گی۔ اور میں ایک افسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک شخص کی حیثیت سے بات کروں گی۔''

کمرے میں ایک بار پھر مکمل سناٹا چھا گیا۔ نیز پھر اپنی کرسی پر تن کر محتاط بیٹھ گیا۔

''تم نے اب تک کتنے پیسے کمائے ہیں؟'' انھوں نے نیز سے پوچھا اور جیسے کمرے میں دھماکہ ہو گیا۔ ایک عجیب کش مکش کا ماحول پیدا ہو گیا۔

''تم یہ نہیں بتانا چاہتے۔ تم کیوں نہیں بتانا چاہتے ہو؟ اس لئے کہ تم ایک سچائی کا اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔ تم یہی بات اپنے دوستوں کو بتا سکتے ہو، تم یہی بات اپنے گھر والوں کو بتا سکتے ہو، تمہاری اس دولت کا اظہار تمہارے طرز زندگی سے ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، لیکن یہ بات تم مجھ سے نہیں بتا سکتے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم بھی وہ سب کچھ ہو جانے پر مجبور ہو جاتے ہو جیسے کچھ دوسرے ہیں، تم میرے سامنے اپنی مجبوری کا اظہار کر سکتے ہو، لیکن تم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ تم نے اپنی ساری مجبوریوں کا بیان کیا ہے لیکن یہ بتانا بھول گئے کہ تمہاری ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ تم سچ نہیں بول سکتے ہو——میں یہ سوال تمہیں پریشان کرنے کیلئے قطعی نہیں کر رہی ہوں، میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تم کس طرح سوچو، کیونکہ یہی تمہارا مسئلہ ہے، یہی تمہاری مجبوری ہے کہ تمہارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے سامنے تجربوں کی سچائیوں کی آگ میں تپی ہوئی بات اصلی شکل میں بتاؤں۔''

مسز بترا نے انتہائی نرم لہجے میں آگے کہا'' تم اٹھ کر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم نے آج تک ایک پیسہ نہیں کمایا ہے، جانتے ہو کیوں نہیں کہہ سکتے ہو؟ اس لیے کہ تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ میں تم کو جھوٹا سمجھوں یعنی تم یہ سوچتے ہو کہ میں اب تک تم کو سچا سمجھتی ہوں یا کم از کم سو فی صد جھوٹا نہیں سمجھتی، یا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم پیسے کماتے ہو۔ یعنی تم جو کچھ کرتے ہو وہ

کرتے ہوئے تم کو یہ احساس رہتا ہے کہ وہ بات میں بھی جانتی ہوں، یعنی تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے جس بات کو جھیلا ہے اور محسوس کیا ہے اسے میں نے بھی جھیلا اور محسوس کیا ہے، اور جب تم نے مجھ سے یہ کہا کہ میں اپنی دانش اور تجربہ کی آگ میں تپی ہوئی بات کہوں تو تم کو یقین تھا کہ میرا بھی مقام وہی ہے جو تمہارا ہے، میں بھی وہیں کھڑی ہوں جہاں تم کھڑے ہو، اور یہ حقیقت ہے کہ میں بھی وہیں کھڑی ہوں جہاں تم کھڑے ہو، لیکن صرف میں ہی وہاں نہیں کھڑی ہوں جہاں تم کھڑے ہو۔ وہ لڑکی نیرا بھی وہیں کھڑی ہے، جہاں تم کھڑے ہو، ہم تینوں ایک ہی طوفان کی تیز ہوا میں کھڑے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ تم اس طوفان میں ٹوٹ کر زمین بوس ہو چکے ہو، اور اس زمین کو وہ مضبوط حقیقت سمجھنے لگے ہو جہاں تحفظ ہے، اور تم اس ٹوٹنے کو مجبوری نہیں چالاکی سمجھتے ہو، اور نیرا ابھی ٹوٹی نہیں ہے، اور تم اس کے نہیں ٹوٹنے کو بیوقوفی سمجھتے ہو، اور تم سمجھتے ہو کہ وہ بھی بالآخر ایک دن ٹوٹے گی، اور تم اس کے نہیں ٹوٹنے کی اسمز احمت کو اس کے دکھوں کی وجہ سمجھتے ہو، اور تم یہ بھی سوچتے ہو کہ جب تم ٹوٹے ہو، جب تم نے ٹوٹنے کے دکھ کو جھیلا ہے، جب اس ذلت کو اس قدر برداشت کیا ہے کہ اس کو اچھا سمجھنے لگے ہو، تو نیرا کیسے اس سے بچ جائے گی، کہ جو سلوک زندگی نے تمہارے ساتھ کیا ہے وہ سلوک اس کے ساتھ نہیں کرے تو گویا تمہارے ساتھ ناانصافی ہو جائے گی، اور اس کی نہیں ٹوٹنے کی خواہش اور توڑنے والی قوتوں کو تسلیم کرنے سے انکار گویا ایسے ہے جیسے وہ اپنے کو تم سے زیادہ مضبوط ہونے کا دعویٰ کر رہی ہو، اور تمہارا یہ احساس کمتری تمہیں تکلیف پہنچاتا ہے، اور تم پوری قوت سے اسے بھی توڑ کر وہیں گرانا چاہتے ہو جہاں تم ہو۔ تم صرف ٹوٹے نہیں ہو بلکہ توڑنے میں شریک ہو گئے ہو، میں بھی ٹوٹی ہوں لیکن میں توڑنے میں شریک ہونا نہیں چاہتی۔ تمہارے دل میں نیرا کے احتجاج سے کچوکے لگتے ہیں، اور تم انتقام پر اُتر آتے ہو۔ تم اس توڑ دینے کو اپنی خود داری کا مسئلہ بنا لیتے ہو۔ تم اپنی طاقت سے اپنے اس مقام کو جہاں تم پہنچ گئے ہو بہترین ثابت کرنا چاہتے ہو، اور تم دوسروں میں احتجاج کرانے والی تمام دوسری قوتوں کو مسمار ہوتے ہوئے اور ذلیل ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہو تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ تم نے جو بھی مصالحتیں کی ہیں وہ اس لئے کی ہیں کہ سب سے بڑی دانش مندی کی بات وہی ہے — تم نے اپنی مجبوری کو کمزوری کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قوت کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ اس مجبوری کے اندر تمہارا یقین پیدا ہو گیا ہے۔ اور تمہارا یہی وہ چہرہ ہے جس کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں تمہارے لیے ہمدردی کے بجائے گہری

نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تم آئینہ دیکھو تو اس چہرہ کو پہچاننے کی کوشش کرو، مجبور انسان کبھی گھناؤنا نہیں دکھائی دیتا — تم میرے ضمیر، دانش اور تجربات کی آگ میں تپی ہوئی نصیحت چاہتے ہو۔ اگر تم واقعی ایسا ہی چاہتے ہو، اگر تمہاری باتیں صرف اس سچائی کی پیداوار ہیں جن کو تم نے پیش کیا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تمہاری رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ لیکن نیز، یہ باتیں اتنی سطحی نہیں ہوتیں۔ اس کے پیچھے اور بہت سی باتیں چھپی ہوتی ہیں جنھیں تم اچھی طرح جانتے ہو ——

میں تو دوبارہ اختصار کے ساتھ اتنا ہی کہوں گی کہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا کرو۔ اور بار بار دیکھا کرو اور جس دن اس چہرے کی شدید مجبوری کو دیکھ کر اپنی بے بسی کا ایسا احساس ہو جائے کہ تمہاری آنکھیں نم ہو جائیں اس دن تم سمجھ لینا کہ تم نے ان اصلی قوتوں کو دیکھ لیا ہے، جنھوں نے تمہیں اپنے شکنجے میں پکڑ رکھا ہے۔ جب میں اپنے ارد گرد سے اپنی طرف ان قوتوں کو بڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں تو کانپ جاتی ہوں۔ میں ان کی گرفت میں آنا نہیں چاہتی ہوں۔ میں ان کے زہر سے بے ہوش ہونا نہیں چاہتی۔ میں تمام مجبوریوں کے باوجود اتنی آزاد ہوں کہ مجھے ان باتوں سے خوشی نہیں ملتی۔ میرے اندر اب تک اُداسی کی روشنی باقی ہے۔ اور میرے اندر سماج کے ان افراد کے ساتھ ہمدردی ہے جو ٹوٹنا نہیں چاہتے اور میں حتی الامکان ان کی مدد کرتی رہوں گی۔ —— اور میں تم سے، اور آپ سب میں ہر ایک سے یہی چاہتی ہوں۔ ہمیں مکمل طور پر نیست و نابود نہیں ہو جانا چاہئے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بہت بُرا ہوگا۔"

اتنا کہہ کر مسز بترا اپنے پیچھے کرسی پر جھک گئیں۔ ان کے چہرے پر شدید جذباتی ہیجان تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے گہری سانسیں لے رہی تھیں جیسے تھک گئی ہوں۔ کمرے میں کئی منٹوں تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پُر اعتماد لہجے میں بولیں۔

"مجھے امید ہے کہ میری باتوں سے کسی کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچی ہوگی، اور اگر کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہو تو اس کے لیے مجھے کوئی ندامت نہیں کیوں کہ کسی مرحلہ پر ہمیں انکساری کی ان زنجیروں کو توڑ دینا چاہیے اور صاف باتیں کرنی چاہئے۔ ورنہ ایسے موضوعات پر انکساری سے بات کرتے ہوئے ہم غلاموں کی طرح دبی زبان میں باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں —

میں نیز کی تعریف کرتی ہوں کہ جو بات اس کے دماغ میں تھی اس نے صاف صاف کہہ دی، اور گو کہ اس نے یہ بات جذبۂ صاف گوئی کے تحت نہیں بلکہ قوت خود اعتمادی کے تحت کہی تھی

لیکن یہ بدنیتی بھی اگر اپنی قوت اعتمادی کی وجہ سے صاف گوئی کی قوت حاصل کر لے تو وہ کم از کم اس سچائی سے بہت بہتر ہے جو منافقانہ روّیہ اختیار کر کے اندر ہی اندر چھپی رہتی ہے میرے خیال میں یہ دلیری بہتر ہے کہ کم از کم اس سے حقیقت کی تلاش کا میدان کارزار گرم تو ہوتا ہے۔

ہماری یہ گفتگو بہت اچھی رہی۔''

آج نیرا اے۔سی۔پی کے پاس پہنچی تو اسے خلاف توقع فوراً اندر بلا لیا گیا۔ سامنے ایک بوڑھے تجربہ کار افسر مسٹر دھروا بیٹھے تھے۔

''تو آپ کا اب ہم لوگوں پر اعتماد نہیں رہا۔''

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' نیرا کو اس انداز گفتگو پر تعجب ہوا۔

''کہا نہیں۔ لیکن محسوس تو کیا۔''

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''

''آپ ڈی۔سی۔پی۔ مسز بترا کے پاس گئیں؟''

وہ سمجھ نہیں پائی کہ وہ کیا کہے کیوں کہ بات بالکل بے تکی تھی۔

''دیکھو نیرا میں اس نوکری میں تمہارے پیدا ہونے کے پہلے سے ہوں۔ میں تمہارے باپ جیسا ہوں —— میرے یہ بال سفید ہو گئے ہیں، اگر تم بُرا نہ مانو تو میں ایک بات بتاؤں۔''

''بتائیے'' وہ محتاط ہو گئی لفظ، باپ، اور اس جملے نے مسٹر دھروا سے اس کا فاصلہ اب اور بڑھا دیا تھا۔

''دیکھو بات یہ ہے کہ انھیں جھگڑوں سے تو ان ملازمین کو دو پیسے ملتے ہیں۔ یہ رات رات بھر کام کرتے ہیں۔ کئی کئی دن گھر نہیں جاتے، اسے کوئی نہیں دیکھتا، تمہارے جیسے لوگ اسے بُرا کہتے ہیں تو کیا ہوا، ان کو تو ان کے بچے بھی بُرا کہتے ہیں۔ دو پیسہ لے کر نہیں جائیں تو نکمّے سمجھے جاتے ہیں اور اس کے لئے انھیں ذرا ادھر اُدھر کرنا پڑتا ہے —— دیکھو، چاہے ہم اپنے دیس، اس کے آئین اور اپنے آدرشوں کے بارے میں کتنی ہی اونچی بھاؤنا رکھتے ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم انسان ہیں، ہزاروں بُرائیاں اور خرابیاں ہماری سرشت میں شامل ہیں'' مسٹر دھروا فلسفیانہ سنجیدگی سے بول رہے تھے۔ نیرا انھیں غور سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ان کے آفس کے

در و دیوار کو بھی دیکھ لیتی جیسے ان کی باتوں کو ان کے پورے ماحول سے جوڑنا چاہتی ہو۔

''کسی انسان سے یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ اسے غصہ نہیں آئے، اس کا دل لالچ میں گرفتار نہیں ہو، وہ چوری چھپے کچھ کرنے کی لذت سے بے زار ہو۔ جو مٹی انسان میں گناہوں کو جنم دیتی ہے وہ حسین بھی ہوتی ہے۔ اس کی سوگندھ دل کو موہ لیتی ہے، یہ اپنے بطن سے رنگ برنگی چیزیں پیدا کرتی ہے'' ان کی آواز سے فلسفیانہ رنگ بکھر رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کی ایک درار سے دھوپ کی ایک پتلی سی دھار ان کی کرسی کی پشت پر جذب ہو رہی تھی۔ '' یہ مٹی ہزار ہا قسم کے کیڑے مکوڑے چرند پرند اور انسان پیدا کرتی ہے۔ لیکن یہ چاہے جو شکل اختیار کرے لیکن کسی بھی جگہ اپنی خصوصیتوں کو کھوتی نہیں ہے، اور مختلف چیزوں سے سامنا پڑنے پر الگ الگ روپ ظاہر کرتی ہے، یہ ہمارے سپاہی اور افسر موقع پا کر اپنی گھناؤنی شکل میں تمہارے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس سے نہ تم انکار کرتی ہو اور نہ میں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اوپر سے اعتبار ہی اٹھ جائے۔ یہ سپاہی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بالکل بے زبان جانوروں کی طرح کھڑے ڈیوٹی بھی دیتے ہیں۔ جب کسی مشتعل ہجوم کو روکتے ہوئے ان کے چہروں پر پتھر آتے ہیں تو کیا یہ کسی سے شکایت کرنے جاتے ہیں؟ کہیں رپورٹ لکھانے جاتے ہیں؟ کیا انھوں نے یا ان کے بچوں نے کبھی پبلک سے شکایت کی ہے؟

نیرا تم شکایت کر سکتی ہو، شکایت کرنا آسان کام ہے تم نے شکایت کی بھی ہے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نے شکایت کیوں کی۔ اگر کہوں گا تو تم سمجھو گی کہ میں دباؤ ڈال رہا ہوں۔ میں دباؤ نہیں ڈال رہا ہوں۔ میں تو صرف ایک بات کہہ رہا ہوں تمہاری سمجھ میں آئے تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی بات نہیں۔

تم مجھ سے بھی شکایت کر سکتی تھیں۔ تم میرے ماتحتوں کے منہ پر بھی تو وہ بات کر سکتی تھی۔ ممکن تھا وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔ تمہاری تیکھی بات اور تمہاری آگے تک جانے کی ہمت دیکھ کر وہ ڈر جاتے۔ لیکن تم کو ان کے اوپر بھروسہ نہیں رہ گیا۔ تم اس تھانے کے علاقہ میں رہتی ہو۔ سب سے پہلا اور سب سے گہرا رشتہ ہمارا اور تمہارا یہیں ہے۔ کیا تم سوچتی ہو کہ ہم کسی بھی صورت میں یہ چاہیں گے کہ ہمارے گھر کی بات اوپر جائے۔ لیکن تمہارا ہمارے اوپر سے اعتبار اٹھ گیا۔''

نیرا کو ایسا لگ رہا تھا جیسے مسٹر دھروا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہوں۔ میں آپ کی بات مانتی

ہوں۔'' یکایک اس کی زبان سے نکل گیا لیکن پھر جیسے اس کے ذہن نے اس کو کچھ کہا اور وہ سوچنے لگی کہ اتنے ذہین اور تجربہ کار انسان کو میرے سیدھے سادے مسائل کیوں نہیں سمجھ میں آتے۔ وہ اعتماد سے بولتے جا رہے تھے۔ لیکن پھر نیرا کو یوں غور سے دیکھنے لگے جیسے ایک لمحے کو انہیں شک ہوگیا ہو کہ نیرا ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہو رہی تھی ــــ اور پھر گفتگو جاری رکھی تم جسے گناہ کہتی ہو یہی مٹی کی پہچان ہے۔

اگر کوئی کسی کے اوپر ظلم کر رہا ہے، اگر کوئی کسی کے اوپر ستم ڈھا رہا ہے۔

اگر کوئی کسی کو دھوکا دے گیا۔

تو یہ سب مٹی کراتی ہے۔

اس پر ناراض کیوں ہوتی ہو؟؟؟'' نیرا کو محسوس ہوا جیسے مسٹر دھروا اس کا گلا گھونٹ رہے ہوں۔ اور اس کی سانس اٹک رہی ہو۔ یہ عجیب آدمی ہے، وہ انہیں اب ہمدردی اور نفرت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور وہ آگے کہے جا رہے تھے'' تم تو مٹی اور زمین سے مسلسل بغاوت کر رہی ہو۔

تمہارے خواب دھول مٹی پسند نہیں کرتے۔

تم کیسی دنیا چاہتی ہو؟'' نیرا نے دیکھا، مسٹر دھروا اپنی بڑی بڑی گول گول آنکھوں سے اسے یوں دیکھ رہے تھے، جیسے انہیں یقین ہو کہ نیرا نے کوئی گناہ کیا تھا۔

'' بیٹی ــــ میرے بال سفید ہوگئے ہیں، میں چھ ماہ میں ریٹائر ہونے والا ہوں۔ میں خود تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس تھانے کے زیادہ تر لوگ کسی نہ کسی اعتبار سے غلط کاریوں میں ملوث ہیں، لیکن ہم کیا کریں۔'' نیرا بغور دیکھ رہی تھی کہ یہ سینئر افسر کیسے اس قسم کی باتیں کر رہا ہے، جب کہ اسی کے ماتحت ایک جملہ سیدھے طور پر سننے بھی نہیں۔

'' ہمارے پاس کوئی طریقہ نہیں کہ ہم ان کو فرشتہ بنا دیں، دنیا میں جہاں ہر طرف ترقی ہو رہی ہے وہاں کرپشن بھی بڑھ رہا ہے۔'' یہ کہہ کر مسٹر دھروا خاموش ہوگئے۔ چند لمحوں بعد پھر بولے۔

'' یہ ایک حقیقت ہے اور تم اس سے لڑ رہی ہو۔'' وہ بھی ایک غیر محسوس لمحہ میں پھسل کر اسی بحث میں اُلجھ گئی۔'' دھروا صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کے پاس آنے والے ہر پیسہ

پر اس کے ذریعہ حصول کا اثر پڑا ہوتا ہے؟ اگر کوئی سڑک پر رات کے وقت کسی کو چاقو مار کر پانچ ہزار روپیہ چھین لے تو یہ کامیابی اسے چاقو سے روپیہ چھیننے کے جرم میں پختہ کرے گی ــــ یہی نہیں، بات اس سے آگے اور بڑھے گی۔''

مسٹر دھروا نیرا کی بات بڑے ناگوار انداز میں سن رہے تھے۔ وہ تو صرف خود کچھ کہنا چاہتے تھے، نیرا بول رہی تھی اور وہ اکتاہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

'' دوسرے دن سے وہ اپنے اس کام میں پختگی حاصل کرنے کے لئے ڈاکوؤں کی صحبت اختیار کرے گا اور وہ پولس کی کاروائیوں سے بچنے کے طریقے سیکھے گا، اور پھر اس کے گھر میں ڈاکوؤں کا آنا جانا شروع ہوگا اور اس کے بچے بھی ڈاکوؤں کو دیکھیں گے اور ویسا ہی کردار بننے کی کوشش کریں گے۔ اس کے پاس آنے والے ہر پیسے میں اس کے ذریعہ حصول کا اثر ہوگا۔ اس پیسے کی صرف قیمت ہی نہیں ہوگی۔ اس کا ایک کردار پر بھی ہوگا۔ دھروا صاحب آدمی کی روزی جہاں سے آتی ہے اس جگہ کا اس کے کردار پر سیدھا اثر پڑتا ہے ــــ کیا آپ نے سوچا ہے کہ کرائم پیشہ لوگوں سے حاصل کی ہوئی چیزوں سے پولس والوں کے بچوں کی مٹی میں کیا کیا گندگی ملتی رہتی ہے؟ کیا آپ نے سوچا ہے کہ وہ کیا بنتے جاتے ہیں اور ان کو لوگ کن نظروں سے دیکھتے ہیں؟''

'' لیکن پولس سے زیادہ تو کئی دوسرے محکموں میں کرپشن ہے؟ لیکن نہ جانے کیوں لوگوں کو پولس کا کرپشن کچھ زیادہ ہی کھلتا ہے۔''

'' وہ اس لیے کہ تکلیف کی شدت کا تعلق صرف پیسے سے نہیں ہوتا۔ پولس عوام کی گارڈ ہے۔ جو شخص مکانوں کے دام بڑھا کر بیچتا ہے، جو اناج کی ذخیرہ اندوزی کر کے روپیہ بٹورتا ہے اس سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی اس سے ہوتی ہے جو سمیک بیچ بیچ کر بچوں کو اس کا عادی بناتا ہے ــــ کرپشن کا تخمینہ صرف لین دین سے نہیں ہوتا، اگر مجھے کوئی سڑک پر چھیڑے اور کوئی باوردی سپاہی چپ چاپ نگاہیں نیچی کر کے چلا جائے تو وہ میری نظر میں گر جائے گا۔'' اب وہ بھی پُر جوش طور پر بولنے لگی تھی۔

'' پی، ڈبلیو، ڈی کا تعلق ہمارے مکانوں سے ہے اور سڑکوں اور پارکوں سے ہے، محکمہ ٹرانسپورٹ کا تعلق ہماری بسوں سے ہے لیکن پولس کا تعلق ہماری آبرو سے ہے، ہمارے چلنے پھرنے کی آزادی سے ہے، اور اس کا کوئی بدل نہیں۔ اس لئے جب ہم پولس کو بے حس پاتے ہیں

تو گھبرا جاتے ہیں اور کبھی کبھی ان کی غیر متوقع شکل دیکھ کر تلملا جاتے ہیں۔ جب ہم اپنے ہی گارڈ س کو اپنے ہی خلاف سازش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو ہماری نیند حرام ہو جاتی ہے۔ پولس کے پاس ہم اپنی جان مال اور عزت کے لئے پناہ مانگنے جاتے ہیں، وہاں ہم کنکر پتھر نہیں سوندھی اور نرم مٹی کی امید کرتے ہیں، وہاں ہم افسروں کے چہروں میں کیڑوں مکوڑوں کی صورت کی قطعی توقع نہیں کرتے — اور ایک بات اور — آپ جس چیز کو حقیقت کہتے ہیں وہ آپ کا نقطہ نظر ہے۔''

اس نے مسٹر دھروا کو دیکھا، جو اس کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے اس کی بات ان کے حلق میں نہیں اتر رہی تھی، لیکن وہ اب اپنی بات کہہ گزرنا چاہتی تھی ''آپ دنیا کے مہاپرشوں کی ناکامیوں کو دیکھ سکتے ہیں، اور آپ سوسائٹی کی مکمل پیچیدگی کو تو سمجھ سکتے ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے انسانوں کی ہلکی پھلکی دکھ بھری باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔' وہ کہتے ہوئے مسٹر دھروا کی آنکھوں میں ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ انہیں غیرت دلانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کو محسوس ہوا کہ اس کے الفاظ کی ترسیل نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی دیوار سی بیچ میں کھڑی تھی۔

کھڑکی کی درازسے دھوپ کی کرنیں اب مسٹر دھروا کے سر پر پڑ رہی تھیں لیکن پھر سفید بالوں کی تیز چمک سے پھسل کر فرش پر گر جاتی تھیں۔ پھر نیرا کو لگا کہ ان کا بڑا سا چہرہ میز پر ایک سایہ ڈال رہا تھا۔ اس نے سب کچھ صاف صاف دیکھ لیا۔ وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ قانون کے درخت پر لگے ہوئے پھولوں اور پتوں کے سمان ہیں، لیکن آپ کی رگوں میں احساس کا رس کم پڑ گیا ہے، — آپ سوکھ گئے ہیں۔''

اور یکایک ایک چھناکے کے ساتھ وہاں پورے آفس میں خاموشی طاری ہو گئی۔ اور اسے لگا جیسے اس کی تیز نگاہوں کی دھوپ سے وہاں کے در و دیوار کا رنگ اڑ گیا ہو۔

مسٹر دھروا نے اپنا عینک اتار کر رکھ دیا۔

نیرا کچھ دیر ان کو دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

''دھروا صاحب ہر چند کہ اس محکمہ میں کام کرتے کرتے آپ کے بال سفید ہو گئے ہیں، لیکن اگر آپ مجھ سے اس قسم کی باتیں مجھے کوئی بچی سمجھ کر کر رہے ہیں تو یہ بھی آپ کی خوش فہمی ہے۔ اس مقدمے کے سلسلے میں بھاگتے بھاگتے میرے بھی پاؤں بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔ اب میں بھی کچہری میں گھنٹوں کھڑی ہو لیتی ہوں اور نہیں تھکتی۔ اب میں بھی دو دو گھنٹہ انتظار کر لیتی

ہوں، اور مجھے غصہ نہیں آتا۔ اب میں بھی سمجھنے لگی ہوں کہ کالا رنگ ہی تجربات کی بھٹی میں جلنے کے بعد سفید ہو جاتا ہے۔ میں جس معاملہ میں آپ کے پاس آتی ہوں وہ اتنا معمولی نہیں کہ اونچی نیچی اڑان بھرتی رنگا رنگ گفتگو میں ان کی تلخی اور شدت کم ہو جائے۔ اب میں امیدیں کسی کی دی ہوئی قوتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی بنائی ہوئی قوتوں پر قائم کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ پر میری اس گفتگو سے کیا گزر رہی ہوگی۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ آپ کے سفید بال میرے بارے میں کیا کیا سوچ رہے ہوں گے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آج اس ملک میں جہاں کچھ بھی نہیں ہے وہیں یہ بھی ہے کہ سب کچھ ہے بھی۔ یہ جاننے میں مجھے وقت ضرور لگا لیکن اب میں یہ جانتی ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں۔ اب میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ مجھے کن کن طریقوں سے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ میں آپ کو کن کن طریقوں سے نقصان پہنچا سکتی ہوں، اور یہ بھی جانتی ہوں کہ جہاں آپ لوگوں کی مونچھوں پر تاناشاہی چلتی ہے وہیں آپ کے دل میں کہاں خوف کی پرچھائیاں تیرتی ہیں۔ مسٹر دھروا انتہائی غور سے نیرا کی بات سننے لگے تھے۔

'آپ اپنے اور حکومت کے بیچ پھیلی ہوئی دوری کو آڑ بنا کر اپنی من مانی کرنے کے فن میں ماہر ہو گئے ہیں، میں اس دھند سے بھی واقف ہو چکی ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کے سارے افسر مکمل طور پر فرشتے نہیں ہیں، بلکہ وہی کیا اس ملک میں فرشتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ فرشتہ نہیں ہے۔ لیکن کبھی شیطان بھی نہیں ہیں۔ اور اگر آپ نے اپنی زیادتیوں کا یہ سلسلہ قائم رکھا تو میں ان لوگوں تک پہونچوں گی۔ اس ملک میں وہ سارے راستے بھی کھلے ہیں جہاں سے گزر کر ایک شہری قانون اور انصاف کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور اگر وہ دروازہ خود سے نہیں کھلتا تو اسے بزور قوت توڑ کر کھول سکتا ہے۔ آپ مجھے محض ایک طالب علم سمجھ کر ٹھکرا رہے ہیں، لیکن میں اپنے کو محض ایک طالت علم سمجھ کر آپ کے ٹھوکروں کو نظر انداز نہیں کرتی ہوں۔ میں وہ طمانچے اپنے اندر موجود شہری کو مارتی ہوں۔ میں محض آپ کے سامنے تقریر نہیں کر رہی ہوں بلکہ میں ادھر بھی قدم بڑھا رہی ہوں جدھر سے میرے قدموں کی چاپ اتنی تیز ہو جائے گی کہ آپکے کانوں میں اس کی آواز آنے لگے گی۔ اور میں ان میں سے نہیں ہوں جو کسی خوش فہمی کے شکار ہوں کہ اس ملک میں شہری کی کوئی قدر و قیمت ہے، اور اس ملک میں انسان کو اپنی ذاتی قوتوں کی نمائش کا کوئی وسیلہ حاصل ہے۔ لیکن میں ان میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ وہ کون سی راہیں ہوتی ہیں جہاں قذاق

شہری کو لوٹتے اور قتل کرتے ہیں۔ مسز دھروا میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی آنکھوں میں ایک تحقیر آمیز مسکراہٹ ابھری ہے۔ لیکن آپ یقین جانئے کہ آپ کے سفید بال آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ آپ شوق سے مسکرائیں، اور ممکن ہو تو اپنی آنکھیں بھی کھولیں کہ میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور آپ اس فہرست پر نظر ڈالیں جو آپ ہی کے ایک ماتحت نے مجھے دی ہے۔''

مسز دھروا نے فوراً اپنا عینک اٹھا کر دوبارہ لگالیا اور جب اس فہرست کو پڑھا تو ان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ جو لوگ خود اتنے سیاہ ہو چکے ہوں وہ لوگ اگر سماج میں تاریکی پھیلا رہے ہوں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن یہ سیاہی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ خود ان کی اپنی نظریں بھی تاریک ہو جاتی ہیں ورنہ آپ خود یہ نہیں کہتے کہ اس تھانے کا تقریباً ہر آدمی کسی نہ کسی اعتبار سے کرپٹ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ کرپٹ ہوں لیکن کافی لوگ ایسے ہیں جن کے بال ابھی سفید نہیں ہوئے وہ کرپٹ ہونے کے باوجود ایک نارمل انسان کی طرح خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں، اور ان میں بیشتر کو اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے انجام دیتے بھی دیکھا ہے، لیکن رات میں ہر چیز سیاہ ہو جاتی ہے، اور دن میں ہر چیز روشن ہو جاتی ہے کہ سورج بھی بڑا اہم ہوتا ہے۔ آپ کے تھانے میں ایک سپاہی ایسا بھی ہے جس نے ایک دن کمار سے یہ کہا تھا کہ دولت کے لئے آدمی سب کچھ کرتا ہے لیکن میرے معاملے میں ایک لڑکی اور بیوہ پر اتنی زیادتی ہو رہی ہے کہ دیکھ کر ترس آتا ہے۔

آپ کے صرف بال ہی نہیں سفید ہوئے ہیں، بلکہ آنکھیں بھی سفید ہوگئی ہیں آپ نے کرپشن کو سفید کر کے دیکھنے کیلئے باقاعدہ ایک فلسفہ پیدا کر لیا ہے اور آپ بزور تجربہ ہر چیز کو اس نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن میں ٹھیک ٹھیک دیکھتی ہوں۔ میں ان میں سے نہیں ہوں جو کامیابی کی بڑی بڑی کتابیں پڑھتے ہیں۔ میں تو کباڑی کی طرح زندگی کے کوڑے کرکٹ سے بہت چھوٹے چھوٹے واقعات جمع کر کے، اس سے اپنی زندگی کا کاروبار کرتی ہوں، چھوٹی موٹی گلیوں سے زندگی کی گہری بصیرت کا ادراک کرتی ہوں، اور اپنی عبادت گاہ میں تمام باتوں کی پالیسی متعین کرنے والے کے سامنے ہو بہو رپورٹ دیتی ہوں، جسے وہاں سے لفظ بہ لفظ بغیر ترمیم کے آگے بھیج دیا جاتا ہے اور میرے بارے میں کارروائیاں وہیں سے ہوں گی۔ اس دنیا میں مَیں نے اپنی کچی عمر میں ہی یہ سیکھ لیا ہے کہ حکومتیں کہیں اور ہوتی ہیں لیکن احکامات کہیں اور سے جاری ہوتے ہیں۔'

☆☆

۱۵

'تو یہ ہے تمہارا گھر، الوک نے کافی دیر بعد مکان پر نظر دوبارہ ڈالتے ہوئے کہا۔ آج الوک پہلی بار نیرا کے گھر آیا تھا۔

'آیئے' میں آپ کو چھت دکھاؤں، چھت سے دور دور کی، شہر کی اونچی اونچی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

'تو یہ ہے چھت، اس نے کہا۔ اسے محسوس ہوا کہ گھر کی روح چھت پہ ہوتی ہے، چھتوں پر جا کر انسان اپنے خوابوں اور اپنی پرانی یادوں میں ڈوب جاتا ہے— یا جو جاگتے میں خواب آتے ہیں اور پرانی یادیں بیدار ہوتی ہیں تو کھلی فضا کی اڑان اور پرسکون ماحول کے لئے آدمی چھت پر بھاگتا ہے۔

چند روز بعد الوک دفتر میں بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا کہ نیرا کا فون آیا۔

اس وقت وہ اپنے وکیل سے جھگڑے والے مقدمے کے بارے میں تبادلہ خیال کر کے آئی تھی، اور دورانِ گفتگو فون پر اس نے الوک کو بتایا کہ اس کا جھگڑے والا مقدمہ کمزور ہو رہا تھا۔

'کیوں؟'

'چشم دید گواہ چاہیئے'

'یعنی تم نے جو کچھ خود جھیلا اور دیکھا وہ ثبوت نہیں ہے، اس نے کہنا چاہا کہ اسے خیال آیا کہ وہ نیرا سے کچہری کے مقدمے کے بارے میں بات کر رہا ہے اور وہ خود بحیثیت ایک پولس

افسر کے قانون شہادت کے بارے میں جانتا ہے، یہ تو میرے اندر کا انسان سوچ رہا ہے۔اس کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

'وہ انکوائری رپورٹ اور تمہارا اپنا بیان؟'

'اس پر عدالت میں کافی بحث ہوئی—لیکن عدالت بضد تھی کہ ہمیں ان لڑکوں کا نام بتانا چاہیے جو موٹر سائیکل پر آئے تھے۔'

'تمہیں وکیل سے یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اگر ہم عدالت کو وہ نام پردۂ راز میں رکھتے ہوئے بتادیں تو عدالت مطمئن ہوگی یا نہیں'۔

'وکیل سے میں نے پوچھا تھا، اس نے کہا کہ عدالت میں اس طرح کا کوئی رواج نہیں ہے، جج کی اپنی ذاتی جانکاری یا تسلی کافی نہیں، بلکہ اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔وہ کہنے لگے کہ عدالت کی نظر میں سچ وہ نہیں ہے جو صرف رازدارانہ لفافوں میں بند ہو، سچ وہ ہے جو سامنے آنے کی قوت رکھتی ہو۔محض واقعہ کا ہونا، یا جج کا جاننا کافی نہیں ہے—واقعی عدالتوں کا سچ عجیب ہے—اگر گواہوں کو ذرا دھمکادو تو یہ اندر ہی اندر دفن ہوجاتا ہے۔'

شام کو وہ نیرا کے گھر گیا۔

'تم تھوڑی ہمت کر کے نام بتا ہی کیوں نہ دو، الوک نے پوچھا۔

'بات ہمت کی نہیں' ہمت تو بہت چھوٹی چیز ہے جو کوئی بھی کرسکتا ہے، یہ بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ ایسا کرنے کے اثرات کیا ہوں گے؟ اگر یہ باتیں صاف صاف دکھائی دیں تو پھر ہمت خود بخود پیدا ہوجائے گی—لیکن یہاں سب کچھ پے چیدہ ہے۔پردیپ کے ساتھ پرابلم ہے۔یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کا علم اس کے گھر والوں کو نہیں ہے، اس کے والدین بہت ہی شانت پرکرتی کے آدمی ہیں، اور مقدمے کا نام سن کر ہی وہ گھبرا جائیں گے، پردیپ کے والد کے نام پہلے ہی سمن جاچکا ہے جو شاید ابھی ان کو ملا نہیں ہے، لیکن جب ملے گا تو ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہوگا، میں جانتی ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں، کئی معاملات میں تو اپنا بھاری نقصان اٹھا کر بھی خاموش رہ گئے ہیں لیکن تھانہ کچہری نہیں گئے۔پردیپ کے والد ابھی کچھ دنوں پہلے ریٹائر ہوئے ہیں، وہ دل کے مریض ہیں۔

آج الوک دوسری بار نیرا کے گھر آیا تھا۔تمہارا تمام گھر شیشے کا ہے نیرا—میں اس لیے

چھپ چھپ کر تمہاری مدد کرتا ہوں کہ تم ایک لڑکی ہو، پردیپ اس لیے چھپ چھپ کر تمہاری مدد کرتا ہے کہ اس کے والد اس بات کو ناپسند کریں گے۔اور تمہاری یہ کزن اپنی کمائی سے اپنی چھوٹی بہنوں کی پڑھائی چلا رہی ہے، اس کے یہاں گھر کا کرایہ دینے میں بھی پیسے کم پڑ جاتے ہیں۔اس کے گھر میں چھوٹی چھوٹی تمنائیں آرزوئیں بھی اس لیے پوری نہیں ہوتیں کہ گھر کی معاشی حالت ٹھیک نہیں ہے، وہ بھی چھپ چھپ کر تمہاری مدد کر رہی ہے—اگر اس کا نام مقدمہ میں آگیا تو وہ آفس جائے گی یا تھانے اور کچہری بھاگے گی؟ بغیر تنخواہ کے چھٹیاں لینی پڑجائیں گی۔

سونیا ساتھ ہی بیٹھی تھی، اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھائیں اور ایک انتہائی باہمت مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کو دیکھا۔

ایک بات بتایئے،

'کیا'

'اگر جھگڑا ہوگیا، اور پولس آگئی، اور پوچھے کہ یہ کیا کرتی ہے تو کیا بتانا چاہیے، صحیح صحیح بتانا چاہیے'۔

'کیوں بتائیں، کیوں نہ بتائیں کہ پڑھتی ہے'

'اور اگر گرفتار ہوگئی تو؟'

'ہاں تب تو صحیح بتانا پڑے گا،

'اور اس گرفتاری کی خبر سرکاری دفتر کو جہاں ملازم کام کرتا ہے، دی جاتی ہے،

'اس سے محکمہ میں پھر پوچھ تاچھ ہوتی ہوگی'۔

'یہی نہیں کہ پوچھ تاچھ ہوگی۔اگر یہ خبر گئی کہ یہ حراست میں رکھی گئی تو فوراً معطل کردی جائے گی—بلکہ خطرہ یہ ہے کہ وہ کوئی بہانہ بنا کر جمعہ کی شام کو تمہیں حراست میں لیں تاکہ سنیچر اور اتوار کی چھٹی کے بعد پیر کے دن ہی تمہاری ضمانت ہوسکے'۔

سونیا نے ایک نظر نیرا کو دیکھا جو اس بات پر پتھر کی طرح خاموش ہوگئی تھی۔پھر اس کی نظر الوک پر پڑی جو کچھ سوچ رہا تھا۔اس کی آنکھیں الوک سے ملیں لیکن الوک کا دھیان کہیں اور تھا۔سونیا کو لگا کہ نیرا کے پتھریلے پن اور الوک کے گنگ ہوجانے کی وجہ وہ خود ہے۔

'یہ فکرمند اس لئے ہے کہ ہم شیشہ ہیں، اگر ہم پتھر بن جائیں، یا ربر بن جائیں تو پھر

اس کا خوف بھاپ بن کر اُڑ جائے گا —— جہاں تک میرا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ نوکری چلی جائے گی، یہ نوکری چلی جائے گی تو کسی پرائیوٹ فرم میں نوکری کرلیں گے، میں سمجھتی ہوں کہ اگر آدمی انجام کے بارے میں پہلے سے سوچ لے اور اس کے لیے تیار ہو جائے تو پھر وہ بہت مضبوط ہو جاتا ہے، اور اب جب یہ بات بالکل صاف ہو چکی ہے کہ کمزور رہنا ایک خطرناک بات ہے تو اب ڈرنے سے کیا فائدہ! سونیا ایک سانس میں بھاری بھاری گمبھیر لہجے میں بول گئی۔

الوک کا تخیل جو بھٹک رہا تھا، اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا —— سونیا اب نیچے دیکھ رہی تھی، صرف مسکرا رہی تھی، چند لمحے بعد اس نے پھر نظریں اٹھائیں اور سامنے دیکھا، وہ مسکرا رہی تھی، صرف مسکرا رہی تھی۔

'الوک تم جس تجربہ کو اجنبی سمجھ رہے ہو، وہ حقیقت یوں بھی سر راہ بیٹھی مل جاتی ہے، اجنبی یہ بات نہیں ہے، دراصل تم خود زندگی میں اجنبی پن کا شکار ہو گئے ہو۔ اور زندگی سے اتنی دور ہو گئے کہ چھوٹی چھوٹی قوتوں کے لئے ترس گئے ہو!

'کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟' سونیا نے الوک سے یکا یک پوچھا۔

'میں' میں —— الوک اٹک کر رہ گیا۔

'میں اس لڑکی کی شخصیت کا ایک ایک ورق پڑھوں گا۔ یہ تو زندہ کتاب ہے، سونیا، اگر تمہیں انہوں نے بند کر دیا تو، میں اپنی ضمانت پر تم کو رہا کراؤں گا،

سونیا نے اپنی بھاری نگاہیں اٹھا کر الوک کو دیکھا۔

☆☆

۱۶

نیرا جیسے الوک کے اندر بس گئی تھی۔ آج وہ نیرا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

اس نے خود فون اٹھایا۔ دوسری طرف نیرا ہی تھی وہ بتا رہی تھی کہ چھت والی سیڑھی پر جب اس نے تالا لگایا تو مسز اوشا نے اسے توڑ کر پھینک دیا ——

'میں آ رہا ہوں'

'کہاں ملیں گے؟'

'بترا ہسپتال کے لان میں'

اس نے آفس کے کام جلدی نپٹائے اور جیپ میں بیٹھ کر فوراً بترا ہسپتال کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہسپتال میں وہ ایک جانب جیپ کو روک کر اس انداز میں اُترا جیسے کسی مریض کو دیکھنے جا رہا ہو۔ —— ہسپتال کے ایک کونے میں جہاں قدرے تنہائی تھی، آ کر رک گیا۔

وہ وہاں ایک اجنبی کی طرح اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد نیرا اسے تلاش کرتی ہوئی وہاں پہونچ گئی۔

'ان باتوں کے بارے میں جو ہوئی ہیں، تم تھانے میں جا کر رپورٹ درج کراؤ، نیرا چلی گئی، وہ اسی تنہا جگہ میں چھپا ہوا کبھی نیچے گھاس پر بیٹھ کر اور کبھی ایک بڑے پیڑ کے گرد انتظار کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی آیا۔ اُسے دیکھ کر گھورا اور پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی

اسٹارٹ کردی — کہیں یہ آدمی شبہ نہ کرے کہ میں گاڑیوں کی پارکنگ میں کیوں کھڑا ہوں۔

چند منٹ بعد سامنے کی بلڈنگ کے پیچھے سے خاکی وردی میں چوکیدار نکلتا ہوا دکھائی دیا — الوک نے ذہن پر کافی زور ڈالا کہ اب وہ کیسی صورت بنائے اور کیسے پوز میں کھڑا ہو — کیا ایسے پوز میں کھڑا ہو کہ چوکیدار دیکھے تو یہ سمجھے کہ وہ کسی ایسے آدمی کا انتظار کر رہا ہے جو اپنی گاڑی وہاں پارک کر کے اندر ہسپتال میں گیا ہے اور اب آنے ہی والا ہے — لیکن کہیں اتفاق سے چوکیدار نے پوچھ لیا — اور یہ پوچھ لیا کہ وہ کون سی گاڑی ہے جس کے مالک کا وہ انتظار کر رہا ہے، تو وہ کیا کرے گا؟ چوکیدار گاڑی کے مالک سے واقف ہوا تو — اگر ایسی صورت بنائے جیسے اس جگہ کسی اور کا انتظار کر رہا ہے تو چوکیدار یہ کہہ سکتا ہے کہ انتظار کرنے کے لئے لان میں کافی جگہ ہے، پھر اس کونے میں گاڑیوں کی پارکنگ کے بیچ کیوں؟ — اور اگر اس نے نام، پتہ پوچھنا شروع کر دیا تو؟ — اگر چوکیدار کو شک ہوا اور اس نے اور لوگوں کو بلوایا تو — اگر ارد گرد کے لوگ اور ملازمین دلچسپی میں آ کھڑے ہوئے تو — اور پھر سب کے سامنے اس نے اپنی اصلیت بتائی تو؟

چوکیدار آہستہ آہستہ ادھر آ رہا تھا۔ الوک مایوس سی صورت بنا کر بے چینی سے سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ سوچا، اگر پوچھے گا تو کہہ دوں گا میں فلاں ہوں اور کسی نے اس سے یہیں ملنے کے لیے کہا تھا لیکن اس کے بعد چوکیدار کی اس میں دلچسپی بڑھ جائے گی اور اگر اسے کافی دیر انتظار کرنا پڑا تو چوکیدار کیا سوچے گا کہ اتنا بڑا افسر ہو کر کس کسمپرسی کے عالم میں انتظار کر رہا ہے اور جب نیرا آئے گی تو اسے دیکھ کر وہ ضرور سوچے گا کہ میں اس لڑکی کا انتظار کر رہا تھا جس کو اپنی گاڑی تک بھی لے جانا نہیں چاہتا۔ اور جس کے چہرے پر جھریاں سی پڑ گئی ہیں، کہ میں کتنا نالائق، نااہل اور بدھو افسر ہوں کہ اتنا بڑا افسر ہوتے ہوئے بھی مجھے ہنستی کھلکھلاتی لڑکیاں نہیں ملتیں — یہاں تو معمولی ہسپتال کے نرس اور کلرک حسین و جمیل لڑکیوں سے عشق لڑاتے ہیں۔ اور گھنٹوں ان کی صحبت کا لطف اٹھاتے ہیں۔

ہسپتال کا چوکیدار دو تین بار وہاں سے گزرا — اور ہر بار وہ تقریباً سانس روکے یہی دیکھتا رہا کہ وہ بغیر کچھ پوچھے ہوئے گزر جائے — چوکیدار دھیرے دھیرے ادھر آیا اور پھر ایک ترچھی نظر ڈالتا ہوا آگے چلا گیا۔ جیسے ہی چار پانچ قدم آگے گیا تھا دوسری طرف سے دوسرا

چوکیدار آ گیا — اور دونوں ایک دوسرے سے گپیں مارنے لگے۔

اب وہ دونوں بالکل سامنے اور بالکل قریب کھڑے تھے۔ اس نے سوچا وہ وہاں سے ہٹ جائے — لیکن فوراً ہٹے گا تو وہ ضرور شک کریں گے — وہ جان بوجھ کر دوبارہ سڑک کی جانب بے چینی سے دیکھنے لگا — سڑک کی دھواں آلود اور پر شور فضا میں اس کی سوچ بھڑک اٹھی — وہ کتنا کمزور ہے، بے اہمیت کہ یہاں کھڑا تنکے کی طرح ہل رہا ہے، ایک چوکیدار کے سائے سے لرز رہا ہے۔

وہ سوچنے لگا۔

میں کبھی اتنا بے اہمیت بھی ہو سکتا ہوں؟

ہو کیا سکتا ہوں، ہوں۔

یہ زندگی کی حقیقتوں کے روپ ہیں۔

تم ان سے واقف نہیں تھے۔

یہ وہی روپ ہیں، جن سے تمہارے ہم پیشہ خوفزدہ رہتے ہیں۔

اور اپنے مجبور ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

نہیں — میں مجبور نہیں —

یہ خوف ہی — ہماری قید کے دیواریں ہیں جس میں ہم بند ہو گئے ہیں۔

میں اس وقت صرف اس لیے خوفزدہ ہوں کہ میں ایک افسر ہوں۔

لیکن میں وہ بھی ہوں جو یہاں کھڑا ہوں۔

'وہ کون تھا جو وہاں کھڑا تھا — ؟

آج وہ انتہائی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اس دن سے جس دن وہ بترا ہسپتال کے لان سے لوٹا تھا، اسے لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں بہت کچھ ایسا کھو دیا ہے جسے اس کو کھونا نہیں چاہئے تھا۔

آج صبح سے ہی ملاقاتیوں کا ایک ہجوم سا ہو گیا تھا، لیکن وہ تھوڑی دیر کا کام کرنے کے بعد ہی انتہائی اُلجھن میں سارا کام روک کر اپنے ریسٹ روم میں آ گیا تھا، لیٹے لیٹے اس کی سوچوں

میں ایک تانا بانا بندھ گیا۔ چند برسوں کے دوران وہ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے جو کچھ بنتا چلا گیا تھا وہ فلم کی ریل کی طرح گزر رہا تھا؛——وہ طالب علمی کے زمانے میں بڑا لا اُبالی تھا لیکن نوکری ملنے کے بعد اس کی زندگی میں ایک استقرار آنے لگا تھا، سب سے پہلے تو وہ ایک روٹین میں گرفتار ہوتا چلا گیا تھا، صبح کے نو بجے سے شام چھ بجے تک دفتر—پھر سنڈے اور دیگر گزٹڈ اور ریسٹر کٹڈ ہولی ڈیز جن کی لسٹ اس کے ٹیبل گلاس کے نیچے لگی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ فرصت کی ضرورت ہو تو اپنے اعلیٰ افسر سے منظوری کا دستور۔

دن کے اوقات کے متعین ہونے سے رات کے اوقات بھی خود بخود متعین ہو گئے تھے، رات کو ایک مخصوص وقت پر سونا اور نیند پوری کرنا تا کہ صبح تازہ دم ہو کر آفس جا سکے۔ اب دن چڑھے تک سوتے رہنا ناممکن تھا۔

تقسیم اوقات اور اس پر محکمہ کا اختیار اس کی زندگی کی ساخت کو اپنی گرفت میں لے بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی کی ساری ضروریات بھی دفتر سے پوری ہو رہی تھیں۔ مکان کا کرایہ، گاڑی، ٹیلی فون، چپراسی،——شناختی کارڈ——اور اس کی تنخواہ جس سے اس کی تمام ضرورتیں وابستہ تھیں، راشن، کپڑے، بجلی، بنک اکاؤنٹ، ریکرنگ ڈیپوزٹ، سیر سپاٹے، تحفے تحائف، شادی بیاہ اور اس کے لئے نوکری کو مناسب ترین طریقے سے انجام دینا ضروری تھا——اتنا ہی نہیں بلکہ اسی سے اس کو ترقی بھی ملتی——ورنہ ترقی رک بھی سکتی تھی اور اس کے ساتھ سماجی عزت اور مالی خوشحالی سب میں رکاوٹ آتی۔

اس نے کئی بار اس پر سوچا بھی تھا۔ لیکن ایک دن یہ سوچ کر ہمیشہ کے لیے اپنے کو مطمئن کر دیا تھا کہ اسے اور کرنا بھی کیا تھا۔ اس طرح اس کا مکمل طور پر اپنے جسم کے ریشہ ریشہ کا حساب دے دے کر اپنی نوکری سے وابستہ ہو جانا اسے اچھا ہی لگا تھا۔

اس کے ملنے جلنے کے انداز اور دوسری باتوں میں بھی ایک خاص تربیت پیدا ہو گئی تھی جس کا وہ منکر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے مزاج اور نقطۂ نظر کی عکاسی اس کے اے۔ سی۔ آر۔ میں کی جاتی تھی، اور اے۔ سی۔ آر۔ کی بنیاد پر ہی اس کو ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں۔ وہ کوئی نجی کاروبار نہیں کر سکتا تھا، کسی سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تھا، اور کسی قیمتی سامان کی خرید و فروخت محکمہ کو اطلاع دئے بغیر نہیں کر سکتا تھا، اور بعض سامان تو صرف سرکار سے منظر شدہ دکانوں

سے ہی خرید سکتا تھا۔ اس بات پر وہ کئی بار اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔

اور اس کی رہائش بھی ایک خاص انداز کی ہو گئی تھی، وہ انہیں لوگوں سے ملتا جلتا تھا جو اس کے عہدہ کے قریبی لوگ تھے، آفس میں ایک مخصوص قسم کا لباس پہن کر جاتا تھا۔ ایسے جیسے اس کی اپنی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہ گئی ہو——کئی دوست احباب اور رشتہ دار اس سے ناراض بھی ہوئے کہ کئی بار وہ کئی لوگوں کے یہاں اس لیے نہیں جا سکا کہ اس کو چھٹی نہیں مل سکی——پہلے تو لوگوں نے اس کا بُرا مانا۔ اس کی اس نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن وہ تلملایا تب تھا جب لوگوں نے یہ کہہ کر اس کو معاف کرنا شروع کر دیا کہ وہ محکمہ کی وجہ سے بے بس ہے——اور تمام باتوں کے باوجود اپنے جاب سے اس کا رشتہ گھنا ہوتا چلا گیا تھا——جو کچھ حاصل ہونا تھا۔ یہیں سے حاصل ہونا تھا۔

اسی ٹیبل سے، اسی قلم دان سے، اسی کرسی سے۔

اسی کمرے سے، اسی محکمے سے۔ ان سے وہ ہر ممکن پہلو سے جڑ گیا تھا۔

بیمار ہوں تو سرکاری ہسپتال سے علاج——کیس سیریس ہو تو تعلقات کی بنا پر شہر کے بڑے ہسپتال میں داخلہ——اور پھر اس کے لیے تعلقات بنائے رکھنا——شادی بیاہ یا کسی اور جشن میں جانے پر سادہ تحفہ لے جانا——یا وہی چیز لے جانا جو کوئی اور دفتر میں تحفے میں دے گیا ہو،——اس کی سوچ اور اس سوچ سے نکلنے والی گفتگو بھی ایک سانچے میں ڈھل گئی تھی جیسے اس کی متحرک زبان اب ایک مخصوص قواعد سیکھ گئی تھی، اور اس میں احتیاط کا اسٹیل پن پیدا ہو گیا تھا۔ کوئی بات اس کی زبان سے خلاف سرکار نہ نکلے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ کوئی بھی بات کسی بھی فرقہ کے خلاف نہ ہو۔ جب وہ اپنے اندر سے دیکھتا تو اپنے آپ کو پوری کائنات سے وابستہ پاتا تھا لیکن لوگ اسے سرکار کے ایک محکمہ میں لا کر محدود کر دیتے تھے——اور اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات اور اس کی تمام حرکتوں اور تمام جذبات کو بھی اسی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے محسوس کیا کہ وہ اندر سے تو کچھ اور ہے لیکن لوگوں نے باہر سے گڑھ گڑھ کر اسے کچھ اور بنا دیا ہے۔ بلکہ اس کے ارد گرد کو بھی اسی طرح ڈھال دیا تھا کہ یہ اسے جکڑے ہوا تھا، ہر جگہ زبان بند رکھتے رکھتے وہ بند ہی رہنے لگی تھی، اور اب اس سے صرف بے ضرر آوازیں نکلتی تھیں۔

اب یہ احساس اس کے اندر ابھر رہا تھا کہ اس کے اندر کوئی ہے جو تنہا ہے، اور بے دست و پا ہے، جس کا کوئی جسم نہیں، جو کٹا کٹا رہتا ہے جسے کوئی نہیں دیکھ پاتا۔ جو کبھی کبھی روتا ہے،

اندر ہی اندر آنسو بہاتا ہے۔

نوکری سے پہلے وہ لمبے لمبے بال رکھتا تھا لیکن اب اس نے خط چھوٹے کروالیے تھے، پہلے وہ اکثر کرتا پاجامہ پہنے شہر میں نکل جاتا تھا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ ایک دن ایک محفل میں وہ قوالی سننے گیا تھا اور قوالہ کو وہ سو روپے داد میں پھینک آیا تھا مہینہ کا پورا جیب خرچ — لیکن پھر اس کی اس مستی کا سرور زیادہ لمحوں قائم نہیں رہ پایا۔ یہ بانکپن، یہ بے ساختگی، اس کا حصہ نہیں — اس خیال نے اس کو عین سرور کے عالم میں آ دبوچا وہ دل پھینکنے کا ڈرامہ کیسے کر سکتا ہے لوگ کیا سوچیں گے کہ اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے ہیں۔

ایک دن اسے بڑا عجیب لگا تھا جب اسے دھیان آیا کہ نوکری میں آنے سے پہلے وہ یُوں ہی بلا وجہ، ہوا خوری کے لئے بھی نہیں، صحت ٹھیک رکھنے کے لیے بھی نہیں، بلکہ یوں ہی، کس طرح، اپنے دوستوں کے ساتھ آوارہ نکل جاتا تھا اور میلوں میل گھوم کر آ جاتا تھا۔ اب یہ حرکتیں بے معنی ہو گئیں تھیں۔

اس کے تفریح کے ذرائع بھی پہلے ہر ماہ دو ماہ پر بدل جاتے تھے، کبھی شطرنج، کبھی فوٹو گرافی، کبھی مچھلی کا شکار، کبھی چڑیوں کا اور کبھی کچھ اور — لیکن اب یہ تفریح کی خواہش بھی اپنی آوارہ گردی کھو چکی تھی، اب اس کی دلچسپی صرف فوٹو گرافی تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ طرح طرح کے کیمرے لے کر آیا تھا، اور فوٹو گرافروں کے ایک وسیع حلقے کا حصہ بن گیا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے محکمہ میں جذب ہوتا چلا گیا ہے۔ اور اس کی نوکری سے نئی شاخیں پھوٹ کر پنپ رہی ہیں۔ نوکری نے اس کی زندگی کا ایک نقشہ مرتب کر دیا تھا۔ اس کے سارے سماجی تعلقات بھی چاہے وہ ڈاکٹروں سے ہوں، یا تاجروں سے یا سیاستدانوں سے یا جنم مرن میں کام آنے والے پنڈتوں سے — سب کی جڑیں دلی کے سماج میں اترتی جا رہی تھیں۔ اپنے قصبے کے لوگوں سے اس کا ناتا ایک مجبوری بن گیا تھا، جسے وہ شعوری طور پر کاٹنے لگا تھا۔ دوستوں کے انتخاب کا معیار بھی بدلا تھا۔ کئی لوگ جو بڑے قریب تھے، وہ دور ہوتے ہوتے اجنبی بن گئے کیونکہ اب وہ لوگ فضول لگنے لگے تھے، اور نئے لوگ زندگی میں شامل ہو گئے تھے۔ کئی افسر جن سے ملتے جلتے رہنا ضروری تھا کئی لوگ جن کے یہاں پارٹیوں میں اس لیے جانا ضروری تھا کہ وہاں وہ بھی لوگ آتے تھے جو اس کی اپنی نوکری سے سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتے

تھے — اس کی دوستی کے معیار پر قطعی نہیں اترتے تھے۔ ریڈیو کی دکان والا جو اس کے ریڈیو اور ٹی۔ وی وغیرہ کی مرمت کرتا تھا اور گانے کی کیسٹ کی قیمت میں چھوٹ دیتا تھا۔ اور وہ ایک لالہ جس نے اس کا مکان بنوانے میں واجبی قیمت پر سارے سامان دلوائے تھے، اور وہ ایک کلرک جو اسے گھر پر اکیلے میں ملتا تھا اور اس کے محکمہ کی بہت ساری پوشیدہ وخفیہ تفصیلات بتاتا تھا، یہ اس کے معیار پر نہیں اُترنے کے باوجود اسے پسند تھے۔

یہ تبدیلیاں اس کے اندر دبے پاؤں آئی تھیں، جب وہ کپڑے خریدنے جاتا تو پاتا تھا کہ کپڑوں کی پسند ناپسند پر بھی کہیں پسِ منظر میں کوئی کھڑا رہتا تھا اسے وہ دن یاد آئے جب گلے میں ایک تھیلا لٹکائے رہتا تھا، جس میں اس کی ایک کتاب ہوتی تھی ایک ڈائری اور ایک اخبار — اور اس میں اور بھی کئی چھوٹی موٹی چیزیں ہوتی تھیں، بالکل نیرا کے تھیلے کی طرح — وہ تھیلا لٹکا کر اسے بڑا اطمینان ہوتا تھا۔ آج وہ گاڑی میں چلتے ہوئے بھی کیوں ادھورا محسوس کرتا تھا، جیسے وہ خود سے گاڑی میں نہیں بیٹھا ہوا، بلکہ رکھ دیا گیا ہو۔

اس کے اس بدلے ہوئے ماحول اور ڈھانچے سے اس کے شعور کی پختگی کے تخمینہ تک کو وابستہ کر دیا گیا تھا۔ کوئی بات جو اس نئے ڈھانچے سے ہم آہنگ نہ ہو، اسے لوگ اس کے دماغ کا خلل سمجھتے تھے۔ ایسا ہونا عین فطری تھا کیونکہ ایک ایک بات، ایک طور طریقہ، ایک ایک چیز، ایک ایک حرکت — جو اس سے وابستہ تھی، وہ بہت نپی تلی، سوچی، سمجھی مربوط اور منظوم تھی۔

میرا مکمل وجود نوکری سے ہم آہنگ ہے۔ اور میری شخصیت کی تمام سمتیں نوکری سے متعین ہوتی ہیں۔

میرا محکمہ ہلتا ہے تو میری نوکری ہلتی ہے۔

میری نوکری ہلتی ہے تو میں ہلتا ہوں۔

میرا محکمہ نوکری بدلتا ہے، تو میں بدلتا ہوں۔

میں بدلتا ہوں، تو میرا گھر، میرا کنبہ، ان کا رہن سہن، ان کے خیالات۔ ان کے پسند ناپسند سب بدلتے ہیں۔

میرا محکمہ ترقی کرتا ہے، تو میری ترقی ہوتی ہے۔

اور میری ترقی ہوتی ہے تو مجھ پر انحصار کرنے والے سب کی ترقی ہوتی ہے۔

میرے محکمہ کا انداز بدلتا ہے، اس کے سماجی تعلق کی نوعیت بدلتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ میرے بھی انداز، اور رتبہ اور سماجی تعلقات کی نوعیت بدلتی ہے۔

میرا محکمہ سوچتا ہے، تو میں سوچتا ہوں، میں سوچتا ہوں تو اس سے میرے کنبہ کی سوچ بھی متاثر ہوتی ہے۔

میرے محکمے کی ایک آن بان ہے، ایک نام ہے، ایک کلچر ہے۔

اس کی ایک پہچان ہے، اور اب اس پہچان سے میری پہچان ہے۔

اگر میرا محکمہ چٹانوں کی طرح مضبوط ہے تو میں بھی اس پربت کی طرح نصب ہوں۔

میرا جسم؟

میں تو محض ایک نقش ہوں۔

کہ میرے چہرے پر صرف میرا محکمہ دکھتا ہے۔

میں تو اپنی زندگی کی جڑوں سے قلم کر کے یہاں جوڑ دیا گیا ہوں

اسٹیل کے فریم کی طرح منجمد ہو گیا ہوں۔

اور یہ سب کچھ جو میرے اندر ہوتا رہتا ہے، وہ میرا نہیں کسی اور کا ہوتا رہتا ہے۔

میرے ہاتھ پاؤں سب گل چکے ہیں۔

اور—

پھر بھی، میں اس دھوکے میں گرفتار ہوں کہ میرا وجود باقی ہے۔

کہ میں ایک اسسٹنٹ کمشنر آف پولس ہوں!

میں تو محض الوک ہوں۔

اور جب کوئی نیرا کے مکان کی طرح۔

مجھ سے میری نوکری چھینے گا۔

تب مجھے احساس ہوگا کہ میں جلنے والی رسیوں سے لٹکا ہوا تھا، آسمان کی خوفناک بلندی پر—اور میرے پر کٹ چکے ہیں، اسے یاد آیا، اس نے دوران گفتگو نیرا سے کہا تھا کہ وہ اس معاملے میں مدد کرنے میں معذور ہے، اور اسے اپنا ہی یہ جملہ حیرت انگیز لگا تھا۔

وہ کب مجبور ہوا؟

اس کا یہ محکمہ اسے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر قادر کیوں نہیں بنا سکا؟ اس نے اپنی صلاحیتوں کی وسعتیں کھودی ہیں۔

سوچتے سوچتے اس کے اندر ایک احتجاج ابھرا اور طوفانی شدت اختیار کر گیا— کون ہے جو مجبور ہے؟ الوک؟

یا اسسٹنٹ پولس کمشنر؟ افسر مجبور ہو سکتا ہے، انسان مجبور نہیں!

میں محدود نہیں۔ الوک کو لگا کہ برسوں کی قید کے بعد وہ آزاد ہو گیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنے کو ایک سخت گھٹن سے باہر نکلتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ اپنے پاؤں جکڑنے والے اسی محور پر مچل گیا۔ وہ باہر نکلنا چاہتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں، اور اکثر میں سوچتا ہوں کہ میری زندگی میں کیا کمی ہے؟

کیا یہ کمی نہیں کہ میری پہچان ایک مخصوص شکل کے اندر بند ہو گئی ہے۔

میں اپنے اندر کی مسلسل موجزن ان گوناگوں رغبتوں کو جو دھڑک دھڑک کر بہت ساری سمتوں میں آگے بڑھنے کے لیے دباؤ دیتے ہیں، مسلسل کچلتا نہیں آیا ہوں؟ میں نے ان کی ہمت افزائی نہیں کی۔ اپنی شخصیت کو مار کر میں نے اپنی زندگی میں اپنے چاروں طرف ہولناک خالی پن کے سوا اور کیا پیدا کیا ہے؟

اور میں نے اپنے ساتھ ایسا کیوں کیا؟

کیا صرف یہ سوچ کر کہ اپنے کو جھٹلانے اور دبانے میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔

کہ میں اپنے ساتھ جو کچھ کر رہا ہوں اس میں کسی کو اذیت نہیں دے رہا تھا۔

کیا اپنے اندر ابھرتی رنگ برنگی کلیوں کو مسل دینا،

دنیا کو بے رونق نہیں کرتا۔

ہمارے چاروں طرف سماج میں اداسیاں نہیں پیدا کرتا۔؟

☆☆

۱۷

الوک نے نیرا سے کہا تھا کہ اگر میں اس کے ساتھ کوئی تشویش ناک صورت حال پیش آئے تو وہ اسے ضرور بتائے۔

چندروز بعد ایک دن اچانک نیرا کا فون آیا۔ وہ گھبرائی سی تھی۔

'آج کمار ضرور کچھ کر رہا ہے۔ شام سے ہی اس کی بیوی اور بچے میرے اوپر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اس کے یہاں غنڈہ دکھائی دینے والے دو تین آدمی آئے تھے۔ اور وہ ہمیں اور ہمارے مکان کو غور سے دیکھ رہے تھے، آج دوپہر میں سب انسپکٹر بھی کافی دیر تک یہاں بیٹھ کر گیا ہے، کمار بھی آج دن بھر گھر پہ تھا اور اس کا بہنوئی بھی آیا ہوا تھا، مجھے لگتا ہے آج رات وہ ضرور مار پیٹ کریں گے۔

'پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'

'میں نے اور کچھ نہیں سوچا۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کمار جو چاہتا ہے وہ نہ ہونے پائے، اور جو کچھ بھی ہو وہ اس کی توقع کے خلاف ہو۔'

'یہ کیسے کروگی؟'

'میں ان کے سامنے جاؤں گی ہی نہیں'

'پھر اور کیا سوچ رہی ہو۔'

'سوچ نہیں رہی ہوں۔ خالی ذہن لیے کسی خیال کے نکلنے کا انتظار کر رہی ہوں'۔ وہ ہنس پڑی۔

'میں تم کو ساڑھے آٹھ بجے لیلی پارک میں ملوں گا،'

'میں انتظار کروں گی، وہیں پارک میں،'

'اسی پارک میں'

'ہاں'

وہ اپنے آفس سے ٹھیک سوا آٹھ بجے نکلا لیکن جیسے ہی کچھ دور آیا تھا، اسے ایک قتل کی خبر ملی۔ دونوں جانب مزید خون خرابے کی تیاری ہو رہی تھی، وہ فوراً موقع پر پہنچا، کافی دیر رکنا پڑا ساڑھے دس بجے وہ فارغ ہوا، سوچا اب نیرا جا چکی ہوگی، اسے تھوڑی مایوسی ہوئی، پھر اس نے سوچا کہ ایک بار چل کر دیکھ ہی لے—اس نے پارک سے دور گاڑی رکوالی، اور پیدل پارک کی طرف بڑھا، سڑک پار کرتے وقت اسے بیچ میں گاڑیوں کی آتی ہوئی بھیڑ کی وجہ سے تقریباً دو تین منٹ تک رکنا پڑا۔ وہ گاڑیوں کے ریلے اور ان کی رفتار کو دیکھتا رہا۔ اسے پورا منظر عجیب سا لگا۔

فضا دھواں اور آوازوں سے مکدر ہو گئی تھی۔ دور دور تک پیلی روشنیاں پھیلی تھیں۔ لوگوں کی تھکن بھی فضا میں بو کی طرح سا گئی تھی، لوگ اپنے اپنے دھنوں میں کھوئے کھوئے سے تھے، کچھ سڑک پار کر رہے تھے، کچھ اسٹینڈ پر بسوں کو آتے دیکھ کر لہروں کی طرح آگے پیچھے جھول رہے تھے، رنگ برنگے اور دھندلے لوگ کیڑوں مکوڑوں کی طرح ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے، انہیں میں کہیں کہیں ایک آدھ خاکی وردی بھی دکھائی دے جاتی تھی کبھی لال بتی والی پولس کی گاڑیاں بھی گزر جاتی تھیں، اسے پورا شہر بے حد طاقتور اور پراسرار لگا۔ آج تک اسے اپنا یہ شہر اجنبی کبھی نہیں لگا تھا۔

سڑک سے کچھ دور ادھر آئس کریم کی دکان تھی جہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی، لیکن اب یہ کم ہونے لگی تھی، جب وہ پارک میں پہونچا تو دیکھا نیرا اور سونیا دونوں اندھیرے میں ایک بنچ پر بیٹھی تھیں۔ خاموش۔

وہ تینوں گھاس پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، باتیں کیا کر رہے تھے، ایک دوسرے کے وجود کو محسوس کر رہے تھے، جیسے ان کے دکھ ایک ہوں، ان کے مسائل ایک ہوں، جیسے وہ سب ان مسافروں کی طرح ہوں جو کسی ویران بس اسٹاپ پر کھڑے ایک ہی بس کا انتظار کر رہے ہوں۔ اور اس انتظار میں شریک ہونا ہی ان کا آپس کا رشتہ ہو۔

انہوں نے آج شام سے ابھرنے والے مسئلے پر ہر پہلو سے گفتگو کی — کمار جھگڑا کر لے اور اس کے اور سونیا کے اوپر حملہ کروائے — پھر اس کے بعد معاملہ تھانے میں جائے جہاں نیرا اور سونیا کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، جہاں سے وہ کسی کو خبر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ اور خبر بھی کرتیں تو کیسے کرتیں؟

'لیکن اس طرح تم لوگ گھر چھوڑ کر کہاں کہاں بھاگتی پھرو گی؟'

' کچھ بھی ہو، ہم گھر نہیں جائیں گے۔ آج سے میں یہ بات اپنے دل سے نکال دینا چاہتی ہوں کہ لڑکی کے لیے اپنے گھر کے باہر کوئی جگہ نہیں ہے — میں گھر نہیں جاؤں گی، اور دیکھوں گی کہ میں کہاں جاتی ہوں؟

ہم گھر نہیں جائیں گے۔ ہم آج یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ تحفظ جو ہمیں اس مکان کے اندر ملتا ہے، وہ تحفظ ہم باہر پا سکتے ہیں یا نہیں —— کیا باہر کی یہ پوری دنیا بے مکانی کی علامت ہے؟؟؟ سونیا نے کہا۔ وہ نیرا کی ماں کے شملہ جانے کے بعد اس کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی، اور ایک سرکاری دفتر میں کام کرتی تھی، اس دن سے اسے نیرا سے اور محبت ہو گئی تھی، جب سے اس نے پڑوسیوں کو اس کے یہاں آ کر الٹے سیدھے سوال جواب کرتے دیکھا تھا۔

'پھر تم لوگ کہاں جاؤ گی؟'

'آپ جہاں کہیں، وہ دونوں الوک کے لئے امتحان بن گئیں۔

'تم اپنے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں، الوک نے سونیا سے کہا۔

'میں یہاں یہ کہہ کر رہتی ہوں کہ میں یہاں امتحان کی تیاری کر رہی ہوں، اگر میرے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ میں یہاں جھگڑے کی وجہ سے رہ رہی ہوں تو وہ ایک دن بھی نہیں رہنے دیں گے اور اُلٹے نیرا کو بھلا بُرا کہیں گے'۔

'پردیپ کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اور پھر وہاں سونیا کو لے کر جانا مناسب نہیں ہے، نیرا نے کہا۔

سونیا کی آنکھوں میں آنسو جواب تک تھمے ہوئے تھے، ٹپ ٹپ ہلکی روشنی میں چمکتے ہوئے گر پڑے۔ وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

'ہمارے جانے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، سونیا آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

'لیکن اگر میں نہیں آتا تو؟' الوک نے دل سخت کر کے پوچھا۔

'ہم یہیں رات کاٹ دیتے'،

'یہیں چادر ڈال کر سو جاتے ہیں، نیرا نے مسکراتے ہوئے سونیا سے کہا۔

'تم ایسا کیوں نہیں کرتی کہ یہیں سے ڈپٹی کمشنر آف پولس مسز تیرا کو فون کرو کہ تم لوگ ایسی مصیبت میں یہاں ہو،

'فون کروں تو پولس آئے گی — پھر آپ کہاں جائیں گے؟ اور اگر آپ یہاں ملے تو لوگ کیا کہیں گے؟ اور اگر آپ چلے گئے اور ان کے یہاں فون نہیں ملا یا ان کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملی تو کیا ہوگا؟

''تو پھر؟؟؟''

وہ دونوں الوک کا منہ دیکھنے لگیں۔

وہ کچھ سوچتا رہا۔

'ٹھیک ہے، ہم یہیں رکیں اور سوچیں'

جانے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

دونوں لڑکیاں گھر ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہو گئی تھیں۔ وہ پولس کا ایک اعلیٰ افسر تھا لیکن مجبوریاں اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

دونوں لڑکیاں اسے غور سے دیکھ رہی تھیں — وہ ایک جھٹکے میں اُٹھ کر کھڑا بھی ہو سکتا تھا، یہ کہتے ہوئے کہ انہیں جہاں بھی جانا ہو جائیں۔ گھر میں جا کر پٹیں، یا تھانے جائیں یا رات میں اِدھر اُدھر ماری ماری پھریں اور غنڈوں کے ہاتھ لگ کر اغوا ہو جائیں — اور اگر کوئی جگہ نہیں ملتی تو کسی عیاش کے کمرے کی زینت بن جائیں — ہزاروں لڑکیاں اس راستے پر چلی جاتی ہیں تو وہ کیوں نہیں جا سکتیں، یہ نیرا مسکرا کیوں رہی تھی؟ اور کہہ رہی تھی کہ یہیں چادر ڈال کر لیٹ رہے گی؟ اور یہ سونیا کیا کہہ رہی تھی — کہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ گھر کے باہر کہیں مکان کی چھت ہے یا نہیں — چاروں طرف مکمل بے مکانی ہے — اور یہ لمحے بے مکانی کا مظہر ہیں'۔

وہ کیوں رکا ہوا ہے؟ وہ لڑکیاں اسے روک تھوڑے ہی لیتیں؟ وہ چلا جاتا تو ایک لمحہ میں یہ سارا جھمیلا ختم ہو جاتا — آخر اس کی بھی کیا حیثیت ہے؟ اس کے پاس بھی تو کوئی ایسا مکان نہیں

جس میں وہ انہیں پناہ دے سکے ——— شاید وہ اسی لیے مسکرا رہی تھیں، اس نے سوچتے ہوئے ان کو ایک بھرپور نظر سے پھر دیکھا۔

ایسے کئی لوگ تھے جو اپنی لمبی لمبی کاریں اس کی خدمت میں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے، وہ لوگ کہ جن کے لاکھوں کے کاروبار کی کامیابی میں اس کا خاصا ہاتھ ہوتا تھا، اس کے اشارے پر ایک رات کیا، وہ ایک مہینہ کے لیے ایک پورا گھر خالی کرکے دے دیتے، وہ فائیو اسٹار ہوٹل کہ جس کا عملہ اس کی نگاہوں کے اشارے کا منتظر رہتا تھا، وہ امیر وکبیر لوگ جن کی وہ دعوتیں قبول کرلیا کرتا تھا تو ان کی عزت بڑھ جاتی تھیں ——— بڑے بڑے لوگوں کا ایک پورا البم تھا۔

ان لڑکیوں کی مدد کرنا کتنا مشکل کام تھا؟ کہاں لے جا سکتا ہے ان کو؟ سینکڑوں چہرے تھے جو ان لڑکیوں کو وی۔ آئی۔ پی کی طرح رکھتے، اس نے ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھا، ایک بھی چہرہ ایسا نہیں تھا جو اس بات کو سمجھنے اور ماننے کو تیار ہوتا جس کی وجہ سے وہ ان لڑکیوں کی مدد کر رہا ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان تمام لوگوں میں اس کی شہرت پاکباز ہونے کی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے کو متقی اور پرہیزگار ثابت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ دو لڑکیاں اس صورت حال میں کسی گنہگار انسان کے گھر میں بنے ہوئے مندر کی طرح ہوگئی تھیں ——— نہ جانے کیوں؟ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ان لڑکیوں کا جنسی کردار کیسا تھا ——— لیکن اسے لگا کہ وہ اگر عصمت فروش بھی ہوں، تو بھی اس وقت اس کے لئے روشن چراغ کی طرح ٹمٹما رہی تھیں ——— ان میں ایک عجیب روشنی تھی۔

کون سمجھے گا کہ وہ ان لڑکیوں کی مدد اس لیے کر رہا ہے کہ...... وہ خود اُلجھ گیا، وہ خود بھی نہیں سمجھ پایا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ ان تمام باتوں کے ارد گرد کوئی ایسی بات ضرور تھی جس سے اس کا بڑا گہرا تعلق تھا، اور گو کہ اس چیز کو وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا، وہ چیز اس کی سوچ اور اس کے شعور کے تانے بانے میں شکار کی طرح پھنسی ہوئی تھی۔

اگر وہ کچھ کہے بھی ——— وہ کہے کہ وہ ان لڑکیوں کی مدد اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اس پر بھروسہ کرتی ہیں، تو سننے والے اسے بھی منافق سمجھیں گے کیوں کہ ان کے نزدیک کسی عمل کا جواز، پیسہ عہدہ، اختیار، شہرت اور جنسی ضرورت کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور کوئی بھی دوسری چیز ان کے نزدیک محرک نہیں بن سکتی تھی، یہ تو صرف وہ تھا، جو ایسی اجنبی چیز میں دلچسپی لے رہا تھا۔

ہاں، وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس تناؤ میں ایک لذت تھی، ایک ہلچل تھی اور نیرا کے ساتھ ہونے والے یہ دلچسپ، حیرت انگیز اور اجنبی واقعات ایسی کھڑکیاں کھول رہے تھے، جس سے وہ ایک نئی کائنات دیکھ رہا تھا، ایک نئی کائنات جو خود اس کے اندر تخلیق ہوتی جا رہی تھی، اس کے ارد گرد بنتی جا رہی تھی اس کے اندر سے ابھر کر اپنے تناؤ سے اس کی بند بند زندگی کی کسی ہوئی شخصیت کے ایک ایک بٹن کو توڑ رہی تھی، اور اس کے جسم سے وہ کھال نوچ رہی تھی جس میں تیز کھجلی ہو رہی تھی۔

اس نے آگے سوچا ——— کیا وہ انہیں اپنے گھر لے جائے؟ نہیں۔ اس کی بیوی اور اس کے گھر کے دوسرے لوگ کیسے اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ یہ صرف اس کا پناہ دینے کا جذبہ ہے؟ وہ کیسے تسلیم کرلیں گے کہ یہ جذبہ آئندہ جنسی تعلقات کی بنیاد نہیں بن جائے گا؟ وہ ایک قوی ارادہ کا آدمی تھا، اور یقین دہانیوں کو وہ نبھانا جانتا تھا ——— لیکن لوگ اپنے حقوق کے لئے کیسے خطرہ مول لے سکتے ہیں ——— اس نے دوسروں سے اپنے اندر محسوس کی جانے والی اس اجنبی بات کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا؟ لیکن وہ کیا بتاتا؟ نیرا سے مل کر اس نے جو کچھ محسوس کیا تھا۔ وہ خود اس کی اپنی زندگی میں تھا۔ لیکن اس کی اپنی زندگی کا نیرا سے کیا تعلق تھا؟ اور اب نیرا کے اندر وہ اس قدر دلچسپی کیوں لے رہا تھا وہ اس بارے میں کیا بتاتا ——— اور اب اگر لوگ پوچھیں یا سوچیں کہ اس نے پہلے کیوں نہیں بتایا، تو بھی وہ اس کا جواب نہیں دے پائے گا۔

تو اسے اس لمحہ شک کی نظر سے دیکھا جائے گا جب وہ ان لڑکیوں کو لے کر اپنے گھر جائے گا ——— اور جسے شک کی نظر سے دیکھا جائے اس کا مرتبہ خود اپنی نظر میں کتنا گر جاتا ہے؟ ——— شک کا مطلب ہے یہ کہنا کہ اس میں سچ بولنے کی ہمت نہیں ہے۔ بلکہ لوگ اسے احمق بھی سمجھیں گے کہ یہ بڑے بڑے دعوےٰ کرنے والا سراسر اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ ہم جو اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کو اچھا اور بڑا مان لیتے ہیں اس کی ان باتوں میں یقین کرلیں گے اور یہ مان لیں گے کہ اس کی فطرت اور نیت الگ ہے۔ اور یہ سوچ کر وہ محسوس کریں گے اور آپس میں مشورہ کریں گے کہ سچ بات کہہ دینی چاہئی ورنہ یہ ہمیں بے وقوف سمجھے گا، اور دل ہی دل میں اپنی چالاکی پر مغرور ہو جائے گا۔ اسے لگا کہ لوگ اسے ننگا کر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ وہ احمق ہے، بیوقوف ہے، اور خوش فہمیوں کا شکار ہے ——— اگر لوگ یہ بات صاف صاف کھل کر کہا کریں تو وہ جواب بھی دے ——— شک کی اس اذیت کو وہ کیسے برداشت کرے گا۔

'تم لوگ گھر چلی جاؤ'

'نہیں'

رات کے ساڑھے بارہ بج گئے تھے، اب سڑک خالی ہو چکی تھی، ادھر اُدھر گلیوں سے چوکیداروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

''ٹھیک ہے، آؤ'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا —— اس لمحہ بھی وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جائے گا۔ سوچنے سے راستے نہیں ملتے۔ چلنے سے تو راستے بن جاتے ہیں — انسان کے لیے اس دنیا میں راستے بند نہیں ہیں —— وہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں —— اس نے فکر میں ڈوبا ہوا سر اوپر اٹھایا، اور سیدھے گاڑی کی طرف بڑھا۔ دوسرے میرے بارے میں کچھ بھی سوچ سکتے ہیں لیکن میں خود اپنے بارے میں یا کسی دوسرے کے بارے میں بھی یا کسی بھی چیز کے بارے میں، یا اس پوری دنیا کے بارے میں کیا سوچتا ہوں وہ زیادہ اہم ہے۔

لیکن کیا انسان تنہا کچھ نہیں۔؟

آج میں پھر اتنا ہی تنہا ہوں، جتنا تنہا اس دن ہسپتال کے لان میں تھا۔

اس کے ذہن میں دور تک ایک منظر ابھرا۔ حدِ نظر تک شکوک کے سوکھے کانٹے اور جھاڑیاں تھیں —— لیکن وہ سیدھا اپنی ایک ایسی دوست کے پاس پہنچا جس کا گھر قریب ترین تھا۔ گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلا اور اندر سے، ہیلو، کی آواز آئی۔

ایک بج رہا تھا۔

وہ متعجب تھی۔

انہیں رات بھر کے لیے پناہ چاہیے — یہ تمہارے یہاں ٹھہر سکتی ہیں؟؟؟

'ضرور، کیوں نہیں'

'گڈ نائٹ، الوک نے دونوں لڑکیوں سے کہا اور مڑ کر سیڑھیاں اترتا ہوا چلا گیا۔ اس کی پشت انہیں پہاڑوں کی طرح مضبوط لگی۔ اور اس کے قدموں کی چاپ دیر تک ان کے دلوں میں دھم دھم کی صدائیں پیدا کرتی رہی۔

وہ نیرا کے گھر میں بیٹھا اس سے محو گفتگو تھا کہ اسی دوران میں دروازے پر دستک ہوئی۔

نیرا نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ——

سب انسپکٹر گیر ہے'

'تم اسے باہر ہی سے بات کر کے واپس کر دو، میں نہیں چاہتا کہ وہ پہچانے اور پھر کمار کو بتائے کہ میں تمہارے جھگڑے میں دلچسپی لے رہا ہوں، وہ احتیاطاً پلنگ پر منہ دوسری طرف پھیر کر لیٹ گیا۔

نیرا نے دروازہ کھولا۔

''آپ کو کیا شکایت ہے، میں انکوائری میں آیا ہوں، بتایئے کہاں بجلی کا تار کٹا ہوا ہے''

اور یہ کہتا ہوا وہ بجلی کا تار دیکھتے ہوئے اندر تک آ گیا — اور پلنگ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ خبر صحیح تھی۔

یہ بجلی کا تار ہے جو کٹ گیا ہے اور ہم نے ایک ڈھیلا ڈھالا تار جوڑ رکھا ہے جو خطرے سے خالی نہیں ہے۔'

'اور؟'

'اور یہ کھڑکی کا پردہ ہے جسے کمار نے قینچی سے کئی جگہ سے کاٹ کر برباد کر دیا ہے، آپ کے سامنے ہے، دیکھئے'

'یہاں کون کون رہتا ہے؟'

'میری ممی ہیں جو اس وقت شملہ چلی گئی ہیں'

'اور یہ کون ہیں؟'

'ہمارے مہمان ہیں'

'کیا نام ہے ان کا'

'ایس۔ پی شرما'

'کیا کرتے ہیں؟'

'آرمی میں افسر ہیں، میرے چچا کے رشتہ دار ہیں اور دلی دو چار دنوں کے لیے آئے ہیں'

'اٹھایئے ان کو'

'تھکے ہیں، گہری نیند سوئے ہیں—— کیا کام ہے ان سے؟'

'اٹھائیے، اٹھائیے، مجھے کچھ پوچھ تاچھ کرنی ہے'

'ان سے کیا پوچھیں گے؟ آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے، مجھ سے پوچھئے، میں بتاتی ہوں، نیرا نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

'نہیں، مجھے ان سے پوچھنا ہے'

'نیرا نے الوک کو کندھے سے ہلایا—— کچھ اس انداز میں جیسے وہ گہری نیند سو رہا ہو، اور الوک نے بھی جاگنے میں کچھ اس طرح کوتاہی کی جیسے وہ واقعی تھکا ہوا سویا ہو۔

نیرا نے اسے دوبارہ جھنجھوڑا—— 'بھائی صاحب۔ یہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'

'کون۔' اس نے نیم خوابیدگی کے بناوٹی انداز میں پوچھا۔

'یہ۔'

اس نے کروٹ لی اور آنکھیں کھولیں، سامنے خاکی وردی میں، کندھوں پر اسٹار لگائے ہاتھ میں چھڑی لیے سب انسپکٹر بیٹھا اسے گھور رہا تھا، اس کے ساتھ ایک سپاہی سادہ کپڑے میں بے فکری سے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تختی تھی جس میں کچھ کاغذ لگے ہوئے تھے۔ سب انسپکٹر نے سپاہی سے کاغذ اور تختی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور قلم کھول کر تختی سنبھالے نگاہ اٹھا کر بولا۔

'آپ کا نام؟'

'کیوں؟ کیا بات ہے۔'

'کیوں مت پوچھئے، اپنا نام بتائیے'

'مجھے آپ یہ تو بتائیں گے کہ آپ میرا نام کس سلسلے میں پوچھ رہے ہیں۔' الوک کو خیال آیا کہ نیرا کے بتانے کے مطابق کیسے یہ افسر بار بار آ کر اس کے مہمانوں کو ڈراتا ہے۔ اسے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی، ساتھ ہی ساتھ وہ اس سب انسپکٹر کو ٹالنا بھی چاہتا تھا۔

'آپ نام بتائیے، سب انسپکٹر نے ڈپٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

'شرما'

'پورا نام بتائیے'

'ایس۔ پی۔ شرما'

'فل بتائیے، سب انسپکٹر نے کڑک کر کہا۔

'اس سے آگے کچھ بتانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں کس حیثیت سے آئے ہیں۔ اور یہ پوچھ تاچھ آپ کس سلسلے میں کر رہے ہیں، اور آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔ الوک نے سوچا کہ کوئی قانونی جواز نہیں ہونے کی وجہ سے سب انسپکٹر خاموش ہو کر چلا جائے گا، اور اس کا راز راز رہ جائے گا۔ اس نے خصوصاً اس انکوائری کے قانونی جواز پر زور دیا تا کہ سب انسپکٹر اسے کوئی بازاروں اور ذمہ دار آدمی سمجھ کر سنبھل جائے، اور بات آگے نہ بڑھ جائے۔ لیکن ردِ عمل اس کی توقع کے خلاف ہوا۔

'میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں، آپ شرافت سے بتاتے جائیے، یہی آپ کے لئے اچھا ہے،

'پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں، الوک سب انسپکٹر کی آنکھوں میں جھانک کر اس میں اس اعتماد کے رنگ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے وہ اپنے حدود اس قدر تجاوز کر رہا تھا۔

'تو آپ نہیں بتائیں گے، اب آپ اٹھ جائیے آپ تھانے میں چل کر بتائیں گے، یہ کہتے ہوئے سب انسپکٹر اٹھا اور الوک کا داہنا ہاتھ پکڑ کر کھینچا،—— الوک یہ سب کچھ انتہائی غور و حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اب اسے نیرا کی ان باتوں پر یقین آ رہا تھا جو اسے اب تک افسانوی لگتی تھیں۔

'اچھا ٹھیک ہے، میں بتاتا ہوں، پوچھئے کیا پوچھ رہے ہیں'

'اب تو تم تھانے چل کر بتاؤ گے، تم نے اپنا یہاں بتانے کا وقت ختم کر لیا، چلو اٹھو، سب انسپکٹر نے ایسے کہا جیسے اس کا یہ فیصلہ اور یہ حکم آخری حکم ہے۔

'آپ تو اس دن بہت اکڑ رہی تھیں کہ آپ کے یہاں مشکوک آدمی نہیں آتا ہے، پھر یہ کون ہے۔ نیرّ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

'الوک اٹھا، موزے اور جوتے پہنے۔ سب انسپکٹر بڑی بے صبری سے کاغذ اور تختی سنبھال کر اور قلم جیب میں ڈال کر سیدھا بیٹھ گیا تھا۔

''آپ ذرا میری بات ادھر آ کر ایک منٹ سن لیں'' الوک بات کو یہیں ختم کر دینا چاہتا تھا۔

'کچھ نہیں، اب یہاں کوئی بات نہیں ہوگی، اب جو بات ہوگی، تھانے میں ہوگی۔

'آپ ایک منٹ میری بات — ایک بات — ذرا،

'کچھ نہیں — کچھ نہیں — چلتے ہو یا — سب انسپکٹر نے انتہائی تحکمانہ لہجے میں کہا، اور سپاہی اسے کھینچنے کے لئے آگے بڑھا۔

'آیئے، چلئے — وہ آگے آگے باہر نکلا اور سب انسپکٹر پیچھے پیچھے —

اس لمحے الوک نے محسوس کیا کہ یہ سارا معاملہ ایک نیا رُخ لے رہا ہے۔ اگر وہ شروع میں ہی یہ بتا دے ہوتا کہ وہ کون ہے تو بات ختم ہوگئی ہوتی لیکن اس نے نیر کی بدسلوکی کی حد دیکھنے کے لئے دیر تک اپنی شناخت نہیں کرائی۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ سب انسپکٹر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور پھر دھمکی دی — اور اس طرح وہ صاف صاف اپنے حدود سے تجاوز کر گیا تھا اور اس لمحے میں الوک کا اپنی پہچان بتانا انتہائی خطرناک ہوتا — سب انسپکٹر فوراً یہ محسوس کرتا کہ وہ ایک انتہائی نامعقول زیادتی کرتے ہوئے موقع پر پکڑا گیا ہے اور اس کے خطرناک نتائج سے بچنے کے لیے وہ اپنی دفاع کے لیے الوک کے مقابلے میں سیدھا اتر جاتا اور پورے معاملے کو کوئی ایسا رنگ دینے کی کوشش کرتا کہ الوک کمزور پڑ جاتا۔ الوک نے محسوس کیا کہ اگر اس نے ایک سنسنی خیز انداز میں اپنا تعارف کرایا تو سب انسپکٹر پورے معاملے کو کاغذ پر لکھے گا اور پاس پڑوس کے لوگوں کو بلا کر ایک تماشہ کھڑا کر دے گا کہ کیسے ان کے پڑوس میں رہنے والی لڑکی کے ساتھ یہ محکمہ پولس کا بڑا افسر اکیلا پایا گیا، اور لوگوں کی گواہیاں بھی لکھ لے گا، اور ممکن ہے کہ یہ خبر وہ پریس کو بھی دے۔ کمار اور اس کے حمایتیوں سے ایک چھوٹی سی شکایت بھی لکھوا کر اپنے بچاؤ کے لئے رکھ لے گا اور کہہ دے گا کہ اسے خبر ملی تھی کہ نیرا کے گھر میں کوئی دہشت پسند یا مجرم آیا ہوا تھا یا ایسا شخص آیا تھا جس کی صورت کسی سے ملتی تھی، اور وہ یہی پتہ کرنے نیرا کے گھر پہنچا تھا اور سوال جواب کرنے کی اصل وجہ یہ تھی۔

چلتے ہوئے جب وہ باہر آئے تو الوک بائیں کو مڑا جدھر کافی دور آگے گلی میں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔

'اُدھر نہیں اِدھر، سب انسپکٹر نیر نے کہا۔

الوک نے محسوس کیا کہ یہ مناسب ترین لمحہ ہے جب وہ نیر کو بتادے کہ وہ کون ہے،

کیوں کہ آگے پولس اسٹیشن میں، جو قریب ایک فرلانگ پر تھا، جانے کے بعد وہ یہ سب کچھ ظاہر کرے گا تو خود ایک بڑا تماشہ بنے گا، اور اس تماشے سے رنگ برنگی کہانیاں اڑ کر نکلیں گی۔ الوک نے چاہا کہ نیر سے اپنا تعارف کرانے سے پہلے وہ اس سے اس طرح کے رازدارانہ اور نرم گفتگو کی فضا قائم کر لے کہ نیر کی طرف سے غیر متوقع پن اور عجلت کے نتیجے میں کوئی یکا یک ردِ عمل نہ ہو، اور بات دب جائے لیکن سب انسپکٹر نیر کچھ اتنے جوش میں تھا کہ وہ الوک کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہا تھا — اسے سیدھا اپنا تھانہ دکھائی دے رہا تھا اور اب وہ الوک کو ایک لمحہ بھی دینا اپنی شان کے خلاف سمجھ رہا تھا۔

'مسٹر نیر، الوک نے پھر کہنا چاہا۔ لیکن نیر پیچھے مڑے بغیر الوک کو سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے خود موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا، پاس پڑوس کے گھروں سے کچھ لوگ جھانک رہے تھے، دور ایک بالکونی میں بھی دو تین عورتیں کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ سڑک پر کھڑے اِکّے دُکّے لوگ بھی اب ادھر کھنچے آ رہے تھے۔

یکا یک الوک کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے حقارت سے نیر کو دیکھا جو تقریباً دس پندرہ قدم دور کھڑا موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ الوک نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی شناخت بتا دے گا، لیکن اپنے بارے میں بتانے کے لئے اب ایک عام ملزم کی طرح تیز تیز چل کر نیر کے پاس جانے میں شدید ہتک تھی۔ اس کے اس عمل کا کوئی جواز نہیں ہوتا کہ وہ تیز تیز چل کر سب انسپکٹر کو اپنی پہچان بتانے جائے۔ اپنے ایک جونیر افسر کے پاس کچھ کہنے کے لئے خود چل کر جانا، اس کے محکمہ کی پاسداری کے خلاف تھا پہلے اس نے جو کچھ نہیں بتایا اس کے بارے میں وہ اور نیر دونوں ہی یہ سمجھ سکتے تھے کہ اس نے نیر کے رویّوں کو جاننے کے لئے ایسا کیا تھا لیکن اپنی پہچان بتانے خود ہی تیز چل کر اپنے ایک جونیر افسر کے پاس جانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ کوئی خوف؟ کس کا خوف — کہ وہ زور سے چلا کر یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہے؟ کہ اگر لوگ سن لیتے تو — تو کیا ہوتا؟ بارودی سرنگیں پھٹتیں! چاروں طرف سے لوگ اسے غلط سمجھے — تو وہ ڈرتا کیوں ہے — وہ جھاڑیاں تو وہ جلا چکا ہے!

نہیں — یہ جھاڑیاں، بہت ہری اور بہت گھنی ہیں۔

وہ اونچی آواز میں نہیں کہہ سکتا تھا — پھر اس نے آہستہ سے کانسٹبل سے کہا۔

'میں اسسٹنٹ کمشنر آف پولس الوک کمار ہوں۔' کانسٹبل کے چہرے پر الوک کے توقعات کے برخلاف صرف تعجب کی ایک لہر دوڑی۔ اس نے صاف صاف آواز میں کہا تھا اور کانسٹبل نے صاف صاف آواز میں سنا تھا جو اس کے، الوک کو سر سے پاؤں تک دوبارہ اطمینان سے دیکھنے سے ظاہر تھا۔ پھر اس نے چند لمحے غور کیا اور پھر پر اعتماد لہجے میں کہا۔

'کچھ بھی ہو تھانہ تو جانا ہی پڑے گا۔ یہ ایس۔ ایچ۔ او۔ صاحب کا حکم ہے، اب یہاں تو کچھ نہیں ہو سکتا،'

'کیا ایس۔ ایچ۔ او۔ صاحب کے کہنے سے آپ غیر قانونی کام کریں گے؟' اس نے صرف کانسٹبل کا ردِ عمل دیکھنے کے لئے دلچسپی سے پوچھا۔

'جو بھی حکم ہوگا، کریں گے،' کانسٹبل کے جواب میں اعتماد تھا۔

الوک نے اس اعتماد کو محسوس کیا اور اس اعتماد کے پسِ منظر تک اس کی نگاہیں صاف صاف پہنچ گئیں۔ اسے لگا کہ یہ کانسٹبل ایک ادنیٰ سپاہی نہیں بلکہ اپنی جگہ پتھر کے ستون کی طرح مضبوط، بے خوف اور بہرہ ہے۔ اس وقت اگر الوک کے سامنے کانسٹبل کی جگہ کوئی انسپکٹر ہوتا تو الوک کے گلے سے وہ گرج نکلتی اور اس کی نگاہوں سے وہ شعلے برستے کہ انسپکٹر سر سے پاؤں تک کانپ جاتا — الوک بھاری بھرکم دھمکی آمیز تحکمانہ لہجے سے پوچھتا کہ کس قانون کے تحت وہ اس کو تھانے لے جا رہا ہے۔ اور کیا وہ اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس غیر قانونی زبردستی کے نتیجہ کے طور پر الوک محکمہ پولس اور عدالت میں تہلکہ مچا دے گا اور انسپکٹر کے لیے نوکری بچانا مشکل ہو جائے گا، لیکن سامنے ایک کانسٹبل تھا جسے زیادہ سخت لہجے میں ڈانٹنا بھی اس کے آداب کے خلاف تھا۔ کانسٹبلوں کو ڈانٹنے اور ٹھیک رکھنے کے لیے تو وہ اپنے انسپکٹروں اور سب انسپکٹروں کو کہہ دیا کرتا تھا۔ اور اس نے یہاں بھی ایسا ہی کیا۔

'تم نیرؔ کو بتا دو،' اس نے حاکمانہ لہجے میں سمجھایا۔

کانسٹبل نیرؔ کے پاس چلا گیا اور آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا، نیرؔ نے ایک بار پیچھے گھوم کر الوک کی طرف دیکھا جو ایک بار اپنی پہچان بتا دینے کے بعد نیرؔ کی طرف متوجہ رہنا بھی اپنے لئے کسرِ شان محسوس کر رہا تھا، اور اب لاپرواہی سے اِدھر اُدھر دیکھ کر نیرا سے بات کر رہا تھا۔ وہ ساری تشویش جو اس کے ذہن میں چند لمحے پہلے تناؤ پیدا کیے جا رہی تھی وہ ایک لخت ختم ہو گئی۔

جیسے اب کوئی بات ہی نہ ہو۔ اب اس کی توجہ اپنے کو چھپانے کے بجائے اپنے کو ثابت کرنے پر موکوز ہو گئی تھی۔

نیرؔ موٹر سائیکل چھوڑ کر اس کے قریب آیا اور اس طرح سنبھل کر اس سے مخاطب ہوا جس میں ادب و احترام اور سوال دونوں تھے۔

'کیا بات ہے؟' لہجہ میں اعتماد تھا۔

'میں اسسٹنٹ کمشنر آف پولس الوک ہوں۔'

'کہاں پوسٹنگ ہے'

'دیونگر'

'سر آپ نے پہلے نہیں بتایا،' اس نے ایسے کہا گویا کہہ رہا ہو کہ اگر پہلے بتا دئے ہوتے تو آپ کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتا، اور یہ کہ اس ناخوش گوار واقعہ کی ذمہ داری الوک کے اوپر عائد ہوتی تھی کہ اس نے پہلے اپنی شناخت نہیں کرائی — کہ یہ جو بھی سلوک ہو رہا تھا وہ تو اس کے نیرا کے ایک مہمان کی حیثیت سے ہو رہا تھا اور اس لحاظ سے فطری تھا لیکن یہ گھپلا اس نے تو نہیں کیا تھا، بلکہ یہ گھپلا تو خود الوک نے کیا تھا، جس کی وجہ سے اسے بھی جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی، اور یہ کہ الوک اتنا معصوم کیوں تھا کہ وہ ایسی غلطی کر بیٹھا۔

'میں آپ کی حرکتوں کا جائزہ لے رہا تھا'

'میں سمجھا نہیں،' نیرؔ گھبرا گیا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ نہ جانے یہ کس مقصد سے، کس کے اشارے سے یہاں آئے ہیں، اگر نیرا کی اس شکایت پر کہ ہم اس کو پریشان کرتے ہیں، یہ محکمے کی طرف سے خصوصی طور سے بھیجے گئے ہوں تو — اس کے ذہن میں تشویش نے گھر کر لی — کانسٹبل اطمینان سے بغیر متاثر ہوئے کھڑا رہا۔

'نیرا نے شکایت کی تھی کہ آپ بے دھڑک اس کے گھر میں گھس آتے ہیں اور اس کے جاننے والوں اور مہمانوں کے ساتھ نازیبا سلوک کرتے ہیں۔'

'لیکن آپ نے کیا رائے قائم کی۔' نیرؔ کو اسسٹنٹ کمشنر آف پولس کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا بھلے ہی وہ براہِ راست اس کا ماتحت نہیں تھا' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔'

'اندر آ جائیں سر' نیرؔ الوک کو لے کر نیرا کے گھر میں آ گیا، الوک بیٹھ گیا۔ نیرؔ دست بستہ

کھڑا رہا۔ 'دراصل بات یہ ہے جناب کہ ان کے کئی پڑوسیوں نے ایک تحریری شکایت کی ہے کہ مختلف قسم کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں شراب پی جاتی ہے اور دوسرے ناجائز کام ہوتے ہیں'

'مجھے وہ تحریری شکایت دکھائیں گے۔'

'سر دراصل میں ادھر سے یوں ہی گزر رہا تھا تو سوچا انکوائری کرتے چلیں۔ اس وقت درخواست میرے ساتھ میں نہیں ہے۔ لیکن تھانے میں پڑی ہے'

'لیکن آپ کو اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ اس اکیلی لڑکی کا جھگڑا ان پڑوسیوں سے ہے جو کافی با اثر ہیں۔ اس لڑکی کی مدد کے لئے اس کے جو رشتہ دار، یا دوست، اپنے پرائے آتے ہیں اس کے بارے میں کمار نے کھلے عام کہہ رکھا ہے کہ جو کوئی اس کا ساتھ دے گا، اس کے اوپر جھوٹے مقدمے کر کے، ان کو وہ تھانے اور کورٹ میں کھنچوائے گا—اور جب وہ اس کے یہاں آنے والوں کے نام براہ راست نہیں جان سکا تو اس نے جاننے کے لیے آپ کو ذریعہ بنایا۔'

'ٹھیک ہے سر—ہم آئندہ دھیان رکھیں گے کہ ان کے ساتھ زیادتی نہ ہو، پھر اس نے نیرا سے مخاطب ہو کر کہا 'آپ اپنے کسی بھی رشتہ دار یا جاننے والے کا نام اور پتہ بتا دیجئے تاکہ ہم اپنی انکوائری میں یہ شو کر سکیں کہ گھر میں انکوائری میں کون پایا گیا تھا۔'

'کس انکوائری میں، الوک نے سختی سے پوچھا۔

سب انسپکٹر گھبرا کر اور بھی زیادہ کاغذات پر تکیہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پاس پڑوس والے بھی تو ایس۔ ایچ۔ او۔ صاحب سے کہہ سکتے ہیں کہ میں یہاں آیا تھا۔'

'آپ ایس۔ ایچ۔ او۔ سے میرا نام بتا دیں۔'

'نہیں سر—آپ کوئی اور نام بتا دیں، اس نے نیرا کی طرف دیکھا۔

'تم تو اس پڑوسی سے بہانہ بنانا چاہتے ہو، الوک نے کہا—نیز کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر سلوٹ کر کے چلا گیا۔ وہ سڑک پر آ گیا۔ اس کے ساتھ کھڑا کانسٹبل اس کا منہ تکنے لگا۔ نیز عجیب بدمزگی بھری اُلجھن میں پڑ گیا۔

'چل یار پیچھے بیٹھ۔ کیسے کیسے لوگ کہاں کہاں گھسے پڑے رہتے ہیں'

'یہ بھی کوئی بات ہوئی!'

'موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو گئی، اور دونوں اڑ گئے۔—الوک بیٹھا رہا۔

'نیرا اسے سوچتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

یکا یک الوک نے نظریں اٹھا کر نیرا کے اس ڈرائنگ روم کے در و دیوار کو اتنے غور سے دیکھا جیسے یہاں پہلی بار آیا ہو۔

'یہ سب کچھ ایسا ہے مجھے اب تک معلوم نہیں تھا، اور ہم لوگ بھی کیسے کیسے چکر میں پڑ سکتے ہیں، یہ بھی اندازہ ہوا—دیکھو جب ہم لوگوں کے ساتھ ایسی مجبوری کی حالت پیدا ہو سکتی ہے، تو تمہارے ساتھ یہ سب ہوتا ہے تو یہ مت سمجھو کہ صرف تمہارے ہی ساتھ ہوتا ہے یا تمہارے ساتھ اس لیے ہوتا ہے کہ تم بہت کمزور ہو—یہ بات کسی کے ساتھ کہیں بھی ہو سکتی ہے، تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔'

'یہی تو میں دیکھ رہی تھی۔ اور یہ دیکھ کر میری نئے سرے سے ہمت بندھی ہے۔'

خوشی ہوتی ہے، تمہاری مدد کرنے کے ساتھ ساتھ دراصل میں خود بھی پہلے سے زیادہ مضبوط ہوتا جا رہا ہوں، یہی دیکھو، مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اس طرح بھی ہوتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ میں نہ رہوں تو کل میرے کنبہ کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہوگا جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، ان کے واسطے اور دوسروں کے واسطے بھی جن سے میرا تعلق ہے، میرے لیے یہ بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ میں یہ سب کچھ جانوں—ورنہ ہم نے ان کو جس طرح معصوم بنا کر رکھا ہے یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔'

'دراصل آپ لوگوں کو اس طرح دیکھنے کا موقع نہیں ملتا اس لیے آپ نہیں جانتے کہ نیچے کیا کیا ہوتا ہے۔

☆☆

۱۸

کمار کے گھر میں بھی الوک کا سایہ بڑا ہوتے ہوئے گھنا ہو رہا تھا۔ اور اس میں شاخیں پھوٹ کر اس کے اپنے گھر کے در و دیوار پر تاریکیاں بکھیر رہی تھیں۔

ایک دن کمار سے گفتگو کے دوران غیر نے الوک کے ساتھ پیش آیا ہوا پورا واقعہ بتا دیا۔ اتنا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنی جان پہچان کے ذریعہ الوک کی ایک پڑوسی عورت کو یہ سب کچھ بتایا اور اس نے یہ بات اپنے پورے محلے میں بتائی اور پھر سب الوک کی بیوی کے پاس گئیں۔

یہ الوک آفس کا وقت ختم ہونے کے بعد دیر سے گھر کیوں آتے ہیں؟

'پولس کا کام ہی ایسا ہے۔'

'لیکن وہ اپنا سامان بھجوا دیتے ہیں۔ خود کہاں رہ جاتے ہیں۔'

'کسی خفیہ کام سے جاتے ہوں گے، بہت قسم کے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے۔'

'ایسا کیا کام ہوتا ہے۔ میرے شوہر بھی تو پولس میں ہیں۔'

'آدمی کی بہت سی اپنی باتیں ہوتی ہیں۔' ساوتری جانتی تھی کہ اس کا شوہر جس محکمہ میں کام کرتا تھا اس محکمہ میں بقا کے لیے کتنے پراسرار قسم کے تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔ اور کیسے ہر شخص اپنی بات ایک دوسرے سے چھپا کر رکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کی بات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اس کے بارے میں لوگوں کا تجسس بڑھتا جاتا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ تھا کہ اس کارزار میں کوئی کسی کا ہمدرد اور دوست نہیں ہوتا، بلکہ ہر شخص کو اپنے

طریقے سے اپنی دفاع تیار کرنی پڑتی ہے۔ اور اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ جو اس سے ہمدردانہ رویہ کا اظہار کر کے اس کے دکھوں کی جڑوں تک پہنچ کر اس کے مسائل کو سمجھنے سمجھانے کا تاثر دے رہے ہیں، ان کی نیتیں بھی تہہ در تہہ چادروں میں لپٹی ہوئی ہیں، وہ ایک بہت ہی گنجان ماحول میں رہ رہی تھی جہاں خود اس کی اپنی زندگی کے نقوش واضح نہیں تھے، وہ خود جس زمین پر کھڑی تھی، جس فرش پر بیٹھی تھی، اور جس ہوا میں سانس لے رہی تھی، وہ سب کچھ اس کے لیے بڑا عجیب تھا۔ کسی شیش محل کی طرح اجنبی، جس کے اندر اور جس کے چاروں طرف جو کچھ ہو رہا تھا، اس کو سمجھنے کے لیے اسے الوک کو دیکھنا پڑتا تھا، اور الوک کی زندگی کی پراسراریت کو سمجھنے کی کوشش کرتے کرتے اُسے پورے محکمہ اور پھر اس محکمہ کی ان دیکھی ساخت کو سمجھنے کے لیے اس سے بھی زیادہ پُراسرار اور نیم شفاف ماحول میں جھانکنا پڑتا تھا، جہاں کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا —— وہ تو بس اتنا دیکھتی تھی کہ الوک گھر سے باہر جاتا ہے، اور پھر لوٹ آتا ہے، اور گھر تک فون آتے ہیں، اور واقعات و حادثات کی خبریں آتی ہیں۔

اور الوک اس میں چیتھڑے کی طرح لپٹا رہتا ہے۔

اور ان چیتھڑوں کو صاف کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

کسی جدّ و جہد میں لگا رہتا ہے۔

کبھی کبھی وہ اس میں اس طرح چھپ جاتا ہے کہ صرف چیتھڑا ہی چیتھڑا رہ جاتا ہے۔

اور اس کا الوک کھو جاتا ہے۔

پھر کہیں سے الوک برآمد ہو جاتا ہے

اس کے سامنے آ کر اس سے باتیں کرنے لگتا ہے۔

صاف صاف آنکھوں سے اور واضح آوازوں میں۔

اور پھر کبھی کبھی، باتیں کرتے کرتے

یا اچانک، کسی فون کی گفتگو کے بعد وہ بہت دور جا کر گم ہو جاتا ہے۔

—— اور صرف چیتھڑا رہ جاتا ہے۔

لیکن اب یہ انتہائی کی پیچیدہ ساخت اور بھی پیچیدہ، اور زہر آلود ہوتی جا رہی تھی کہ اس میں جہاں کچھ بھی صاف نہیں دیکھا جا سکتا تھا،

نہ جانے کیوں؟

اور ساوتری اس کے ساتھ چلنا چاہتی تھی۔

رفتہ رفتہ ایک پورا سرکل مکمل ہو گیا، الوک — نیرا کا گھر — پڑوسن کا فون — پڑوسن کی ساوتری سے گفتگو — ساوتری کا الوک سے پوچھنا۔

الوک کی بیوی سوال کئے جاتی، اور وہ مختلف جواب دئے جاتا۔ نامکمل۔ مبہم جواب۔ جیسے وہ اپنے اس سفر میں تنہا رہنا چاہتا ہو، جیسے وہ اُلجھ گیا ہو اور خوفزدہ ہو گیا ہو کہ ساوتری کسی بھی لمحے اس کو پکڑ کر کھڑی ہو جائے گی۔ ڈر جائے گی۔ اسے بھی سمجھانے لگے گی، اور وہ خوبصورت ترین منظر جس میں کائنات پوری شدت سے اپنے انتہائی گہرے راز کو فلموں کی طرح دکھاتی ہے، اور دکھانے والی ہے، وہ مناظر گزر جائیں گے، اور وہ ادھورا رہ جائے گا — نادان اور پھر وہ ٹھوکریں کھاتا ہوا بھٹکتا رہ جائے گا۔

وہ کیا کرے؟

کبھی کبھی اس کے جی میں آتا کہ وہ سب کچھ تفصیل سے بتا دے لیکن وہ سوچتا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے اور اس سے آگے جو کچھ محسوس کر رہا ہے، اور اس سے آگے جو کچھ بکھرا ہوا ہے اور جسے وہ محسوس بھی نہیں کر پا رہا ہے لیکن جہاں ہو وہ پہنچنا چاہتا ہے اس کی وضاحت وہ نہیں کر پائے گا — ساوتری اس سے وضاحت چاہے گی کہ وہ ایک ایسی دنیا میں رہتی ہے جہاں لوگ وضاحتوں کے دائرے میں ہی اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں، اور مکمل سمجھتے ہیں، اور جس سے باہر بھٹکنے کو وہ بے معنی پر اسرار بہانہ سمجھتے ہیں، یا پھر جنون اور اس کا کسی نہ کسی واضح چیز سے رشتہ جوڑ دیتے ہیں — تو وہ وضاحت نہیں دے پائے گا کہ وہ تو واضح نقوش کے حدود سے آگے تک بھی دیکھنے کیلئے ہی تو یہ سب کچھ کر رہا تھا — اور اگر وہ واضح نہیں کر پائے گا تو وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کا ایک دوسرا واضح رخ سامنے اٹل حقیقت بن کر کھڑا ہو جائے گا کہ وہ جنسی بحران یا تناؤ کا شکار ہے۔

تو وہ کیا کرے؟ اس کے اندر تو ایک عجیب سی دنیا پیدا ہوتی جا رہی تھی، جسے صرف وہ دیکھ سکتا تھا، جہاں وہ کسی اور کو ساتھ لے کر نہیں جا سکتا تھا — وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ سب کچھ اتنا اجنبی تھا — ایک ایسی زندگی کے اندر جو خود اجنبی تھی، پھیلی ہوئی یہ سب اجنبی باتیں ہی زندگی کی اصل حقیقت تھیں، اور اس لیے یہ اجنبی تجربہ اس کی زندگی کو طاقت بخش رہا تھا۔ وہ سچائیوں،

اور جہاں چیزوں کو الگ الگ کرنا بڑا محال تھا،
اس کی ساخت میں ایسی سمتیں جنم لیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں،
کہ ساوتری خوفزدہ سی ہو جاتی کہ، کہیں بدلتے بدلتے
یہ سب کچھ
کچھ یوں نہ بدل جائے
کہ پھر یہ اپنی اصلی شکل کو واپس نہ آ سکے
اور میں دیکھتی رہ جاؤں۔
اور تنہا چھوٹ جاؤں۔
وہ ان باتوں سے الگ کیوں رہتی ہے۔
وہ کیوں نہ ان میں مل جائے۔
اور اپنے کو، ان اجنبی پگڈنڈیوں سے مانوس کراتی رہے۔
تاکہ وہ ہمیشہ الوک کے آس پاس ہی رہے۔
اور تنہا نہ چھوٹ جائے۔
اور الوک کو جاننا۔

اور اس کی خطرناک پگڈنڈیوں پر اس کے ساتھ چلنا ہی تو، اس کی اپنی زندگی کی لذت ہے۔

اور وہ اب الوک کے چہرے کو زیادہ قریب سے، زیادہ غور سے، اور زیادہ انہماک سے دیکھنے لگی، وہ الوک کو ٹھیک سے جاننا چاہتی تھی، کیوں کہ اس نے اپنی پڑوسن کی آنکھوں میں وہ طنز بھی دیکھا تھا جس میں اس کے اوپر ہنسا جا رہا تھا، اور وہ اس تلخ مسکراہٹ کو چیر پھاڑ دینا چاہتی تھی۔

اور وہ الوک کے ساتھ اس پگڈنڈی پر چلنے لگی۔
الوک کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر۔
اور الوک سے وہ کچھ کچھ پوچھنے لگی۔

یہ میرا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یا مجھے روک رہی ہے یا میرے اوپر شک کر رہی ہے کہ میں اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں گا؟

الوک تنہا چلنا چاہتا تھا۔

گہرائیوں اور اصلیتوں سے اپنے کو قریب ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا، لیکن وہ اس غوطہ خور کی طرح تھا جو خود تو پانی کے اندر تیر سکتا تھا اور ڈوب بھی سکتا تھا، لیکن دوسروں کو اس سفر کے لیے بلانے کے لائق اعتماد اپنے اندر نہیں دیکھتا تھا۔——اسے آج محسوس ہو رہا تھا کہ نقطۂ نظر میں تبدیلی ہونے کے بعد انسان اپنے ہی جیسے لوگوں میں کتنا اجنبی ہو جاتا ہے۔ سوچتے سوچتے کسی مجاہدۂ آزادی کا ایک واقعہ جو اس نے کبھی سنا تھا، اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا——وہ مجاہدہ آزادی ایک بار اسٹرائیک میں گرفتار ہو گئی اور جیل میں ڈال دی گئی۔ جیل میں اس کے ساتھ اسی کی طرح عورتیں تھیں، لیکن وہ مجرم پیشہ تھیں، انہوں نے حسبِ معمول اس کے ساتھ بھی وہی بُرا سلوک کیا جو ہر نئی مجرمہ کے ساتھ کرتی تھیں۔ پھر ایک دن وہ کہنے لگیں "تم تو جوان عورت ہو، جیلر کے ساتھ سویا کرو، جلد چھوٹ جاؤ گی——وہ کیسے سمجھاتی ان مجرم عورتوں کو کہ اس کے لیے جیل کا معنی مختلف ہے، اور، اگر مختلف ہے تو کیوں ہے؟ اور اگر وہ جیلر کے ساتھ سو کر چھوٹ گئی تو؟؟؟

وہ انسان کتنا مختلف ہوتا ہے جو آزادی چاہتا ہے؟ کہ وہ آزادی کے لیے آزادی کو قربان کر دیتا ہے؟ وضاحت کے واضح نقوش کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور دھند میں کھو جاتا ہے کہ وہ واضح چیزوں کے دھندلے پن سے واقف ہو جاتا ہے——وہ اتنا جانتا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتا ہے۔

وہ خود ایک اجنبی تجربہ سے گزر رہا تھا۔ اس کی دلچسپی اس اجنبیت کو غور سے دیکھنے اور سمجھنے میں تھی، اس کے اندر کوئی چیز بار بار اکسا رہی تھی کہ وہ اس کائنات کی گہرائیوں میں ڈوب جائے، اور یہ کائنات کہاں تھی؟ اس کی شکل کیسی تھی؟ ہاں، اس کا آفس، اس کا شہر، اس کا محلہ، اس کا گھر، اس کا ہیڈ کواٹر، اور نیرا، نیرا کا گھ، اور بترا ہسپتال کے چپراسی، اور سب انسپکٹر تیر، اور بس اسٹینڈ، اور بس کی سیٹیں، اور ان سیٹوں پر بیٹھے ہوئے لوگ، اور بس میں کھڑے لوگ، اور دوسرے بسوں میں جاتے ہوئے لوگ، اور دوسری تیز رفتار گاڑیوں میں سے جھانکتے ہوئے لوگ، اور بس اسٹینڈوں پر اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے والے لوگ——یہ سب کائنات تھے——اور یہ اتنے سادہ نہیں تھے، جتنے بظاہر لگ رہے تھے، ان کے اندر تہہ در تہہ معنی تھے، تہہ در تہہ چہرے تھے، یہ ایک منظر میں کئی کئی منظر ایک ساتھ تھے، اور اسی بظاہر معمولی دکھائی دینے والی کائنات میں، کتنے انسان، طرح طرح کے انسان، بس رہے تھے، زخمی ہو رہے تھے۔ لہولہان ہو رہے تھے، تھک رہے تھے، اور دھوکے پر دھوکے کھا کر ٹوٹ رہے تھے، خوفزدہ ہو رہے تھے، ناامید ہو رہے تھے، اور

صرف، صرف وہ، انہیں کے درمیان، ایک ایسا انسان تھا، جو محسوس کر رہا تھا کہ وہ ان سب کو اوروں کے مقابلے میں صاف صاف دیکھ رہا ہے۔ اور چونکہ وہ دیکھ رہا ہے، کہ کہاں کیا ہو رہا ہے اس لیے اگر وہ ان کی طرف سے آنکھ بند کر لے، اور اپنے کو بے حس کر لے تو وہ ان درختوں کی اذیت سے دوچار ہوگا، ان جانوروں کی اذیت سے دوچار ہوگا، جو دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، لیکن کہہ نہیں سکتے، اور جو محسوس کرتے ہیں، لیکن دیکھ نہیں سکتے، اور جن کو اندیشہ ہوتا ہے لیکن جو جان نہیں سکتے——وہ محسوس کر رہا تھا کہ خود دیکھنا اور دوسروں کو دکھانا بہت ضروری تھا وہ سب کچھ جس کا منظر اس کی نگاہوں میں ابھر آیا تھا، اور جو دور دور تک پھیلا تھا—لیکن گو کہ وہ یہ دیکھنے کا سارا کاروبار تنہائی میں کر رہا تھا، اس کی یہ تنہائی زور زور سے بولنے لگی تھی، اور لوگ تاریکیوں میں گہری نیند سے چونک رہے تھے——لیکن لوگوں کو اس پر چوکیدار نہیں بلکہ چور ہونے کا گمان تھا۔ اور سب اب اندھا دھند اس پر ضربیں لگا رہے تھے۔ 'اگر تم کو یقین نہیں آتا تو تم ہمارے ساتھ چلو، الوک اس گھر کے اندر نیرا کے ساتھ اکیلے ملے گا، پڑوسن نے کہا، یہاں سے صرف پندرہ منٹ کا راستہ ہے، ہم ٹیکسی لیں گے اور چل چلیں گے، تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی؟'

ساوتری خاموش رہی۔ وہ ٹال گئی تھی۔ اسے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ الوک اس سے یہ پوری باتیں کیوں نہیں بتاتا، الوک کیوں چھپاتا ہے۔

شام کو الوک پھر دیر سے آیا۔

الوک کی بیوی خاموش تھی، شکووں سے بھری ہوئی، طوفان میں اُلجھی ہوئی۔

'آج تمہاری نیرا سے ملاقات ہوئی تھی۔'

'نہیں تو۔'

وہ چونک گئی۔ کیا بات تھی، نہ الوک سچ بتاتا ہے، نہ دوسرے صحیح بتاتے ہیں۔ یہ بھی خطِ مستقیم پر چلنے سے کتراتے کیوں ہیں؟ کیا خطِ منحنی ہی زندگی کا خطِ مستقیم ہے۔

'تو پھر کہاں اتنا وقت لگا؟'

لیکن الوک کے دل میں آج ایک بالکل ہی نیا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔

'تم اس انداز سے کیوں پوچھ رہی ہو؟'

'اور کیا یہ ضروری ہے کہ میں تم کو بتاؤں؟'

’کس انداز سے پوچھ رہی ہوں‘

’جیسے میں مجرم ہوں؟

’جیسے میں نیرا کے یہاں گیا تو جُرم کیا‘ اس کی آواز اونچی ہونے لگی تھی۔

’میں جو کچھ کرتا ہوں اسے سماج کے ترازو پر تولنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، میں اپنے کو سماج کے ترازو پر تولوانے میں ہتک محسوس کرتا ہوں، پوری انسانی تاریخ اور تہذیب ان لوگوں کی دین ہے، جنہوں نے اپنے خیالات، اپنی کوششوں اور اپنے اعمال کو خود تولا —— خود اپنی تنہائی میں تبدیلی کے بیج بوئے، اسے پودا بنایا اور پھر پھل برسائے۔‘

’تم بہت بڑے آدمی ہو گئے ہو۔‘

’’ہاں، ہو گیا ہوں‘ میں بڑا ہو گیا ہوں تو میں کیا کروں۔‘‘ اس کی آواز میں جھلاہٹ آ گئی‘‘ ساوتری تم جانتی ہو کہ میں نے بچپن سے لے کر اب تک اپنی زندگی میں ہر جگہ اور ہر مقام پر من مانی کی، جہاں جہاں میرے دل نے ترغیب دی، میری فطرت نے کھینچا یا دھکیلا، میں نے اسی سمت میں قدم بڑھائے، اور آج میں جہاں پہنچا ہوں اسی رجحان کی بدولت پہنچا ہوں، میں اس ترغیب کی قدر کرتا ہوں، —— یہ رجحان میرے اندر کہیں سو گیا تھا، لیکن اب یہ دنوں دن پھر سے مضبوط تیز اور توانا ہوتا جا رہا ہے، اور یہ رجحان اب میری ذات بنتا جا رہا ہے، اور طوفان کی طرح بڑھتا جا رہا ہے، اور تم اس طوفان کے ٹھیک سامنے کھڑی ہو رہی ہو، جب میں سب کو توڑ رہا ہوں، گرا رہا ہوں، مسمار کر رہا ہوں، تو یہ تم بیچ میں کیوں آ رہی ہو؟ تم میرے بڑے ہونے کو کیوں روک رہی ہو؟

تم میری اجنبیت کو کیوں مٹانا چاہتی ہو؟

جب کہ یہ اجنبیت ہی مرا وہ طاقتور رجحان ہے۔‘‘

اس کی بیوی اسے صرف دیکھتی رہی، وہ حیرت زدہ تھی، وہ کہاں کھڑی تھی۔

’میں جانتا ہوں کہ میں جنگ کے دہانے پر ہوں، اس کی آواز کی گونج تیز اور اجنبی ہوتی جا رہی تھی۔ ساوتری پریشان ہو رہی تھی کہ پڑوس کے کمرے میں سوئے ہوئے مہمان نہ جاگ اٹھیں کہ یہاں کیا بات ہو گئی‘ جن لوگوں نے تمہیں اکسایا ہے وہ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ میرے اور تمہارے درمیان ہو گی، میری جنگ تم سے نہیں، میرے شعور اور تمہاری معصومیت کی کیا

لڑائی ہے، میری وہ آواز جو طوفان سے زیادہ طاقتور ہے، جو پہاڑ تک کو اڑا دیتی ہے، جو تہذیب و تاریخ کے دھاروں کو مروڑ دیتی ہے، جو قسمتوں کے لوح و قلم پیدا کر دیتی ہے، جو چیختی ہے، جو چنگھاڑتی ہے، جو احتجاج کرتی ہے۔ جو دبتی نہیں، جو گونجتی ہے۔ اور گونج پیدا کرتی ہے۔ میں تو اس آواز کا ایک شکار ہوں۔‘ ساوتری دیکھ رہی تھی کہ رات کے اس لمحے میں، اس کمرے کی خاموشی میں، یہ بیسویں صدی کا الوک کون سی زبان بول رہا ہے، اور کس لہجہ میں، لیکن یہ حقیقت جو سامنے تھی، فسانہ سے بھی زیادہ ناقابل یقین تھی۔ لیکن جب اس نے الوک کو غور سے دیکھا تو اسے لگا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس وقت وہ جس کشمکش میں مبتلا تھا، اس میں یہ انتہائی اجنبی لہجہ، واحد ممکن لہجہ تھا وہ آگے بول رہا تھا‘ اگر یہ آواز میرے ذریعہ نہیں ابھری تو کہیں اور سے ابھرے گی، اور یہ سب کچھ میں نہیں دیکھوں گا تو کوئی اور دیکھے گا، کوئی اور اس کا اعلان کرے گا، یہ آوازیں تو ان جنگوں کی طرح ہیں جو جب وجود میں آنا چاہتی ہیں تو فوجوں کو اور بادشاہوں کو پکڑ لاتی ہیں، پیدا کر لیتی ہیں —— میں کچھ نہیں —— ہاں، میں نے دیکھ لیا ہے کہ میں کچھ نہیں۔ یہ تو شعور کی ہوا کا ایک جھونکا ہے —— یہ لڑائی تو اس شعور کی ہے —— اور یہ لڑائی ان سناٹوں سے ہے جو چٹانیں بن کر، ہمارے سماج میں جم گئے ہیں، اور جو اپنی تمام پر شور آوازوں کے باوجود اپنے محور سے چپکے ہوئے ہیں، اور یہ اپنی لاشوں کے دھوئیں میں ہمیں گم کر دینا چاہتے ہیں۔‘‘

الوک ایسے بول رہا تھا جیسے کسی دباؤ کے اندر اس کا دم گھٹ رہا تھا، اور وہ سانس لینے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔‘ ہم اس دھوئیں میں شعلے کی طرح ہیں‘ دھوئیں کے اندھیرے میں ایک لڑکی سسک رہی ہے، تاریکیوں سے لڑ رہی ہے۔ راستہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور نہ جانے کیوں میرا دل اس طرف چل پڑتا ہے۔ کتنی ہی عورتیں اور لڑکیاں مجھ سے دوستی کے لئے ہاتھ بڑھاتی رہیں، لیکن میں کسی کی طرف نہیں بڑھا، میں زندگی میں دور آگے دیکھتا رہا۔ جیسے مجھے فرصت ہی نہ ہو، لیکن اس لڑکی کے ساتھ کیا بات ہے۔ میں خود جاننا چاہتا ہوں، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک ٹوٹتی ہوئی سانس سے اپنی زندگی کو وابستہ کر لینے کی کیا لذت ہے؟ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک بے سہارا، بے یار و مددگار مظلوم کے درد کو اپنا درد بنا لینے میں، اس کا ہمدم و ہمراز، اس کا ساتھی، اس کا نگہبان، اس کا سرپرست بن جانے میں کیا لذت ہے؟ میں اب یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان چیزوں کو کرنے میں کیا لذت ہے جن کو کرنے کی ترغیب صرف اندر سے آتی ہے اور

باہر چاروں طرف سے ممانعت کی ندائیں آتی ہیں۔ ذلتوں کے پتھر برستے ہیں۔ میں اس لذت سے آشنا ہونا چاہتا ہوں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ لذت کیسی ہوتی ہے جسے تنہا ہم محسوس کرتے ہیں۔ جسے تنہا ہم صحیح سمجھتے ہیں۔ جسے ساری دنیا غلط سمجھتی ہے یا کچھ سمجھتی ہی نہیں۔'

یہ سب باتیں الوک دھیمی آواز میں، پیار سے بھی تو سمجھا سکتا تھا۔ لیکن یہ باغیوں والا لہجہ کیوں، جابر اور مطلق العنان قوتوں کے خلاف ابھرنے والا لہجہ۔ اس نے پیار بھری نگاہوں سے الوک کو دیکھا۔ کاش وہ اس کے درد میں شریک ہو پاتی، اور اس کی شدت کو کم کر دیتی!!

'ساوتری! ایک اعلیٰ افسر کی زندگی ملنے کے بعد میری حیثیت کیا ہے؟ کیا اور لوگوں کی طرح میں بھی سماج کے نظام کا ایک دھاگہ بن جاؤں؟ اگر میں نے یہ کیا تو میں بھی اس پیاسے کاغذ کی طرح رہ جاؤں گا جس پر کوئی کتاب نہ لکھی جا سکے۔

زندگی میں کتنی ایسی مسرتیں ہیں جن کا پیسے سے کوئی تعلق نہیں، کیا ان بے پناہ مسرتوں کی کوئی اہمیت ہے؟ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ایک مخصوص نظام حیات میں پھنسے ہوئے اپنی مادی ضروریات کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ پھر اندر ہی اندر زخمی ہو گئے ــــ وہ لوگ اندر سے کوڑھیوں جیسا دکھ جھیلتے ہیں۔

مجھے بھی یہ بیماری لگ چکی تھی، لیکن اب میرے اندر صحت افزا تبدیلیاں ہو رہی ہیں، صرف تیرا ہی نہیں، اب ایسی پوری فضا مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جس طرح مفلس انسان بدحواسی میں دانہ دانہ تلاش کرتے ہیں، اسی طرح میری روح بھوکی ہے اور میں اب پاگلوں کی طرح ہر دکھیارے انسان کی طرف بھاگتا ہوں۔

اور لوگ مجھے پنجروں میں بند کرنا چاہتے ہیں۔

اس پنجرے میں جسے سماج کہتے ہیں۔

اس پنجرے میں جہاں میرے جیسے انسان صرف پھڑ پھڑا سکتے ہیں، سکھی نہیں رہ سکتے۔ اب میں ان میں نہیں جو سب ہیں۔ سماج نے جو چارہ لوگوں کے سامنے ڈالا ہے اس کو کھانے میں سب مشغول ہیں۔' میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ ساوتری چونکی۔ 'سب جگالی کر رہے ہیں، ــــ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر کوئی جانور منہ اٹھا کر دوڑنا چاہتا ہے۔ بیابانوں میں پھیلی ہوئی خوشبو سے معطر ہونا چاہتا ہو، ہواؤں میں اچھل کر پرندوں کو پکڑنا چاہتا ہو، لمبی لمبی دوڑ لگا کر راحت محسوس کرتا ہو، جان کی

بازی لگا کر زندگی کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہو تو اسے کیوں روکا جائے؟

لوگ کیوں بیابانوں کے آوارہ گرد پرندے کو پالتو بنانا چاہتے ہیں؟

تم اس زمین کی مٹی سے پیدا ہوئے اس آدمی کو یاد کرو جس نے دکھوں کی حقیقت کو اتنے غور سے دیکھا تھا کہ اس کی جڑ تک پہنچنے کے لئے راج محلوں کی شان و شوکت، گھر بار کا حسن، پیاری بیوی اور ننھے بچے ــــ سب کو چھوڑ کر اس پنجڑے سے فرار ہو گیا تھا جس میں سب لوگ مجھے قید کرنے آئے ہیں۔ اور جس میں تم بھی تالا لگانے کے لئے تیار کھڑی ہو۔'

وہ کمرے میں سایہ کی طرح ڈول رہا تھا۔ تیز بلب وہ پہلے ہی بجھا چکا تھا اور اب صرف نائٹ بلب جل رہا تھا، جس کی نیلی روشنی میں بھی الوک کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ساوتری صرف اسے غور سے دیکھتی رہی۔ کتنا حساس ہو گیا ہے اپنی آزادی کے بارے میں یہ کہ اسے اتنا بھی ہوش نہیں کہ میں نے اسے منع کرنے والا ایک جملہ بھی نہیں کہا ہے۔

'یہ مت سمجھو کہ یہ تقریر میں صرف تم سے کر رہا ہوں، میں زمین کو ہلا دوں گا۔ میں آسمان کو پاش پاش کر دوں گا ــــ اس کی آواز ایک ارتعاش کے ساتھ کمرے میں گونجتی رہی، ساوتری کو لگ رہا تھا جیسے کمرے میں بادل گرج رہے ہوں۔ لیکن کھڑکی کے پردے پر اس کی نظر پڑی تو اس نے دیکھا باہر اندھیرے میں کافی تیز ہوا چل رہی تھی، اور کبھی کبھی بجلی بھی جگمگا جاتی تھی، ــــ اس نے الوک کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، الوک دراصل اس سے نہیں، کسی اور سے باتیں کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ساوتری سو گئی، حیرت زدہ! دو گھنٹے بعد صبح تقریباً چار بجے جب اس نے کروٹ لی اور آنکھ کھلی تو دیکھتی رہ گئی۔ الوک کی آنکھیں پوری کھلی تھیں ــــ

سوچا الوک سے کہے کہ وہ سو جائے، لیکن کچھ کہہ نہ پائی۔

کہنا بے سود تھا۔

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اور وہ سوچ رہا تھا لوگ اپنی واضح اور سمجھ میں آنے والی دنیا سے آگے نہیں جا سکتے تو نہ جائیں۔ مجھے کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں ان کے پاؤں تھک جاتے ہیں، جس پانی میں وہ ڈوبنے لگتے ہیں جہاں ان کی نگاہوں میں سب کچھ اوجھل ہونے لگتا ہے اس سے آگے جانے والوں کو وہ مشتبہ نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں؟ ان کو باغی اور

ہیجان پرور کیوں قرار دیتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کوئی جواب نہیں، لوگ شیشے کے مکان میں رہتے ہیں اور اس گمان میں رہتے ہیں کہ وہ پتھر کے مکانوں میں رہ رہے ہیں۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ اس زندگی کے کھلیارے کو ذرا سا ہلاؤ تو یہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے نیرا کا اردگرد بکھر گیا تھا۔ اور اسے اپنے چاروں طرف ایک نئی دنیا کی تلاش تھی جیسے اس کی اپنی زندگی کا خاکہ ٹوٹ کر چور ہو گیا تھا۔ اور اب وہ ایک زیادہ وسیع اور دائمی خاکہ کی تلاش میں تھی، لوگ بھی ایسے ہی فریب آلودہ مکانوں میں رہتے ہیں اور یہ مکان ٹوٹتے رہتے ہیں، ذرا ہوا چلتی ہے تو دروازے اور کھڑکیوں کے پٹ اڑ جاتے ہیں، اور جب ذرا تیز طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو پوری کی پوری نسلیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ تاریخ ڈھہ جاتی ہے۔ اخلاق نئی سمتیں اختیار کر لیتے ہیں،— کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی—— میرے اندر بھی کچھ ٹوٹ چکا ہے، سکون سے وہ رہ سکتے ہیں جو کٹے پھٹے نہیں ہیں، لیکن میں ننگا ہو چکا ہوں۔ میں ہر اس جگہ جاؤں گا جہاں میری روح کو لباس مل سکے—،

رات بھر وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح تک اسے نیند نہیں آئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے دنیا چاروں طرف سے اسے دبوچے ہوئی ہے۔ دم گھٹنے کے اس احساس سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ایک بار جب ٹرین میں بہت بھیڑ تھی، اور لوگوں کو قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی تو اس دن گو کہ وہ برتھ کے اوپر آرام سے لیٹا ہوا تھا، اس کا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، اور ایک بار جب اسے رہائش کے لئے ایک ایسا مکان ملا تھا جس میں کشادہ کمرے تھے، لیکن چھت اور لان دونوں اس کے پاس نہیں تھے، تو اس میں رہتے رہتے اکثر اس کو دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہوتا جیسے دیواریں اسے دبائے ہوئی ہیں، اور چھت اس کے اوپر بوجھ ڈال رہی ہو، اور ایک بار جب وہ اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے بیٹھا تھا تو کئی لوگ اس کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے اور اسے اپنا دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہوا تھا— آج اسے لگ رہا تھا جیسے پھر کوئی اس کا گلا دبا رہا ہے، جیسے اس کے اوپر پوری کائنات تنگ ہو رہی ہے، جیسے وہ بڑا ہو گیا ہے، اور اس کی چادر چھوٹی ہے اور جابجا کھلی جگہ پر اسے مچھر کاٹ رہے ہیں، جیسے اسے اس گھٹن سے آزادی تبھی ملے گی جب وہ اس کائنات سے نکل پائے۔ یا یہ کائنات اس کے ہاتھ اور پاؤں کے پھیلاؤ کے ساتھ پھیلتی چلی جائے۔ کھلتی چلی جائے۔ یا پھر وہاں تک پہنچ جائے جہاں صرف خلا ہو، اور دم گھونٹ دینے والی یہ بھیڑ نہ ہو۔

لیکن اس وقت تو وہ گھرا ہوا تھا— اس پورے شہر میں اس کا دم گٹ رہا تھا۔ اس کے

آفس میں تو دھواں ہی دھواں بھرا ہوا تھا، وہ باہر بھی جہاں جہاں کھلی ہوا کے لیے جا رہا تھا وہاں، ایک حبس اور بھیڑ تھی، جو اس پر حملہ آور ہو جاتی تھی— تمام سڑکیں، پورا شہر! وہ کہیں آزاد نہیں تھا۔ ہر جگہ لوگوں کا پہرہ تھا۔ کتنا گنجان پہرہ تھا۔ اس کے چاروں طرف تہہ در تہہ دیواریں کھینچی ہوئی تھیں، انسانی جسموں کی دیواریں، لوگوں کی سانسوں کی بدبو اپنے چاروں طرف پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی،— وہ کہاں کدھر نکل سکتا تھا؟ ٹرین میں تو جگہ تھی، دروازے سے باہر پلیٹ فارم پر آ جانا، مکان میں جگہ تھی، نیچے سڑک یا پارک میں اُتر جانا— لیکن یہاں، وہ کہاں جائے اور یہاں تو اس کا تعلق بھی ٹرین کی سیٹ یا کرایہ کے مکان جیسا نہیں تھا— یہاں تو وہ جڑا ہوا تھا، بلکہ یہاں تو وہ ہی سب کچھ تھا، جو کچھ اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، اور جس سے وہ گھبرا رہا تھا۔

وہ اپنے بستر سے اٹھا اور بے قابو ہو کر اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ وہ بار بار اپنے دونوں بازو اپنی طرف کھینچتا اور پھر زور سے انہیں خلا میں اچھالتا— اسے اپنے سینے میں ایک غبارہ پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جس میں مسلسل زیادہ سے زیادہ ہوا بھری جا رہی ہو، اور جس کا دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہو، ہر چیز کو ٹیڑھا میڑھا کرتا یا ڈھاتا ہوا بڑھتا ہوا غبارہ—

صبح جب دونوں بستر سے اٹھے تو باہر قدرے خشک ہوا تھی، کھڑکی کے باہر بارش ہوئی تھی۔ لیمن میں کھڑے پیڑ دھل کر صاف ہو گئے تھے، ان پر پڑنے والی سورج کی کرنیں بھی گرد اور مُرجھاپن کی آلودگی سے بارش سے دھل کر پاک ہو گئی تھیں، ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکے ذہن کو سکون دے رہے تھے۔ ساوتری بالکونی میں آئی، وہاں سے باہر کا منظر بالکل صاف تھا، سامنے والے بلاک میں اس کی ایک پڑوسن کھڑی کپڑے پسار رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

الوک بھی بیڈ۔ ٹی۔ لے کر باہر نکلا۔ دیکھا۔ سامنے کے مکان بھی دُھل گئے تھے۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ ہواؤں کی حدت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے جسم کی حدت بھی ختم ہو گئی تھی، وہ کافی خوشگوار محسوس کر رہا تھا۔ ساوتری اسے دیکھ کر مسکرائی۔ پھر وہ بالکونی میں لٹکتے ہوئے گملے میں لگے پودے کی ٹہنیوں کا معائنہ کرنے لگی۔

اس کی نظر ڈائننگ ٹیبل پر گئی۔ جہاں گلاس اور چمچے اور کانٹے رکھے ہوئے تھے، اور پورے ٹیبل پر بڑا سا شیشہ پڑا تھا، شیشہ کے نیچے کہیں کہیں گرد گھس گئی تھی، جنہیں صاف کرنے سے میز اور خوبصورتی سے چمک اٹھتی۔ پھر اس کی نظر دیوار پر لگی پینٹنگز پر گھومنے لگی۔ وہ کتنی

خوبصورت تھیں۔ پھر اس کی نظر فرج پر پڑی، اور پھر اس کے دستانے پر — اس نے محسوس کیا کہ وہ کافی دنوں سے ان چیزوں سے کٹ گیا تھا، اور یہ سب چیزیں دھند میں کھوگئی تھیں، لیکن آج خود بخود دکھائی دے رہی تھیں — لیکن وہ چونکا بھی — آج یہ چیزیں بہت زیادہ صاف صاف دکھائی دے رہی تھیں، اتنی صاف کہ جیسے اس کی نگاہیں اُن کے آر پار جا رہی تھیں۔

"تم نیرا کے معاملات کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں بتاتے، ساوتری نے کپڑے تہہ کرتے ہوئے اچانک پوچھا جیسے خاموش آسمان میں کوئی بڑا استارہ ٹوٹ گرا ہو۔ اور پورا آسمان جگمگا اٹھا ہو۔

"اس میں تم کو بتانے کے لائق کیا بات ہے؟ تمہیں اس میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟؟"

ساوتری کی آنکھوں کے سامنے جیسے ایک اَن دیکھی چیز چلی آئی۔

"تم ہر بات میں اتنی رازداری کیوں برتتے ہو؟

تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟"

ساوتری کے سوالات اس کو کچھ عجیب طرح سے گراں گزرتے تھے اور اس کی کچھ مخصوص وجوہات تھیں۔ یوں تو اس سے دن رات مختلف سوالات اس کی روزمرہ کی زندگی میں محکمہ سے لے کر گھر اور سماج تک میں ہر جگہ کیے جاتے تھے لیکن ان سوالات کی نوعیت الگ تھی، اور اگر کہیں سوالات کی نوعیت مختلف نہیں تھی تو جواب کی نوعیت مختلف تھی، اور اگر جواب کی نوعیت مختلف نہیں تھی تو جواب کی صداقت کی نوعیت مختلف تھی۔ اور اگر یہ بھی مختلف نہیں تھی تو اس کے جواب سے پیدا ہونے والے امکانات سے اس کی ذاتی وابستگی مختلف تھی۔ اس کے محکمہ کے ماتحت اس سے سوال کرنے سے پہلے دیکھ لیتے تھے کہ اسے جواب سوچنے کی یا جواب دینے کی فرصت ہے یا نہیں۔ اور جب بھی سوال کرتے تھے تو اس سے پہلے اجازت لے لیتے تھے۔ جب پبلک کے لوگ اس سے ملنے آتے تھے تو وہ پہلے سے اس کے لیے اپنے ذہن کے اس سب سے گہرے تہہ خانے کو جس میں وہ کائنات کی سب سے بڑی سچائیوں کو رکھتا تھا، وہیں بند کر کے۔ اس کے اوپر نکل آتا تھا۔ اور لوگوں سے مروجہ سچائیوں اور حقائق کی روشنی میں خوب دھڑلے سے باتیں کرتا تھا، اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ اچانک اس کے پاس کسی کا فون آ جاتا تھا، اور فون پر ہی اسے جواب دینا پڑتا تھا

لیکن یہ جواب بھی وہ اپنے دماغ کی اس اوپری سطح سے دیتا تھا جہاں سے وہ تمام چیزوں کو اس نظر سے بھی دیکھتا تھا جس نظر سے دوسرے دیکھتے تھے۔ اور اس کے ذہن کے گہرے تہہ خانوں تک ان باتوں کی لہر تک بھی نہیں پہنچ پاتی تھی اور وہاں مکمل سکون ہوتا تھا — یہاں تک کہ محکمہ کے کسی معاملے میں انتہائی سنجیدہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا تھا، جو پیچیدگیوں سے بھرپور ہوتا تھا اس سوال کا جواب بھی وہ وہیں اپنے دماغ کے اسی سطح کے تہہ خانے میں سوچ کر دیتا تھا جہاں چیزوں کی ان سچائیوں پر اس کی گرفت تھی، اور جہاں وہ اصول لکھے ہوئے تھے، اور وہ اعتقادات بستے تھے، جن سے ان کی باہر کی اس پوری دنیا کا تال میل تھا جس میں وہ نوکری کرتا تھا، اور تعلقات بنائے رکھتا تھا، تفریح کرتا تھا، اور کام نکالتا رہتا تھا، اور دوسروں کے کام آتا رہتا تھا۔'

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس کے کئی دوست احباب اس سے کئی فلسفیانہ سوالات چھیڑ دیتے تھے، اور وہ ان کے ایک سے ایک چونکانے والے جواب لے کر آتا تھا، بالکل نئی تشریحیں، بالکل نئے نکتے، جسے ساوتری بھی انتہائی دلچسپی اور انہماک سے سنا کرتی تھی۔

لیکن جب یہی سوالات ساوتری اس سے کرتی تھی تو یہ سوالات اس پر گراں گزرتے تھے، کئی بار وہ کہتی تھی کہ تم دوسروں سے خوب باتیں کرتے ہو، دوسروں کو انہیں موضوعات پر ایک سے ایک جواب دیتے ہو۔ سمجھاتے ہو، اور گھنٹوں تک گفتگو کرتے رہتے ہو، تو تم ڈسٹرب نہیں ہوتے، اور جب میں سوال کرتی ہوں تو چڑ جاتے ہو؟ کیا تم مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے؟ کیا میں تم کو اچھی نہیں لگتی؟ کیا صرف میں ہی تم کو ڈسٹرب کرتی ہوں؟ کیا صرف میں تمہاری آزادی میں مخل ہوتی ہوں؟ تم مجھ سے کس طرح کی آزادی چاہتے ہو؟ — تم دوسری عورتوں سے بھی خوب باتیں کرتے ہو، اور خوب دل خوش کرنے والی باتیں کرتے ہو، پہلے میں سمجھتی تھی کہ تم کو یہ باتیں کرنی نہیں آتیں، یا تم کو ان باتوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ تم خود بھی کہتے ہو کہ تم یہ باتیں مجھ سے اس لیے نہیں کر پاتے کہ تم کو آتا ہی نہیں، لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تم کو خوب آتا ہے، بلکہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح آتا ہے، اور تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تمہارے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم سا لگا رہتا ہے، اور تم دنوں دن اسمارٹ ہوتے جا رہے ہو، اور لڑکیاں اور عورتیں بھی تم کو بہت پسند کرتی ہیں، اور تمہارے اندر ایک عجیب سی کشش بڑھتی جا رہی ہے، — لیکن اگر کوئی تم کو ناپسند ہے تو وہ میں ہوں! میں جاننا چاہتی ہوں کہ میں تم کو کیوں پسند نہیں؟

مجھ میں تمہاری دلچسپی دنوں دن کیوں ختم ہوتی جا رہی ہے؟ تم بار بار دعوی کرتے ہو کہ تم کو دنیا میں سب سے زیادہ پیار مجھ سے ہے۔ بلکہ تم کو مجھ سے اتنا پیار ہے کہ تم اس پیار پر شک کا ایک جملہ بھی نہیں برداشت کر سکتے۔ لیکن تمہارا رویہ اس کے بالکل متضاد ہے، اس تضاد سے میں گھبرانے لگی ہوں، میرا دل دھڑکنے لگا ہے۔ میں بار بار سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن سمجھ نہیں پاتی، اور یہ تضاد دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔ میں اپنے کو مجبور، بدقسمت اور ٹھکرائی ہوئی سی محسوس کرنے لگی ہوں۔

اس نے کئی بار پیار سے کہا 'ساوتری کیا تم چاہتی ہو کہ میں دوسروں کی طرح تم کو بھی بے وقوف بناؤں، تم سے بھی جھوٹ بولوں۔ دوسروں سے تو میں یوں ہی باتیں بنا دیتا ہوں، تم اپنے کو ان لوگوں میں کیوں شامل کر رہی ہو۔ اور اپنے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھنے کے لئے کیوں دباؤ ڈال رہی ہو'

اور ساوتری اسے ایسی آنکھوں سے غور سے دیکھتی جس میں یقین نہ ہو۔

'تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم دوسروں سے قطعی جھوٹ نہیں بولتے۔ تم ان سے سچ بولتے ہو۔ تم جب ان سے باتیں کرتے ہو تو میں صاف صاف اندازہ لگا سکتی ہوں کہ تم سچ بولتے ہو، یہی نہیں کہ سچ بولتے ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے بولتے ہو، اور بالکل فطری طور پر بولتے ہو جس میں کوئی تصنع نہیں ہوتا۔

اور الوک کو غصہ آ جاتا، اس پر یہ سوال و جواب گراں گزرتے۔

'تم کو میرے اوپر یقین نہیں ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں' وہ خود اعتمادی سے کہتا اور اٹھ کر کہیں چل دیتا—— پھر الگ جا کر سوچتا، ساوتری سچ کہہ رہی تھی، میں جھوٹ نہیں بولتا، میں نے یہ بات تو صرف اس کو سمجھانے کے لیے کہی تھی۔ میں نے کوئی بات کہنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ جو بالکل اس سے ملتی جلتی تھی، لیکن پھر بھی یہ کہنا کہ میں اوروں سے جھوٹ بولتا ہوں، یہ سب صرف سہل پسندی ہے، حقیقت بیانی نہیں ہے۔

اُسے دکھ ہوتا، وہ ساوتری سے اتنا گہرا پیار کرتا ہے، لیکن ساوتری اس سے نالاں ہے، اسے غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ اور اس قدر شدید غلط فہمی جواب اس کو مسلسل اجنبی بناتی جا رہی ہے، درمیان میں ایک کھائی سی پڑتی جا رہی ہے اور وہ بے بسی سے دیکھ رہا ہے، اور وہ جس قدر ساوتری کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس قدر اس کی بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب وہ

ساوتری سے سختی سے یقین کرنے کو کہتا ہے تو بے یقینی کی دیوار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

وہ سوچ رہا تھا، اور اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ کے تہوں میں کئی سطحیں بن گئی ہیں، اور ہر سطح باہر کی دنیا کی کسی نہ کسی سطح سے تال میل کھاتی ہے۔ اور جو سطح باہر کی دنیا کی سطح سے تال میل کھاتی ہے اسی سطح سے وہ باتیں کرتا ہے، اور فطری روانی سے کرتا ہے، کیونکہ یہ باتیں جھوٹ نہیں ہوتیں، اور جس سطح کے مسائل ہوتے ہیں اسی سطح کے دماغی تہہ خانے میں ان مسائل کی چھان بین کرتا ہے—— اور یہ کہ ہر سطح دوسری سطح سے مختلف ہے، اور ایک دوسرے کی سچائی کو جھٹلاتی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ سب باتیں اپنی اپنی جگہ اتنی سچی ہوتی ہیں کہ ان سطحوں پر کیے ہوئے فیصلے باہر کی دنیا میں اٹل اور مضبوط سچائیوں کی طرح سکۂ رائج الوقت بن کر رواں دواں چلتے پھرتے ہیں، لیکن ان تمام سطحوں سے نیچے ایک سطح ہے، جو یہ کہتی ہے کہ ان تمام سطحوں میں کوئی سطح سچی نہیں ہے کہ اور گہری سطحیں اور نیچے جھلملا رہی ہیں۔ اور بہت سارے سچ کے جھوٹ ہونے اور بہت سارے جھوٹ کے سچ ہونے کے امکانات لامتناہی وسعت کے ساتھ وہاں موجود ہیں، اور جہاں وہ نئی نئی سطحوں کا مچھلی کی طرح مسلسل تاک میں لگا ہوا شکار کرتا رہتا ہے۔ وہ دراصل کائنات کی جھوٹ کی وسعتوں سے واقف ہو گیا ہے، اور سچائیوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اور ہر لمحہ اسے لگتا ہے کہ اب سچائی قریب آ گئی اور جب وہ سچائیوں کے قریب پہنچتا ہے تو وہ سچائیاں شفاف بن جاتی ہیں، اور ان کے پیچھے دوسرے نقوش ابھرنے لگتے ہیں۔ ہر لحہ اُسے لگتا ہے کہ آخری سچائی آنکھوں کی زد میں آ چکی ہے، اور اس سے آگے کے نقوش واضح ہوں گے۔ وہاں پانی کی انتہا ہوگی وہاں پتھر ہوں گے۔ کیچڑ اور سمندری پودے، اور خاتمہ—— لیکن بہت قریب پہنچنے پر وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی خود ہی اگلی چیزیں دکھانے لگتے ہیں۔

اور وہ ان سچائیوں کی تلاش اتنی سرگرمی اور جان کنی سے ان کے لیے کر رہا ہے جن کو چاہتا ہے کہ وہ اس کی آنکھوں سے ان سچائیوں تک پہنچیں جنہیں وہ دیکھ رہا ہے۔ لوگ جب اس سے سوالات کرتے ہیں تو وہ اپنی آخری بار دیکھی ہوئی سچائیوں کے مطابق جواب دیتا ہے، لیکن ساوتری کو وہ اس لیے کوئی جواب نہیں دے پاتا، کہ وہ ساوتری کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو وہ دیکھ رہا ہے، وہ مکمل سچائیاں نہیں ہیں۔ ادھوری سچائیاں ہیں۔—— جب وہ ساوتری سے

باتیں کرتا ہے تو وہی جملے اپنا معنی کھو دیتے ہیں، اپنا اثر کھو دیتے ہیں جو دوسروں کے اندر جادو جگا دیتے ہیں، کیونکہ وہی الفاظ وہ اس یقین سے، اس فطری انداز میں اس سے نہیں بول پاتا کیوں کہ اس فطری انداز میں بولنے کے لئے اسے ساوتری کو کسی پہلے والی مخصوص سطح پر رکھ کر بات کرنی پڑے گی، اور اسے لگے گا کہ وہ ساوتری کو چھوڑ کر آگے بڑھ آیا ہے، اور اس عجیب و غریب اگلی کائنات کے دہانے پر وہ تنہا ہے؟

اور وہ تنہا رہنا نہیں چاہتا۔ وہ ساوتری کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے، کہ وہ سب کچھ دیکھ ہی اسی لیے رہا ہے کہ اس کی آنکھوں سے دوسرے بھی دیکھ سکیں، اور یہ سچائیاں ہماری کہانیاں بن جائیں، ہماری، ہم سب کی آنکھیں بن جائیں، اور ہمارے اندر بس جائیں، وہ عجیب کشمکش میں تھا، وہ ساوتری کو چھوڑ کر بڑھ نہیں سکتا تھا، لے کر جا نہیں پاتا تھا، اور ساوتری پوری طرح دیکھ نہیں پاتی تھی، اور ساتھ چلنے کے لیے دیکھنا ضروری تھا، اور دیکھنے کے لئے آنکھوں کا، سچائیوں کے ان مناظر سے گزرنا ضروری تھا، جن سے وہ کبھی بترا ہسپتال، اور نیرا کے گھر، اور بسوں میں گزرا تھا، — کہ اصل دیکھنے والی آنکھیں، انسان کے اندر کی طرف اتنی گہری ہوتی ہیں، اور اس طرح ہر چیز میں گھلی ملی ہوتی ہیں کہ ان سے انسان چیزوں میں شامل ہو کر ہی دیکھ سکتا ہے۔

اور جب ساوتری سوال کرتی تھی، اور وہ اس کو کبھی جواب دیتا بھی تھا تو اسے ساوتری کے سوالات لے کر اس تہہ خانے میں جانا پڑتا تھا جہاں وہ اپنے ذہن اور شعور کے اس عظیم ترین مشین کو پہلے سے ہی ایسے کاموں میں لگائے ہوا تھا جہاں سے اس کو واپس نکالنا — اور پھر دوبارہ اس کام پر لگانے میں بہت کچھ برباد ہو جاتا تھا۔ اور وہ مشین اتنی مضبوطی سے یہاں وہاں گڑی ہوتی تھی کہ صرف گڑی ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ملی ہوتی تھی، چیزیں بن کر خود پھلی پھولی ہوتی تھی۔

اور اسے لمحے دو لمحے میں واپس کھینچ لانا ممکن بھی نہ تھا،

پھر بھی کسی نہ کسی دن وہ سب کچھ دیکھ لے گا۔

یا کم از کم اس کو بیان کرنے کی زبان

اور اس کی تصویریں بنانے کے خطوط اس کے ہاتھ لگ جائیں گے۔

اور اس دن وہ ساوتری کو سب کچھ دکھا کر

اسے واپس، اپنے بھروسہ کی بانہوں میں کھینچ لے گا۔

وہ چیزوں کو اور شدت سے اور تیزی سے

صاف صاف واضح طور پر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن چیزیں، بدستور، مچھلی کی طرح اپنی مرضی سے، اس کی نگاہوں کے جال میں آتیں، ورنہ ادھر اُدھر دھند میں تیرتی رہتیں، بے رحمی کے ساتھ — اور وہ ٹوہ میں لگا رہتا۔ لیکن اب وہ دنوں دن اس ٹوہ میں زیادہ سے زیادہ یکسوئی سے ڈوبتا چلا گیا تھا، اور اپنے چاروں طرف کی دھند میں اسے اور زیادہ دور دور تک دکھائی دینے لگا تھا۔ اور وہ اپنی پتلیاں پھیلا پھیلا کر اور زیادہ صاف اور واضح دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور جب ایسے میں ساوتری اسے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑ دیتی تو وہ اتنی شدت سے ڈسٹرب ہوتا کہ اس کی روح تک کو چوٹ لگتی، اور وہ اندر ہی اندر کراہ کر رہ جاتا اور اس کے چہرے پر ایک خاموش کرب پھیل کر رہ جاتا۔ پہلے وہ جھنجھلا جایا کرتا تھا۔ لیکن اب صرف خاموش رہ جاتا — صرف درد کی شدت سے ایک ہلکی سی چیخ نکل کر رہ جاتی تھی، اور وہ نڈھال ہو جاتا — لیکن اس کی وہ آنکھیں بند نہیں ہوتی تھیں، جن سے دور دور تک وہ نئی سطحیں دیکھتا تھا، وہ دوبارہ پھر اپنے کو یکجا کر کے وہاں جا بیٹھتا تھا۔

اور پھر ساوتری میں ایک بے چینی سے جاگ جاتی۔

اور وہ اسے پھر جھنجھوڑ دیتی۔

لیکن دھیرے دھیرے اب وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔ اب وہ باہر بھی باتیں کرتا رہتا اور اندر بھی دیکھتا رہتا ——

اور آج پھر ساوتری اس سے نیرا کے مقدموں کے بارے میں پوچھ رہی تھی، اور یہ بھی پوچھ رہی تھی کہ وہ ہر بات میں اتنی رازداری کیوں برتتا ہے؟؟؟

اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

'ہر نئی بات نمایاں ہونے سے پہلے رازداری برتتی ہے۔

'لیکن کیوں؟

'کیوں کہ ہر نئی بات کے وجود میں آنے کا مطلب کسی پرانی بات کے وجود کا ختم ہو جانا ہوتا ہے۔'

'کیوں؟'

'اس لیے کہ کہیں بھی نئی بات کے لئے کوئی جگہ خالی نہیں پڑی ہوتی، وہاں کوئی نہ کوئی بات پہلے سے ہوتی ہے'

'پھر'

'یہ پہلے سے موجود باتیں اس نئی بات کو مٹا دینا چاہتی ہیں۔'

'لیکن تم مجھ سے کیوں رازداری برتتے ہو؟'

'اس لیے کہ تم ان کے بارے میں سوال کرتی ہو، اور ان سوالات کے جواب چاہتی ہو۔'

'بتانے میں کیا ہے؟'

'ہر نئی بات جب پیدا ہوتی ہے تو ننگی ہوتی ہے — ایک ننگی بچی کی طرح وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی جاتی ہے، دلائل اور ثبوت اور اہمیت کا لباس پہنتی جاتی ہے۔ جب تم سوال کرتی ہو، اس وقت تمہاری باتوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔'

'تو اس میں کیا ہے، تم کہہ دیا کرو کہ ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے'

'لیکن یہ سچ نہیں ہوگا'

'تو پھر جواب بتانا چاہئے'

'جس جواب کو جاننے کی کوشش میں مَیں خود لگا ہوا ہوں، اس کے بارے میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں؟؟'

ساوتری کو لگا کہ وہ کسی اہم چیز سے ناواقف ہے، اس کی جاننے کی خواہش اور بڑھنے لگی، وہ بے چین ہوگئی — اب وہ الوک کے پیچھے کسی اتنی بڑی بات کو صاف دیکھ رہی تھی جس نے الوک کی شخصیت میں اتنی بڑی تحریک پیدا کر دی تھی —— وہ چیز نیرا نہیں تھی۔ وہ چیز نیرا کا جنسی وجود نہیں تھا، وہ نیرا کی حالت تھی، نیرا کی حالت ہی ایک سوالیہ نشان بن کر الوک کے سامنے ایسے کھڑی ہوگئی تھی کہ اس نے الوک کے سارے وجود کو چیلنج کر دیا تھا، کہ الوک کو زندگی کی کچھ ان دیکھی حقیقتوں کا ادراک پہلی بار ہوا تھا، وہ دیکھنے میں محو تھا کہ وہ سب کچھ کیا تھا، کل تک تو اس نے ساوتری سے بتایا تھا کہ نیرا کا ایک مقدمہ ہے، ایک جھگڑا ہے، جس میں کرایہ دار اس پر ظلم کر رہا ہے، اور اس کا مکان ہڑپنا چاہتا ہے، لیکن اب تو الوک نیرا کے مقدمہ کے بارے میں

خلاؤں میں جھانک رہا ہے —— جہاں نیرا بہت پیچھے چھوٹ گئی ہے اور وہ خود آگے بڑھ گیا ہے، وہ تو اب کسی نئی بات کا ذکر کر رہا ہے۔

'الوک اس سے کہیں بہت آگے ہے جہاں میں اس کو اب تک دیکھ رہی تھی، ساوتری کی آنکھوں کے سامنے رنگوں کے کئی پرتو گزر گئے —— الوک نیرا کے یہاں جاتا رہا — لوگ دیکھتے رہے، — الوک کی بیوی خاموش رہی — وہ الوک کو بغور دیکھتی رہی — ایسے جیسے کوئی اس مصوّر کو دیکھ رہا ہو جو کسی بڑی پینٹنگ میں منہمک ہو۔

نہ جانے کتنی ہی عورتوں اور لڑکیوں کے حوالے سے اس نے الوک کو چھیڑا ہوگا — کتنی ہی عورتوں پر سوتن ہونے کا الزام لگایا ہوگا لیکن نیرا کے بارے میں وہ خاموش رہی۔

'عورت چاہے کہتی اور کرتی کچھ بھی ہو، حتیٰ کہ فریب میں گرفتار ہو، وہ سمجھتی سب کچھ ہے۔'

ایک دن الوک نے محسوس کیا۔

'الوک میں تمہارے سامنے ہار مان گئی، لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم کو سمجھتی نہیں ہوں، اگر تم مجھ کو سب کچھ بتا دو گے تو میں اور اُلجھ جاؤں گی، اگر تم یہ سمجھ کر ڈرتے ہو کہ میں صرف ایک عورت ہوں، محض ایک بیوی ہوں، اور ہر معاملہ میں پہلے اس نقطۂ نظر سے سوچتی ہوں، اور میں اپنے تحفظ کے تئیں اس قدر متفکر رہتی ہوں کہ ہر بات کو جو اس کے لیے خطرہ کا اندیشہ پیدا کرے آنکھ بند کر کے یقیناً جھٹلاؤں گی، اور پوری قوت سے جھٹلاؤں گی، اور سمجھنے کی قطعی کوشش نہیں کروں گی، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایسے مفاد کے تحفظ کے تئیں اس قدر حساس ہوں کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تو تم میرے بارے میں غلط فہمی کے شکار ہو۔

میں نے تمہیں اس وقت جب تم محوِ خواب ہوتے ہو، اور اس وقت جب تم مجھ سے باتیں کر رہے ہوتے ہو، اور اس وقت جب تم گھر میں اِدھر اُدھر چلتے پھرتے ہوتے ہو، اور اس وقت جب تم کسی پارٹی میں جاتے ہو اور لوگوں سے ملتے جُلتے ہو، اور اس وقت جب تم کہیں اور جاتے ہو، اور اس وقت جب تم کہیں اور گئے ہوتے ہو، اور مجھے تمہارے جانے کا پتہ ٹیلی فون سے، یا تمہارے نہ آنے سے، یا دوسروں سے ملتا ہے، ان تمام لمحوں میں، چوبیسوں گھنٹے تم کو تمہارے چہرے کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ تم ہزار بار آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر، خود بھی

اپنے کو اتنا صاف صاف نہیں دیکھ سکتے ۔ میں تمہاری بیوی ہوں، اور اس لیے میرا شوہر ہونے کی حیثیت سے تمہارا مقام میری زندگی اور میری نگاہوں میں اتنا قریب ہے کہ دنیا کی کوئی چیز میرے اتنا قریب نہیں آ سکتی، میرے اور تمہارے بیچ کوئی چیز حائل نہیں۔ اور وہ اجنبی سمندر جو تمہارے اندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، وہ مجھ سے دور نہیں بہت قریب ہے، اتنا قریب کہ میں اس کے ساحل پر کھڑی ہوں، لیکن تم نے مجھے اندھا کر رکھا ہے، کہ میں ان آوازوں کو سن سکتی ہوں سنسناہٹ کو محسوس کر سکتی ہوں۔ اپنے چاروں طرف سے میں اپنے کو ایک اجنبی طوفان میں گھری ہوئی محسوس کرتی ہوں، اور اس کے باوجود دیکھ نہیں پاتی کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اور تم میرے اس ذہنی تناؤ کو محسوس نہیں کرتے، تم مجھ سے ڈرتے ہو، تم اکیلے رہنا چاہتے ہو، تم سوچتے ہو کہ تمہارے چہرے کے اس پار کیا ہو رہا ہے، اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔' تم مجھ سے کیوں ڈرتے ہو؟ وجہ بتاؤ؟ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟ کس نے تم سے کہا کہ اگر تم مجھے یہ سب کچھ بتاؤ گے تو میں اس کو برداشت نہیں کر پاؤں گی، ؟ میں اس پر ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کے بجائے، اندھی جذباتیت میں مغلوب ہو کر ہلچل اور ہنگامہ پیدا کروں گی، اور تمہاری توجہ کو زبردستی ادھر سے موڑنے کی کوشش کروں گی، جدھر تم دیکھ رہے ہو؟ وہ میں نہیں ہوں، وہ تمہارے ہی دماغ میں بسا ہوا کوئی خوف، کوئی مفروضہ ہے، تم سوچتے ہو کہ میں کسی نئی بات کو، جو عام طور سے سوسائٹی میں نہیں ہو رہی ہو، اس کی اہمیت، اور اس کے خدوخال کو نہیں سمجھ سکتی، اور اس لیے تم نے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے، اور تم یہ سوچتے ہو کہ مجھے اس دیوار پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کہ بیوی کی حقیقت سے مجھے جو کچھ تم سے ملنا چاہئے وہ مجھے مل رہا ہے، لیکن تم یہ نہیں سوچتے کہ میں تمہارے بہت قریب رہنے والی ایک انسان بھی ہوں، اور ایک دوست کی حیثیت سے تمہاری باتوں کو جاننے کا سب سے پہلا حق میرا ہے، میں ایک انسان، ایک دوست کی حیثیت سے جاننا چاہتی ہوں، اس لیے تم، انجانے میں میرے اندر کے انسان، میرے اندر کے دوست کی شخصیت کو جھٹلا رہے ہو، حالانکہ میں تمہارے اس قدر قریب ہوں کہ تمہارے اندر جو کچھ ہوتا ہے، اس کے جھٹکوں کو محسوس کر جاتی ہوں، اور اس لیے جاننا چاہتی ہوں، اور اسی وجہ سے بیقرار ہو جاتی ہوں

لیکن تم میرے بیوی ہونے اور اس سے وابستہ حقوق اور رشتوں کے تصور میں اس قدر جکڑے ہو کہ تمہارے دماغ میں، اس کے سوا میں اور کسی شکل میں ابھر نہیں پاتی اور تم مجھے سمجھنے میں

ناکام ہو جاتے ہو۔ تم میری ہر بات، میرے ہر سوال کو ایک مخصوص نقطۂ نظر سے دیکھتے ہو، اور اس سے باہر نہیں آ پاتے، تم نے میری ہر اچھائی اور ہر برائی، ہر سوچ، فکر اور خیال کو، جو تم سے وابستہ ہو، ان کو اسی بیوی والے فریم میں لگا کر کے دیکھا ہے۔ تم کہتے ہو کہ تم نے مجھے بڑی شخصی آزادی بھی دی ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں بھی اپنے طریقے سے زندگی کو اس کی وسعتوں میں اور اس کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھوں، تم مجھے تجربات کا پیچھا کرنے سے بھی نہیں روکو گے، بلکہ تم اس کے لئے میری ہمت افزائی کرتے ہو، مجھے اس کی تلقین کرتے ہو، اور شاید یہ سمجھتے ہو کہ جب میرے تجربات اس طرح وسیع ہو گئے، تو مجھے ان کی روشنی میں، تم کو سمجھنے میں آسانی ہو گی، اور میرے اور تمہارے درمیان جو دوریاں پیدا ہو رہی ہیں، وہ اس طرح ختم ہو جائیں گی، تم چاہتے ہو کہ میری شخصیت کی نشوونما ہو، اور وہ وسیع ہو۔ لیکن کس شخصیت کی؟ بیوی کی؟ کیا اتنا آگے جانے کے بعد، اتنی جدوجہد کے بعد یہی حاصل ہو گا۔ اتنی بھی جدوجہد کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں نہیں تم ذرا سی اس دیوار کو توڑ دیتے جو میرے اور تمہارے بیچ کھڑی ہے؟ کیوں نہیں تم مجھے اس قدر پریشان کرنے کے بجائے براہ راست اپنی بانہوں میں کھینچ لیتے؟ میں تمہاری دوست ہوں، تم اپنے ذہن میں اتنی وسعت کیوں نہیں پیدا کر لیتے؟ تم کیوں مجھے اس راہ پر دور تک بھیجنا چاہتے ہو جس راہ پر جانے کی مجھے کوئی خواہش نہیں؟ تم کیوں یہ نہیں محسوس کر سکتے کہ تمہارے، میرے تئیں اس تصور نے، میرے تمہارے درمیان کتنی ٹیڑھی صورت حال پیدا کر رکھی ہے۔ میں تمہیں جاننا چاہتی ہوں، تو تم مجھے ٹھکرانے لگتے ہو میں ضد کرتی ہوں تو تم چڑنے لگتے ہو، میں تمہیں کہتی ہوں کہ میں کسی بات کا بُرا نہیں مانوں گی، تم سچ سچ سب کچھ بتا دیا کرو تو تم اس کو میرا کوئی خطرناک حربہ سمجھنے لگتے ہو، اگر تم کچھ بتاتے ہو اور میں اس میں اپنی رائے کا اظہار کرتی ہوں، یا اپنے بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے کچھ کہتی ہوں تو تم یہ سوچنے لگتے ہو کہ میری تمہیں جاننے کی دلچسپی محض اسی وجہ سے تھی، تم اگر مجھے کچھ بتاتے ہو تو یہ کیوں سوچتے ہو کہ میں اس بات پر محض ایک انسان، ایک دوست اور ایک فلسفی کی طرح سے غور کروں گی؟ تم کیوں یہ چاہتے ہو کہ اس وقت میں بیوی ہونے کی اپنی حیثیت کو بھول جاؤں؟ میں جانتی ہوں کہ جب بھی تم نے مجھے کچھ بتایا ہے اور میں نے بیوی ہونے کی حیثیت سے، اور عورت ہونے کی وجہ سے، اپنے ردِعمل کا اظہار کیا ہے تو تم نے اس کے بعد مجھے بتانا بند کر دیا ہے؟ اگر میں اپنے بیوی ہونے کے حقوق کے لئے لڑتی ہوں، اگر

میری نسوانی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے تو تم اسے کیوں برداشت نہیں کرتے؟ تم ایک مرد ہو تو مجھے ایک مکمل عورت کی حیثیت سے کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ جو ایک بیوی بھی ہو، عورت بھی ہو، انسان بھی ہو، دوست بھی ہو۔ یہ تم کس رجحان کو اپنے اندر فروغ دے رہے ہو، اور تم کس فلسفے کو اپنانے جا رہے ہو؟ یہ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں جب بھی تم سے ملوں تو اپنی بھرپور شکل میں تم سے نہیں ملوں؟ کبھی محض بیوی ہوں، کبھی محض دوست؟ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں اپنے کو ٹکڑوں میں نہیں بانٹ سکتی۔ میں تمہاری طرح ہو تق ہونا نہیں چاہتی۔ تمہاری طرح تجربوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے گھر کو ویران کرنا بھی نہیں چاہتی، میں بسا بسایا گھر چاہتی ہوں۔ تمہارے پیچھے تو گھر کو میں دیکھ لیتی ہوں، لیکن میرے پیچھے دیکھنے والا کوئی نہیں بیٹھا ہے۔

بہر حال تمہیں تو اس وقت، میری باتوں پر اتنا بھی غور کرنے کی فرصت نہیں کیوں کہ یہ باتیں گہری توجہ چاہتی ہیں اور اس وقت یقیناً تمہارے سامنے اس سے بھی بڑے اور فوری قابل توجہ مسائل ہیں۔ میں تو انتظار کر سکتی ہوں، لیکن وہ چیزیں تمہارا انتظار نہیں کریں گی۔ مجھے تمہارے خلوص پر قطعی شک نہیں۔ مجھے اپنے تئیں تمہارے گہرے اٹوٹ پیار پر بھی قطعی شک نہیں۔ مجھے اس میں بھی شک نہیں کہ جب تم کو میری باتوں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہوگی اور میں تم کو یہ باتیں کھول کر بتاؤں گی تو تم ان کو فوراً سمجھ لوگے کیوں کہ تم ذہین بھی ہو اور مخلص بھی۔ لیکن اس قدر ذہین اور مخلص ہوتے ہوئے بھی تم کس قدر قابل اعتراض بات کو اپنے اوپر ڈھو رہے ہو۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہیں بھی اس کا انتہائی تکلیف وہ احساس ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس میں کچھ ایسی باتیں آ گئی ہیں جو تمہارے اوپر گہرائی سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ لیکن جنہیں تم سمجھ نہیں پاتے اور محض جھنجھلا کر رہ جاتے ہو۔ میں تمہاری مجبوری کو سمجھ رہی ہوں۔ بیک وقت تم کیا کیا کر سکتے ہو۔

اس کے دل میں الوک کے تئیں ایک اتھاہ پیار اچھل آیا۔

کیا بات ہے، آپ نے ان کو منع نہیں کیا؟ پڑوس سے آئی ہوئی عورتوں میں سے ایک نے ایسے پوچھا جیسے وقت خراب کیے بغیر وہ اپنے آنے کے مقصد پر براہ راست فوراً اترنا چاہتی ہوں۔

ساوتری کو لگا کہ جو عورتیں اس کے سامنے بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھیں، وہ صرف بیویاں تھیں، اور یہی وہ تصویریں تھیں جو الوک کے ذہن میں لگی رہتی ہیں، اور انھیں کی وجہ سے

الوک اس شدید غلط فہمی کا شکار ہے جس کو وہ ختم نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ان عورتوں کے تئیں ایک شدید انتقام کا جذبہ ابھرا۔ ان کے چہرے اسے بہت بھیانک لگے، اس کشمکش میں الوک جو اذیتیں جھیل رہا تھا، اس کی ذمہ دار بھی یہی عورتیں تھیں اور عورتوں کو نیرا کی طرح بے بس اور تنہا کرنے والی عورتیں بھی یہی تھیں۔ ساوتری کے چہرے پر ایک جلال سا آ گیا۔

'میرا شوہر اس ایک عظیم انسان ہے۔ وہ صرف ایک شوہر نہیں ہے۔ وہ ایک آدمی بھی ہے۔ وہ اوروں کی طرح نہیں ہے جو کسی لڑکی کی مدد اس لیے نہیں کرتے کہ وہ ڈر جاتے ہیں کہ ان کی بیویاں کیا کہیں گی۔ وہ بیوی سے ڈرنے والا مرد نہیں ہے۔ اس میں ہمت ہے۔ وہ اپنی آزادیٔ عمل کا احترام کروانا جانتا ہے ——— اور اب تم شاید یہ کہہ کر زیر کرنے کی سوچ رہی ہوگی کہ وہ نیرا کے یہاں کیوں جاتا ہے؟ وہ کیوں کافی دیر تک ٹھہرتا ہے؟ تو یہ جان لو کہ وہ کنویں کا مینڈک نہیں ہے اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے اُلجھے ہوئے اصولوں اور جہالت کا غلام نہیں ہے۔ وہ ان میں سے ہے جو نئے اصول گڑھتے ہیں، نئے خیالات کو پیدا کرتے ہیں، اور جن کے پیچھے دنیا چلتی ہے، اور یہ کرنے کے لیے جو آنکھیں چاہیے اور جو زبان چاہیے وہ اس کے پاس ہے اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور اس کی اہمیت کو سمجھنے سمجھانے کے لیے جو دماغ چاہیے، وہ اس کے پاس ہے، دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ وہ جس چیز کی تلاش میں ہے اگر اس کے لیے اس نیرا کے گھر میں کیا، اسے طوائفوں کی بستی میں بسنا پڑے اسے ہزاروں حسینوں کے کپڑے اتارنا پڑے، اور ان کے ساتھ راتیں بسر کرنی پڑے تو بھی میں بُرا نہیں مانوں گی، اس لیے کہ وہ جو کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے، اس کو دیکھنا بہت ضروری ہے۔ صرف اس کے لیے نہیں، صرف میرے لیے نہیں، پوری دنیا کے لئے، پوری انسانی تہذیب کے لیے، وہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ مرد کی نگاہوں سے نہیں، انسان کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ وہ ایک سائنسداں ہے، اور دیکھنا اس کے لیے ضروری ہے۔

تم لوگ اپنے شوہروں کو پکڑ کر سنبھالے رہو کہ وہ صرف تمہارے لیے ہیں، لیکن میرا شوہر صرف میرے لیے نہیں ہے، وہ ایک عظیم انسان ہے۔

اس نے ان کے اوپر ایک گہری نگاہ ڈالی۔

تم لوگ یہ سمجھتی ہو کہ وہ نیرا کے پاس اس لیے جاتا ہے کہ میرے اندر اس کی دلچسپی کم ہوگئی ہے۔ اور میرا حسن ماند پڑ گیا ہے۔ اگر تم کو یہ معلوم ہوتا کہ اس کے دل میں میرے لئے کتنا

گہرا پیار ہے تو تم سناٹے میں آجاتیں۔ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہوں؟ تم لوگ اپنے شوہروں کو صرف اپنا چہرہ اور اپنا جسم دیتی ہو، تم ان کو صرف بچے اور گھر دیتی ہو، تم ان کو صرف کھانا، آرام اور گہری نیند دیتی ہو۔ خوبصورت راتیں سجا کر پیش کرتی ہو —— لیکن میں اسے زندگی اور پوری کائنات کے ہر رنگ برنگے، حسین و جمیل اور کریہہ و بدنما پہلو کو دیکھنے اور ان میں جھانکنے کی اجازت دیتی ہوں۔ میں اسے وہ ماحول دیتی ہوں جس میں وہ پنپ سکے۔ میں جانتی ہوں کہ میرا شوہر کیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ دوسروں سے کتنا بڑا ہے۔ اور میں جانتی ہوں کہ میرے اندر اس کے لیے کتنا بے پناہ حسن پوشیدہ ہے، لیکن وہ تم لوگ ہو، تم لوگوں کا وہ گھٹیا رویہ ہے، جس کی وجہ سے مجھے اپنا وہ لازوال اور بے پناہ حسن اسے دکھانے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ تم لوگ رکاوٹ ہو۔ تم لوگوں کی وجہ سے میرے اندر کی اصلی عورت سامنے نہیں آپا رہی ہے۔ ہر بڑے انسان کے پیچھے کوئی نہ کوئی عورت ہوتی ہے۔ الوک کے پیچھے میں ہوں۔

میں وہ عورت ہو، میں تم جیسی عورت نہیں ہوں۔

میں دوسری عورتوں سے نہیں ڈرتی۔

مجھے معلوم ہے کہ میں کیا ہوں۔

تم نے کیسے یہ سمجھ لیا کہ میں نے ان کو منع کیا ہے؟ یا مجھے ان کو منع کرنا چاہیے۔ منع کرنے کے لئے وجہ ہونی چاہیے۔ جب تک وجہ نہیں ہوگی۔ میں الوک کو ایک لفظ نہیں کہہ سکتی۔ میں تم لوگوں کی طرح اپنے مرد کی شخصیت کا قاتل بننا نہیں چاہتی۔ ذرا اپنے شوہروں پر غور کرنا، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کس طرف اشارہ کر رہی ہوں؟

یہ مت سوچنا کہ میں اپنے شوہر پر بے جا فخر کر رہی ہوں۔ میں صرف تمہاری غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ ممکن ہے کہ تم لوگ میری ہی بھلائی کے لیے مجھ سے کہہ رہی تھی، اور میں تمہارے شوہروں کی باتیں کرنے لگی؟ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر تم سب لوگ اپنے اپنے شوہروں کو اپنے گھروں میں روک لو، تو اس دنیا کو کون چلائے گا۔ کوئی تو ہونا چاہئے جو اس دنیا کو مکمل طور پر سمجھے! ان عورتوں کو بھی سمجھے جن کے شوہر ان کو نہیں سمجھتے؟ ان لڑکیوں کو سمجھے جن کے باپ اور بھائی ان کو نہیں سمجھتے، ان بیواؤں کو سمجھے جن کو کوئی نہیں سمجھتا، ان طوائفوں کو سمجھے جو بازار میں سودے کی طرح بیچی جاتی ہیں، یا خود بکنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یا ان لڑکیوں اور عورتوں کو سمجھے جو تنہا زندگی گزارتی

ہیں —— ان کے بھی تو مسائل ہیں، ان کو بھی تو زندگی کا ایک فلسفہ اور ایک بصیرت چاہیے۔ کوئی تو ہو جس کے ٹھنڈے سائے میں یہ اطمینان سے بیٹھ کر سوچ سکیں کہ انہیں اپنی زندگی کیسے گزارنی چاہئے۔

اس زمین پر خدا اتر کر نہیں آتا۔ جب نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں؛ اور جب زندگی اتنی پیچیدہ ہو جاتی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا؛ جب انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے اور سماج اتنا پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ انسان کسی بات کو مان کر چلتا ہے اور دو قدم کے بعد وہ بات غلط بات ثابت ہو جاتی ہے؛ وہ نئی بات سیکھتا ہے، اور پھر آگے بڑھتا ہے، اور پھر اس کا وہ اندازہ بھی ٹوٹ جاتا ہے —— اور وہ پھر چلتا ہے، اور پھر ٹوٹ جاتا ہے، اور اس طرح انسان ایک تباہ کن دلدل میں پھنسنے لگتا ہے تو کوئی نہ کوئی آتا ہے جو ان تمام چیزوں کی تشریح کرتا ہے، زندگی کی پیچیدگیوں کو کھنگالتا ہے اور بتاتا ہے کہ اتنے پیچیدہ ماحول میں کیسے چلنا چاہئے۔ اور یہ کہ ہم کیوں پھنس کر اٹک جاتے ہیں۔ میرا شوہر وہی انسان ہے، جو کائنات کو اور لوگوں کو اور آج کے انتہائی وسیع اور اُلجھے ہوئے سماج اور زندگی کو پوری طرح سمجھنے میں جٹا ہوا ہے، اور یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔

وہ اور لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ زندگی میں جو کچھ دیکھتا ہے، جہاں تک دیکھتا ہے اس کی وسعتیں مختلف ہیں۔ اور وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ مختلف ہیں، اس کی ترجیہات مختلف ہیں، اور اس لیے اس کے طریقے اور راستے بھی مختلف ہیں اور وہ جو کچھ کر رہا ہے، وہ بہت بنیادی اور زبردست سچائیوں سے جڑ کر کر رہا ہے، وہ جس قدر گہرائی سے جڑا ہوا ہے وہاں سے اُسے، سماجی، ملکی، تاریخی اور مذہبی۔ تمام سچائیوں کو جھٹلا دینے کا یا ان سے کترا کر آزادانہ آگے بڑھنے کا حق ہے۔ اسے میں قطعی نہیں منع کر سکتی۔ وہ محض کوئی خیالی فلسفی نہیں ہے، وہ زندگی کو چھو کر دیکھتا ہے، محسوس کر کے دیکھتا ہے، جھیل کر دیکھتا ہے —— اور تب کہتا ہے —— اس لیے کہ وہ سچا ہے —— وہ اوروں کی طرح سنی سُنائی باتیں نہیں کہتا —— وہ بہکتا نہیں، وہ بھٹکتا نہیں۔ وہ بھٹکتا بھی ہے تو یہ بھی اس کے لیے سچائی ہوتی ہے جسے دریافت کر کے وہ خوش ہوتا ہے اور لوگوں کو بھٹکنے کی قدر و قیمت سے آگاہ کرتا ہے۔ میرا شوہر صرف میرا ہی تو نہیں ہے۔ وہ تو سب کا ہے۔ میں اسے دوسروں سے کیوں چھین لوں۔ مجھے تو بیوی کی حیثیت سے پیار چاہئے۔ وہ مجھے اتنا ملتا ہے کہ جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میرا دل بھی جلتا ہے، میرے اندر بھی حسد کی آگ اٹھتی ہے، مجھے بھی غصہ آتا ہے اور

جی چاہتا ہے کہ میں الوک کو چھین لوں، یا الوک کو چھین کر سب کو احساس دلا دوں کہ الوک میرا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ جو کچھ میرا جی چاہتا ہے وہ کروں۔ میں عورت ہوں لیکن میں ایک بیٹی، ایک بہن، ایک ماں سب کچھ ہوں۔ اور میں بھی ایک انسان ہوں۔ انسان کی حیثیت سے اس دور کے جبر کو سمجھنا اور سُلجھانا میرا بھی کام ہے میں اپنے شوہر کو کیوں منع کروں گی، وہ تو کروڑوں کے لئے کام کر رہا ہے۔ میں تو محض ایک انسان ہوں۔ میری یہ خود غرضی بہت مہنگی ہوگی۔ میری پوزیشن تم سے مختلف ہے، ورنہ میں بھی وہی کرتی جو تم کرتی ہو۔

تم کو تعجب ہو رہا ہے کہ میں ایک عورت ہو کر ایسی باتیں کیسے کر رہی ہوں، یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ تم نے کبھی الوک کو تڑپتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، لیکن میں نے اس کی حالت دیکھی ہے۔ سچائی کا جو آتش کدہ اس کے اندر جلتا ہے، اس میں میرا حسد دھواں بن کر کھو جاتا ہے اور میں ایسی عورت بن کر رہ جاتی ہوں جس کے اندر حسد کا جذبہ ہی نہ ہو۔

میرے اندر پیار اُمڈ آتا ہے۔ صرف اس کے لئے نہیں، بلکہ ان سب کے لیے جن کے بارے میں وہ سوچتا ہے۔

تمہارے دکھ الگ ہیں، میرا دکھ الگ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں دکھی نہیں ہوں میں بھی بہت دکھی ہوں، لیکن اس وجہ سے نہیں جس وجہ سے تم سمجھتی ہو۔ میرے چہرے پر جو اداسی اور پریشانی تم لوگ دیکھتی ہو وہ اس قسم کی نہیں، لیکن دکھ اگر کسی چیز کے سننے اور پیدا ہونے کی وجہ سے ہے تو وہ دکھ ایسا ہوتا ہے جیسے کسی بچے کو پیٹ میں پالنے اور اس کو جنم دینے کا ہوتا ہے۔ آخر یہ بھی تو کسی انسان ہی کو سوچنا پڑے گا کہ پوری انسانی تہذیب بھی ایک ماں ہی ہے، جو نئے فکر اور خیال کو جنم دیتی ہے، نئے تجربوں اور ذہنوں کو جنم دیتی ہے، جو زندگی کے گوناگوں چہروں کو سنوارتی ہے۔ جو پوری تہذیب کی آبادکاری کرتی ہے۔ انسان کی نسل کو آگے بڑھنے کی قوت دیتی ہے؟ کون ان کو دودھ پلائے گا؟ کون ان کے اندر جان ڈالے گا؟ انسانیت کو پالنا اور انسانیت کے بیٹوں کی دیکھ ریکھ کرنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ الوک کے اندر جو نیا انسان پیدا ہوا ہے وہ نو عمر ہے، ضدی ہے، بے باک ہے، اس کے بال نرم ہیں، اور جسم نازک ہے۔ میں اس کی حفاظت میں آنکھیں کھلی رکھنا، اور اس کی حفاظت کرنا اپنا مادرانہ فرض سمجھتی ہو، اور اس لیے میں تم لوگوں کو اتنا بول گئی۔ مجھے لگا تھا کہ تم لوگ اس پر حملہ کر رہی ہو، اس لیے میں تمہارے اوپر بگڑ گئی۔ چھوڑ دیہ

باتیں، چائے پیوگی؟'

'نہیں'

'ٹھنڈا تو چلے گا'

'ہاں اتنی باتیں سنا کر ٹھنڈا تو پلانا ہی چاہیئے۔'

اچھا' رام لعل' فرج میں سے ٹھنڈا نکالو—— اور برف ڈال کر لے آؤ، وہ اٹھی اور پردے کو ٹھیک کرنے لگی جہاں سے دھوپ آ کر سنٹرل ٹیبل پر پڑ رہی تھی——اِدھر آؤ بیٹی—— اس کی نگاہ اس پر پڑی جو اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامے اتنی دیر سے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی، اس کے سرخ رخسار اور نازک سیاہ آنکھوں میں ایک شاداب چمک تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا، تو کیا سوچ رہی تھی بیٹھی، بور ہوگئی۔'

وہ بچی اس کا منہ دیکھتی رہی، یکا یک ساوتری کو احساس ہوا کہ وہ کچھ دیر پہلے غیر معتدل سی ہوگئی تھی۔ سامنے بیٹھی عورتوں کو جیسے شاک لگ گیا تھا۔ اس نے گہری نظر سے سب کو دیکھا۔ سب کا ذہن جیسے اٹکا اٹکا سا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کسی عام روزمرہ کے موضوع پر نہیں اتر پا رہی تھیں۔ وہ کبھی اِدھر اُدھر دیکھتیں اور کبھی ساوتری کو گھور گھور کر دیکھتیں، جیسے ان کا کچھ کھو گیا تھا یا ساوتری نے کچھ چھین لیا تھا۔ یا چُرا لیا تھا۔ تب مسز پریم ناتھ کو یاد آیا کہ یہ صورت حال اس لیے تھی کہ جب وہ ساوتری کے یہاں آئی تھیں اس سے پہلے وہ کافی دیر تک ساوتری اور الوک کے بارے میں باتیں کر کے آپس میں ہنستی رہی تھیں، اور تیز تیز چلتی ہوئی جھومتی ہوئی یہ سوچ کر آئی تھیں کہ یہاں ساوتری کو چھیڑ کر اس کے پریشان ہونے کا تماشہ دیکھیں گی۔ اور پھر واپس ہو کر اس پر تبصرہ کریں گی۔ لیکن یہاں اصل بات کہیں کھو گئی تھی۔ اور اب ایک عجیب سی خاموشی طاری ہوگئی تھی۔

ساوتری نے بھی ماحول کے اس تناؤ کو محسوس کیا، اور پھر اس نے خاموشی توڑی۔ اب دیکھو، تم لوگ الوک کے بارے میں اتنا سوچتی ہو کہ وہ وہاں کیوں جاتا ہے اور تم لوگ یہ نہیں سوچتی ہو کہ وہ پولس افسر جو تھانے میں اس لڑکی کو ٹھکراتے ہیں ے ان کو کچھ کہا جائے، لوگ ہم لوگوں کو بُرا کہتے ہیں کہ ہم پولس والے خراب ہیں، اور ہم برداشت کرتے ہیں، اور وہ تھانہ تو مسز ماتھر کے شوہر کے ماتحت ہی آتا ہے۔

مسز ماتھر چونک گئیں۔

یہ بات تو صحیح ہے۔ مسز ماتھر کو اپنے شوہر سے کہنا چاہئے۔ یہ واقعی غلط بات ہے، اور ساوتری نے دیکھا کہ اب گفتگو کا سارا رخ مسز ماتھر کی طرف مڑ گیا۔ وہ غور سے ان کی گفتگو سننے لگی۔

بیوقوفو، تم کو جو جدھر چاہے موڑ سکتا ہے۔

ساوتری کو غصہ سا آ گیا۔ ان عورتوں کو کوئی بتانے والا نہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ یہ یونہی ہوا کہ جھونکوں پر ڈولتی رہتی ہیں۔ وہ مسز ماتھر سے الجھی رہیں۔ وہ اپنے گود میں بچے کو سنبھالتے ہوئے جواب دیتی رہی۔ اور پریشان سی ہوتی رہی۔ یکا یک اس کے بچے کی پینٹی بھیگ گئی۔ وہ جھٹکے سے بچے کو لے کر اٹھی اور باتھ روم کی طرف چل دی۔

سبھی عورتیں بیوقوفوں کی طرح پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ میں چلوں، اب شام ہو رہی ہے۔ بچے اسکول سے آنے والے ہونگے، سب ایک ایک کر کے اٹھ گئیں آخر میں مسز ماتھر بھی باتھ روم سے واپس آ گئی۔

'اچھا مسز الوک چلتی ہوں، وہ بھرپور مسکراہٹ مسکرائی۔ پھر آؤں گی،

اوکے۔ میں بھی کل یا پرسوں آپ کے یہاں آؤں گی، بازار چلیں گے۔ سنا ہے آپ برتن بہت اچھے خریدتی ہیں۔'

'اچھا، گڈ بائی، وہ باہر نکل گئی۔

ساوتری نے دروازہ کے پٹ بند کئے، صوفے کی گدیاں ٹھیک کیں۔ ٹھنڈے کے خالی گلاس اٹھوائے۔ شام ہو رہی تھی، کچن انتظار کر رہا تھا۔ وہ اُدھر مڑ گئی۔

☆☆

۱۹

الوک آج اپنے ریڈنگ روم میں گم سم بیٹھا تھا۔ دنوں دن وہ عجیب طرح سے مشغول ہوتا چلا جا رہا تھا، جیسے وہ اپنے کو چاروں طرف سے سمیٹتا ہوا، اپنے اندر بہت دور—اور بہت وسعتوں تک محوِ مطالعہ ہو۔

'کتنے کام باقی پڑے ہیں، میں روز روز تم کو یاد دلا رہی ہوں اور تم کرتے نہیں، دنیا بھر کا کام کرتے رہتے ہو، ساوتری نے اس دن بھی یاد دلایا۔

اسے خود بھی حیرت ہوئی۔ یہ بات سچ تھی۔ چھوٹے چھوٹے گھریلو کام تھے جنہیں دو منٹ میں نپٹایا جا سکتا تھا، مثلاً اس کے ایک دوست کا خط بہت دنوں سے جواب لکھنے کے لئے پڑا تھا۔ دراصل اسے ایک رشتہ دار کا پتہ دریافت کرنا تھا جو دلی میں رہتا تھا۔ پتہ معلوم کیا جا چکا تھا لیکن کئی مہینوں تک الوک کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ وہ بیٹھ کر ایک پوسٹ کارڈ لکھ دے—ساوتری ایک چھ سو روپیہ کی ساڑی خرید لائی تھی جو پسند نہیں آئی تھی۔ اسے واپس کرنا تھا۔ دو ماہ گزر گئے لیکن دس منٹ میں جا کر واپس کرنے کا یہ کام وہ نہیں کر پایا تھا اور، اس کے اپنے جوتے ٹوٹ گئے تھے اور وہ ان کی مرمتی نہیں کرا پایا تھا حالانکہ اسے صرف اتنا کرنا تھا کہ اپنے آفس کے اردلی سے کہہ دینا تھا جس میں دو سکنڈ سے زیادہ نہیں لگتے! اس کے والد کے دانت میں درد رہنے لگا تھا اور انہیں علاج کے لئے بلانا تھا۔ اس سے پہلے اسے ڈاکٹر کی تلاش کر کے اس سے بات کرنی تھی، جو پچھلے تین مہینہ میں نہیں ہو سکی تھی۔ الوک کو خود حیرت تھی کہ وہ دن بھر گھر اور وقت کے استعمال کے بارے میں اس قدر مستعد رہتا تھا کہ ایک ایک منٹ کا حساب رکھتا تھا اور دوسروں کو بھی اس کی

ترغیب دیتا تھا کہ ایک ایک گھنٹہ ایک ایک منٹ بلکہ ایک ایک سکنڈ صرف وقت کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ انسان کی زندگی کا ٹکڑا ہے۔ خود زندگی کا حصّہ ہے، اور اس طرح زندگی ہی ہے۔ اور اسے ضائع کرنے کے بجائے وقت کے ہر ایک چھوٹے ٹکڑے کو بھی زندگی کے خوابوں اور مقاصد کی تعمیر میں صرف کرنا چاہئے تاکہ زندگی بلند سے بلند ترین مقام تک پہنچ کر ختم ہو۔ وہ کسی کام میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہونے دیتا تھا۔ اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ زندگی کے کارخانے پر مکمل قدرت رکھتا ہے کہ یہ کیسے چلتا ہے۔ اور کیسے چلایا جاتا ہے۔ زندگی مکمل طور پر ایک عمل ہے۔ اور یہ پوری کائنات کے روزمرہ کے عمل کا ایک حصّہ ہے۔ اور کائنات میں مختلف باتیں ہوتی رہتی ہے۔ مسلسل انداز میں۔ مثلاً سورج کے گرد زمین گھومتی رہتی ہے۔ زمین پر درخت اُگتے رہتے ہیں، موسم بدلتے رہتے ہیں، انسان پیدا ہوتے اور بڑھتے بوڑھے ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔ وہ دولت کماتے ہیں۔ مکان بناتے ہیں۔ مقبرہ بناتے ہیں۔ یا کتابیں لکھتے ہیں اپنی تاریخ بناتے ہیں۔ تاریخ میں مقام پیدا کرتے ہیں، اور مر جاتے ہیں— اور یہ سب عمل ہے، حرکت ہے۔ اور جو انسان اس عمل کو سمجھ لے اور اس میں لگ جائے۔ پلاننگ کرنے پلان کو کام میں بانٹے، اور وقت ضائع کئے بغیر اس کام کو مسلسل کرتا جائے وہ اس زندگی میں کچھ حاصل کرتا ہے۔ باقی لوگ بے حاصل رہتے ہیں، یہی زندگی کا راز ہے۔ اور اس نے یہ راز پکڑ لیا تھا اور وہ بہت کامیاب تھا، اس ادراک کے بعد اس کی اپنی جانکاری، اپنا علم اور تجربہ اپنے محکمہ کے بارے میں بڑھنے لگا تھا اور اس کی شہرت بھی ایک پختہ ذہن اور باصلاحیت افسر کی حیثیت سے ہونے لگی تھی۔ اور اس کے ہاتھوں میں گویا وہ جادو کی چھڑی آ گئی تھی کہ جس کام میں اپنی توجہ، اپنا دماغ اور اپنا قلم لگا دیتا تھا، اس میں وہ حیرت انگیز طور پر اور یقینی طور پر کامیاب ہو جاتا تھا۔ وہ ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتا تھا، مشکل سے مشکل کام اس کے سامنے آئے، اس نے ان پر غور کیا۔ ان کے بارے میں کون سی تفصیلات وہ نہیں جانتا اس کی وہ ایک لسٹ تیار کرتا، پھر وہ کام کون کرے گا اور کب تک کرے گا یہ طے کرتا اور اس میں کیا پروگریس ہوا؟ یہ دیکھتا، اور اگر کوئی رکاوٹ آئی تو اس کی وجہ کیا تھی، اور اس وجہ کو کیسے ختم کیا جائے، اس کے لیے اگر کسی جانکاری کی ضرورت ہوتی تو اس کو حاصل کرتا، یا اپنے ماتحتوں کو اس کا حکم دیتا، اور نظر رکھتا کہ وہ جانکاری مناسب وقت میں حاصل کی جائے— اور پھر وہ آگے فیصلہ کرتا، اور اس طرح ایک سے ایک مشکل کام موم کی طرح پگھلتا چلا جاتا۔ وہ کام کرنے اور

مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک مخصوص آلہ اپنے ذہن میں پیدا کر چکا تھا، اور اس آلہ میں اتنی مہارت آ گئی تھی کہ اُسے لگتا تھا کہ وہ اپنے اس کام کرنے کے سسٹم سے زندگی کے جس پہلو میں ہاتھ لگائے گا، وہ جو کچھ چاہے گا ہوتا چلا جائے گا۔ بلکہ رفتہ رفتہ اس کی یہ دماغی صلاحیت بڑھتے بڑھتے کچھ ایسی کیفیت اختیار کرنے لگی تھی کہ اُسے حیرت ہونے لگی تھی، جیسے اس کی اپنے حالات کی فضا میں ہر وہ چیز جس کی اس کو ضرورت تھی۔ وہ خود بخود اس کے خیال میں اُڑتے ہوئے پرندے کی طرح آ جاتی اور وہیں چکر مارنے لگتی اس وقت تک جب تک وہ اسے اپنے ہاتھوں مس پکڑ نہیں لیتا تھا۔ چیزیں خود بخود اس کی مدد کرنے لگی تھیں کافی جدوجہد کے بعد ذہن کے افق پر جو حل نمایاں ہوتے تھے، اور ان کو وہ بہت چابکدستی سے پکڑتا تھا تو وہ باتیں پکڑ میں آتی تھیں اب وہ باتیں خود سے آنے لگی تھیں۔

بلکہ ایک عجیب سی جادوئی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی، کہ لوگ، اور مواقع اور جانکاریاں سب اس کے ارد گرد جمع ہونے لگی تھیں۔ اس نے کئی بار سوچنے کی کوشش بھی کی کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں پایا تھا، یہ سب کچھ اس کی اپنی سمجھ سے بعید، لیکن خالص ٹھوس تجربات دکھائی دیتی تھی— اور ایک دن وہ سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کی اندر والی شخصیت کی حیثیت سے بڑھایا تھا، وہ اب بڑھتے بڑھتے اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس کی وسعتوں کو خود اس کی اپنی فہم و ادراک کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں، اور جن میں اتنی ہمہ گیریت پیدا ہو گئی تھی، اور جو اتنی سمتوں میں پھیل گئی تھیں کہ وہ اپنی حرکتوں سے خود اسے ہی حیرت میں ڈال دیتی تھیں۔

اور پھر اس نے ایک دن محسوس کیا تھا کہ وقت کے ٹکڑوں کے استعمال کو جو اہمیت وہ پہلے دے رہا تھا، وہ اہمیت آہستہ آہستہ ختم سی ہو رہی تھی، اور اس ٹھوس سوچ کی جگہ ایک سیال قوت لیتی جا رہی تھی، جو اپنے 'سیال پن' پر اس قدر پُر اعتماد تھی کہ گویا ٹھوس پن اس میں گھل کر اس کا ایک عضو بن گئی تھی، اور تب سے اس کی زندگی کی وہ ساری ہمہ گیریت جو اس کی آنکھوں کو دکھائی دے رہی تھی اور وہ سارا اعتماد کہ وہ پوری کائنات کو ایک پلان کے تحت پکڑ لے گا وہ بھی نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ اور وہ کائنات بھی گم ہو گئی تھی جسے جیتنے کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا، اور ایک نئی کائنات زیادہ بڑی، زیادہ اُلجھی ہوئی، تہہ در تہہ اُبھرتی چلی گئی تھی، اور اسے لگا کہ اب اس کی وہ آنکھیں بیکار ہو گئی تھیں جن سے وہ اب تک دیکھ رہا تھا، اور اب تو اُس تہہ در تہہ کائنات سے وہ اپنی

اس اندرو والی شخصیت کے ہاتھ پاؤں سے اُلجھ رہا تھا، جسے وہ پوری طرح جانتا بھی نہیں بلکہ حاوی ہونے اور رہنے کا وہ احساس اب بھی رواں دواں تھا— لیکن اب اس حاوی ہونے کے احساس میں بھی کبھی کبھی کسی کمی، کبھی کبھی کسی دراڑ اور کبھی کبھی کسی پیاس کا عجیب ادراک ہوتا اور اس کی روح پر طاری ہو جاتا۔ تب وہ محسوس کرتا کہ اس کی روح کے اندرونی سفر میں بھی کوئی اڑچن سامنے آ گئی ہے۔ اور وہ دیکھ نہیں پاتا لیکن محسوس کرتا کہ وہ اپنے اندر اس سے اُلجھا ہوا، اس اڑچن کے خدوخال کو دیکھنے میں لگا ہوا ہے، بے چین ہے اور پھر یکایک ایک خوشگوار سی کیفیت اندر سے ابھرتی۔ اور لگتا کہ وہ اڑچن ہٹ گئی ہے۔ یا اس کے ہٹنے کے امکانات دکھائی دے گئے ہیں، اور زندگی ایک قدم اور آگے بڑھنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

وہ اسی منظر میں گامزن تھا کہ نیرا کہیں اس سے آ ملی تھی، اور یہ سب کچھ ہو گیا تھا۔ اور وہ اسے لے کر اس کے اندر، بہت دور تک چل گئی تھی، اور پھر کہیں کھو گئی تھی یا پھنس گئی تھی، ایسی جگہ جہاں اس کی اپنی نظر بھی نہیں پہنچتی تھی— تو وہ اپنے باہر سے اندر تک کے اس منظر کو، کہ جو منظر باہر کے دھندلکوں میں بھی جا کر کھو جاتا تھا اور اندر کے دھندلکوں میں بھی ڈوبتے ڈوبتے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا، اسے دیکھنے اور سمجھنے میں لگ گیا تھا، اور اس کو دیکھنے میں اتنی شدت سے جڑا ہوا تھا کہ اس کی حالت اسی مچھیرے کی سی ہو گئی تھی، جو اپنی ڈوری پر مسلسل باریک سے باریک، مدھم سے مدھم دباؤ اور حرکت کو، جو کبھی بھی آ جا سکتی تھی، پکڑنے کے لیے اس قدر یکسوئی سے لگ کر بیٹھا تھا— کہ وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی، صرف دیکھنے اور مسلسل غور کرتے رہنے کے عمل میں مسلسل لگا ہوا تھا، اس جاذبیت کے ساتھ کہ ایک لمحہ بھی نظر اٹھانے کی مہلت نہ تھی۔

اور اس کیفیت میں جب اس کو لوگ دیکھتے تھے، جب ساوتری دیکھتی تھی، تو یہی سمجھتی تھی، کہ وہ خیالوں میں گم رہتا ہے— اور بے حس ہو گیا ہے، لاپرواہ ہو گیا ہے، اس قدر لاپرواہ کہ وہ کام جو ایک سکنڈ کی توجہ سے ہو سکتا ہے وہ بھی وہ نہیں کرتا، اور وہ اُسے ٹوکتے رہتے، ساوتری جھنجھلاتی رہتی، کبھی کبھی لڑ جاتی، لیکن وہ اس لڑائی پر بھی توجہ نہیں دے پاتا۔ اور ایسی صورت میں اور بھی بے حس دکھائی دیتا تھا۔ وہ ذرا بھی نہیں ہلتا تھا۔ وہ سب کچھ کرتا رہتا تھا، گھر کا کام آفس کا کام، مقدمات، میٹنگ، وہ ہر لمحہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ وہ بہت مشغول انسان تھا۔ ایک مشغول افسر— جس کو ہر لمحہ مقدمات اور ماتحتوں کی سروس سے متعلق امر میں ایسے فیصلے کرنے پڑتے تھے

کہ اس میں لوگوں کی زندگیاں، اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ اُلجھی ہوئی تھیں، اور کئی کنبوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا تھا— کسی ملزم کا جرم ثابت ہوتا ہے یا نہیں، کوئی مقدمہ قتل کا ہے یا خودکشی کا— یا کوئی ملازم چھٹی پر جانا چاہتا ہے اور اس کو اپنی ماں سے ملنا ہے کہ وہ مرنے کے قریب ہے اور شہر میں ہنگامے ہیں چھٹی دینا مشکل ہے— وہ ان فیصلوں سے گزرتا رہتا، اور صحیح فیصلے کرتا رہتا— لیکن اس کے اندر کوئی آنکھ، جو آنکھوں کی شکل کی بھی نہیں تھی بلکہ مچھیرے کے کانٹے اور ڈوری کی شکل کی تھی، وہ کسی اور دنیا میں پڑی ہوئی ہر نازک آہٹ کو پکڑتی رہی تھی۔

ساوتری کو اس سے مسلسل شکایت رہنے لگی تھی کہ وہ اس سے اتنی توجہ سے، اور اتنا کھل کر بات نہیں کرتا جتنا پہلے کرتا تھا، اس نے خود بھی غور کیا کہ اس نے اپنے گھر میں یہ کیسا تناؤ پیدا کر رکھا ہے— اس نے سوچا تو اندازہ ہوا کہ وہ نیرا کے مقدمہ کے بارے میں اکثر سوچتا ہے— لیکن اس مقدمہ میں اس قدر سوچنے والی کیا بات تھی؟ اور پھر اتنی گہری دلچسپی کیوں۔ ایک دن تو خود نیرا نے اس سے کہا تھا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ میرے مسئلہ میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں جتنا خود میں بھی نہیں لیتی۔

نیرا— اس وقت تو میری ساری تخلیقی صلاحیتوں کی آبرو داؤ پر ہے— تمہارا مقدمہ میرے یقین اور اعتماد کی راہ میں ایک بھاری پتھر بن کر اَڑ گیا ہے—— اور میں اسے اپنے دل کے نازک ریشوں میں باندھ کر آہستہ آہستہ کھسکا رہا ہوں

'کیا' وہ چونک گئی تھی۔

'ہاں' میں جو کچھ جھیل رہا ہوں، تم اسے نہیں محسوس کر رہی ہو۔ اسی لیے چونک رہی ہو۔ لیکن میں جس جدّوجہد میں لگا ہوں اس سے پیدا ہوتی ہلچل کی لہریں میرے چہرے اور میری آنکھوں پر ابھرتی ہیں— اٹھتی ہوئی شکل میں نہیں۔ بھاگتی ہوئی لہریں نہیں— مدھم لہریں، صرف لہریں، جن کا کوئی رنگ نہیں، جن کی شکل نہیں— جو صرف اٹھتی ہیں— لیکن دکھائی نہیں دیتیں— میں نے خود آئینے میں ان کو دیکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ وہاں دکھائی نہیں دیتیں۔

میں تو بالکل نارمل دکھائی دیتا ہوں۔

حالانکہ ہوں نہیں۔

نیرا درد بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

'اچھا' تم کل ملنا، لیکن جیسے نیرا کو یہ بات بے محل لگی۔

اور وہ بیٹھی رہی۔

اور مسلسل الوک کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

'آپ مجھے پوری طرح بتایئے۔'

الوک کو ایسا لگا جیسے کوئی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہو۔

اس کی آنکھوں میں جیسے آنسو چھلک آئے اور وہ بھیگی ہوئی نم آواز میں سب کچھ جو اس کے ذہن سے گزر رہا تھا، وہ دوبارہ بیان کرتا چلا گیا۔

جب نیرا وہاں سے اٹھی، تو بالکل مطمئن تھی۔

وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوا، سب کچھ کہتا رہا۔

لیکن آخری جملہ کو کہ 'میں تو بالکل نارمل دکھائی دیتا ہوں، حالانکہ ہوں نہیں، اس اعتماد سے صاف لہجہ میں کہا جس سے یہ یقین جھلک رہا تھا، کہ اس کی پوری بات نیرا کے اندر اتر گئی۔

اس نے دیکھا— نیرا کی آنکھوں کا رنگ گہرا ہو گیا تھا۔

وہ جانے سے پہلے اس کو دیکھ کر مسکرائی۔ جیسے تناؤ کی آخری گرد کو بھی دھو دینا چاہتی ہو۔ 'اچھا' اس کے چہرے پر شگفتگی کی ایک لہری جھلکی۔

رفتہ رفتہ الوک کا نیرا سے رشتہ کچھ اس طرح گھنا ہوتا چلا گیا کہ بیچ در بیچ شاخیں نکلتی چلی گئی تھیں اور ایک دوسرے میں اُلجھتی ہوئی اس کے ہر گوشے میں گھس گئی تھیں۔ اور ان شاخوں میں بے شمار ان دیکھی باتیں نمایاں ہو چکی تھیں۔ نیرا کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے زندگی ایک سے دو اور پھر کئی روپ میں بٹتی چلی گئی تھی۔ اور اب وہ کبھی کبھی زندگی کے اس تحیر انگیز منظر میں کھو جاتا تھا۔ زندگی اتنی گھنی تھی اس کا انکشاف اسے پہلی بار ہوا تھا۔ آج خود بھی نیرا نے اسے فون کیا تھا۔ نہ جانے کیوں۔ ویسے وہ یوں بھی اپنے مقدمہ سے متعلق اپنی پریشانیوں کا ذکر کم ہی کرتی تھی، لیکن آج بار بار اس کی زبان سے وہی بات پھسل رہی تھی۔

گھر پر کوئی نہیں ہے کہ میں بھیجوں۔ میں نے بار بار وکیل کو فون ملایا لیکن ان کا فون خراب لگتا ہے، آج ایک تاریخ ہے، اور میرا جانا یا کم از کم خبر کرنا ضروری ہے۔ ورنہ وہاں سے وارنٹ جاری ہو جائے گا۔ کورٹ کی فضا میرے لئے ویسے ہی خراب ہو چکی ہے۔

'اگر تم نہیں جا سکتی تو پردیپ سے کہہ دو کہ وہ آفس جاتے ہوئے وکیل سے مل لے گا، اور ہو سکے تو پھر مجھے فون کر کے بتا دے کہ انہوں نے کیا کہا۔ اپنی درخواست گھر پر چھوڑ دو، پردیپ لیتا جائے گا'

'لیکن پردیپ آج آفس نہیں جا رہا ہے، آج صبح میں نے چھ بجے ہی جلدی جا کر پبلک فون سے اسے فون کیا تھا، اس کے گھر—— وہ سب لوگ ہسپتال گئے ہیں۔ آنٹی بھی بہت پریشان اور نا اُمید سی تھیں۔ انکل کا دوسرا ہارٹ اٹیک ہے، اور یہ اٹیک بہت ہی سیریس ہے، میں خود تذبذب میں رہ گئی، مجھے امتحان کا فارم بھرنے کالج جانا ہے، یہ آخری دن ہے، ادھر انکل کی یہ حالت ہے اور مجھے ان کو دیکھنے بھی جانا ہے، ادھر کورٹ میں تاریخ ہے، سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، اکیلی کہاں کہاں جاؤں۔ اس کی آواز میں جھلاہٹ سی تھی۔

'کوئی بات نہیں، اگر تم اکیلی ہو تو اپنے کو کئی ایک تو نہیں بنا سکتیں اور اگر یہ سب باتیں ایک ساتھ ہو رہی ہیں تو تم ان کو روک بھی نہیں سکتیں۔ جو ہو رہا ہے، ہونے دو، تم جو کچھ کر سکتی ہو، وہ کرو، اطمینان سے، اور منظم طریقہ سے—— ضرورت سے زیادہ اپنے کو پریشان کرو گی تو اس کا ریزلٹ تو کچھ نہیں آئے گا لیکن تم ٹوٹ ضرور جاؤ گی۔ اپنے کو مضبوط اور قائم رکھو، ایسے حالات میں ہی انسان کی پہچان ہوتی ہے——، الوک کی یہ باتیں نیرا کو بہت اچھی لگ رہی تھیں، جیسے وہ اس کے دل کی بات کہہ رہا ہو، نہ جانے کیوں وہ اس کی زبان سے بار بار یہ باتیں سننا چاہتی تھی۔

وہ ہوں، ہوں کرتی رہی، کچھ اس طرح جیسے الوک کو یہ باتیں بار بار مختلف الفاظ اور انداز میں کہنے کے لئے چھیڑ رہی ہو، اور نہیں چاہتی ہو کہ یہ گفتگو ختم ہو، یا گفتگو میں کوئی اور موضوع آئے— الوک اس سے کتنا قریب ہے،

اس کے اندر یہ یاد بیدار ہوئی کہ وہ بھی کسی دن یہی سب کچھ سوچ رہی تھی، لیکن اس نے اس خیال کو جھٹک دیا تھا، جیسے یہ خیال خشک اور بے رنگ تھا،— الوک سے سنتے ہوئے یہ باتیں کتنی میٹھی اور رنگین بن گئی تھیں، شہد کی طرح اس کی روح میں اترتی جا رہی تھیں—— جیسے اس نے پہلے جو کچھ سوچا تھا، اپنے مسائل، اپنے تناؤ، اور اپنے حالات کا گہرا تجربہ کر کے، وہ جس نتیجہ پر پہنچی تھی، اور اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے حالات کے دباؤ اور پکڑ سے جو آزادی حاصل کی تھی، وہ سب اپنے خاطر خواہ نتائج کے باوجود فلسفہ تھا، خشک، بے رنگ— تب تو اس نے الوک

کو بھی کس قدر تجزیاتی نظروں سے دیکھا تھا۔ اور ان تمام لوگوں کو بھی کتنی خشک نگاہوں سے دیکھا تھا جنہوں نے اس کے ساتھ دوستی کی رسم نہیں نبھائی تھی، اور تب وہ تھانے کو اور عدالت کو اور پڑوسیوں کو — اور اپنی ماں کو، مکان کو، اور حوصلے اور اعتماد کے اصولوں کو، اور اپنے اندر ابھرنے والے اور طوفانی شدت سے اس کو ہلانے والے جذبات کو اس نے کتنی خشک نگاہوں سے دیکھا تھا۔

لیکن اب یہ ساری چیزیں اپنا رنگ کیوں بدل رہی ہیں۔ ان کی تمام کرختگی اور ناگوار خصوصیات اور رویوں کے باوجود — ان میں ایک دلچسپی اور انکے تئیں دل میں ایک مٹھاس کیوں پیدا ہو رہی ہے، کیوں سب سے قریب ہونے کو جی چاہ رہا ہے، کیوں ان سے کھیلنے کو جی چاہ رہا ہے، کیوں اس لمحے بھی، جب ایک طرف مجھے عدالت میں جانا ہے اور دوسری طرف امتحان کا فارم بھرنا ہے، اور میں اپنے کو ایک سے کئی نہیں بنا سکتی، تو بھی، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ مجھے کچھ مل رہا ہے، جیسے یہ سب کچھ ٹھیک ہے، اچھا ہے، ایک طرف عدالت میں تاریخ ہونا اور دوسری طرف فارم بھرنے کا آخری دن ہونا، اور پردیپ کے والد کا ہارٹ اٹیک ہونا، اور میرے اس حالت میں کھنچا ہونا، اور پھر میرا الوک سے بات کرنا، — اور جیسے یہ سب بھی ٹھیک ہے، دوستوں کا خشک طبع و بے مروت ہونا، اور تھانے کا بے حس و ظالم ہونا، اور کمار کا لالچی ہونا، اور ماں کا شملا میں ہونا، یہ سب کچھ مجھے اچھا کیوں لگ رہا ہے، مجھے اس کھنچاؤ میں ایک لذت کا احساس کیوں ہو رہا ہے؟ یہ کس چیز کی لذت ہے؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کوئی مجھے مٹا رہا ہے، روند رہا ہے، یا مجھے آباد کر رہا ہے، یہ مجھے کیا مل رہا ہے، یہ کون سی لذت ہے؟ میں اپنے کو ایک سے کئی نہیں بنا سکتی، کیوں؟ یہ الوک کیا کہہ رہا ہے؟ میں ایک کو کئی نہیں بنا سکتی ہوں، بلکہ میں کئی کو ایک بنا سکتی ہوں، یہ کئی ہونے کا درد، جو آہستہ آہستہ میرے اندر ابھرا تھا، وہ اب کئی کے ایک ہو جانے پر آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے، — اب تو صرف میں ہوں۔ اور یہ تمام چیزیں میرا حصہ بن رہی ہیں، یہ سب کچھ میرے اندر ہو رہا ہے، اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ در اصل میں ہو رہی ہوں، میں کتنی بڑی ہو گئی ہوں — الوک کو کیا پتہ میں کتنی بڑی ہو گئی ہوں۔ الوک کو کیا پتہ میں نے اسے کیوں فون کیا ہے؟ اس سے کیوں بات کر رہی ہوں! — الوک کو کیا پتہ کہ میری جھلاہٹ، جھلاہٹ نہیں ہے، یہ تو میری سانس کھلنے کی چیخ ہے۔'

الوک اب بھی اُسے فون پر کہہ رہا تھا 'جو ہو رہا ہے، ہونے دو۔'

'کیا ہو رہا ہے؟' نیرا نے سوچا۔

'جو کچھ کر سکتی ہو، کرو،' الوک مختلف الفاظ میں یہی بات دہرا رہا تھا۔

'کیا کر سکتی ہوں؟'

الوک نے محسوس کیا کہ نیرا دوسری طرف فون پہ کچھ خاموش، گم سم سی ہو رہی ہے، اور اس کی ہوں، ہاں، بھی مدھم پڑ گئی ہے۔ جیسے کئی لمحوں کے لیے وہ چپ ہو جاتی ہو۔ اور ہوں، ہاں، کرنا بھی بھول جاتی ہو۔ یا بغیر سوچے سمجھے وہ 'ہاں' کہہ جاتی ہو۔

'وہ کیا سوچ رہی ہے؟'

پھر اس نے سوچا، نیرا یہ کیوں نہیں کہتی کہ میں تھوڑا سا وقت نکال کر کورٹ چلا جاؤں یا میں کسی آدمی کو کورٹ میں بھیج دوں، میرے پاس تو سینکڑوں لوگ ہیں، کیا نیرا یہ سمجھتی ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا تو میں خود آفر دیتا؟ کیا نیرا یہ سمجھتی ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے؟ نہیں۔ نیرا اتنی نا سمجھ نہیں ہے، وہ سمجھتی ہے کہ یہ سب ممکن ہے۔ لیکن پھر بھی کہتی نہیں اس لیے کہ وہ میرے لیے، میرے اوپر ایک بوجھ بن کر میرے دل میں اکتاہٹ پیدا کرنا نہیں چاہتی کیوں؟ اس لیے کہ میری دوستی اس کے لیے بہت اہم ہے اور اس لیے وہ ہر بات میں احتیاط برت رہی ہے کہ مجھے اس کی کوئی بات ناگوار نہ لگے، — یا کیا وہ یہ سوچتی ہے کہ مجھ سے اس کی دوستی کی کوئی خاص بنیاد نہیں، وہ اندر اندر خائف رہتی ہے؟ شاید وہ مجھ سے ایک ایک جملہ بولتے ہوئے مجھے کبھی بھی فون کرتے ہوئے۔ مجھ سے کوئی بھی مدد مانگتے ہوئے وہ اندر اندر ڈرتی رہتی ہے کہ کہیں کسی بات سے مجھے چڑ نہ ہو جائے، اکتاہٹ نہ ہو جائے، وہ ڈرتی رہتی ہے؟ — ہاں اس کا جی چاہتا ہوگا، کبھی کبھی بہت مجبور ہو کر، کہ وہ جب بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اتنی پریشان ہوتی ہے تو مجھ سے مدد لے — اس کا جی چاہتا ہوگا لیکن وہ اس خواہش کو دبا دیتی ہوگی تو کیا وہ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی ہے، ویسا بھروسہ نہیں کرتی جیسا میں سمجھتا ہوں، کیا میں ایسا کچھ کر سکتا ہوں کہ اس کے دل کا یہ خوف مٹ جائے، کتنا کرب دیتا ہوگا یہ خوف اس کو؟ کتنا بے سہارا محسوس کرتی ہوگی وہ اپنے کو اس خوف کے اندر — اور کس سے خوف؟ — مجھ سے! مجھ سے کہ میں ناراض نہ ہو جاؤں، — الوک تم چاہے خود کو جتنا بھی مضبوط سمجھو، تم اپنے کو چاہے جتنا بلند سمجھو، تم اپنے کو چاہے جتنا بڑا ویر سمجھو، لیکن حقیقت میں جو کچھ سامنے ہے وہ یہی ہے، یہی کہ تم سے وہ لڑکی ڈری ہے جس کو تم سہارا دے رہے ہو، جس

کے لیے تم کئی طاقتوں سے ٹکرا رہے ہو، جس کے لیے تم کئی خطرے مول لے لیتے ہو، جس کے لیے تم اتنی بڑی قربانیاں دے دیتے ہو کہ اچھے سے اچھے تفریحی پروگراموں کو چھوڑ کر اور بڑے سے بڑے لوگوں سے ملاقاتوں کو ملتوی کر کے تم اس کے کام سے چلے جاتے ہو، پوری پوری شام، پورا پورا دن گنوا دیتے ہو، جس کے لیے تم کو اپنی جیپ سے اتر کر بس میں جاتے ہوئے، بس اسٹینڈ پر کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرتے ہوئے اس بات پر شرم نہیں آتی کہ تم کو لوگ کیا کہیں گے؟ کتنی بار تم اپنے گھر سے بازار یا ہسپتال یا بنک اس لیے نہیں جاتے ہو کہ تمہارے پڑوسی اور دوسرے لوگ جب تم کو تھری ویلر میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ سوچیں گے کہ ڈیپارٹمنٹ میں تمہاری وقعت کم ہو گئی ہے، لوگوں کی نظروں میں تمہارا وزن، تمہاری اہمیت کم ہو جائے گی۔ جب تم کسی سے کوئی سفارش کرو گے، فون کرو گے، تو لوگ تمہاری بات پر لاپرواہی دکھائیں گے کہ تم سے نہ فائدہ کی اُمید کی جا سکتی ہے نہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو گا کہ تم کم پاورفل ہو گئے ہو —— کئی بار اس بُرے اثر سے بچنے کے لیے گاڑی نہ ہونے کی صورت میں تم نے پرائیوٹ گاڑیاں دوستوں سے منگائیں یا اپنے کسی افسر دوست سے گاڑی بھیجنے کی گذارش کی اور گھنٹوں کپڑے بدل کر انتظار میں خود بیٹھے رہے اور بیوی کو بٹھائے رکھا اور اس کو ان باتوں کا اونچ نیچ سمجھاتے رہے، اور وہ اگر تمہاری باتوں سے اتفاق نہیں کرتی تھی تو تم اس سے ناراض ہوتے رہے۔ کتنی بار تم تھری ویلر کے بجائے دوگنا کرایہ دے کر ٹیکسی سے گئے کہ کم از کم اس سے تو تمہارا لوگوں میں وقار بنا رہے گا۔ لیکن نیرا کے لیے تم اپنی گاڑی چھوڑ دیتے ہو اور پھر بس اسٹینڈ پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہو —— اور صرف یہ سوچتے سوچتے تمہارا گھنٹوں کا وقت نکل جاتا ہے کہ اگر کسی مسافر نے بس میں جاتے ہوئے یا کسی تیز رفتار گاڑی میں جاتے ہوئے، بس اسٹینڈ پر تم کو کھڑے دیکھ بھی لیا اور بعد میں کہیں تم سے کہا کہ تم کو فلاں بس اسٹینڈ پر دیکھا تھا تو تم آسانی سے یہ کہہ کر ٹال دو گے کہ اس کو دھوکا ہوا تھا۔ وہ تم نہیں تھے۔ تمہارے ڈیل ڈول کا ہم شکل کوئی اور رہا ہو گا۔ اور اس بات پر تم نے کتنی بار غور کیا تھا۔ کتنے لوگوں کے چہرے ملائے تھے، اور ہم شکل ہونے اور نہ ہونے کے امکانات پر کتنا غور کیا تھا، لوگوں کے چہرے کے ایک ایک خدوخال پر، آنکھوں پر، بھنوؤں پر، پلکوں پر، دیکھنے کے انداز پر، چھوٹی بڑی باتوں سے متاثر ہو کر نظر گھمانے اور نہ گھمانے کے انداز پر، کہ کوئی افسر کسی چھوٹی بات میں کتنی دلچسپی لیتا ہے، اور کوئی عام آدمی کتنی دلچسپی لیتا ہے، اور کوئی پولس افسر کتنی دلچسپی لیتا ہے، تا

کہ تم ان جزیات کی بنا پر بھی اپنی اصل شخصیت سے مختلف ہو جاؤ، اور کیسے جب بس اسٹینڈ کے پاس ایک اسکوٹر کا ایک آدمی سے ٹکر ہو گیا تھا اور سارے مسافر جو بس اسٹینڈ پر کھڑے تھے، اُدھر بڑھ گئے تھے تو صرف تم رہ گئے تھے۔ تو تم کو خیال آیا تھا کہ کہیں تمہاری یہ انفرادیت تمہیں بے نقاب نہ کر دے۔ اور بس میں جاتا ہوا کوئی آدمی، تمہیں جاننے والا تمہارے اس انداز کی وجہ سے ہی متوجہ نہ ہو جائے۔ اور پھر غور کرنے پر پہچان لے —— اور صورت صاف نہ دیکھ پانے پر بھی میرا اس طرح الگ تھلگ رہ جانا، اور ریزرو انداز میں کھڑا رہنا اس سے میری پہچان کی تصدیق نہ کر دے، اور تم بھی دوسروں کی طرف بھاگ کر اور جھک کر اور واقعہ کو کافی اہمیت دینے کا پوز کرتے ہوئے لوگوں میں مل گئے تھے، لیکن تم کو لگ رہا تھا کہ اگر تم اس جھگڑے کو نپٹانے میں کچھ بولو گے تو اپنی آواز سے ہی پہچانے جاؤ گے، اور تم جیسے اپنے آپ میں پھنس گئے تھے، —— اور کیسے تم نے ایک بار تو پورا حساب لگایا کہ اگر پوری دلی میں نوے لاکھ لوگ رہتے ہیں تو اس میں آدھی آبادی عورتوں کی ہوگی، رہی آدھی یعنی پینتالیس لاکھ —— اس میں چالیس برس سے زیادہ اور بیس برس سے کم عمر کے لوگ تقریباً تیس لاکھ ہوں گے، —— بچے پندرہ لاکھ —— اس میں کافی لوگ مزدور طبقے کے ہوں گے، —— بچے تقریباً آٹھ لاکھ —— اس میں کتنے تم سے پتلے ہوں گے اور کتنے تم سے موٹے، کتنوں کے بال قدرے لمبے ہوں گے، کتنے گورے، ہوں گے کتنے ناٹے اور پھر —— تعداد کافی کم ہو جاتی ہے، اور اتنے تھوڑے سے لوگوں میں ہم شکل ملنا —— لیکن ذرا بھی میں نے انکار کر دیا تو کون پھر اپنے دعوی پر قائم رہ سکتا ہے —— آخر لوگوں کی شکلیں لوگوں سے ملتی ہیں۔

جب سے اس نے اس طرح بسوں پر جانا —— اور بس اسٹینڈ پر کھڑے ہونا شروع کیا ہے، اس موازنہ کی کوشش میں کم از کم چار پانچ بار تو ایسے لوگ دکھائی دے چکے ہیں جو کسی جاننے والے سے کافی قریب تھے، اور جن کے بارے میں آسانی سے اس دلیل کے ساتھ کہ وہ دیکھنے والا بس یا گاڑی میں تیزی سے جا رہا تھا، ٹھیک سے نہ پہچان پایا ہو گا، یہ کہا ہی جا سکتا ہے کہ وہ کوئی اور ہو گا —— لیکن صرف کہا ہی تو جا سکتا ہے۔ زبردستی ہی تو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ آخر وہ لوگ جو کسی جاننے والے کے ہمشکل تھے۔ ان کی بھی تو پہچان ہو ہی جاتی تھی کہ وہ ہمشکل تھے، یہ تو دھوکہ نہیں ہوا تھا کہ وہی تھے۔ اور اگر ہوا بھی تھا تو صرف لمحاتی ہی تو ہوا تھا۔ تو اس طرح وہ جس کو جھٹلائے گا وہ اس کو پوری طرح جھٹلا تو نہیں سکتا، وہ ثابت تو نہیں کر سکتا، کہ یہ وہ نہیں تھا، اور ان کے دل سے اس

بات کو مٹا نہیں سکتا، اور لوگ سمجھ ہی جائیں گے کہ وہ جھٹلا رہا ہے، کیوں کہ ایک سچی بات کو جھٹلانے کے انداز اور ایک جھوٹی بات سے انکار کرنے کے انداز میں بھی اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا چہروں میں فرق ہوتا ہے، انداز بیان اور ردِ عمل کا بھی اپنا چہرہ ہوتا ہے۔ بلکہ آدمی کی چال ڈھال کا بھی اپنا چہرہ ہوتا ہے ——اور یہی باتیں سوچ کر وہ کافی احتیاط بھی کرتا تھا۔ جب بھی کوئی بس سامنے آتی تھی، پہلے وہ نمبر پڑھ لیتا تھا، اور اگر اس کی بس نہیں ہوتی تھی تو پھر کسی نہ کسی طرح وہ چہرے کو اس طرح اِدھر اُدھر گھما لیتا تھا کہ شناخت مشکوک ہو جائے اور بعد میں پہچان لینے والے کو چیلنج کرنے میں آسانی ہو سکے ——اور اگر کسی نے بس کے اندر دیکھ لیا تو وہ کیا کرے گا؟ ہاں—— گاڑی خراب ہو گئی، ٹھیک ہونے میں کافی وقت لگتا، قریب ہی بس اسٹینڈ تھا جہاں میرے ڈرائیور نے پتہ کر کے بس کا انتظار کیا۔ ——اور بس آ گئی تو میں بیٹھ ہی لیا کہ وہاں کون بور ہو گا'' وہ ایسے جواب دے گا، یا پھر وہ معاملے کو ایک بہت ہی اہم رنگ دے گا۔ حال ہی میں تو ہوا تھا کہ بس کے انچارج منسٹر نے اپنی شناخت چھپا کر بس میں سفر کیا تھا تاکہ وہ ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کے سلوک کو براہ راست دیکھ سکیں ——اور منسٹر بار بار تو اس طرح سفر نہیں کر سکتا—— سو جب کوئی اس کو پہچان لے گا تو وہ بجائے شرمندہ دکھائی دینے کے ایک پر اسرار مسکراہٹ مسکرائے گا اور اس جاننے والے کو خاموش رہنے کا اور اس کی شناخت کو عیاں نہیں کرنے کا خاموش اشارہ کرے گا، اور باتوں باتوں میں یہ بتائے گا کہ وہ منسٹر کی طرف سے خصوصی ہدایت پر سفر کر رہا ہے۔ اور اس بات کو زیادہ صحیح دکھانے کیلئے وہ کنڈکٹر اور ڈرائیور کی حرکتوں پر زیادہ توجہ صرف کرتا دکھائی دے گا۔—— لیکن ویسے جب وہ بس میں کھڑا ہوتا تو کوشش یہ کرتا کہ وہ کسی ایسی جگہ پہنچ جائے، جہاں وہ چہرہ نیچے کر کے بیٹھ جائے تاکہ ارد گرد بیٹھے مسافر اور آنے جانے والے اسے نہ دیکھ سکیں، اور جو سامنے ہوں وہ اجنبی ہوں ——سیٹ پر بیٹھ کر وہ کھڑکی سے باہر اس طرح دیکھتا کہ اس کا چہرہ کوئی سامنے سے نہ دیکھ لے اور اگر چلتے چلتے کوئی دوسری بس اس کے برابر آ جاتی تو وہ چہرے کا ہاتھ سے تھوڑی آڑ کر لیتا تاکہ شناخت پوری طرح نہ ہو۔ ——ویسے ہی دوسری بس میں بیٹھے ہوئے آدمی کو جس نے اس کو کھڑکیوں کے دو شیشوں کے پار سے دیکھا ہو چیلنج کرنا آسان ہو گا—— جب کوئی ایسا آدمی اُسے غور سے دیکھتا جس پر اسے شک ہو کہ وہ پہچان رہا ہے تو اُسے اُلجھن ہو جاتی، کئی بار تو ایسا ہوا کہ سیٹ سے اُٹھ کر اترنے کے لئے جانے والے مسافر نے اسے خصوصی

طور سے خاص توجہ اور باادب طریقے سے سیٹ آفر کر دی—— اور وہ تذبذب میں رہ گیا کہ جانے والا اسے پہچانتا تھا یا صرف اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کی عزت کی—— اکثر اسے یہ بھی خیال آیا کہ اگر اس نے اپنے چہرے کو چھپانے کی بہت زیادہ کوشش کی اور اس کی یہ کوشش خصوصی طور سے عیاں ہوئی تو بس میں سفر کرتے ہوئے کسی پولس افسر یا سی۔ آئی۔ ڈی۔ کے افسر کو اس کے اوپر کوئی بہت خطرناک مجرم یا دہشت پسند ہونے کا شبہہ نہ ہو جائے۔ اور اس سے تفصیلی پوچھ تاچھ میں شناختی کارڈ وغیرہ نہ مانگنے لگے۔ پھر ایک عجیب سا سین ہو جائے گا،—— کئی بار اس نے سوچا کہ وہ بس کے بجائے تھری ویلر میں یا ٹیکسی میں کیوں نہیں چلا جاتا۔ لیکن اس کا اثر اس کے پاکٹ منی پر ایسے پڑتا جیسے موسم گرما کا اثر تھرمامیٹر کے پارے پر صاف صاف دکھائی دیتا ہے، اور اس کی جیب سے اس کا پرس اور دوسرے کاغذات نکال کر دوسرے کپڑوں میں رکھنے والی اس کی بیوی یہ سوچنا شروع کر دیتی کہ اس موسم کے خدوخال اور اس کی سمتیں کیا کیا ہیں، اور پھر یہ کہ وہ بس میں کیوں نہیں جائے؟ وہ کیوں تھری ویلر پر پیسے خرچ کرے۔ وہ کیوں لوگوں سے گھبراتا ہے؟ وہ کس بات سے گھبراتا ہے؟ وہ کون سی بات تھی۔ وہ کون سی بات تھی جو اتنے بڑے شہر میں ہر جگہ اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ بس اسٹینڈوں پر، سڑکوں پر، گاڑیوں میں سفر کرتی ہوئی اُسے دیکھتی تھی۔ بسوں میں بیٹھنے کے بعد اس کے اِرد گرد گھومتی رہتی تھی۔ جو پورے شہر میں ہر جگہ اس کو گھیرے ہوئی تھی۔

کہیں بھی تو وہ آزاد نہیں تھا۔

وہ کتنی بُری طرح، کتنے بڑے لباس میں گرفتار تھا—— پورا شہر لباس تھا۔ جو شہر کے باہر بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نہیں وہ تو خود اس لباس میں بندھا بندھا گھومتا تھا اور اس لباس کو وہ اپنے اوپر سے اتار کر پھینک نہیں پاتا تھا۔

یہ لباس کیا تھا؟

ہاں، وہ اصل بات لوگوں کو کیوں نہیں بتا سکتا تھا؟

وہ اتنے بہانے بنانے کی کیوں سوچ رہا تھا۔

نیرا سے اس کا تعلق، کوئی مجبوری تو نہ تھی۔

اور اگر تھی تو ایسی کوئی مجبوری تو نہ تھی

نہیں — یہ تو کوئی بہت بڑی مجبوری تھی، ایسی مجبوری جس میں اس کی پوری ذات گرفتار تھی۔ جس میں اب اس کا سب کچھ بندھا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ تو کسی طوفان کی زد میں آ گیا تھا، جو طوفان باہر سے نہیں آیا تھا۔ اس کے اندر سے اٹھا تھا۔ اور اس لیے جس سے وہ نکل بھی نہیں سکتا تھا کہ طوفان اس کا حصہ بن گیا تھا، اور یہ طوفان اسے اڑائے لئے جا رہا تھا —— کبھی جھاڑیوں میں، کبھی مکانوں کے جھرمٹ میں، کبھی سڑک پر، کبھی پارکوں میں، کبھی اپنے گھر یا دفتر کے اندر ہی اندر اور کبھی اپنی سوچوں کے اندر۔

☆☆

۲۰

آج کمار کے یہاں اشوک آیا تھا۔ کمار نے آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کے باہر ہی اس کا استقبال کیا۔ وہ اندر کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر یکا یک اشوک نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

'دیکھو کمار — یہ لڑکی تو ایسے مانے گی نہیں، یہ روز روز تھانے اور کچہری میں جانے کا سلسلہ ختم ہونا چاہیے، تم کو میں نے پہلے کہا تھا کہ کچہری وچہری سے وہ نہیں دبے گی —— لالچ بُری چیز ہوتی ہے، — وہ مکان کے لالچ میں مقدمہ ضرور لڑے گی — اس قسم کے لوگوں کا ایک ہی علاج ہے، سیدھی بات یہ ہے کہ اب ایک بار جم کر کچھ ہو جائے، اور اس کو اس کی اوقات کا احساس کرا دیا جائے ورنہ یہ سالی چھوکری بہت اچھل کود کرے گی — کچھ آدمی بلاؤ، اور اس کا وہ کمرہ جس میں وہ رہتی ہے اس کو بھی خالی کرا کے اس کی چھٹی کرو، پہلے تو اس سے مار پیٹ کروا دو سڑک پر، پھر تھانے جائے گی، وہاں اس کی رپورٹ نہیں درج ہونی چاہئے چاہے اس کے لئے جو کرنا پڑے — اس کے بعد دوبارہ پھر پٹائی کراؤ، اگر نہیں بھاگتی ہے تو پھر پٹائی کراؤ، ضرورت پڑے تو اس کو بھی بند کرواؤ، اپنے بھی کچھ آدمی بند ہونے دو، — نہیں مانتی تو سالی کو اٹھوا لو — اور اس کے ساتھ بلیو فلم بنوا لو اور — اسٹامپ کاغذ پر دستخط کروا لو — یہ سب اتنا زیادہ کرو کہ یہاں رہنے کے بجائے وہ اپنے گھر تالا لگا کر چلی جائے — اس کے بعد گھر کے اندر کی طرف سے دروازہ کھول کر اس کے سامان ٹرنک میں ڈال کر ایک طرف کر دو اور اس میں ایک کرایہ دار کے نام پر کوئی آدمی رکھ دو۔ یہ گواہی بھی کھڑی کر دو کہ کچھ دنوں پہلے یہ شملہ گئے تھے تو اس آدمی کو یہ کمرہ کرایہ پر دے گئے تھے اور اپنا سامان ٹرنک میں بند کر کے چلے گئے تھے۔

اس کے بعد اس نئے نام نہاد کرایہ دار کی طرف سے تھانے میں رپورٹ ڈلوا دو کہ یہ لڑکی اسے اب غلط طریقے سے دھمکی دے کر نکلوانے کی کوشش کر رہی ہے — دوسرا مقدمہ عدالت میں کر دو کہ اس کا کرایہ مقرر کیا جائے اور تھانے میں انکوائری اور عدالت میں مقدمے کو لمبا کھنچواؤ، پھر سب کچھ آہستہ آہستہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

اس کی مدد کرنے والا ایک ہی آدمی ایسا ہے، جو کچھ پرابلم کر سکتا ہے اور وہ ہے الوک — تو اس کو بھی سیٹ کر لو — ایک بار وہ سیٹ ہو گیا تو نیرا کے دوستوں اور رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی مدد کرنے کا خطرہ مول لے۔ کسی میں اتنی جان نہیں ہے، سب دو دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔ ذرا سی دھمکی سے آنا بند کر دیں گے — بس اتنی سی بات ہے کہ جہاں جہاں ضرورت ہو، پیسہ پانی کی طرح بہانا پڑے گا۔

کل سے ہی کام شروع کر دیں۔ الوک کو سیٹ کرنے میں مجھے دس دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ وہ جیسے ہی ہمارے ہاتھ میں آ جائے گا ویسے ہی اس لڑکی کی ہمت ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ اسی کے بھروسے پر اتنی اوپر چڑھی ہے۔

'لیکن کیا الوک اس کا ساتھ چھوڑ دے گا؟ کہتے ہیں کہ اس کی بیوی بھی اسے یہاں آنے سے نہیں روک سکی۔'

'بیوی کیا روکے گی۔ یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ ابھی یہ لڑکی اس کے سر پر سوار ہے اس لیے اس کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے، جی بھر جائے گا تو پھر وہ کہاں اور یہ کہاں — آج کل کون کس کے لئے کچھ کرتا ہے، مستی، ار رہا ہے — مارنے دو — افسر ہے، اس سے سیدھا ٹکرانے سے کیا فائدہ — بوتل اور سولہ سال کی کھول، کر اس نے آنکھ ماری اُس کے سامنے رکھ دیں گے، پھر دیکھیں — الوک کدھر جاتا ہے، اِدھر یا اُدھر! دیکھنا ایک ماہ بعد اسی دروازہ پر الوک ادھر کے بجائے ادھر آئے گا۔

کمرہ ان کے قہقہوں کی آواز سے بھر گیا۔

اتفاق سے نیرا اس وقت باتھ روم سے کمرہ کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے کان میں یہ آخری جملہ پڑ گیا۔ وہ ٹھٹھک گئی — لیکن آگے انہوں نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ ''سولہ سال کی چھوکری'' — نیرا کے سامنے الوک کا چہرہ گھوم —

پھر لڑکیوں کی لمبی قطار اس کے تصور میں یوں گزر گئی جیسے سیکڑوں ٹی۔وی۔ ایڈز چند سیکنڈ میں نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتی ہیں، — اس کا تصور بے قرار اور بے چین ہو اٹھا۔ مہین باریک کپڑوں میں جھلکتی ہوئی لڑکیاں، باتھ روم میں نہاتے ہوئے گدرائے جسم والی لڑکیاں، سوئمنگ پول میں مچھلیوں کی طرح تیرتی ہوئی لڑکیاں — نمایاں جسموں کے ساتھ — کسرت کرتی ہوئی، ہر پوز میں ہر قسم کی تندرست اور پرکشش لڑکیاں، اسکول جاتی ہوئی اسکرٹ پہنے لڑکیاں، اچھلتی کودتی خوبصورت لڑکیاں، دکانوں میں کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی، طیاروں میں شراب کے جام مسافروں کو مسکرا مسکرا کر دیتی ہوئی ہوٹلوں میں اپنے تندرست اور شاداب جواں سال بانہوں سے کھانا چنتی ہوئی —

اشوک کا جملہ اس کے ذہن پر برستا رہا اور اسے اپنی بے بسی کا گہرا احساس دلاتا رہا۔

اس کی نگاہ پھر تخیل میں کوئی سولہ سال کی پرکشش بدن والی لڑکی تلاش کرنے لگی — کئی گرم بھرے بھرے جسم اس کی نگاہوں میں آئے، اور پھر پھسل گئے، اور پھر اس گول گول صورت والی اپنی سہیلی کی بہن پر اس کی نظر رک گئی جس کا گدرایا ہوا جسم، نارنگی کے قاشوں کی طرح ہونٹ، اس دن غسل خانہ میں جب وہ اُسے صابن لگا کر نہلا رہی تھی، اس کا عضو عضو اس کو یاد تھا، — اور یہ لڑکی جہاں ہو وہاں ایک بڑا سا کمرہ ہو، اور اس لڑکی کے جسم سے، انگ انگ سے، سانسوں سے، منہ سے، اور تمام جسم سے نکلتی ہوئی بو — کنوارے جسم سے نکلنے والی پاگل کن مہک — جیسے پھول مسلے جاتے ہیں تو خوشبو بھبھک اٹھتی ہے،

نیرا رات بھر خیالوں میں الوک کو اس لڑکی کے ساتھ کمرے میں دیکھتی رہی — اس کے خیالات بھٹکتے رہے۔ صبح نیند آئی۔

چند گھنٹے بعد جب دن چڑھے نیرا کی آنکھ کھلی تو اسے لگا جیسے اس کے بدن کے جوڑ جوڑ میں درد ہو، اور اس کے کمرے میں، گھر میں، فضا میں، پورے شہر میں سولہ اور سترہ سالہ لڑکیوں کے بدن کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں، جیسے اس کے علاوہ دنیا میں کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے، اور اس خوشبو کی دھند میں دائیں بائیں، نیچے اوپر چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے کمارے جنگ۔ کتنا عجیب سا خیال تھا، کتنی عجیب سی اُلجھن تھی۔

اسے آج اپنی سانسوں میں بھی یکا یک خوشبوؤں کے چشمے پھوٹتے ہوئے محسوس

ہوئے۔ جنھیں وہ خود سونگھ سکتی تھی، اس کے پور پور سے تیل کی طرح عطر نکل سکتا تھا، اسے لگا کہ وہ جو ایک سوکھی ہوئی سی لڑکی تھی اس کے اندر شباب امڈتا ہوا کالے بادلوں کی طرح ابھرتا آ رہا تھا، آج اس کے اندر پور پور میں الھڑپن پیدا ہو گیا تھا، اس کی آنکھیں شاداب سی ہو گئی تھیں، اور جسم گدرا گیا تھا، ایسا گدرایا ہوا کہ جسے ابھی تک کسی مرد نے چھوا نہیں ہو، پھر اسے لگا کہ رات بھر جو لڑکی الوک کے ساتھ چمٹ چمٹ کر سوئی تھی وہ لڑکی وہ خود تھی۔

الوک تم تو مجھے چھوتے بھی نہیں۔

تم عجیب مرد ہو،

میں جانتی ہوں، ایسا کیوں ہے'

میں ایک دن گدرائے ہوئے پھولوں کی طرح کھلوں گی،

اور تمھیں اپنی خوشبوؤں سے بے ہوش کر دوں گی۔

☆☆

۲۱

الوک کا ڈرائیور کمرے میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔

'کہو!'

'وہ راجوری گارڈن والا لالہ ہے سر——، وہ مسکراتے ہوئے بولا، وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'

'کیوں؟'

'بس ایسا ہے کہ جناب سے ملنے کا اس کو شوق ہے، پہلے والے صاحب سے بھی ملا تھا۔ وہ افسروں سے مل کر عزت محسوس کرتا ہے، ویسے کبھی کسی کام کے لیے نہیں آتا، مجھ سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ ایک بار صاحب کو سلام کرنے کا موقعہ دلوا دو'

'سر اس کا کام تو سمنٹ کا بیوپار ہے،——سنگِ مرمر بھی بیچتا ہے اور پراپرٹی ڈیلر ہے۔'

'تم اسے جانتے ہو؟'

'ہاں جناب، وہ تو میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔'

'ٹھیک ہے، آنے دو۔'

'کب آنے کے لیے بول دوں سر۔'

'کل آ جائے، گیارہ بجے''

'وہ لالہ آیا ہے سر' ڈرائیور نے خود ہی اطلاع دی۔

'پانچ منٹ رکنے کے لئے بولو، پھر بلاتا ہوں۔' وہ اپنے کاغذات دیکھتے ہوئے بولا۔

'تھوڑی دیر بعد اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ گھرر کی آواز ہوئی اور اردلی اندر آیا۔

'ان کو بھیجو' اس نے اشوک کا ویزٹنگ کارڈ دے کر کہا۔

چند لمحے بعد وہ گورا چٹا، خوش طبع، مسکراتا ہوا، تندرست، تقریباً چھتیس سینتیس سال عمر — ریشمی کرتا اور ٹیری کاٹ پاجامہ، گلے میں سونے کا ہار، انگلیوں میں مختلف قسم کے پتھروں والی چار پانچ انگوٹھیاں پہنے —— ہاتھ میں ایک بڑا سا خوبصورت چھچھاتا ہوا پیکٹ تھا، جس کے کور پر ہر قسم کے میوہ جات کی تصویریں بنی تھیں، داخل ہوا، اندر آتے ہی اس نے نمسکار کیا اور انتہائی انہماک سے الوک سے مخاطب ہوا ——

''آپ سے ملنے کی بہت تمنا تھی — پیسہ تو بہت کمایا ہے لیکن عزت کے لیے افسروں سے ملنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔''

الوک نے چند رسمی گفتگو کی — اس کا پورا نام کیا ہے، بزنس کیا ہے، مکان کہاں ہے، اور رسمی طور پر اس سے ملاقات ہونے پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اس نے اسے ملنے کا موقع اس لیے دیا کہ ڈرائیور نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بہت ہی شریف آدمی ہے۔

''ڈرائیور آپ کی بہت تعریف کر رہا تھا۔''

''آپ کا آشیرواد ہے۔ مجھے تو افسروں سے ملنے کا ایک دلی شوق ہے۔ آپ دیکھو گے کہ قسم ہے کہ میں کسی دن آپ سے کسی کام کے لیے کہنے آؤں، اور جس دن کام کے لیے آ جاؤں اس دن آپ بے شک مجھے کہہ دینا کہ اشوک تم جھوٹ بولتے تھے، اور کام نہیں کرنا — الوک جو اشوک کو بغور دیکھ رہا تھا محسوس کیا کہ وہ ہر جملہ کے اختتام پر اس کے اوپر پیدا ہونے والے تاثرات کے زیر و بم کو مسلسل پڑھتا جا رہا تھا اور بڑی روانی سے اپنی باتوں کے اظہار میں آگے بڑھ رہا تھا — میری ملاقات آپ سے پہلے ارورا صاحب سے بھی تھی، ان سے میری دوستی تھی، دہلی کے سارے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ان کے ساتھ کھانا کھایا، ڈسکوتھیٹر میں لے جا کر ان کی کئی دوستیاں کروائیں، وہ تو بہت سیدھے اور نیک انسان تھے، شرما جاتے تھے، لیکن میں نے کہا کہ دلی

میں رہتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ یہاں کی لائف کیا ہے۔ گھر پر جب بھی کوئی پارٹی ہوتی تھی تو مجھے فون کر دیتے تھے، کسی چیز کی ضرورت ہو، سب پیش ہو جاتا تھا، اب بات یہ ہے کہ پیسہ کمانا اور اس میں سڑتے رہنا تو ہم لالاؤں کا کام ہے، آپ لوگ تو عزت اور سمان کے لیے نوکری کرتے ہیں، ایماندار افسر پیسے کے پیچھے نہیں بھاگتے لیکن ایسے افسروں کی سیوا کر کے ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ یہاں سے کولو، منالی، آگرہ، بمبئی، کہیں بھی جانا ہو، یا آپ کا اگر پاسپورٹ بنا ہو تو سنگاپور یا ہانگ کانگ کا پروگرام اپنے اور بھابھی جی کے لیے بنائیے، دونوں طرف کے آنے جانے کا ٹکٹ ہم دیں گے — بس ہمیں تو ایک بھائی بنانا ہے۔ کبھی اگر کسی کام کے لیے آ گیا تو میرا نام اشوک نہیں، اپنے پاس ایک مرسڈیز کار ہے، ایک نئی ماروتی لی ہے، ڈی۔ لکس۔ اگر کبھی پرائیوٹ کام کے لیے ضرورت ہو تو مجھے فون کر دیجئے گا اپنے ڈرائیور کو بول دیجئے گا۔ وہ مجھے بتا دے گا۔''

الوک اسے غور سے سن رہا تھا۔

'کبھی گھر پہ درشن دیجئے۔' اس کی توانائی سے چمکتی ہوئی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

'دیکھئے، یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، لیکن جب دو چار ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ تبھی انسان پہچان میں آتا ہے، ایک ملاقات میں دوستی تو نہیں ہو جاتی۔ آپ پہلے ہمارے یہاں تشریف لائیں۔'

''ٹھیک ہے۔ ہم کل شام آئیں گے۔ پھر کہیں باہر کھانا کھانے چلیں گے، نمسکار۔'' اس نے بہت خاکساری سے جھک کر کہا اور چلا گیا۔

'بڑا تیز آدمی ہے بھئی'

'نہیں جناب۔ بس ذرا دل والا پُرجوش آدمی ہے، ویسے دل کا بہت صاف آدمی ہے۔ جناب، یہاں جب ارورا صاحب تھے تو وہ بھی اکثر رات رات بھر وہیں بیٹھ کر فلم وغیرہ دیکھا کرتے تھے، اور کھانا دانا چلتا رہتا تھا، —— کیا کہا جناب اس سے؟'

کل گھر آنے کیلئے کہہ دیا تھا۔

دوسرے دن — لمبی مرسیڈیز کار میں وہ شام ٹھیک ساڑھے سات بجے الوک کے گھر پہنچا، گھنٹی بجائی اور داخل ہوا، اس کے پیچھے اس کی بیوی مکمل سر سے پاؤں تک بہترین میک اپ میں — ہاتھ میں مٹھائی کا ایک بڑا پیکٹ — تھوڑی دیر بیٹھنے اور ٹھنڈا پینے کے بعد اس نے پوچھا۔

'چلیں'۔

'الوک اپنی بیوی کے ساتھ تیار تھا——وہ چل پڑے——الوک اشوک سے اور اس کی بیوی اشوک کی بیوی سے باتیں کرتے رہے اور شاندار مرسیڈیز سڑکوں پر پانی کی طرح بھاگتی رہی۔'

اشوک انتہائی آرام اور بے فکری سے گاڑی چلا رہا تھا،——بھابھی کبھی کپڑا وغیرہ خریدنا ہو تو آپ اس کے ساتھ چلی جایئے گا، جان پہچان کے دکاندار ہیں، بہترین کپڑے دیں گے، اور پوری چھوٹ بھی دیں گے،——اور دہلی کے فائیو اسٹار ہوٹل آپ نے کتنے دیکھے ہیں ابھی تک؟

آپ دہلی میں نئے ہیں، دہلی دیکھئے، ایک ایک دن کر کے ہر ہوٹل دیکھیں گے۔

ہوٹل——

وہ موریہ شیرائن پہنچے، پورٹیکو میں کار رکی تو سامنے کھڑے مزین لباس میں ملبوس دربان نے سلام کیا، اور اشوک سے چابی لی۔ وہ گاڑی چھوڑتے ہوئے ہوٹل کے اندر بڑھ گئے۔ بڑھ کر کھول دیا،——اوپر نیچے، دائیں بائیں، چاروں طرف شاندار منظر——صاف وشفاف چتر——خصوصی سنگ مرمر سے بنا ہوا فرش، اس سے اٹھتے ہوئے درخت کے تنوں کی طرح مرمر کے ستون جس کے نقوش خوابوں کی دنیا آباد کر رہے تھے، دیواروں اور ستونوں سے لگے ہوئے بڑے بڑے گملے اور گملوں میں لگے پودے جو صرف ایئر کنڈیشنڈ میں ہی زندہ رہتے تھے، اور وہ اتنے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے کہ پودوں کی سجاوٹ ہوٹل کے ذوق کا اپنا بیان آپ تھے، سامنے دیدہ زیب شاندار صوفوں کی قطاریں تھیں، جہاں ہر صوفہ کے آگے نیم رنگین شفاف شیشے کی میز جو اسٹیل کے پاؤں پر پانی کی طرح ٹکی ہوئی تھیں،——ہال کی وسعت کو پار کرنے کے بعد کنارے طویل دوری تک پھیلی ہوئی میز——جس کے پیچھے حسین وجوان دلکش لڑکیاں جن کے کپڑے رنگین، نئے اور مشینی صفائی کے ساتھ سلے ہوئے تھے اور چہرے پھولوں کی طرح شاداب اور مکمل تھے، اور بال بادلوں کی طرح سجے سجائے جھول رہے تھے، ریپشن پر کھڑی آنے جانے والوں کی پوچھ تاچھ کا خوش اسلوبی سے جواب دے رہی تھیں، اور خوش اخلاقی سے مدد کر رہی تھیں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

آؤ بھائی صاحب،——وہ دونوں ہاتھوں کے اشارے سے اسے ایسے لیے جا رہا تھا جیسے اپنے گھر میں لے جا رہا ہو——سامنے لفٹ تھا۔ لفٹ سے وہ دوسری منزل پر گئے——

ایک طرف شیشے کے پار نیم عریاں کم سن لڑکیاں گول گول جام میں، میز میز جا جا کر کر ڈرنک پیش کر رہی تھیں——اشوک نے دھیرے سے الوک کا ہاتھ دبایا——جس دن اکیلے آئے اس دن اس میں جائیں گے——پھر آگے بڑھ گئے——آگے ایک بڑا سا ریستوراں تھا جس کی نگراں ایک ادھیڑ عمر کی بہت ہی صاف اور سرخ رنگت والی خاتون تھیں جو گھریلو انداز میں خندہ پیشانی سے استقبال کر رہی تھیں، ہال میں گانے کی آواز آئی——اس نے گھوم کر دیکھا، ایک کنارے ایک ڈائس پر پوری میوزک پارٹی بیٹھی تھی اور نرم، لہک لہک کر اور جھوم جھوم کر کوئی غزل گا رہی تھی،

بڑے سلیقے سے میری نبھی محبت میں

تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

خاتون کے اشارے پر وہ سامنے ایک میز پر بیٹھ گئے——ابھی بھیجتی ہوں——وہ چلی گئیں——تھوڑی دیر بعد مسکراتی ہوئی، چیٹ شرٹ پہنے ایک کالج کی طالبہ دکھائی دیتی ہوئی لڑکی آئی جس کی عمر قریب سترہ سال ہوگی اور جس کے پورے جسم پر وہ نوجوانی تھی جو کیلے کے پیڑ کے اندر کی کونپلوں میں ہوتی ہے، وہ ٹھنڈے پانی کا گلاس رکھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئی، اور مینو رکھ دیا۔

مینو کیا، ایک پورا کتابچہ تھا۔ الوک وہ مینو دیکھنے لگا۔

''ہمارے اور ان کے لیے ایک ایک وھسکی——اسکاچ جانی والکر——اور ان لوگوں کے لیے——کیا لیں گی آپ لوگ؟

''کچھ بھی۔'' لڑکی انتظار میں کھڑی تھی۔

''کولڈ ڈرنک لایئے اور دو ہاف پلیٹ چکن روسٹڈ——اور پھر اس کے بعد بتائیں گے——تقریباً دو گھنٹے تک وہ بڑے اطمینان سے بیٹھے رہے، یکے بعد دیگرے غزلیں ہوتی رہیں،

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کے اس کارگہہ شیشہ گری کا

وہ دھیرے دھیرے کھانا کھاتے رہے۔

آنے لگے تو بل کی جگہ صرف ایک چھوٹا سا پرزہ آیا——اور ادائیگی کے لیے اشوک نے نوٹوں کی جگہ کریڈٹ کارڈ دیا جسے لے کر بیرا چلا گیا، اور پھر آیا تو وہ کارڈ بھی واپس لایا اور سو سو

کے کئی نوٹ بھی لایا —— یہ میرا کریڈٹ کارڈ ہے، اس سے دنیا کے کسی بھی بنک سے لاکھ دو لاکھ جو چاہوں اور جب چاہوں نکال لوں —— دنیا کے سات بڑے بڑے بنکوں کے لیے یہ مستند ہے۔

آتے وقت منیجر نے الوک سے کہا "پھر تشریف لائیے گا۔"

بہت سمجھدار ہے اشوک کہ اس نے میرا تعارف صرف میرے نام سے کرایا اور یہ کہا کہ یہ میرے دوست ہیں، میرا عہدہ نہیں بتایا، یا میرے عہدہ کا ناجائز فائدہ اٹھانا یا میرے نام کو کہیں استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ قابلِ اعتماد ہے۔

دوسرے دن الوک آفس میں بیٹھا تھا کہ فون آیا —— بابو جی —— آج آپ کھانا میرے ساتھ کھائیں —— گھر پر آئیں —— وہ اس کے یہاں دو پہر کو گیا، وہ اسے اندر ایک مزین کمرے میں لے گیا جو مکان کے باقی حصوں سے بالکل الگ تھلگ چھت کے اوپر واقع تھا۔ آدم قد نیم عُریاں نسوانی تصویریں، رنگین ٹیلی ویژن، بے تار ٹیلی فون —— بھگوان کا دیا سب کچھ ہے —— آپ آرام سے بیٹھ جاؤ، یہاں کوئی نہیں آتا —— نوکر بھی صرف بلانے پر ہی آتا ہے —— یہ ہے نوکر کے لیے گھنٹی —— میں تو کہتا ہوں کہ آدمی کو جو کچھ کمانا ہو چالیس سال کی عمر سے پہلے کما لے —— اس کے بعد تو آرام کرنے کا زمانہ ہوتا ہے —— میں نے دیکھا ہے کہ دنیا میں صرف پیسہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو ساتھ دیتی ہے ورنہ باپ، بھائی، بیوی، بچے —— سب دھکے دے جاتے ہیں —— وہ پیسے کی افادیت تفصیل سے بتا رہا تھا۔

'لے آؤ'۔ ایک نوکر ایک ٹرے لے کر آیا جس میں دو گلاس تھے، پھر اشوک نے اسٹیل کی الماری کھولی —— پچاسوں قسم کی بوتلیں —— دلکش، پُر خواب، روح آفریں، چھوٹی، بڑی —— اس نے اسکاچ کی ایک نئی بوتل نکالی —— 'یہ جانی واکر بلیک لیبل —— آپ کے نام توڑتا ہوں، مجھے تو شوق ہے افسروں کی سیوا کرنے کا —— وہ پیگ بنا رہا تھا، فلم دیکھیں گے —— کھیل کھیل میں، کا کیسٹ ہے —— اس نے اُٹھ کر ویڈیو پر فلم لگا دی —— آپ کو بلیو فلم دیکھنے کا شوق ہے —— الوک خاموش رہا ——

اتنی دیر میں نوکر دو روسٹیڈ چکن لے کر آ گیا ——

'تو ایک کام کر —— چلا جا سیٹھ کے یہاں، اس سے کہنا، کل جو کیسٹ دیا تھا، وہی پھر چاہیے، اس نے اُٹھ کر الماری سے تلے ہوئے کاجو نکالے، اور پھر بیٹھ کر اپنے دوستوں کا ذکر

کرنے لگا —— دلّی بہت بڑی اور عجیب جگہ ہے، ہم تو ہفتہ بھر کام کرتے ہیں اور ایک دن مکمل آرام —— سنڈے کو —— سنڈے کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کب آؤں گا، اس دن میں کار لے کر کہیں نکل جاتا ہوں، عموماً ہریانہ —— بیوی سے کہہ جاتا ہوں کہ پیسے کی اصولی کے لیے جا رہا ہوں —— ہاں، شاید آپ نہیں جانتے، میرا پرائیوٹ بینکنگ کا کام ہے، پچاسوں لاکھ روپیہ بیاج پر چلتا ہے —— کروڑوں تو مستقل طور پر لگا ہوا ہے، اور اگر آپ —— ہاں، کچھ پیسے ابھی کما لیجیے، ہر ایک کام میں نہیں، لیکن دیکھو بھائی صاحب، بھائی ہوں، اس لیے کہہ رہا ہوں، اونچ نیچ نہیں سمجھایا تو میں بھائی کیسا —— تو آپ کچھ کما لو —— ہم لوگ اچھے اچھے کیس دلوا دیں گے —— آپ کو کچھ کہنے یا اپنے سے لینے کی ضرورت نہیں ہوگی، پیسہ میرے یہاں کھاتے میں جمع ہو جائے گا۔ دو تین لاکھ کما لیجیے، پھر تو میں اس کا اتنا سود دے دوں گا کہ اس سے گھر کا سارا خرچ چلتا رہے —— اس دنیا میں صرف پیسہ ہی ساتھ دیتا ہے —— یہاں کئی افسر آتے ہیں ان کے خفیہ اکاؤنٹ میرے پاس ہیں، اور ان کو ہر مہینہ لفافہ پہنچ جاتا ہے، آنا تو ان کی مرضی ہے، عموماً وہ کبھی فری ہوتے ہیں تو یہاں آ جاتے ہیں، یا کبھی کبھی اپنی گرل فرینڈس کے ساتھ آ جاتے ہیں —— میں نیچے کا تالا انہی کو دے دیتا ہوں، خود تالا لگا کر چابی اپنے پاس رکھ لیتے ہیں —— یہ صوفہ جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ صرف صوفہ نہیں ہے، یہ فولڈنگ بیڈ بھی ہے حالانکہ کسی کو قطعی اس کا شبہ نہیں ہوتا —— یہاں کئی چیزیں ایسی ہیں مثلاً یہ پوری کی پوری دیوار دراصل دیوار نہیں ہے، یہ فولڈنگ شٹر ہے —— اس نے ایک بٹن دبایا، اور سامنے سے پوری کی پوری دیوار اٹھ گئی، اور ایک وسیع بیڈروم آ گیا —— پھر اس نے بٹن دبایا —— آپ جب چاہیں، یہاں سے وہاں جا سکتے ہیں، ایسی یہاں کئی چیزیں ہیں، جو خاص میں نے اپنے انداز سے خصوصی انجینئروں سے بنوائی ہیں —— تو میں آپ کو بتا رہا تھا، ہریانہ —— ہاں، تو بیوی سے کہہ جاتا ہوں کہ پیسے کی اصولی کے لیے جا رہا ہوں —— میری چند دوست ہیں، ایک تو بیوٹیشین ہے، جو میری صحت کے لیے رائے بھی دیتی ہے، اور میری نگرانی بھی کرتی ہے، اس کے ساتھ میں سوئمنگ بھی کرتا ہوں، لیکن دلّی کا ماحول ایسا ہے کہ یہاں ہر بات کھل جاتی ہے، یہ صرف دیکھنے کو بڑا شہر ہے، کوئی پردہ نہیں ہے —— اس لیے میں تو ہریانہ نکل جاتا ہوں —— وہاں کئی جگہ ٹورسٹ ریزورٹ بنے ہوئے ہیں، وہاں کمرہ بک کرا لیتا ہوں —— میں کہتا ہوں کہ گرل فرینڈ بھی ہو تو ایسی کہ دیکھنے میں کچھ لگے —— جب ساڑی اور زیورات سے آراستہ ہو کر

اپنی گاڑی میں بیٹھے تو گاڑی کی بھی خوبصورتی بڑھ جائے، اور لوگ دیکھیں تو متاثر ہوں۔

یہاں کچھ دوستوں کے فارم بھی بہت اچھے ہیں، بہت ہی محفوظ اور پرائیوٹ جگہ ہوتی ہے —وہیں کھانا پینا اور پوری رات کٹتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں اور کوئی نہیں دیکھتا کہ کون آیا اور کون گیا— زندگی میں یہ سب ہونا چاہیئے۔

نوکر کیسٹ لے آیا ''اچھا اب تم جاؤ''— اشوک نے دروازہ بند کرلیا اور وہ کیسٹ لگا دیا، جنسی اختلاط کے مناظر آنا شروع ہو گئے، 'یہ بلیک اینڈ وھائٹ کا نرالا جوڑا دیکھئے، یہ بلیک لڑکا افریقی ہے، یہ گوری لڑکی کالوں کو پسند کرتی ہے۔'

انٹرکام کی گھنٹی بجی— میں ابھی آیا— اشوک نیچے چلا گیا، الوک تنہا بھنا ہوا مرغ کھاتا رہا، اسکوچ کی چسکی لیتا رہا، اور سامنے— ایک پچاس سالہ مرد— پھر ایک چالیس سالہ مرد اور جوان لڑکیاں،—— تصویریں ایک ایک کر کے گزرتی رہیں، الوک کو لگا وہ کسی مختلف دنیا میں بیٹھا ہے۔

تھوڑی دیر بعد پھر اشوک آیا 'آپ بور تو نہیں ہو رہے ہیں'

'نہیں'

'زندگی تو سنگاپور، بنکاک اور ہانگ کانگ میں ہے، میں اور میرے دوست گئے تھے، نہ جانے سنگاپور میں کیا بات ہے کہ ایک بھی عورت تیس سال سے اوپر کی دکھائی نہیں دیتی، باہر کے ملکوں کا کیا کہنا۔ اسٹریٹ شو ہوتا ہے— ایک ایک لونڈے دس دس لڑکیوں کو ہینڈل کرتے ہیں— وہاں لڑکیاں شوروم میں بیٹھی رہتی ہیں اور سامنے نمبر لگا ہوتا ہے، فیس مقرر ہوتی ہے— جو لڑکی پسند آئے اس کا نمبر نوٹ کر کے دے دیجئے، پھر پیسہ دیجئے، آپ کو ایک پرچہ مع چابی مل جائے گا۔ پھر ایک کمرے کا نمبر بتا دیا جائے گا— اس کمرے کا کارڈ لے کر آپ وہاں چلے جائیے— پیچھے وہ لڑکی چلی جائے گی— چاہئے تو ایک سے زیادہ کارڈ خرید لیجئے— ویسے سنگاپور میں میری اپنی ایک دوست بھی ہے، زبان تو ہم ایک دوسرے کی ٹھیک سے نہیں سمجھ پاتے، اسے انگریزی تھوڑی تھوڑی آتی ہے، میں تو انگریزی کیا ہندی بھی نہیں پڑھ سکا، پھر بھی پوری دنیا میں گھومتے گھومتے ایک دو جملے بول ہی لیتا ہوں، اور دوسرا کوئی بولتا ہے تو اس کے ہونٹوں اور چہروں سے سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے— اس کا باپ اس کو مجھ سے ملنے سے منع کرتا ہے لیکن وہ نہیں مانتی، وہ کہتی

ہے کہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے اور باپ کے منع کرنے کے باوجود وہ میرے پاس آجاتی ہے اور رات رات بھر رہتی ہے— اسے بھی پیسے کا کوئی لالچ نہیں ہے، وہ تو صرف محبت کی وجہ سے ملتی ہے— میرا ابھی دل نہیں چاہتا کہ اسے چھوڑ کر آؤں۔ جب نہیں آپاتا تو گھر فون کر دیتا ہوں کہ کچھ خریداری میں لگا ہوں، اگلی فلائٹ سے آؤں گا— یہاں کی مہینوں مہینوں کی تھکن وہاں کے تین دنوں میں اتر جاتی ہے، میں اپنے ایک دوست کے ساتھ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا، پچھلی بار گیا تھا— اس دوست کا یہاں ایک بہت بڑا فارم ہاؤس ہے، اس میں سوئمنگ پول بھی ہے، اور رتھ بھی ہے— ہم اس کے ساتھ گئے تھے، اور ہم نے دو لڑکیاں لی تھیں پھر ہم چاروں ایک ہی کمرہ میں گئے—— تصویریں بھی لیں۔ اس نے اندر سے ایک البم نکالا جو مکمل عریاں جنسی اختلاط کی تصویریں تھیں،— ایک لڑکی تو اشوک کی لمبی توند کے آگے بچی لگ رہی تھی، الوک تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔

''یہی تو بھائی صاحب مار جاتی ہے مجھے، اشوک نے تاڑتے ہوئے کہا۔ بان چو—— یہ توند—— اب تو کم ہوگئی ہے، میں نے پانچ کلوگرام وزن کم کیا ہے بھائی صاحب—— اور میری بیوٹیشن دوست کا اس میں بڑا ہاتھ ہے— بڑی بلا کی خوبصورت ہے— کناٹ پلیس میں اس کا پارلر ہے— اس کی ایک چھوٹی بہن ہے اس کی عمر سولہ برس ہے— وہ تو ایسے جوان ہو رہی ہے کہ بس—— کپڑے اس کے بدن سے سرکتے ہیں، اور کبھی پھٹنے لگتے ہیں، بدن ہے یا سالی پھول ہے۔ خوشبو نکلتی ہے، ابھی کالج میں پڑھتی ہے، فرسٹ ایر میں— میں نے اس بیوٹیشین دوست سے کہا کہ مجھے اپنے ایک دوست کے لیے ایک گرل فرینڈ چاہئے تاکہ اس کی زندگی میں کچھ رونق آئے تو اس نے کہا کہ ملوا تو دوں گی لیکن یہ نہ کہنا کہ میں نے اپنی طرف سے جان بوجھ کر ملوایا ہے۔

آپ سے ملواؤں گا۔ ذرا قاعدے سے بات کیجئے گا کہ اس پر اچھی طرح امپریشن جمے۔ ویسے تو وہ آپ کے عہدے سے ہی متاثر ہو جائے گی— عورت کو یہ جتانا بہت ضروری ہوتا ہے کہ آپ صرف اسی سے محبت کرتے ہیں، عورتیں آوارہ قسم کے مردوں کو پسند نہیں کرتیں، کالج کی لڑکیوں کو متاثر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ عموماً وہ ایسے کھاتے پیتے گھرانوں سے ہوتی ہیں جہاں ماحول کچھ دوسرا ہوتا ہے۔ وہ پیسے کی عادی نہیں ہوتیں، اس لیے پیسے سے زیادہ پرسنالٹی سے

'آپ کیا کرتے ہیں۔'

'میں ـــــ اس نے پورا تعارف کرایا۔

''آپ مجھے بہت اچھے لگے۔ جی چاہتا ہے، آپ کو نہارتی رہوں، آپ بڑے اسمارٹ ہیں'' ـــــ وہ اس کے کندھے سے لگ گئی اور میٹھی آواز میں بولی'' آپ میرا ایک کام کر دیں گے۔'

'کیا'

'میری ایک سہیلی ہے، بڑی پیاری سی، مجھ سے بھی سندر، ـــــ اس نے آنکھ مار کر تعریف کی۔

'ہاں۔'

'بہت پیاری سی واقعی، اس کے کزن فرینڈس کالونی میں رہتے ہیں، ان کا نام کمار ہے، اتنا کہہ کر مدھو نے غور سے الوک کو دیکھا۔

'کیا ہوا ہے؟'

'ان کی مالک مکان ـــــ'

'الوک خاموش رہا۔

دروازہ پر دستک ہوئی۔ الوک کھولنے گیا تو دیکھا، دروازہ پہلے ہی اندر سے کھلا ہوا تھا ـــ الوک کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا، اشوک کا چہرہ دوبارہ اس کی نظروں میں گھوم گیا، اسے اشوک کے گھر والے اس کمرے کی یاد بھی آئی جہاں پوری دیوار محض ایک شٹر تھی۔ ـــــ پھر اس نے گھوم کر مدھو کو دیکھا جیسے پہلی نظر دیکھ رہا ہو، جیسے رات بھر وہ جسے دیکھتا رہا تھا،

'اور جس کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا،

'وہ کوئی اور تھا'

گولی لگ چکی ہے، تم شکار ہو چکے ہو، زندگی کی یہ راہیں ایسے ہی موڑ پر ختم ہوتی ہیں، ـــــ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہوٹل کا بیرا کافی لیے کھڑا تھا،

'گڈ مارننگ'

گڈ مارننگ ٹو یو'

وہ پھر دیوار پر دیکھنے لگا ـــــ اُسے سارا ماحول یکا یک اجنبی لگنے لگا، الوک تم کہاں آ گئے ہو، ـــــ اُسے یاد آیا، اشوک نے کہا تھا ـــــ اگر کسی دن کام لے کر آ جاؤں تو ـــــ اور ڈرائیور نے کہا تھا، ہاں جناب میں جانتا ہوں، بہت اچھا آدمی ہے، کبھی کسی کام سے ـــــ

یہ انسان نہیں، ٹکڑے ہیں،

اور یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ در و دیوار، یہ کمرہ، یہ لمحے ـــ یہ مدھو یہ سب جال ہیں،

☆☆

۲۲

آج نیا پروگرام بناتے ہیں، اشوک نے کہا ’آج اپنا ہی کیبرے دیکھنے چلتے ہیں اور آج الوک سب کچھ جانتے ہوئے بھی گیا‘ جب کوئی حقیقت یکایک اپنی کریہہ اور خوفناک صورت لے کر سامنے آجائے تو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اسے اطمینان سے دیکھنا چاہیے، انتہائی غور سے اور قریب سے کہ یہ بھی زندگی کا حصہ ہیں کہ یہ ہیں وہ سائے جو کبھی وقت آجانے پر، میری بے خبری میں میری زندگی میں اندھیروں کی بدلیاں پیدا کر سکتے ہیں اور میں روشنیوں کی تلاش میں بھاگوں گا اور کرنیں مجھ سے نظریں بچائیں گی——اس کا جی چاہا کہ وہ اس خوفناک جنگل کا مکمل ادراک کرے اور دیکھے کہ روشنیوں کے اس شہر میں جب آدمی روشنی کی جڑ کی طرف بڑھتا ہے تو ننگے فلامنٹ سے کیسے جھٹکے لگتے ہیں۔ شام کو الوک اس کے ساتھ نکلا،—یہ وہی جگہ تھی، جہاں وہ ایک بار آچکا تھا——

’کیا آپ کا اس کیبرے سے کوئی تعلق ہے؟‘

’بس آپ یوں سمجھ لیجیے کہ نام دوسروں کا ہے لیکن مالک آپ ہی ہیں، اور اِدھر تین ماہ میں تو ہم اس کے اندر وہ انقلاب لائے ہیں کہ مزہ آگیا۔—پہلے جو مالک تھا اس کو کچھ آتا جاتا نہیں تھا، بالکل اناڑی—پولس چھاپہ مارتی تھی، جس دن پولس کے آنے کی خبر مل جاتی تھی، مزہ خراب ہو جاتا تھا، گاہک بے مزہ ہو کر جاتے تھے، بلکہ انہیں میں سے گواہ بھی پکڑ کر لے جاتی تھی، اور گالی گلوج بھی کرتی تھی،—میں نے ان سے کہا کہ کچھ ٹکٹیں اور کچھ ڈرنک مفت دیا کرو—پیسے سے پیسہ آتا ہے۔ مختلف محکمہ کے کئی افسر میرے دوست ہیں، ایسے ایسے محکموں کے کہ آپ یقین نہ

کریں، کون سا محکمہ کب دیوتا سے کرپٹ ہو گیا یہ ہم لوگ پہلے جان جاتے ہیں، آپ لوگوں تک خبر بعد میں پہنچتی ہے، اور عوام تک تو یہ خبر تب پہنچتی ہے جب اس کرپشن کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، اور اس میں اتنا مقابلہ آجاتا ہے کہ کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا——تو میں ان لوگوں کو کیبرے مفت دکھاتا ہوں— کوئی آرٹسٹ پسند آجائے تو ساتھ فارم میں بھیج دیتا ہوں۔—چاہے کچھ کہو،—یہ حقیقت ہے کہ آپ جن کی سیوا کرتے ہیں وہی آپ کی مدد کرتے ہیں، جنہیں ہم دشمن سمجھتے ہیں، اگر ان پر کچھ خرچ کر دیا جائے تو وہی پھر آپ کی حفاظت کرتے ہیں، یہ سب پیسوں کا کھیل ہے!‘ الوک یہ پیسوں کے کھیل والی بات ایک محاورہ کے طور پر عموماً سنتا آیا تھا لیکن اس وقت اس محاورہ میں اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی، وہ بہت انہماک سے اشوک کو سن رہا تھا۔

تو کیبرے کے اندر ان آخری تبدیلیوں کے ذمہ دار تم ہو! الوک نے سوچا اور اشوک کو دیکھا——تو تم سب ایک ہو، تم سب— کمار—اور تم—اور یہ کیبرے—اور سنگاپور—اور فارم—اور مدھو—اور وہ کیبرے میں برہنہ رقص زن شر انگیز جسم—اور وہ لوگ جو یہاں کیبرے دیکھنے آتے ہیں، اور وہ لوگ جن کے ساتھ ڈانسرز کو فارم ہاؤسز میں بھیج دیتے ہو۔ اس نے سوچا——اور تم بھی!' اسے خیال آیا۔ وہ خود بھی۔

’دیکھو جی ہمارا تو اصول ہے کہ ہم افسروں کی بھلائی چاہتے ہیں——ہم افسروں کی سیوا کرتے ہیں، اور اگر کسی چیز کے لیے افسر کے اوپر اگر کوئی ایک گلاس پانی خرچ کرتا ہے تو ہم ایک گلاس شربت پیش کرتے ہیں۔ کوئی دس دیتا ہے تو ہم بیس دیتے ہیں اور اگر ہمیں کوئی کام پڑ جاتا ہے، ہماری آبرو خطرے میں ہوتی ہے تو ہم ہاتھ جوڑ کر فیصلہ انہیں کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں۔

الوک سن رہا تھا، اور اسے وہ دن یاد آیا جب وہ یہاں کئی ماہ پہلے آیا تھا، اپنے دوست نصیر کے ساتھ——وہ شام اور اس کے کئی لمحے یاد آئے—اس دن بھی وہ یوں ہی دبے پاؤں آیا تھا— کیبرے ہاؤس کے دروازے کے سامنے یونیفارم میں ملبوس ایک پولس کا افسر جس کی عمر تقریباً اٹھائیس سال ہوگی، بڑی شان سے کھڑا تھا، اور اپنے چاروں طرف کھڑے کچھ لوگوں سے مخاطب تھا، پتہ نہیں کافی دیر تک کیا گفتگو ہوتی رہی، کبھی گرم کبھی نرم——

پچیس روپے فی ٹکٹ——اس نے باہر نوٹس بورڈ پر بھی پڑھا، کچھ چھوٹی موٹی ہدایتیں بھی لکھی تھیں جو اس نے پڑھیں۔ چند منٹ بعد شو شروع ہونے والا تھا۔ انہوں نے ٹکٹ

لئے اور اندر چلے گئے۔ وہاں ایک اسٹیج بنا تھا اور اس کی چاروں طرف قریب دو دو ٹیبل اور کرسیاں لگی تھیں، بیرے نے اس کے ٹکٹ کا نمبر دیکھا اور کچھ دور کونے میں لگی میز کی طرح اشارہ کر دیا، وہ وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ ابھی اسٹیج خالی تھا۔ صرف ساز رکھے ہوئے تھے جو ابھی بے آواز تھے لیکن کسی کی آمد کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ جہاں بیٹھا تھا ٹھیک اس کے پیچھے والی میز پر چند لوگ وہسکی کی بوتلیں توڑ رہے تھے اور اس کی بو ان کی تیز گفتگو میں گھل گھل کر اس کے اردگرد پہنچ رہی تھی، یقیناً اس ریستاران میں بار کا لائسنس نہیں تھا لیکن یہ کام ٹھیک اس کے پیچھے کی میز پر ہو رہا تھا۔ لیکن وہ یہاں کس لیے آیا تھا۔

وہ بیٹھے بیٹھے پروگرام کا انتظار کرنے لگے تھے تھوڑی دیر بعد اسٹیج پر کچھ نوجوان اپنے اپنے ساز پر آ گئے اور اپنے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ لیے آرکسٹرا کے دھن بجانے لگے، رفتہ رفتہ لوگ آتے گئے اور ہال کی ساری سیٹیں بھر گئیں، پھر ایک نوخیز حسینہ ٹھیک اسٹیج کے اوپر لگی ہوئی سیڑھی سے اترتی ہوئی آئی اور ڈانس پر تھرکنے لگی، اس کے ساتھ ہی دھن تیزی سے بجنے لگے۔ تھوڑی دیر تھرکتے رہنے کے بعد اس نے پورے ہال پر ایک نظر گھمائی، پھر اسٹیج سے نیچے اتری اور ہر ایک میز پر سامعین سے ہاتھ ملاتے ہوئے آگے بڑھتی رہی، اسی دوران دوسری حسینہ نمودار ہو کر تھرکنے لگی۔ لوگ ایک طرف اس اسٹیج پر تھرکتی ہوئی حسینہ کو دیکھ رہے تھے اور دوسری طرف اس حسینہ کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ بھی نیچے اترے اور تیسری نمودار ہوئی، اور پھر چوتھی، اور پانچویں ـــــ رنگ برنگی لڑکیاں ـــــ ہر شخص ان سے قریب سے آنکھیں ملانے، ہاتھ ملانے اور ان کے جسم کو چھو لینے کا مشتاق تھا، اب وہ پہلی لڑکی سامنے والی میز پر آ چکی تھی۔

''آرڈر پلیز' بیرے نے ان کے میز پر آ کر پوچھا تھا۔

'کچھ نہیں'

'کچھ تو لینا پڑے گا'

'نہیں' ہمیں کچھ نہیں لینا ہے، تھینک یو'۔

'کچھ تو لینا ہی پڑے گا۔ بیرے نے واضح طور پر بتایا۔

''کیوں؟ کوئی زبردستی ہے۔'' بحث ہوگئی۔

''اگر یہ ضروری تھا کہ کچھ لینا ہے تو پہلے بتانا چاہیئے تھا جب ہم ٹکٹ لے رہے تھے۔''

بیرا چلا گیا۔

وہ لڑکی قریب آئی۔ پھر ہاتھ ملایا، مسرور ـــــ کتنی مسرور جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، یکے بعد دیگرے کئی لڑکیاں آئیں، میز میز گھومیں، اور واپس چلی گئیں ـــــ پیچھے والی میز پر شراب کی بوتلیں کھنکتی رہیں، باقی سارے لوگ بھی پی پلا کر آئے تھے۔ پوری محفل جھوم رہی تھی، ہر نگاہ ان مخصوص لمحوں کے انتظار میں تھی جب وہ حسینائیں ایک ایک کر کے اپنے جسم سے سارے کپڑے؟؟ انگیائیں، پینٹیز..........

''ایسا کیسے ہو جاتا ہے؟ کیسے ہو جاتا ہے ایسا کہ ایک لڑکی خود.......... غیر فطری ـــــ ناممکنات ـــــ وہ اندر سے کتنی دکھی ہوں گی۔''

'دکھی اندر سے وہ نہیں ہوں گی، دکھی تم ہو۔'

'یہ مظلوم نہیں'

'اس کی صرف ظلم کہنا سہل پسندی ہے، خطرناک سہل پسندی ـــ یہ زندگی کا بہاؤ ہے،

'یہ بہت مجبوری میں ایسا کرتی ہوں گی'

'مجبوری کی کیا بات ہے، سیدھی بات ہے کہ پیسہ ملتا ہے'

'پیسہ کیا ہے؟ پیسہ تو رشتوں کا شناختی کارڈ ہے۔'

'پیسہ ملنے پر تو بڑے بڑے کپڑے اُتار دیتے ہیں، پیچھے سے کسی نے کہا۔

وہ اس آواز پر چونکا۔

'کتنی عجیب بات ہے، نصیر متحیر تھا۔

دیکھتے نہیں کہ اتنے لوگوں نے جو اس ہال میں بیٹھے ہیں، پچیس پچیس روپے دیے ہیں، ان سارے روپوں کو ملا کر کتنا بنتا ہے؟ پھر اتنے لوگوں کے دلوں میں کتنی زبردست خواہش ہے۔ یہ خواہشیں مل کر کتنی مضبوط بن جاتی ہیں۔

یہ ایک پوری دنیا ہے۔ یہاں اس ناچنے والی لڑکی کو روٹی اور کپڑے کی گارنٹی ہے، اپنے پیشے میں وہ محفوظ ہے، دیکھتے نہیں کہ اس پورے ہال میں ایک بھی نگاہ ایسی نہیں اٹھتی جو اس کی طرف حقارت سے دیکھ رہی ہو، ہر نظر اس کی تحسین کر رہی ہے۔

'لیکن قانون؟

’قانون کو تم نے باہر دیکھا نہیں تھا—— قیمت ادا کرنے کے بعد گارنٹی مل جاتی ہے، ہر پیشہ اپنی حفاظت کرنا آپ جانتا ہے۔‘

اورآرگنائزر اور منیجر تو صرف اپنا پیشہ کرتے ہیں کیوں کہ وہ اس پیشے کے ماہر ہیں، اور یہ سارا کچھ وجود میں لانے کی ان کی ذمہ داری ہے، یہی ایک پیشہ نہیں بلکہ تقریباً ہر بڑی آمدنی والا بزنس اسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ اس میں ہر قسم کے لوگوں کا تعاون لینا پڑتا ہے اور اتنی گارنٹی حاصل کرنی پڑتی ہے کہ آدمی بے خوف ہو جائے۔ غلط دھندے چوروں کی طرح ڈر ڈر کر نہیں ہو سکتے اور ڈکیتوں کی طرح زبردستی بھی نہیں ہو سکتے ہیں—— غلط دھندے صرف حاکموں اور راجاؤں کی طرح حکومت، قانون، سماجی تعاون اور ایک مکمل قابل اعتماد نظام کی بنیاد پر ہی چل سکتے ہیں، اور جب انسان کے اندر یہ سب کچھ آ جاتا ہے تو اس کے احساسات بھی چوروں ڈکیتوں کی طرح نہیں ہوتے—— ان میں حاکموں والی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

لڑکی کی آنکھیں سب کی آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں، ایسی مستی میں جیسے تمام آنکھوں کے پردے اٹھ گئے ہوں، اور سب اس ہمہ گیر عمل میں شامل ہو گئے ہوں۔

اور اب لوگ آخری منظر کے منتظر تھے۔

لڑکی پھر جھوم رہی تھی، نظریں اس کے سینے سے اُتر کر سفید ناف، پھر کمر اور پھر کولھے پر رک گئیں؟ انگلیوں سے اس نے کچھ یوں کھینچا جیسے یہ آخری غیر ضروری چیز ہو،

بیرا پھر آ گیا، اس بار اس کے چھوٹے سے پلیٹ میں ایک بل تھا۔ ساٹھ روپے کا——

’یہ کس لیے؟‘

’آپ کچھ لیں نہ لیں، بل تو دینا ہے‘

’آپ اپنے منیجر کو بلا لیں۔‘

بیرا چلا گیا۔

ایک داڑھی والا منیجر آیا۔ اس کی مونچھوں کے خط بھی بڑے عجیب تھے۔

’ہاں صاحب، بتائیے کیا بات ہے؟‘

اس نے اپنی جیب سے اپنا وزٹنگ کارڈ نکال کر اسے دیا اور آگے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس منیجر نے وزٹنگ کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے واپس کر دئے۔

’آپ پیسے دے دیجئے۔‘

الوک نے منیجر کو بڑے غور سے دیکھا جو انتہائی اعتماد اور بے فکری سے کھڑا تھا۔

’وہ ذرا یہ ٹکڑے چن کر اٹھا لو۔ انہیں یوں چھوڑنا مناسب نہیں۔‘

’ذرا بھی ان لوگوں کو ڈر نہیں‘

تم نے دیکھا نہیں کہ اس نے وزٹنگ کارڈ کو پڑھا بھی نہیں—— کوئی بھی—— چاہے وہ کچھ بھی ہو، کسی بھی عہدہ یا شعبۂ زندگی کا ہو، وہ اس کا اتنا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس کا خوف اسے کارڈ کو کم از کم ایک بار پڑھ لینے پر مجبور کرتا—— اتنے ٹھوس قلعوں کے اندر یہ ان لڑکیوں کو نچاتے ہیں۔

سوچتے سوچتے الوک کو یاد آیا کہ شہر میں اس کیبرے کے بارے میں سنی جانے والی کہانیوں میں کیسے کیسے تبدیلیاں آئی تھیں—— کہا جاتا تھا کہ اس کیبرے ہاؤس کا مالک بھی شراب کا دھندا کرتا تھا۔ اس وقت پولس اس کے خلاف کاروائی کرتی تھی۔ پھر اس نے ایک سب انسپکٹر کے خلاف ایکشن کروایا اور اس کے بعد اس سب انسپکٹر سے پیسے لے کر اس کو بچا لیا—— اس بات پر اس کا سکہ جم گیا—— پھر اس نے پیسے خرچ کر کے سب کچھ حاصل کرنے کا فن سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی——

سب سے پہلے لوگ کہتے تھے کہ کیبرے ہوتا ہے اور آوارہ لڑکیاں آتی ہیں، کچھ لوگ شراب پی کر آتے تھے۔ پولس چھاپہ مارتی تھی اور جھوٹے مقدمے بنا کر بند کرتی تھی۔

پھر لوگ کہتے تھے کہ وہاں رقص کرتے کرتے لڑکیاں تقریباً ننگی ہو جاتی تھیں—— اس پر بڑی بحث ہوتی کہ ایسا ہوتا ہے، کچھ کہتے کہ نہیں ہوتا ہے—— یعنی کہ اندھیرا کر دیتے ہیں تب کوئی کہتا نہیں چادر لپیٹے ہوئے آتی ہیں، کچھ حصہ دکھائی دیتا ہے،

پھر کہتے تھے کہ کپڑا پیٹھ پر ڈالے رہتی ہیں،

پھر کہتے تھے کہ جگمگاتی روشنی میں سارے کپڑے پھینک کر رقص کرتی ہیں،

اور پھر ایسی ایسی باتیں کہتے کہ یقین نہیں آتا تھا، جس نے بتایا تھا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ ایک لڑکی کو دیکھ کر اس کے دل میں حقارت پیدا ہو گئی تھی اور جب وہ میز میز گھومتی ہاتھ ملانے اس کے پاس آئی تو اس نے لاپرواہی ظاہر کرتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ بڑھا دیا تھا—— پھر اس لڑکی

نے اچانک اسے بڑے غور سے دیکھا تھا اور اپنا داہنا ہاتھ کھینچ کر اس نے بھی بایاں ہاتھ بڑھادیا — اس لڑکی کے بارے میں سن کر الوک کو بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور وہ خود اس لڑکی کو آ کر دیکھنا چاہتا تھا، نہ جانے کیوں، یہ لڑکی جسے اس نے دیکھا بھی نہیں تھا، اسے دل ہی دل میں پسند آ گئی تھی — انسان کے دل میں بھی کیسی کیسی باتیں اٹھتی ہیں۔

پھر یہ سنا کہ جو لوگ زیادہ پیسہ خرچ کرتے تھے ان کے ساتھ لڑکیاں میزوں پر بیٹھی شراب پیتی پلاتی رہتی ہیں، اور تقریباً ان سے چپک جاتی ہیں، اور سامنے کیبرے کا منظر بھی چلتا رہتا ہے۔

اور پھر سنا کہ جب بدنامی بڑھتی گئی تو کئی بار پولس نے روکنے کی کوشش بھی کی — اور تب پولس کو اچانک اندر آنے سے روکنے کے لئے دروازے میں اس وقت تالا لگایا جاتا تھا جب رقص اپنے عروج پر پہنچتا تھا۔

اور پھر سنا تھا کہ پولس نے عدالت میں درخواست دی کہ دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دیا جائے لیکن یہ درخواست نامنظور ہوگئی۔ حتّٰی کہ پولس نے ایک بار پچاس لوگوں کے بیانات لکھے اور پیش کئے جو کیبرے دیکھنے گئے تھے، اور بیانات کی بنیاد پر اس کیبرے ہاؤس کو بند کرنے کا حکم جاری کیا لیکن وہ لوگ کورٹ سے حکم امتناعی لے آئے۔

اور پھر سنا تھا کہ پولس نے آخری بار کوشش کی تھی اور لوکل افسر انچارج نے وارننگ دی کہ وہ سخت اقدامات اٹھائے گا، اس نے آنے والی لڑکیوں کو اور شراب پی کر دیکھنے آنے والوں کو بند کرنا شروع کیا — کچھ جائز، کچھ ناجائز — تب کیبرے ہاؤس کے مالک نے کہا۔

'مسٹر کیول کرشن — اگر آپ نہیں مانتے تو ان لڑکیوں کو آپ جس طرح بند کرتے ہیں، اسی طرح ایک دن میں آپ کو بند کروا کے یہ دکھادوں گا کہ ان لڑکیوں کی عزت چھوٹی ہے یا آپ کی اور میں آپ کی لڑکی کو بھی اسی طرح نچادوں گا!'

اور پھر اخبار میں خبر پڑھی تھی — کہ وہ آفیسر انچارج ایک دن کے لیے لاک اپ میں رکھا گیا — اور پھر اس خبر کے بعد اس نے سنا تھا، کہ اس کیبرے کا مالک پاورفل ہے —

اور آج وہ یہیں بیٹھا وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا — اشوک اس کی بغل میں بیٹھا تھا، اور اسکوچ کی ایک گلاس سامنے تھی۔ پلیٹ میں بھنا ہوا مرغ تھا۔

اس کی نگاہیں اس مخصوص لڑکی کو اندازے سے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ 'یہ ہماری ماسٹر پیس ہے'، اشوک نے کہا۔ اس وقت اسے اس لڑکی کے ساتھ ساتھ مدھو اور نیرا سب یاد آ رہے تھے، اور وہ خواب ناک رات — اور وہ صبح — اور وہ بدن جب نیرا کے یہاں وہ ایک بکرے کی طرح نیرا کے پیچھے نکلا تھا۔

اب وہ'

اپنے جسم کے کپڑے اتار رہی تھی'

یہ کپڑے کون اتار رہا تھا، وہ خود ہی اپنے کپڑے اتار رہی تھی؟

اس کی نظر اس کے ہاتھ پر گئی،

'نہیں'

اس کی نظر ہوا میں اٹھ گئی۔

کہیں آس پاس کوئی اور تھا؟

جو اس لڑکی کے کپڑے اتار رہا تھا کیا وہ نیرا کا مکان نہیں چھین سکتا تھا؟

ایک لڑکی جب کپڑے اتار سکتی ہے تو کیا بے مکان نہیں ہو سکتی؟

لڑکی کو اگر کپڑے اور مکان میں سے ایک چھوڑنا ہو؟

مکان؟

نہیں، کپڑے؟

نہیں،

وہ اُلجھ گیا،

کیا وہ خود کسی لڑکی کے کپڑے اتروا سکتا ہے؟

نہیں

تو وہ اس طاقت سے نیرا کو کیسے بچا سکتا ہے؟

اب اس کے جسم پر ایک تعویذ نما ڈوری کولھوں سے اوپر کمر میں بندھی تھی، اس نے اس میں اعتماد کے جھنڈے کی طرح ایک رومال باندھ کر لٹکا لیا تھا — یہ بالکل وہی لڑکی ہے جس کا

اسے انتظار تھا۔

اور وہ چل پڑی۔

میز میز!

لوگوں کو اعتماد اور وقار کے ساتھ ہیلو ہیلو کرتی ہوئی۔

ہاتھ ملاتی ہوئی۔

کسی کسی کی جانگھوں پر بیٹھ کر۔

بے حیائی کا منظر پیش کرتی ہوئی۔

اور بقیہ دوسرے لوگوں کو دیکھ کر دیدہ دلیری سے مسکراتی ہوئی جیسے یہ دکھانا چاہتی ہو۔

کہ وہ اپنی مرضی سے خوش قسمتوں کا انتخاب کر سکتی تھی۔

ایک میز پر۔

ایک نوجوان نے اس کو ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو اس نے

تڑاخ سے ایک طمانچہ اس جوان کے منہ پر مارا۔

وہ جھلا گیا——

اور اس احتجاج کیا۔

جب سب مزے لے سکتے ہیں۔

تو کیا میں کسی سے کم ہوں؟

پیسے تو میں نے بھی دئے تھے۔

لیکن۔

پیسے دینے کی منطق کو۔

گویا وہ لڑکی اپنے قدموں تلے کچل رہی تھی، اور اسے لگا کہ یہ لڑکی نہیں وہاں دنیا خود ننگی ہو کر ناچ رہی ہو۔

اس جوان کی آنکھوں میں تیرنے والے تجزیہ کو اس لڑکی نے پڑھ لیا اور یہ سوچ کر کہ کہیں اس میں یہ شبیہہ باقی نہ رہ جائے کہ وہ پیسے دینے کی وجہ سے اس لڑکی سے برتر ہے۔

اس نے دوبارہ جھپٹ کر ایک طمانچہ مارا۔

اور پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

ہوٹل کے دو مسٹنڈے۔ ملازم وردی میں۔

اس کے ساتھ چل رہے تھے۔

وہ الوک کے قریب۔ اسی میز پر بیٹھے جوان کے پاس گئی۔

اس نوجوان نے کہا، تم کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے،

تو کیا چاہتے ہو کہ جب بھی تمہارے من کے اندر کھجلی آئے تو تم آؤ اور خود ہی کتوں کی طرح زبان نکالے چاٹتے جاؤ اس نے اپنی جانگھوں کے سامنے ایک پر جوش جنسی اختلاط کا ڈرامہ اسٹیج کرتے ہوئے کہا۔

☆

اب اس کا آہنی جسم۔

الوک کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

وہ الوک سے مخاطب ہو کر اس سے لپٹ گئی۔

الوک اس کی پیٹھ اور کمر پر ہاتھ پھیرتا ہوا اپنے ذہن میں کسی مناسب جملے کی تلاش کرتا رہا جس سے وہ اس لڑکی کے بارے میں اپنے گہرے احساسات کا اظہار کر سکے۔

جیسے ہی لڑکی نے سر اٹھایا، وہ بولا

''مجھے آپ کی بولڈنس بہت پسند ہے''

لڑکی نے اسے چونک کر دیکھا۔

اور زندہ دلی اور ادب سے بولی۔

'آئی لائک اٹ'

اس کی عمر اور لڑکیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔

اور یوں لگتا تھا جیسے اندر ہی اندر اس کی نسوانیت پر آئرن کر دیا گیا ہو۔

اس لڑکی کو جس کے پوز سے مردانہ کرختگی جھلک رہی تھی۔

اس رقص میں ہوٹل، الوں نے کیوں رکھا ہے؟

یہ ماسٹر پیس کیسے ہے؟

کیا یہ اب بھی اس مارکیٹ میں۔

مقبولیت رکھتی ہے۔

اس نے محسوس کیا کہ اس لڑکی کی عجیب فاشی، فاشی بھری عُریانیت جس میں صرف اور لڑکیوں کی طرح اس نے صرف کپڑے ہی نہیں اتار پھینکے تھے۔

بلکہ اپنی جھجک، اپنی کمزوری، اپنے تناؤ، سب کچھ اُتار پھینکا تھا۔

اور کھل گئی تھی۔

اور اس کے اندر برسوں کے رقص کی ریاضت کے بعد یہ شعور واضح طور پر نمایاں ہوگیا تھا کہ لوگوں کو کیا چاہئے۔ اس نے ماحول پر اختیار حاصل کرلیا ہے۔

اور یہ کیسے وہ اپنی برتری کو ثابت کرنے کیلئے، سرِ عام، ان کے کپڑے بھی اتار سکتی ہے

جو ان کو ننگا دیکھنے کے لئے پیسے دیتے ہیں

وہ یہ سب ایک مکمل اعتماد اور پختگی کے عالم میں کر رہی تھی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے ماحول پر اختیار حاصل کرلیا ہے۔

لیکن اس حد تک بد مزاج لڑکی کو ہوٹل والوں نے کیوں رکھا ہے؟؟

کیا اس لیے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ عورت کے اندر کی یہ چیز بھی بے حد خوبصورت ہوتی ہے۔

اور وہ اس کا رقص دکھا کر پیسے بنا رہے تھے۔

عورت کی خوبصورت خوداعتمادی،

ماسٹر پیس، بن گئی تھی۔

وہ کاروباری، کتنے، طاقتور، حاوی اور ہمہ گیر تھے، جو اس عورت کی اس خوداعتمادی کا کاروبار کر رہے تھے جو برسوں کے ننگے رقص کے تجربہ کے بعد ابھری تھی اور لاکھوں سال کی پختگی رکھتی تھی۔

اور تماش بینوں کی آبرو کا بھی کاروبار کر رہے تھے،

ان کا اپنا ہی پیسہ ان کی آبرو اتار رہا تھا'

اس کی نظر پھر اشوک پر پڑی۔

یہ اس کاروبار کے منیجنگ ڈائرکٹرز میں سے ایک ہے'

وہ پھر رقص کر رہی تھی، بالکل یوں ہی جیسے وہ گھوم رہی تھی، وہی تعویذ، وہی ڈوری، وہی سب کچھ رقص کرتے کرتے وہ جھٹکے سے رکی، اور اس کا ہاتھ ہواؤں میں یوں رک گیا، جیسے چلتی ہوئی چھڑی رکی ہو،

اور اس ہاتھ کے رکنے کے اشارے پر،

وہ اب جم کر کھڑی تھی،

خاموش، ساکت، پرشکوہ۔

اور پورے ہال میں گونج کی سی خاموشی، جیسے اس لڑکی نے سب کی آواز کی لگام اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہو۔

واقعی یہ لڑکی نہیں ہے، یہ وہی ہے، جو میں سوچ رہا ہوں یہ وہی زندگی ہے جس میں ہم رہتے ہیں اور یہ رقص نہیں خواب ہے، اور وہی ناچ رہی ہے!

اور اشوک وہی ہے، اصلی والا! اور پھر وہ مسکرائی،

ایک فاتحانہ مسکراہٹ'

جیسے کہہ رہی ہو،

—ان سب پر، اس پورے ماحول پر، اور اس کی پوری کیفیت پر،

میرا اختیار ہے اور میری مرضی کے بغیر

یہاں ایک سوئی بھی نہیں گر سکتی'

پھر اس نے مسکراہٹ سے اشارہ کیا،

اور ساز بج اٹھے، پورا ہال گونج اٹھا،

اور اس نے پھر شوخی سے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھا،

اس نے اپنے اس کمانڈ'

کے مظاہرے کو'

کئی بار دہرایا۔

کیفیت نہیں ہوگی، زندگی کو انجوائے کرو بھائی صاحب، اور کچھ نہیں رکھا ہے، اس دنیا میں انسان کاغذی ناؤ ہے، ایک جھٹکے میں ڈوب جاتا ہے، سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے ـــ لوگ بھی بڑے بے مروت ہوتے ہیں، اور وقت بھی کسی کو یاد نہیں رکھتا، اور خصوصاً آج کل جب وقت خود گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے ـــ یہی یادیں رہ جائیں گی، قسم کہتا ہوں بھائی صاحب، بیس تیس سال بعد آپ محسوس کریں گے کہ یہی لمحے آپ کی زندگی کا حاصل تھے، باقی سب باتیں بے معنی تھیں، آج کے دور میں سب چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اور بڑی بڑی تبدیلیاں طوفانی دریا کی طرح سب کچھ آپ کے آس پاس سے کاٹ کر لے کر چلی جاتی ہیں ـــــ آج کی دنیا میں آدمی صرف یادوں اور لذتوں کے سہارے زندہ رہ سکتے ہیں، ورنہ لوگ تو چھوڑ ہی جاتے ہیں، اور آپ کے پاس جب کچھ بھی نہیں ہوتا تو اور تو سب آپ کو کوستے ہی ہیں کہ آپ نالائق ہیں، آپ کے جسم کے ریشے آپ کے من میں چھپی ہوئی گانٹھیں بھی آپ کو تنہائی میں کوستی ہیں کہ آپ نے ان کا گلا گھونٹ گھونٹ کر مار دیا، اور کبھی دل کی بھڑاس نہیں نکلنے دی، کبھی مرادوں کو پورا نہیں ہونے دیا، آپ کی یہ پوری جوانی آپ کا مُحکمہ آپ کے اندر سے چوس لے گا اور جو کچھ بچے گا وہ دوسرے لے جائیں گے اور آپ صرف اپنی پیاس اور نامرادیوں کے ساتھ باقی رہ جائیں گے ـــ آپ کی روح سے بھوکی آوازیں آئیں گی ـــــ میری باتوں کا بُرا مت مانئے گا، بھائی بنایا ہے اس لیے بتا رہا ہوں، یہی وقت ہے سب کچھ کرنے کا، عیش کرنے کا، پیسہ کمانے کا ـــــ آپ کہتے ہیں تو یہ دونوں کیسٹ آپ کے سامنے اریز کر دیتا ہوں ـــــ لیکن ایک بات بتا دوں، دنیا ویسی نہیں ہے جیسی آپ دیکھ رہے ہیں، یہ پردوں کی دنیا ہے، ہر ایک اپنی پرائیوٹ زندگی جیتا ہے۔ ایسی ایسی زندگی جس کا وہ ذکر بھی نہیں کرتا اور اس کی اپنی زندگی میں ایسی ایسی تاریک سرنگیں ہوتی ہیں، جس کو وہ خود صاف صاف نہیں دیکھ پاتا ـــــ مجھے دیکھئے مجھے خود پتہ نہیں کہ میرے پاس کتنا پیسہ ہے، مجھے خود پتہ نہیں کہ میرا پیسہ کیسے کیسے روپ لے کر بڑھتا رہتا ہے، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ بڑھتا رہتا ہے ـــــ اور میرے پاس یہاں ـــ آپ کے علاوہ جتنے آئے ہیں انہوں نے بھی یہ بلیو فلم دیکھی ہیں ـــ اور یہیں سے نہا نہا کر گئے ہیں ـــ آپ بہت معصوم ہیں، کچھ کچھ نیک بھی ـــ لیکن آپ کی یہ معصومیت اور نیکی کچھ نہیں صرف انجان ہونے کا نتیجہ ہے ـــ آپ کو میں نے محسوس کیا ہے کہ ہر قدم آگے بڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ آپ کسی اجنبی دنیا میں جا رہے

رات کافی ہو چکی تھی،

☆

یہ لیجئے بھائی صاحب، میری طرف سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے، اشوک نے ایک ویڈیو کیسٹ بہت ہی خندہ پیشانی اور زندہ دلی کے ساتھ پیش کیا۔

'کیا ہے یہ، الوک ویڈیو کیسٹ کو الٹ پلٹ کر نام دیکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس پر کچھ نہیں لکھا تھا۔

'اوپر سادہ اس لیے ہے کہ یہ بڑی خاص چیز ہے، اور آپ کی پرائیویٹ پراپرٹی ہے'

'کیا ہے؟ اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔

'یہ آپ کے ساتھ اس دن کی مدھو کی یادگاریں ہیں، آپ نے بھی کیا قیامت ڈھائی ہے بھائی صاحب ـــــ جب آپ میری وہ تصویریں دیکھ رہے تھے، اشوک کہے جا رہا تھا اور الوک پر ایک سکتہ طاری تھا'' سنگا پور والی تصویریں ـــ یاد ہے نا ـــ تبھی میرے جی میں آیا تھا کہ بھائی صاحب کے لئے بھی ایک کیسٹ ہونا چاہئے۔

الوک محوِ حیرت اشوک کو دیکھ رہا تھا۔

'اگر آپ چاہیں تو لے جائیں یا میرے پاس چھوڑ دیں، ویسے میں نے اس کی دو کاپیاں بنوائی ہیں تاکہ ایک امانت کے طور پر میرے پاس رہے یہاں، تاکہ آپ کا جب موڈ ہو، یہاں دیکھ لیں، یہ بھی تو آپ ہی کا گھر ہے،

لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا تھا؟؟

بتاتا تو پھر تصویر میں وہ بات نہیں آتی۔ جو بے تکلفی اس میں ہے اس کا جواب نہیں۔ آدمی تو جی کھول کر تب کچھ کرتا ہے جب اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو یا جب اس کو کسی کا خطرہ نہیں ہو۔

الوک ایک خشک تنکے کی طرح سناٹے میں آ گیا تھا۔

'یہ پوری بات ہی مناسب نہیں ہے'

'تو کیا ہوا میں نے تو آپ کو وہ اپنی والی تصویریں دیکھ کر ایسا سوچا تھا۔ جو کچھ کرنا ہے جوانی ہی میں کر لو بھائی صاحب، بڑھاپے میں تھوڑا ہی کر پاؤ گے، لونڈیا تو مل جائے گی، لیکن یہ

ہیں، آپ یہ مان کر کیوں نہیں چلتے کہ پوری دنیا آپ کی ہے، آپ اس میں پیدا ہوئے، آپ کو اس میں جھجکنے اور تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں — اور آپ زندگی کو اتنی دور سے کیوں دیکھتے ہیں؟ — اس دن آپ اس لونڈیا سے، کیبرے میں کہہ رہے تھے کہ آپ کی یہ بولڈنس مجھے بہت پسند ہے، — یہ کیا بات ہوئی؟ آپ کیبرے دیکھنے گئے تھے یا پرسنالٹی پر ریسرچ کرنے کے لیے گئے تھے، کتنی خوبصورت چیزیں سامنے کھلی پڑی تھیں اور آپ کو صرف بولڈنس پسند آ رہی تھی — بولڈنس کیسی؟ یہ سب پیسوں کا کھیل ہے، ہم اسے دو سو روپے اور دیدیں تو اس سے چار گناہ زیادہ بولڈنس دکھائے گی — اور آپ اس بولڈنس کی تعریف ایسے کریں گے جیسے کسی بہت بڑے اسپورٹس مین کو دیکھ رہے ہوں۔

اگر کسی کے دو سو روپے آپ کے اس طرح چونکا سکتے ہیں، تو پھر آپ کی، معاف کیجئے گا، افسری میں کچھ کمی ہے، آپ کو بھائی بنایا ہے اس لیے کہہ رہا ہوں، سالا دو پیسے کا ایک پراپرٹی ڈیلر، جانتے ہیں آپ اس لڑکی کو، آپ کیا جانتے ہیں، دو پیسے کا پراپرٹی ڈیلر جس لونڈیا کو رات رات بھر روندتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو پیش کرتا ہے، اس کو آپ آپ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے، میرے بیرے بھی دیکھ کر حیرت کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ آپ کیسے افسر ہیں — الوک کو بیروں کے چہرے کی وہ مخصوص کیفیت یاد آ گئی، تو وہ یہی سوچ رہے تھے، — جو لڑکی ہزاروں آدمیوں کے سامنے موم بتی لے کر رقص کرتی ہے، اتنی تو چکلے کی عورت بھی بے شرم نہیں ہوتی، اس کو آپ آپ کہہ رہے تھے — آپ بہت معصوم ہیں الوک جی — آپ کو بھائی، — بُرا نہ مانئے گا، میری باتیں دھیرے دھیرے آپ کی سمجھ میں آ ئیں گی۔'

میں جانتا ہوں، کہہ نہیں رہا ہوں، لیکن سمجھتا ہوں کہ آپ اس کیسٹ والی بات پر کیوں رنجیدہ ہو رہے ہیں، — آپ غور کیجئے کہ میرے دل میں کتنا دکھ ہو رہا ہوگا، یہ سوچ کر کہ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں آپ کے لئے جو خلوص پیدا کیا ہے، اور اس جذبے کے تحت جو کچھ کیا ہے، اس کو آپ کس نظر سے دیکھ رہے ہیں یہ میں محسوس کر رہا ہوں، — لیکن الوک جی، میں اتنا چھوٹا آدمی نہیں ہوں، دھوکے بازی، بلیک میل، دھمکی، ہیرا پھیری — یہ سب چھوٹے لوگ کرتے ہیں، یعنی مجھ سے بہت چھوٹے لوگ — لیکن ہم ایسا نہیں کرتے — ہمیں کیا ضرورت — ہم تو صرف سیوا کرتے ہیں، بھگوان قسم، صرف سیوا — اور ہماری سیوا میں

اتنی برکت ہوتی ہے کہ لوگ ہمارے لئے مہربان رہتے ہیں۔ یہ بات میں نے آپ کو پہلی ملاقات کے دن ہی یا دوسرے دن کہہ دی تھی۔

مدھو نے آپ سے کمار کے بارے میں کہا ہوگا اور میں نے آپ سے یہ کسیٹ والی بات کہہ دی اور آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں — کیا میں اتنا نہیں سمجھتا کہ جو افسر نیرا جیسی ایک لڑکی کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہے کہ اپنی گاڑی چھوڑ چھوڑ کر بس میں سفر کرے، اور سب انسپکٹر کی بے عزتی برداشت کرے اور بیوی سے لڑائی کرے — وہ افسر اگر مجھ پر مہربان ہے تو یہ میری کتنی بڑی خوش قسمتی ہے — بھگوان کی کرپا سے آپ کو ابھی بہت آگے جانا ہے۔

یہ تو آپ کے لئے صرف ایک تحفہ ہے اور مدھو کو بھی جب جی چاہے، بلا لیجئے گا، فون کر کے، جہاں کہیں گے وہ آ جائے گی۔ پیمنٹ میں کر دوں گا۔ آپ کو اس بارے میں چنتا کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

آپ چونکئے نہیں، سب چلتا ہے، یہ دِلّی ہے، لیکن آپ کا یہ بھائی، آپ کا بھائی ہے۔

اتنے میں انٹر کام کی گھنٹی بجی — آپ جب تک یہ دیکھئے — اشوک نے ایک فلم چلا دی اور نیچے چلا گیا۔ الوک کی نظریں بلیو فلم پر نہیں ٹک پا رہی تھیں، جیسے اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ دلچسپ سچائیاں ابھر رہی تھیں۔

زندگی کے اس روپ کو بھی زندگی ہی کی طرح دیکھو الوک — اگر مدھو تمہاری ضرورت تھی تو تم کیوں گھبرا رہے ہو، زندگی میں کون سی چیز اہم ہے — کیا ان تمناؤں اور خواہشوں کا پورا ہونا جو ہمارے اندر چھپی ہوئی ہیں، ضروری نہیں ہے؟ اگر ضروری ہے کہ ان کے پوری نہیں ہونے سے کہیں اندر، کچھ دبا ہوا، سڑتا رہتا ہے، تو پھر ان کو پوری انگڑائی لینے کا موقع دینے میں کیا غلط ہے؟ تو پھر لوگ اعتراض اور مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کیا ان کی انگڑائیوں میں جنبش پیدا نہیں ہوتی؟ یا انگڑائیاں فضا میں چوروں کی طرح دبے پاؤں چلتی پھرتی ہیں کہ وہ انسان کی اپنی باتیں ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن یہی باتیں تو اشوک کی شکل میں، دبے پاؤں نہیں، بلکہ اونچے اونچے مجسمے بن کر چلتی ہیں، — میں کیوں ڈروں؟ کیا صرف میں ڈرنے کے لئے ہوں؟ اور وہ نہیں؟ مجھ میں کیا کمی ہے؟ میں۔نے کیا کیا ہے۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا ہے، میں تو صرف بہتا چلا گیا ہوں، اگر نہیں بہتا

تو ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ جو کچھ ہوا اس سے کیا ہوتا ہے؟ یہی نا کہ ان خواہشات کی کڑی اشوک اور اشوک کی دولت اور اشوک کے کاروبار اور اشوک کے کردار اور اشوک کے اس سماجی تصویر سے جا ملتی ہے جس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ لوگ اسے، اسمگلر، ریکیٹیئر، اور دو نمبر کا آدمی کہتے ہیں۔ لیکن یہ ایک نمبر کی زندگی کی شاخیں کسی طرح دو نمبر کے پیڑوں میں جا کر اُلجھ جاتی ہیں اور مل کر گھنی ہوتی ہیں اور دو نمبر کی زندگی کی جڑیں ایک نمبر کی زندگی میں گڑی ہوئی اپنی توانائی حاصل کرتی ہیں۔ یہ سب کچھ کتنا ملا جلا ہے۔——

الوک نے اپنے دل میں ہلکا سا کہیں محسوس کیا کہ اشوک بُرا نہیں —— وہ تو جو کچھ کہہ رہا تھا وہ باتیں کچھ اور بڑی باتوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں، جیسے اشوک کی نظر میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے بارے میں وہ سوچ کر اُلجھن میں پڑا تھا۔ مثلاً کمار —— اور مکان، اور نیرا۔ اور مدھو، اور کیسٹ —— یہ باتیں اور اس قسم کی اور باتیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں، یہ سب بہت چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں، اس کے نزدیک بڑی باتیں تو زندگی کے اور آگے پھیلی ہوئی مہمات تھیں، مہماتی مناظر تھے، اور ممکنات کی دھند میں کھویا ہوا تحیّر تھا۔

الوک کو لگا کہ زندگی کے جس کینوس کو وہ بہت بڑا سمجھ رہا تھا،
وہ بھی صرف ایک پہلو تھا، وہ بھی صرف ایک پہلو تھا۔ کہ آگے کا پورا منظر
جگہ جگہ سے سڑکوں میں تبدیلی ہو کر حدِ نظر کی دھند میں کھو گیا تھا۔

☆☆

۲۳

الوک جب واپس لوٹتا ہوا سیڑھیاں اُتر رہا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ غیر مطمئن تھا اشوک سے ہوئی پوری گفتگو میں ہر نقطۂ سے سیر حاصل بات چیت ہوئی تھی، لیکن وہ بات جو سب سے زیادہ اہم تھی اس کا وہ ذکر نہیں لا سکا تھا، اور شاید محض اس لیے کہ اس کے پاس اس بات کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے الفاظ اور منطق نہیں مل رہے تھے اور جس منطق کی فضا میں گفتگو ہو رہی تھی اس میں وہ بات کہیں بیٹھ نہیں رہی تھی۔ اگر اس صورت حال میں وہ اس کا ذکر کرتا تو اس کا لہجہ بھی جذباتی ہوتا کہ جذباتی انداز میں اس اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے جس کی شدت کو وہ محسوس کر رہا تھا، دوسرا کوئی منجھا ہوا اور مستند طریقہ کار اس کے سامنے نہیں تھا اور محض جذباتیت اور وہ بھی بچی جذباتیت کا لیبل لگا کر اگر وہ بات رد ہو جاتی تو اسے تکلیف پہنچتی اور اسے کہیں اپنے اندر ٹوٹ کر رہ جانے کا ذلت آمیز احساس ہوتا لیکن پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا اور اب یہ بے اطمینانی شدت پکڑ کر اسے اکسانے لگی اور صاف صاف پوچھنے لگی کہ تم اشوک سے یہ بات سیدھی طرح کیوں نہیں کہہ سکتے کہ تم نیرا کا ساتھ اس لیے نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کے ساتھ تمہیں گہری ہمدردی ہے۔ تم اسی بات سے ڈرتے ہو نا کہ اشوک یہ کہے گا کہ کسی کی ہمدردی میں اس قدر دور تک جانا کہ غلط فہمیوں میں پڑ کر گھر والے، سوسائٹی کے لوگ اور ممکن ہے محلّے کے لوگ یہ رائے قائم کرنے لگیں کہ وہ نیرا کے عشق میں دیوانہ ہو رہا ہے مناسب نہیں اور پھر وہ یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ اگر اس قدر ہمدردی ہے تو اس طرح تو ہزاروں لاکھوں باتیں چاروں طرف ہوتی رہتی ہیں تو ان کے لئے اسی شدت سے اس کا وہ نیکی کرنے کا جذبہ ہے لیکن اس کے جیسے افسر کے لیے، جس

کا سماج میں اتنا بڑا مقام ہے کہ سیکڑوں لوگوں کی نگاہیں اس کے اوپر مسلسل لگی رہتی ہیں اور لوگ اس کی حرکتوں کو بغور دیکھتے رہتے ہیں، اور اس کی حرکتوں کے بیک وقت کئی کئی معنی نکالتے جاتے ہیں، اسے احتیاط سے کام لینا چاہئے اور اس کو اسی مقام پر رکھنا چاہئے جو اس کا مقام ہے۔ یعنی اگر ضرورت ہو تو وہ کسی کو سنجیدہ انداز میں فون سے اس کا خیال رکھنے کے لئے کہہ دے۔ یا کبھی اس کے مسئلے میں سنجیدگی سے رائے دے دے۔ وہ غلط جا رہی ہو تو اس کو بتادے۔ لیکن اس معاملے میں تن من دھن سے اس انداز میں جٹ جانا ایک شدید قسم کی کجی اور غیر اعتدالی کا اظہار کرتا ہے، اور اس جذباتی پہلو کے لئے اس یا کسی اور ٹھوس مسئلہ کو کھڑا ہونے دینا جو کمار کو دشمن بنانے سے پیدا ہو رہا تھا اور جس کی وجہ سے کمار اپنے طریقے سے اس کے بارے میں مختلف غلط فہمیاں پھیلا سکتا تھا، اور لوگوں کو اس کے بارے میں اس کے کج رو، غیر اعتدال پسند عیاش اور غیر اخلاقی رویوں پر چلنے والا افسر بتا کر لوگوں کے اندر یہ اعتراض ابھار سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ سرکاری افسر جو لوگوں کی بہو بیٹیوں اور ان کی عزت کا بھی ایک اعتبار سے رکھوالا ہے، اگر اس قسم کا انسان ہوگا، تو وہ سرکار کے اوپر کیسے ان معاملات میں اعتماد رکھ سکتے ہیں؟ اور سرکار اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے اسے اپنے ان رویوں سے گریز کرنے کو کہہ سکتی ہے، پھر وہ کیا کرے گا اور کیا جواب دے؟ کیا وہ اپنے ان رویوں کو ختم کرلے گا؟ اور اس سے جو تکلیف پہنچے گی اس پر خود اپنی نگاہوں میں نازاں ہو کر رہ جائے گا! اور وہ اپنے کو مطمئن کرلے گا کہ وہ جو کچھ کر سکتا تھا، اس نے کرلیا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بارے میں لوگ کمار کے اشارے پر تحریری درخواست دیں اور اس درخواست پر انکوائری ہو، اور یہ بات ثابت ہو جائے اور اس کے بعد اس سے اس کا جواب دینے کو کہا جائے، اور اطمینان بخش جواب نہ دے پانے کی صورت میں یہ رائے قائم کرلی جائے کہ وہ ایک ایسا افسر ہے جو اخلاقی قدروں سے گرا ہوا ہے، اور اس کو کبھی کسی ایسے عہدے پر تعینات نہ کیا جائے جہاں لوگوں کی جان اور عزت کی حفاظت بنیادی ذمہ داری ہوتی ہو۔ یہی نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ جب ترقی ملنے کا وقت آئے تو وہ رائے اس وقت بھی مدِ نظر رکھی جائے، اور اس کے اوپر دوسروں کو برتری مل جائے، اور صورت حال یہ پیدا ہو جائے کہ دوسرے ترقی کرنے کے بعد اس کے اوپر تعینات ہو جائیں اور اسے بتانے لگیں کہ اچھا کیا ہے، اور بُرا کیا ہے، اور اس کو، اس قسم کی برائیوں سے روکنے کے لئے اس پر خاص نظر رکھیں، اور اگر دیکھیں کہ وہ اسی راستے پر جا رہا ہے تو اسے مختلف

انتظامی طریقوں سے اور اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اسے حکم دے کر اس راہ پر جانے سے روکیں؟ تب کیا وہ رکے گا یا اپنی جگہ رہے گا؟ یا اپنا طریقہ کار بدل کر اپنی وابستگی کو قائم رکھے گا؟ اگر اس وقت اتنے خساروں کو جھیلنے کے بعد وہ اپنے طریقہ کار کو روکے گا تو کیا یہ محض اس کی بیوقوفی نہیں ہوگی کہ وہ اپنا طریقہ کار کو اسی وقت بدلے اور کوئی اور طریقہ کار سوچے۔ لیکن ان خفیہ راستوں پر جانے کی ضرورت اسے کیوں محسوس ہو رہی ہے؟ کیا ایک جملے میں ساری بات نہیں ختم ہو سکتی کہ وہ با آواز بلند یہ اعلان کرے کہ اسے نیرا سے ہمدردی ہے، اور یہ ہمدردی اتنی شدید ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ عین فطری ہے، اور وہ اس ہمدردی کی شدت کو اس لیے جھٹلانا نہیں چاہتا کہ وہ اس پوری شدت کو جذب کرنا چاہتا ہے کہ یہ شدید ہمدردی اپنے اندر سچائیوں کی چمک رکھتی ہے اور قابلِ قدر ہے کہ اس سے اتنی ہی والہانہ وابستگی قائم کی جائے جتنی وہ کر رہا ہے اور یہ کہ وہ تمام نظریے غلط ہیں اور ان نظریوں کی مادی بنیادیں غلط ہیں، جو ہمدردی کو رد کرتی ہیں، اور وہ تمام دانشورانہ نظریے بھی غلط اور باطل ہیں جو ہمدردی کو خیال کی سطح پر دیکھتے ہیں اور جنہوں نے ہمدردی کا تجربہ نہیں کیا ہے بلکہ کتابوں میں پڑھا ہے، اور زندگی کے کارزار میں ان لوگوں کو اسے رد کرتے دیکھا ہے۔ جن لوگوں کو کبھی ہمدردی کا تجربہ نہیں ہوا لیکن جو اس کی اہمیت کو اپنی دانشمندانہ مادی نظریوں کو چمک عطا کرنے کے لئے جھٹلاتے پھرتے ہیں، اور جنہوں نے اپنے تجربات کے دائرے میں حدِ نگاہ تک کٹی ہوئی فصلوں کو دیکھا ہے، بنجر زمینوں کے چٹیل میدان در میدان دیکھے ہیں لیکن کبھی انگور پھوٹتے نہیں دیکھا۔ کیوں وہ اپنے محکمہ کو بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچائی ہے، جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ سچ ہے، اور اس سچ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ انسان کے دل کو اپنے طلسم میں گرفتار کر کے پوری قوت سے اپنی طرف کھینچے اور جب تک انسان ان طلسمی دھاگوں کو کسی آہنی صاف بلیڈ سے کاٹ کاٹ نہ دے، اور اپنے معصوم دل کو دانش وروں کی تھپکیاں دے دے کر چپ نہ کرائے یا اسے ایسی طلسمات کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے کر اور اس کو خطرناک اور تباہ کن بتا کر اسے بھڑکائے نہیں اور اس کی دھڑکنوں کو بالکل سرد نہ کرے، اس وقت تک ہر انسان اسی طرح کھنچا چلا جائے گا اور اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اپنے معصوم دل کو دھوکا نہیں دے سکتا اور ان دانشورانہ فلسفوں میں اسے زندگی کو مکمل طور پر مطمئن کرنے کا کی صلاحیت نہیں دکھائی دیتی جن کی تیز دھار سے دوسرے ان طلسمی دھاگوں کو کاٹتے

ہیں۔ اور اس لیے اس کی نوعیت انتہائی انفرادی ہوگئی ہے۔ لیکن وہ قطعی اخلاقی قدروں سے گرا نہیں ہے بلکہ محض اخلاقی قدروں کے سرچشمے تک پہنچ گیا ہے اور وہاں سے ان قدروں سے جی بھر کر سیراب ہونا چاہتا ہے کہ وہ اسی طرح پیاسا ہے جیسے ریگستان میں کسی درخت پر کئی برسوں تک پانی کی ایک بوند نہیں برسی ہو، اور جو گرم گرد و غبار کے ذرّوں میں تنے سے پتوں تک لپٹا ہوا ہو، اور سخت چٹانوں پر بارش کے پانی کے انتظار میں برسوں سے خاموش کھڑا ہوا۔

گھر لوٹتے وقت راستے بھر اس کے یہ خیالات ذہن میں گردش کرتے رہے اور اسے بار بار لگا کہ جس جیپ پر وہ جا رہا تھا اس کا انجن اس کے خیالوں میں لگ گیا ہے اور وہ پوری طرح خود اعتمادی سے آگے بڑھ رہا ہے، اور جیسے گھر کے در و دیوار بغیر کچھ کہے خاموشی سے اسے بغور دیکھ رہے ہیں۔ وہ بھی اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا ہی، بستر پر چلا گیا، انجن چلتا رہا، اور وہ جیسے ایک دروازے کو کھول کر دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں، آگے بڑھتا رہا، اور اب وہ نیند کی دنیا میں گھس گیا تھا۔

جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو اسے لگا جیسے پچھلی رات کا بوجھ اس کے ذہن سے صاف ہو رہا ہو، اور اس کے دل کی گتھی جیسے یکا یک کھل گئی ہو۔

——اور مسلسل بغیر کسی جھٹکے اور رکاوٹ کے، اپنی قوت سے آپ باہر آتا ہوا کوئی پھول، جیسے کسی بند کلی کے اندر سے آہستہ آہستہ کھل رہا ہو اور اندر کا دباؤ اور اندھیرا رنگوں میں تبدیل ہو کر نرمی اور آزادی سے ہمکنار ہو رہے ہوں، اور اس نے اپنے بارے میں ایسا محسوس کیا جیسے اسے مٹی کے برتن کی طرح کوئی پانی کی طرف شفاف لیکن بے انتہا خوش وہ پرسکون وجود اپنی کشش کے ہاتھوں سے گڑھتا جا رہا ہو، اور اس سے وہ جس طرح بنتا جا رہا تھا، اس میں ہی اسے اپنی خواہشات، مرضی اور خلاقی رونمائی کا اطمینان مل رہا ہو۔ اس پر اس کا صرف سطحی حد تک اختیار ہے، اور دراصل وہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر بھی اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں بلکہ وہ تو بس جیسا گڑھا جاتا ہے ویسا ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسے خیال آیا کیوں نہ تم اپنے محکمے کو یہ جواب لکھ کر دو اور پھر دیکھو کہ تمہارا محکمہ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ کیوں نہ تم عوام کو سڑک پر للکار کر ان سے کہو کہ وہ سارے کے سارے لوگ اندھے بے حس اور ظالم ہیں اور کیوں نہ ان کو واضح الفاظ میں بتا دو کہ ان کی دانشوری نظروں کو

دھندلا دینے والی ایک چکا چوندھ ہے۔

یہ خیال آتے ہی الوک کو لگا جیسے اس کو اس عمل پر جو اس کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوا تھا، مکمل بھروسہ ہو گیا ہو۔ تم جہاں بھی اب مجھے لے جاؤ گے، میں جاؤں گا۔ مجھے اب تمہارے اوپر یقین ہو گیا ہے۔ اور تم جو روحانی سرور مجھے دیتے ہو وہ انمول ہے۔ لطیف ترین، شیریں ترین اور ہمہ گیر اثر رکھنے والا کہ جس سے مکمل زندگی کی سیرابی ہوتی ہے۔

وہ انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا اپنے تخیّل میں پورے حواس کو پھیلائے سراپا زبان بن کر اس انکشاف سے اپنی پیاس بجھا رہا تھا کہ کمرے میں ساوتری چائے لے کر داخل ہوئی۔ اس کی نظر ساوتری پر پڑی جسے اس نے بہت دکھ دیا تھا۔ اس کا دل پیار سے بھر آیا اور حواس پھڑ پھڑائے۔ اسے لگا ساوتری بھی وہی چشمہ ہے بلکہ قریب ترین موجود چشمہ ہے، سر سے پاؤں تک سراپا——اور اسے لگا کہ اس کے تخیّل اور محسوسات کا عالم ٹھوس شکلوں اور حقیقتوں میں اس کے سامنے کھڑا ہے۔ چاروں طرف ساوتری، یہ کمرہ، یہ بیڈ سامنے کھڑی الماری، ٹیبل پر رکھا ہوا گلاس، برآمدے میں بیسن صاف کرتا ہوا نوکر——اور اس کا چہرہ جیسے تمام تناؤ سے کھل کر دمک اٹھا۔ اور وہ مسکرا اُٹھا۔ اور اسے خود بھی محسوس ہوا کہ اس کی یہ مسکراہٹ ان تمام مسکراہٹوں میں شفاف ترین مسکراہٹ ہے جو اسے زندگی میں حاصل ہوئی تھیں اور جیسے ساتھ ہی ساتھ ساوتری بھی کھل اٹھی اور اس کے چہرے پر بھی کوئی تناؤ نہیں رہ گیا اور گویا ساوتری نے بھی یہ محسوس کیا کہ جیسے یہ مسکراہٹ ایک جھٹکے سے روشنی کی طرح گھر میں بس گئی تھی، جس کی بظاہر وہاں کوئی وجہ نہیں تھی اور یہ جیسے بالکل ایسا تھا جیسے کوئی بیمار دکھائی دینے والا یکا یک مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا ہو۔

ساوتری پھول کی طرح رنگین اور شاداب ہو کر اسے گہری آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر ساوتری کا ایک اتنا بھرپور بوسہ لیا کہ جیسے دوبارہ اس کے اور ساوتری کے ذہن اور دل مکمل طور پر ایک ہو گئے ہوں یا جیسے دوری کا احساس نہ تھا، محض اب تک ایک معصوم غلط فہمی تھی۔ آپس میں نہیں۔ ان چیزوں کے بارے میں جن کے درمیان وہ تھے۔ اسے لگا کہ اس کے اور ساوتری کے بیچ کی تمام اُلجھنیں اور دوریاں مٹ گئی تھیں۔

آج مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے، آج میرا دماغ بالکل آزاد ہو گیا ہے۔ تمام اُلجھنوں سے اب سب کچھ واضح ہو گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پھر ساوتری کی آنکھوں میں دیکھا وہاں

کیوں مجھے جھوٹ بولنے کا فن سیکھنا پڑتا ہے؟

یہ بلا وجہ تو نہیں؟

کیوں یہ باتیں دل پر بوجھ بنی رہتی ہیں— کیا اس لیے کہ سماج میں اتنی قوت نہیں کہ وہ لوگوں کو سچ بولنے کی آزادی دے سکے؟ کیا سچ بولنے سے ہمارا پورا نظام تتر بتر ہو جائے گا؟

☆☆

ایک خوشی جگمگانے لگی تھی۔

آج شام مجھے نیرا کے یہاں جانا ہے۔ اس نے مطمئن اور صاف لہجہ میں کہا اور اس نے پہلی بار اپنے اندر اس اعتماد کو محسوس کیا کہ اس کی یہ بات ساوتری کے اندر کوئی ناگواری پیدا نہیں کرے گی۔

'لیکن زیادہ دیر نہ کرنا۔ آج میں فلم دیکھنے جانا چاہتی تھی،

'ٹھیک ہے،— وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ساوتری کے گال پر ایک ہلکا سا بوسہ دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

لیکن جیسے ہی وہ جیپ میں بیٹھا ایک ہلکا سا دباؤ پھر اس کے دل میں پیدا ہو گیا جیسے کسی خیال کی پنکھڑیاں ایک ایک کر کے ابھر رہی ہوں اور پھیل رہی ہوں، اپنی اپنی سمتوں میں اور اس سے ایک عجیب رنگین صورت حال وجود میں آ رہی ہو۔

اسے ساوتری کا چہرہ دکھائی دیا جس پر بے میل مسکراہٹ تھی۔

اس نے ساوتری کو جو بوسہ دیا تھا اور جس کی مٹھاس اب تک اس کے منہ میں تھی وہ کڑواہٹ میں بدلنے لگا تھا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس کا اپنا چہرہ کافی سیاہ بھی تھا۔

کیا میں اتنا واضح بھی ہوں جتنا بے تاؤ ہوں؟

کیا میں اتنا بے خوف بھی ہوں جتنا مطمئن ہوں؟

کیوں مجھے اپنی زندگی میں چھپنے اور جھوٹ بولنے کا سلسلہ جاری رکھنا پڑتا ہے؟

کیوں میں ہسپتال کے لان میں لرزتا ہوں؟

کیوں مجھے اشوک کی دنیا جال لگتی ہے؟

میں کیوں ڈرتا ہوں؟ کس سے ڈرتا ہوں؟ کیا مجھے اس خوف سے نجات ملی ہے؟ میں کیا غلط کرتا ہوں؟ کیا میرے پاس اپنی بات کہنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں؟ اس دنیا میں الفاظ کی یہ کمی کیوں ہے؟

کیوں سوسائٹی میں جھوٹ بولنا کوئی قانونی جرم نہیں ہے؟

قانون اس موضوع پر خاموش کیوں ہے؟

۲۴

’نیر جی——اب آپ آگے کیا کر رہے ہیں؟ ابھی تک تو آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے——اب تو الوک سے بھی ہم لوگوں کے سمبندھ کچھ کچھ بن گئے ہیں، اور وہ بھی زیادہ آگے نہیں آئے گا، اور اس کی مدد نہیں ملنے پر تو آپ کچھ کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی طرف سے مدد کی اُمید ہو تو ہم الوک سے اور صاف بات کروائیں——اب تو اس کو صرف ایک دھکا لگانے کی ضرورت ہے یہ آپ خود کریں، یا مجھ سے کہیں تو میں کرواؤں۔ اب تو اس کے گھر میں ایک کرایہ دار بیٹھا دینا ہی سید ھا حل ہے۔‘

’کمار جی۔ میں آپ کو خود ہی بلوانا چاہتا تھا کہ آپ ذرا خاموش ہو جائیں، اور نیرا کے تئیں آپ اپنا رویہ ذرا بدل لیں، اور یہ سب کچھ جو آپ اب تک کر رہے تھے، اس کو روک لیں اور ہو سکے تو کورٹ سے ہی جو کچھ کرنا ہے کروائیں۔‘

’کیوں؟، آپ ایسی بات کہیں گے، اس کی تو قطعی کوئی امید نہیں تھی، آپ نے تو ایسے بہت سارے کیس کئے اور بڑے بڑے نیتاؤں کے دباؤ میں بھی نہیں آئے، آپ نے تو مجھے کہا تھا کہ میں بلا وجہ چنتت ہو رہا ہوں۔‘

’دیکھئے بات کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ ویسے تو ہر ایک معاملے میں بات آگے بڑھتی ہے، لیکن وہ باتیں کچھ اس طرح آگے بڑھتی ہیں کہ پکڑ میں آجاتی ہیں، لیکن یہ بات کچھ اس طرح اور اس انداز سے بڑھ رہی ہے کہ اس کی نوعیت ہی انجانی، ان دیکھی اور پُر اسرار ہے۔ در اصل میں کافی دنوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ بات کس بنیاد پر بڑھ رہی ہے، الوک جل

گیا تو میں نے سمجھا تھا کہ یہ اس کی بڑھائی ہوئی ہمت تھی۔ لیکن اگر یہ اس کی سفارش کا اثر ہے تو اس کی سفارش میں بھی کوئی جادوئی اثر ہے۔ جو کچھ ہو، اس معاملے میں میری بدنامی بڑھ رہی ہے، اور پہلی بار ہم نے دیکھا کہ مسز بترا اس قدر ذاتی طور پر اس معاملے میں مجھ سے ناراض ہوئیں کہ میں سمجھا تا رہ گیا لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھیں——نہ جانے کیوں دھروا صاحب نے بھی کہاں کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ بات زیادہ نہ بڑھائیں، اب ایسے حالات میں قانون سے ہٹ کر کچھ کرنا فی الحال مناسب نہیں، اور فی الحال تو آپ کو خاموشی سے انتظار کرنا پڑے گا، اگر مستقبل میں کوئی امید افزا صورت حال پیدا ہوئی تب پھر دیکھیں گے،——اور مجھے لگتا ہے کہ یہ لڑکی یہ رائے قائم کر چکی ہے کہ اس میں آپ سے زیادہ ہم لوگ ذمہ دار ہیں، اور اس لئے اس لڑکی کے ساتھ آپ کچھ بھی کریں گے، بدنامی میرے سر آئے گی، اس لیے آپ کچھ نہ کریں۔‘‘—— کمار کافی بفند ہوتا رہا لیکن نیر کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

’دیکھئے، مجھے سب سے پہلے اپنی نوکری دیکھنی ہوتی ہے۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ نوکری ہے، تو سب کچھ ہے، نوکری نہیں رہے گی تو آپ بھی منہ گھما کر چلی دیں گے۔‘

کمار کو لگا جیسے وہ جس زمین پر کھڑا تھا وہ زمین دھنس رہی تھی——ایسا کیوں ہوا——وہ سمجھنے سے قاصر تھا——آج ہمارا ساتھ تھانہ بھی چھوڑ گیا۔

اشوک اور کمار کافی سنجیدہ موڈ میں گفتگو کر رہے تھے۔

’بھائی صاحب، ایک بات بتاؤ، آپ اس معاملے میں کتنا پیسہ خرچ کر سکتے ہو،

’میں؟‘

’’ہاں، سوچ کر بتاؤ بھائی صاحب‘‘ اشوک نے کمار کو غور سے دیکھ کر کہا۔

’’میں دونوں کر سکتا ہوں۔ خرچ بھی کر سکتا ہوں اور اگر خود نہیں کرنا چاہوں تو یہ معاملہ کسی کے سپرد بھی کر سکتا ہوں، پراپرٹیز والے آتے ہیں، وہ معاملے کو خریدنا چاہتے ہیں، وہ کہہ رہے تھے کہ آپ سوا لاکھ لے لو، اور مختار نامہ بنا دو، باقی وہ خود دیکھ لیں گے۔‘

’اگر خود خرچ کرنا ہو تو کتنا کر سکتے ہو؟‘

’ڈیڑھ لاکھ‘

'اور اگر اس سے لڑائی ہوگئی اور دس بیس مقدمے ہوگئے تو کتنا خرچ کریں گے؟'

'میں تو دو لاکھ خرچ کر سکتا ہوں؟'

'اور اگر تب بھی مکان ملنے کی اُمید نہ ہو تو کتنا خرچ کر سکتے ہو؟'

کمار کو ایک جھٹکا سا لگا۔

'اس لڑکی کے ساتھ آپ کیوں پاگل ہو رہے ہو، دھندے میں ضد کی لڑائی نہیں ہوتی — ضد کی لڑائی ہمارا کام نہیں —— آپ دھندے والے آدمی ہو — وہ لڑکی تو نوکری کرے گی اور مقدمہ لڑے گی — اس لیے لڑے گی کہ اس کا مکان داؤ پر ہے، پر آپ کیوں لڑیں؟ آپ سید حا دیکھ لیجئے کہ لڑنے میں آپ کو فائدہ ہے یا نقصان؟ اگر آپ نے ڈیڑھ یا دو لاکھ روپیہ خرچ کر دیا اور اس کے بعد بھی معاملہ وہیں کا وہیں رہا —— آپ اس لڑکی کو راستے پر نہ لا سکے —— تو آپ کا یہ دو لاکھ مٹی میں گیا؟ آپ کو کیا ملا؟'

'ہمیں تو اس لڑکی کو سبق سکھانا ہے'

'کیا وہ لڑکی اس لائق ہے کہ اس کے سبق سکھانے کے لئے دو لاکھ روپے خرچ کئے جائیں؟ دھندے میں اگر کسی کو سبق سکھانے کے لئے پچاس ہزار خرچ کیا جاتا ہے، تو اس لیے کہ اس کے بعد اس دباؤ اور دھمکی اور دہشت کی مدد سے آگے لاکھوں کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ہم بھی خرچ کرتے تھے، اور کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے دوراندیشی کے ساتھ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ نشانہ کہاں ہے۔ اور وہاں ہمیں کیا ملے گا۔ اگر ہم کسی جگہ ٹھیکیدار ہیں یا پراپرٹی ڈیلر ہیں یا ہمارا کوئی کاروبار یا کارخانہ یا فرم ہے اور ہم غلط کام کرتے ہیں، تو اگر اس کو روکنے کیلیے کوئی سرکاری افسر اپنی ٹانگ اڑاتا ہے تو پہلے ہم کوشش کرتے ہیں کہ لے دے کر اسے منا لیں، اگر نہیں مانتا تو ہم اس کو پریشان کرنے کے لئے اس کے اوپر کے افسروں اور کچھ سیاست دانوں اور کچھ غنڈوں اور کچھ مظاہرے کرنے والوں پر خرچ کر کے ہم اس افسر کو کسی طرح پھنساتے ہیں، اور پھر اس کا اتنا سخت نقصان پہنچاتے ہیں کہ آئندہ وہ خود یا اس کی جگہ آیا ہوا کوئی اور افسر ٹانگ اڑانے کی ہمت نہ کرے — لیکن ہم نے کبھی، کہیں بھی، منت میں یا وجہ، بلا مقصد کسی کو سبق سکھانے کے لیے پیسہ برباد کرتے نہیں دیکھا۔ میں آپ کو جو رائے دے رہا ہوں یہ بہت ہی مخلص رائے ہے اور میرے تجربے کی نچوڑ ہے۔ اس پر خوب غور کیجئے گا۔

آپ جیسا بتا رہے ہیں، وہ لڑکی بدل چکی ہے، وہ آپ سے کسی بھی قیمت پر معاملہ نہیں کرے گی، اگر کرے گی بھی تو کوئی نقصان اٹھا کر نہیں کرے گی، اور — الوک سے اس معاملے پر میری بات ہوئی ہے۔ اور اس نے نیرا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی آنکھ کھل گئی ہے۔ وہ اس اندھی کی طرح نہیں ہے، جو ٹھوکر مارنے سے اِدھر اُدھر بھٹکے — وہ ڈرانے سے گھبرانے والی قطعی نہیں ہے، اور نہ حوصلہ چھوڑنے والی ہے — ہمارا کام خوف اور نااُمیدی کے ہتھیاروں سے ہوتا ہے، وہ اس پر لاگو نہیں ہوگا، اور پھر اس کو نہ اپنے کیریر کی فکر ہے نہ مکان کی، نہ ماں کی نہ اپنی زندگی کی — اس پر پھر کیا دباؤ — اگر ہم نے اس کے مکان میں کسی کو زبردستی رکھوا بھی دیا تو وہ پتہ نہیں آگے کیا فیصلہ کرے — کل کو آپ کے بچوں پر کوئی بات آئے تو پھر آپ سوچیں گے کہ میں نے آپ کو گمراہ کیا۔

تو آپ اس مکان کے پیچھے کیوں لڑیں اور اپنا پیسہ مقدموں میں کیوں جلائیں گے؟ بھائی صاحب، اگر آپ ان لڑائی جھگڑوں کے چکر میں پڑ گئے تو ایک دن بربادی کے دہانے پر پہنچ جاؤ گے —— اب یہی دیکھو — اس لڑکی کے ایک دن کی کوئی قیمت نہیں ہے — اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، لیکن آپ کو ایک دن کورٹ جانا پڑے تو کئی ہزار کے کاروبار کا نقصان ہوتا ہے، اور دھیرے دھیرے آپ کو لوگ مقدمہ باز سمجھنے لگے ہیں اور آپ کسی کو صاف صاف بتا بھی نہیں سکتے کہ آپ کیا کر رہے ہو، اور کیوں کر رہے ہو؟

کاروباری لوگوں کو ایسی بدنامی سے بچنا چاہیے۔'

یہ بات بھی بڑی عجیب تھی۔ کمار کے بھیجے ہوئے ایک غنڈے نے نیرا سے، جو شہر شام سڑک پر ٹہل رہی تھی، ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

'اب بھی ہوش میں آ جاؤ ورنہ برباد ہو جاؤ گی،'

نیرا نے اُسے گھوم کر دیکھا اور بولی، برباد انسان ہوتے ہیں، بھوت پریت نہیں برباد ہوتے۔'

اور جب اس غنڈے نے کمار سے آ کر یہ بات بتائی تو نہ جانے کیوں اس کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر تب سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی، اور تب سے وہ جب بھی نیرا کو دیکھ

بھی کر سکتے ہیں، اور ویسے بھی کیا ہے؟ ایک بار آدمی پر نظر پڑ جائے تو لالچ بڑھ جاتا ہے — دو ماہ پہلے ایک مِن پاور ایجنٹ کو اٹھا لے گئے اور پھر خط بھیج دیا کہ ڈیڑھ لاکھ روپئے بھیج دو — تغلق آباد کی پہاڑی میں ایک ٹیلے کے سامنے — اور اگر پولس کو بتایا تو بچے کو مرا سمجھو — اور ساتھ میں ایک اسٹامپ پیپر دو روپئے والا سادہ، دستخط کیا ہوا بھی ہونا چاہئے — اس بے چارے نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ راتوں رات جمع کیا اور کاغذ بھی — اور دوسرے دن لے کر پہنچا۔ وہاں ایک لڑکا انتظار میں کھڑا تھا — پیسہ لے کر گیا اور کاغذ بھی — اور پھر ایک کاغذ دیا جس پر اس کے لڑکے کے ملنے کا پتہ تھا — ہریانہ میں — پہاڑیوں کے اس پار — وہاں گئے تو پتھروں کے بیچ اس کے لڑکے کی لاش ملی اور ایک خط ملا — یہ ڈیڑھ لاکھ روپئے جو تم نے دئے ہیں، اس میں سے پچیس ہزار پولس کے اوپر اور پچیس ہزار کچہری میں خرچ ہونگے — اور باقی ایک لاکھ تمہارے اوپر — وہ مِن پاور ایجنٹ کافی لوگوں کو ٹھگ چکا تھا، ان میں ایک مٹھگے جانے والا ایسا بھی تھا جو اپنی بہن کے زیورات چپکے چپکے رہن رکھ کر پیسے لایا تھا — بہن کی سسرال والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بہت ذلیل کر کے نکال دیا — جب اس کا پیسہ مارا گیا اور سسرال والوں کو معلوم ہوا تو وہ لڑکے کی دوسری شادی کرنے کو تیار ہو گئے — بہن کی یہ حالت دیکھ کر جب وہ ایجنٹ کے پاس گیا تو اس ایجنٹ نے ملنے سے ہی انکار کر دیا — اسے اتنا ظلم تو نہیں کرنا چاہئے تھا — پھر وہ اپنے دو تین دوستوں کے ساتھ گیا اور پیسے کے لیے کافی ہنگامہ کیا تو ایجنٹ نے پولس بلا کر ان کے خلاف نقضِ امن کی کوششوں میں لگنے کا الزام لگایا — ضمانت دار نہ ملنے کی وجہ سے وہ تینوں دو ہفتہ جیل کے اندر رہے۔

ایجنٹ یہ بھول ہی گیا تھا کہ اس نے ان کے ساتھ کیا کیا ہے — اسی بیچ اس آدمی کی بہن کو معلوم ہوا — وہ دلّی آئی، وہ بھی ایجنٹ کے پاس گئی۔ منت سماجت کی — لیکن اس نے کچھ دھیان نہیں دیا — لیکن جیسے ہی وہ باہر آئی، اس کے پیچھے دو تین لونڈے پڑ گئے۔

جوان عورت تھی۔

'اگر تم چاہو تو ہم تمہارے بھائی کی ضمانت کا انتظام کرا دیں،'

'کرا دو'

'اور اگر تم چاہو تو ہم اس ایجنٹ کا بھی انتظام کرا دیں'

تھا، اسے اپنے ہاتھوں سے کچھ چھوٹ کر گرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ نیرا کے بارے میں اس نے جو اسکیم بنائی تھی اور جس زندہ شعور کے ساتھ وہ ایک ایک بات پر نظر رکھے ہوا تھا، وہ اسکیم اور وہ شعور دونوں ہی ایک ایسے ارتقائی منزل سے گزر رہے تھے جہاں ان کی موجودہ حقیقی شکل بے حقیقت ہونے لگی تھی، اور نیرا کے عجیب و غریب طریقے سے بدلنے میں اس کی اسکیم میں ایسی کمی آ رہی تھی جس کو پورا کرنا امکانات سے بعید تھا۔ یہ اسکیم ایک جگہ سے نہیں کئی جگہ سے ٹوٹ رہی تھی، بلکہ بنیادوں سے ٹوٹ رہی تھی، اور اس کا شعور اپنی گرفت کھو رہا تھا — نیر — اشوک — مدن — مقدمے — ہنگاموں کا سلسلہ — اب کوئی اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

اسے لگا اس کی اسکیم میں کہیں ایسی بنیادی غلطی تھی، جس کو وہ پہلے نہیں دیکھ پایا تھا، یا جس کو اس نے بہت معمولی اور غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، حالانکہ اس کے اشارے اس وقت بھی موجود تھے۔ اور اب یہی باتیں دور دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں، اور ان کے اثرات اتنے پر اسرار اور وسیع طریقے سے چاروں طرف سے آہستہ آہستہ نمایاں ہو رہے تھے کہ اس کے اندازوں کی ساری سرحدیں چھوٹی ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس نے واقعی اپنے اندازوں میں غلطی کی تھی — اور اس غلطی کی وجہ سے وہ اپنے اعمال میں بھی کئی غلطیاں کر چکا تھا، جس میں وہ اب کچھ کچھ پھنس گیا تھا۔ کئی بار اسے خیال آیا کہ وہ اب پیچھے ہٹ جائے اور اس بے ہودے باب کو بند کر دے — لیکن اس کی بیوی نہیں مانی۔

اور ایک دن وہ اپنی بیوی سے اُلجھ گیا۔

"آشا — یہ گھر میرے لیے جہنم بنتا جا رہا ہے — یہ لڑکی نہ جانے کیا کرنے والی ہے۔ پرسوں شام کو اس کے گھر جو آدمی آیا تھا، اسے میں نے انکم ٹیکس افسر کے ساتھ کناٹ پلیس میں وشنو ہوٹل میں کافی پیتے ہوئے دیکھا تھا — مجھے لگتا ہے یہ لڑکی ضرور کچھ کر رہی ہے ویسے کل میں نے منشی کو کہا ہے کہ سارے کاغذات ٹھیک کر لے، اور انکم ٹیکس آفس میں جا کر فوراً بات کر لے، آج میں بنک کے لاکر سے وہ سارے فکسڈ ڈپوزٹ بھی نکلوا کر شمی کے لاکر میں ڈلوا دوں گا۔

نیرا کے ساتھ کچھ نئی لڑکیوں کو بھی آتے جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، بہت تیز لگتی ہیں۔ لڑکیاں بہت خطرناک ہوتی ہیں، نہ جانے کیسے کیسے لوگوں سے ان کے تعلقات ہوتے ہیں اور اکثر ان کی صحبت میں ایسے ایسے دیوانے بدمعاش ہوتے ہیں جو کبھی بھی ان کے چکر میں آ کر کچھ

اور بیس دن کے بعد یہ کام ہو گیا—ایجنٹ نے پولس میں مقدمہ اس آدمی اور اس کی بہن کے خلاف درج کروایا، لیکن اس دوران وہ آدمی تو جیل میں تھا لیکن بہن کو تھانے میں پوچھ تاچھ کے لئے لے گئے تھے—اس پر اس کے علاقہ کا ایم۔پی۔ اور کچھ اور لوگ تھانے گئے اور بے کار لوگوں نے جن کے پیسے اس ایجنٹ نے مارے تھے، وہاں مظاہرہ کیا۔ پھر بہن جیل سے چلی آئی— قاتلوں کی تلاش جاری ہے، لیکن بچے کی لاش گم ہو چکی ہے۔

ایسے لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں،

'کون سے لوگ؟'

وہی لوگ——!!!!،

'آخر کون لوگ ؟؟؟ '

دنیا میں ایسا ہوتا ہے——میں دیکھ رہا ہوں نیرا کچھ بھی کر سکتی ہے—اس لیے نہیں کہ وہ نا اُمید اور بدحواس ہو رہی ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ دنوں دن کمزور ہونے کے بجائے مضبوط ہوتی جا رہی ہے پہلے اس کے گھر کوئی نہیں آتا تھا، سب آتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اب بہت سے لوگ آنے جانے لگے،—پہلے وہ اپنی گاڑیاں دور روک دیتے تھے، اب گھر کے سامنے گاڑیاں لگاتے ہیں۔

اور ہم نے اس سے خواہ مخواہ دشمنی لے رکھی ہے، ہم نے اس کو بے عزت کرنے کے لئے اس کے خلاف مقدموں میں اس کے اوپر ایسے ایسے الزام لگائے کہ اس کو شرم سے گھبرا کر بھاگ جانا چاہیے تھا——ہم نے اس کے اوپر ہائی کورٹ میں ہتک عزت اور ہرجانے کا مقدمہ کیا اور یہ سوچتے تھے کہ یہ کہاں تک مقدمہ لڑے گی اور کتنے پیسے خرچ کرے گی لیکن سنا ہے کہ اس کو ایک ایسا وکیل مل گیا ہے جو بغیر فیس کے مقدمہ لڑ رہا ہے۔ اس شرط پر کہ اگر نیرا نے ہمارے خلاف کیے ہوئے ہرجانہ کے مقدمے کو جیت لیا تو اس میں پہلے ایک لاکھ وہ وکیل لے گا، اور اب یہ ایک لاکھ اس کو پاگل بنا رہا ہے۔

اور یہ وکیل جو اچھا خاصا ہے، اور بہت ہی ذہین ہے لیکن شاید اس کی پریکٹس اس لیے کم چلتی تھی کہ دلالوں سے اس کا حساب کتاب ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا وہ اتنی تیاری کر کے آیا تھا کہ اپنا کپور تو گھبرا گیا تھا،—اور کپور——اس لیے مقدمہ میں پوری دلچسپی نہیں لیتا ہے کہ ہم لوگوں

سے وہ پیسہ لیتا نہیں ہے، میں تو دینے کو تیار تھا لیکن وہ دینے سے بھی نہیں لیتا اور دلچسپی بھی ٹھیک سے نہیں لیتا، کپور نے تو صرف یہ سوچ کر مقدمے کرنے کو کہا تھا کہ ہمیں وکیل کا پیسہ نہیں لگتا ہے، لیکن لڑائی سیریس ہو گئی ہے، اور اب یہ مقدمات بہت خصوصی توجہ چاہتے ہیں، ورنہ بگڑ گئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگر کوئی اور بڑا وکیل نہیں کیا گیا تو ہم لوگوں کے مقدمہ ہار جانے کے امکانات پورے پورے ہیں، اور اگر تمام مقدمے ہارتے چلے گئے تو کیا ہوگا؟ ہم نے کپور سے کہا بھی تھا کہ ہم کوئی بڑا وکیل کر لیں تو وہ کہنے لگا کہ اس کو ہم چھوٹا وکیل کیوں سمجھتے ہیں؟ اور اس کا مطلب ہے کہ اگر ہمیں کوئی خطرہ مول نہیں لینا ہے تو کپور سے قطع تعلق کر کے دوسرا وکیل کرنا پڑے گا—اور کپور تو ہمارے سارے کام دیکھتا ہے، تو وہ اندر اندر بُرا مانے گا اور ممکن ہے کہ چڑ جائے تو الٹے ہمیں نقصان پہنچے——لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ آخر ایک طرف نیرا کا وکیل دن رات اس کے مقدموں کی تفصیلات کا مطالعہ کر رہا ہے، اور کتابوں کی چھان بین کر رہا ہے، اور بڑے وکیلوں سے مشورہ بھی لے لیتا ہے۔ یونہی بغیر فیس دیے—اس وکیل نے تو گویا مقدموں کو اپنے کیریر کا سوال بنا لیا ہے—ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ کوئی قدرت کا قانون ہے کہ جہاں جس قسم کی خوراک ہوتی ہے، وہاں اس کو کھا کر زندہ رہنے والا جانور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مجھے تو اس وکیل کو دیکھ کر نفرت ہو رہی تھی، اور دل چاہتا تھا کہ اس کو کچا چبا جائیں کہ وہ کیوں اس قدر شدت سے ہمارے مقدمے کی گہرائیوں میں ڈوب رہا ہے، اور مجھے ہرانے پر لگا ہوا ہے۔

اور اپنا کپور—نہ اس نے ان مقدموں کو کبھی اتنی سنجیدگی سے لیا تھا نہ اب لے رہا ہے۔ وہ تو ان مقدموں کو ایک کھیل سمجھ رہا تھا، اور اب بھی سمجھ رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب اس کے کسی اور مقدمے کی تاریخ ہوتی ہے یا کوئی اور موکل آیا ہوتا ہے تو ہمارا وہاں ہونا اسے گراں گزرتا ہے، اور اس کی زیادہ تر توجہ انہیں مقدموں میں لگی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ ہمارے مقدمے پر بات کر رہا ہوتا ہے تب بھی کبھی کبھی وہ اپنے پیون سے اچانک ہی کوئی ایسی کتاب نکالنے کے لئے کہتا ہے جس کا تعلق کسی اور موکل کے کسی مقدمے سے ہوتا ہے، پھر وہ اس وکیل کا مقابلہ کیا کر پائے گا۔

اور غلطی سے، ہم سے ایک اور ہتھکڑی لگنے والی بات ہو گئی ہے، اور یہ بھی کپور کی وجہ

میں نے کئی بار غور کیا کہ غلطی کہاں ہوئی تھی؟ لیکن میری اسکیم اب بھی بالکل ہی مکمل اور مشینی قطعیت کے ساتھ نتیجہ خیز دکھائی دیتی ہے۔ تھانے میں دوڑانا، مقدموں میں ہمت توڑ دینا اور نہ مانے تو زبردستی نکال پھینکنا—اور گھر کے اندر اتنا تنگ کرنا کہ جینا حرام ہو جائے۔ اور جاننے والوں کو پولس کی دھمکی دلوانا، اور مقدموں میں جھوٹا پھنسوانا—اور یہ ساری باتیں پیسے کی طاقت سے کرنا،— لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس اسکیم کی جامعیت کو کیا ہو گیا ہے۔ کیوں یہ اپنے اندر مکمل ہوتے ہوئے بھی بے اثر ہے، وہ کون سا چور دروازہ ہے جس سے ہو کر نیرا اس مشین کی پکڑ سے باہر نکل گئی!

ہم سب کچھ یہ سوچ کر کرتے چلے گئے کہ نیرا کمزور ہے، دب جائے گی، ہمارے ساتھ دھوکا ہوا، وہ کمزور ضرور ہے لیکن وہ دبی نہیں، ہمارا اندازہ غلط نکلا، ہم سمجھتے تھے کہ نیرا کی کون مدد کرے گا، جو مدد کرے گا وہ جب دیکھے گا کہ ہمارا ہاتھ ان کے اوپر تک پہنچ رہا ہے تو بھاگ جائے گا— یہ سوچا تھا کہ پولس، غنڈے، کورٹ سب ہمارے ساتھ ہیں—اور یہ باتیں سچ بھی ہیں، لیکن پھر بھی ہمارا یہ سوچنا غلط ثابت ہوا۔

تم سب لوگ کہتے تھے کہ جب اتنے مقدمے ہو جائیں گے کہ وہ گھبرا جائے گی تو اس کے بعد جب وہ دباؤ میں آ جائے گی تو اس کے پاس ہم کسی کو صلح کا پیغام لے کر بھیجیں گے اور وہ فوراً ہمارے شرائط پر تیار ہو جائے گی لیکن تم سب لوگ بیوقوفی کی باتیں سوچ رہے تھے۔ کل ہی مہتا صاحب گئے تھے اور انہوں نے نیرا سے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم مکان چھوڑنے کو تیار ہیں۔ یہ اس لیے کہلوایا تھا کہ ہمیں اس کے ارادوں کے بارے میں صحیح اندازہ ہو سکے—انہوں نے بتایا کہ ہم مکان چھوڑنے کو تیار ہیں وہ صرف مقدمے واپس لے لے— لیکن جانتی ہو اس نے کیا جواب دیا ہے؟ جانتی ہو؟ وہ کہتی ہے کہ اب لڑائی میرے مکان کے اوپر نہیں ہے۔ اب کش مکش ہے، اور کمار کی زندگی سے کش مکش ہے۔ بھلا یہ کش مکش کیا ہے؟ اور یہ کس کے لیے—— وہ کہتی ہے۔ اب میں کمار کو اپنے ساتھ بھگاؤں گی— کیوں کہ میں اپنا چین کھو چکی ہوں—میں اتنا بھاگتی رہی ہوں کہ اب بھاگنا میری عادت بن گئی ہے—،

آشا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھر بولی۔

'اور وہ تمہارا اشوک کیا کہتا ہے؟'

سے ہوا ہے۔ ہم نے صرف اسکوٹر کے نمبر سے، اس کے مالک کے نام کا پتہ لگا کر اس کے مالک کو مدعا علیہ بنا دیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ یہ تو لڑکے کے باپ کا نام ہے جو ان دنوں نرسنگ ہوم میں دل کا دورہ پڑنے کے بعد زیر علاج تھا—— تمہارے بھائی نے اس میں گواہی بھی دی ہے۔ اب اس میں ایک تو ہم لوگ مقدمہ ہار جائیں گے، دوسرے الٹا مقدمہ ہمارے اوپر چلے گا— اور اس کا وکیل—اس کا نیرا سے اتنا گہرا تال میل لگ رہا ہے کہ وہ بے دھڑک اس کی طرف سے ہر بات اتنی خود اعتمادی سے کرتا ہے جیسے اس کو یہ ساری باتیں کرنے کا اختیار ہے—عام طور سے وکیل پیسہ لیتے ہیں اور کام کرتے ہیں— لیکن یہ تو نیرا کا اس سے زیادہ خیال کر رہا ہے—اس نے عدالت میں دورانِ بحث اس غلطی کا بھی ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ مجھے اس میں سزا دلوا کر رہے گا، اور یہ کہتے ہوئے جب اس نے میری طرف دیکھا تھا تو اس کی آنکھوں میں ایک بھیانک قسم کی جارحیت دکھائی دے رہی تھی، وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اس معاملے میں بھی وہ ہرجانے کا مقدمہ دائر کرے گا کیوں کہ اس سے پردیپ کے والد کی صحت پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ اور اس پریشانی سے پورے خاندان کے بزنس اور ذہنی سکون اور مدعا علیہ کی صحت کا نقصان ہوا ہے—دراصل ہمیں ایسی غلطی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اور نیرا نے عدالت کے سامنے صاف صاف مجھے سنا کر یہ بات کہی تھی کہ وہ تو یہ مقدمے میرے مکان چھوڑ کر چلے جانے پر بھی ختم نہیں کرے گی۔ جب تک ہم وہ ایک ایک پیسہ ہرجانے کے طور پر نہیں ادا کر دیں گے جو وہ مقدموں میں خرچ کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود ہمارے پیسوں سے ہم سے مقدمہ لڑے گی۔ اور ہماری ہی غلطیوں کی وجہ سے مقدمہ جیتے گی۔ ہم تو صرف ایک بات سوچ کر چلے تھے کہ مقدمے دیر تک چلیں گے تو وہ ہمت ہار کر بیٹھ جائے گی— لیکن اب یہ بات تو لگتا ہے ختم ہی ہو گئی ہے، اور اگر یہ بات ختم ہو گئی تو عدالت میں جانے میں ہمارا تو سراسر نقصان ہے۔

اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دیکھتے دیکھتے یہ سب باتیں ہوئیں کیسے؟ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے تھا، لیکن کیوں تھانہ بھی بدل گیا، عدالت بھی بے معنی ہو گئی، بلکہ مصیبت بن رہی ہے، اور ہم اس کو زبردستی بھی یہاں سے بھگا نہیں پا رہے ہیں، اور اس کے ساتھ مار پیٹ کرنے سے بھی سب منع کر رہے ہیں اور پڑوسی بھی اب چپ سادھے صرف تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

'اشوک— کہتا ہے کہ ہم لوگ تو صرف دھمکی سے کام نکالتے ہیں، اور کوئی اس سے نہیں مانتا تو افسروں کو کھلا پلا کر ان سے اپنے حق میں فیصلے کرواتے ہیں لیکن کل تو وہ بھی مجھ سے کہنے لگا کہ ہم تو گوبر میں گھی سکھا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان کے یہاں تو لڑائی ایک بزنس ہے، اور نیرا کے ساتھ یہ لڑائی تمام پہلوؤں اور رجحانات پر غور کرنے کے بعد گھاٹے کا بزنس لگتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے حق میں نہیں ہے یہاں تو ہم سے ایک ایسی لڑکی لڑ رہی ہے جس سے جیت کر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہے اس سے جیت کر ہمیں کیا ملے گا۔— مکان جب وہ نہیں بیچے تو کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا— مجبور ہونا تو اس کی مرضی ہے— زیادہ تنگ کریں گے تو وہ کسی مضبوط آدمی سے بیچ کر چل دے گی— ہماری ساری محنت اکارت چلی جائے گی— کل کو الوک سے ہی اس معاملے میں گٹھ جوڑ کر لے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟ اشوک کہتا تھا کہ ہم لوگ کچھ بھی شوقیہ نہیں کرتے، ہمارا شوق ہی کامیاب ہونا ہے، ناکام ہونا ہمارا شوق نہیں بن سکتا۔

یہ لڑائی تو عجیب لڑائی ہو گئی ہے، جہاں ہمارے سارے دوست فائدے دیکھتے ہیں، یا اپنے اپنے مفاد کے دائرے میں رہتے ہیں، اور اس سے باہر نکلنا ان کو ناگوار لگتا ہے وہیں نیرا کے دوستوں کے تعلقات بالکل مختلف ہیں وہ پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور جیسے جیسے ہم ان کو مشکل میں ڈالتے ہیں، وہ اور بھی بے خوف ہو جاتے ہیں، اور مشکلات میں کودنے کو کھیل بنا لیتے ہیں، وہ پتلی دبلی لڑکی— سونیا— وہ بھی دیکھو، نوکری کو داؤ پر لگانے پر تیار ہے۔ ایک وہ ہیں، اور ایک ہمارے لوگ ہیں۔

'اور مجھے تو لگتا ہے کہ وہ بالکل ہی بات کرنے کو تیار نہیں ہے'

'کیوں'؟

'دراصل بات یہ ہوئی تھی کہ تین دن پہلے جب تم اپنی بہن کے یہاں گئی تھیں، اس دن میں کچھ زیادہ ہی پی گیا تھا، اور میرے دل میں عجیب عجیب باتیں آنے لگیں۔ میرا دل اداس ہونے لگا۔ یہی سوچ کر کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، یہ بات کتنی بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے جی میں آیا کہ یہ باتیں ختم کی جائیں، میں نیرا کے دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ رات کے قریب ڈھائی بجے— اور اس سے کہا— نیرا تم دوسروں کی چال میں مت آؤ— تم میرے پاس آؤ۔ تمہیں میں سب کچھ دوں گا— سب کچھ— تم مجھ سے جو چاہو گی کروں گا، جو کہو گی کروں گا، اور کہوں گا— جو لکھواؤ گی،

لکھ دوں گا۔ گو کہ یہ باتیں میں نے نشے میں کہیں، لیکن اس کی طرف سے اس کا ردعمل............'

'یہ تم نے کہا' آشا چیخ پڑی۔ 'تم یہ کرتے ہو'

'تم سنو تو'

'اور تم نے......' آشا کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھی۔

'تم......تم اب نیرا کے پیچھے بھاگ رہے ہو، تم اسی لیے رات رات بھر جاگ کر کھڑکی پر بیٹھے رہتے ہو، اور نیرا کو دیکھتے رہتے ہو، اور تم کہتے ہو کہ تم اس کی حرکتوں کو دیکھ رہے ہو، یہ سب بہانہ ہے، تم جھوٹ بولتے ہو— نیرا میں اتنی ہمت کبھی نہیں تھی کہ میرے سامنے کھڑی ہوتی لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ بہت ڈھیٹ کی طرح مجھ سے آنکھ ملاتی ہے، یہ سب تم کر رہے ہو۔

اس دن آشا رات بھر بستر میں پڑی جاگتی رہی، کبھی کمار کو دیکھتی رہی، کبھی اس کھڑکی کو جہاں کمار جا کر کھڑا ہوا کرتا تھا، اور کبھی خیالوں کی فضا میں مدھم مدھم سی، نیرا کے لان میں باہر گھومنے کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی۔ رات ڈھلنے لگی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا— کچھ بھی تو نہیں تھا، اور کچھ بھی تو نہیں ہوا— نہ وہاں نیرا تھی، نہ کمار کھڑکی پر گیا— نیرا اپنے گھر میں سو رہی تھی، اس کے گھر کا دروازہ بالکل بند تھا۔ کمار اپنے بستر پر خراٹے لے رہا تھا۔

وہ پھر بستر پر لیٹ کر کافی دیر تک کچھ سوچتی رہی— پھر سونے کی کوشش کرتی رہی، لیکن اندیشوں کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر الماری میں پڑا ہوا بکس کا تالا اٹھایا اور اسے باہر کے دروازے پر اندر سے لگا دیا— پھر بستر پر آ گئی۔ نیند اب بھی نہیں آ رہی تھی، جیسے کوئی انجانہ سا اندیشہ پریشان کر رہا ہو— وہ پھر اٹھی— اور باہر کھلنے والی کھڑکی کے پٹ بند کر کے اس کی چٹخنی لگائی، اور ایک موٹا دھاگا لا کر پچاسوں بار اس پر لپیٹ کر اس طرح باندھ دیا کہ دھاگا کھولے بغیر کھڑکی نہ کھل سکے— پھر اس کے پردے کھینچ دیے، لیکن ان سب کے باوجود ایک اندیشہ اس کے ذہن میں اٹکا رہا— وہ اندر آنگن میں آئی، نہ جانے کیوں وہ کافی دیر تک نیرا کے کمرے کے دروازے کو دیکھتی رہی— نیرا کے کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی— اس نے دروازے میں کان لگا کر سننے کی کوشش کی— اندر سے نیرا کی سانسوں کے ہلکے ہلکے خراٹے کی آواز سنائی دے رہی تھی— کیسی آرام سے سو رہی ہے۔ وہ آنگن میں لوٹ آئی۔ بھری چاندنی میں اس کا اپنا وجود ہی بھوت سا لگ رہا تھا— اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس جذبے کے

تحت نیرا کے دروازے کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی — پھر وہ اندر لوٹ آئی — کمرے کے دروازے کے پٹ کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے جتادیا — پھر جیسے اسے ایک خیال سے سکون ملا — اس نے اپنے ڈبل بیڈ سے ایک چادر کھینچی، اور اسے دروازے کے نزدیک بچھا کر سوگئی — تھوڑی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب کمار اٹھا تو اسے یہ سارا منظر بڑا عجیب سا لگا۔

اس دن بھی وہ رات میں نو بجے سے دو بجے تک پڑھتی رہی — درمیان میں دس منٹ کے لئے اٹھی تھی تو جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو، وہ دروازہ کھول کر باہر سڑک پر آئی تو اسے لگا کہ کمار اب کھڑکی سے جھانک رہا تھا، یہ اس کا خیال ہے — اس نے سوچا — وہ ٹہلتی رہی، تھوڑی دیر بعد وہ گھر کے اندر کی طرف چل دی۔ سامنے کے برآمدے میں آنے پر اس نے دیکھا، کمار بیچ کھڑکی پر کھڑا اسے غور سے دیکھ رہا تھا، — وہ اندر چلی آئی — پھر دو تین بار کمار کے کمرے کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی، اور پھر کافی دیر بعد دروازہ بند ہوتا، پھر کھلتا — اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا، کمار باہر چاندنی کی روشنی میں ٹہل رہا تھا، بے چینی سے — وہ پڑھتی رہی — سوا دو بجے رات تک پڑھتی رہی، پھر اٹھی، طبیعت ہلکی کرنے کے لئے دروازہ کھول کر باہر نکلی تو کمار کا دروازہ کھلا دکھائی دیا، پھر اس کی نظر سامنے کمار کی فیئٹ کار پر گئی جو اس کے پھاٹک کے باہر کھڑی تھی اور وہاں کمار — ہاں کمار — زمین پر گھٹنے ٹیکے کار کی بونٹ پر گال کے سہارے سر رکھے اور دونوں ہاتھ بے خبری سے دور دور تک پھیلائے پڑا سو رہا تھا۔

وہ واپس لوٹ آئی — اور بستر پر آ کر بتی گل کر کے آرام سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

دور سے رات کے سناٹے میں چوکیدار کی لاٹھی کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد پھاٹک کے کھلنے کی آواز آئی — پختہ فرش سے پھر لاٹھی کی آواز آئی، چوکیدار تھا — بازو کے دروازے پر اس نے دستک دی، پھر زور سے دستک دی — پھر تھوڑی دیر خاموشی — کون ہے، اندر سے آشا کی آواز آئی۔

'میں چوکیدار'

'کیا ہے؟' آشا نے بلب جلایا اور کمرے کو دیکھا اس حالت میں کہ باہر کا دروازہ کھلا ہوا اور کمار کمرے میں موجود نہیں، اور دروازے پر چوکیدار کھڑا — اور رات کا تقریباً ڈھائی بجے کا وقت —

'کیا ہوا؟' وہ خوفزدہ ہو کر بولی۔

'آپ کے صاحب باہر بے سدھ پڑے ہوئے ہیں، نشہ میں ہیں، اٹھا لائیے، ورنہ اوس میں طبیعت اور بھی خراب ہو جائے گی۔'

'لیکن آج تو انہوں نے پی نہیں تھی؟'

'ان کے منہ سے بو آ رہی ہے؟' چوکیدار نے کہا، آشا کی نظر سامنے کھڑکی کے پاس پڑی بید کی میز پر پڑی جہاں جانی واکر ریڈ لیبل کی بوتل آدھی خالی پڑی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکلی اور جا کر کمار کو دیکھا تو سکتے میں آ گئی، ویسے تو اس کے ساتھ اکثر ہوتا تھا کہ جب وہ کبھی کبھی زیادہ پی کر آتا تھا تو گاڑی روکنے کے بعد وہیں گاڑی پر سو جاتا تھا، کبھی کبھی پھاٹک سے ٹک کر آواز دیتا تھا، لیکن آج تو ٹوٹا ہوا پڑا تھا، آگے بڑھ کر اس نے ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا اور اٹھایا۔

'تم — تم مجھے مرواؤ گی؟' کمار نے آشا سے کہا۔

'کیا ہوا، تم نے پی کب لی؟ یہ آج تم کو کیا سوجھی۔ یہ میں دیکھ کیا رہی ہوں؟' وہ چلاتی ہوئی اسے جھنجھوڑتی رہی اور کھینچ کر سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی — ڈائن، جادوگرنی، یہ جانے کیا کیا کر رہی ہے، اس نے نیرا کے گھر کی طرف دیکھ کر کہا — کمار اب خود بھی کچھ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا تھا، چوکیدار خاموش کھڑا تھا — آشا کی لاچارگی دیکھ کر اس نے بھی آگے بڑھ کر سہارا دیا۔

'اب کچھ ہونے والا ہے، کچھ بہت بڑی بات ہونے والی ہے،'

'کیا ہوا، تم پاگل ہو گئے — اسے کیا ہو گیا، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے،'

'وہ یہاں گھوم رہی تھی، یہاں کیوں گھوم رہی تھی وہ۔'

اس دوران اس کا بیٹا بھی آ گیا — سب سنبھال کر اسے اندر لے گئے — یہ ڈائن اب میری مانگ کے سیندور پر حملہ کر رہی ہے — اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

صبح آشا نے نیرا کو باتھ روم جاتے وقت ایسے گھوم کر دیکھا جیسے اسے چبا جائے گی۔۔۔وہ نہا کر نکل رہی تھی تو کمار سے اس کی نگاہیں ٹکرائیں۔ کمار نے اسے ایسے غور سے دیکھا جیسے نیرا کو پہلی بار دیکھ رہا ہو اور اسے سمجھنے کی غرض سے دیکھ رہا ہو۔ نیرا نے اپنے کمرے کے اندر آکر پردے کی اوٹ سے دیکھا۔۔۔ کمار اسی طرح کھڑا کچھ رہا تھا۔

نیرا کپڑے پہن کر تیار ہوئی اور ناشتہ کر کے چلی گئی پبلک ٹیلی فون پر لمبی لائن لگی تھی، وہ رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، جب اس کی باری آئی تو اس نے بھی فون کیا۔۔۔ پردیپ کو اس کے والد کے نام سمن پر عدالت میں نہیں حاضر ہونے کی وجہ سے جاری ہوئے وارنٹ گرفتاری کے بارے میں بتایا۔

دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے، اب جب ہو ہی رہا ہے تو اور کیا ہوسکتا ہے۔ پردیپ نے کہا۔

☆☆

۲۵

''پردیپ۔ تم انکل کو یہ ساری باتیں بتانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ ان کے لئے ایک انہونی بات ہوگی۔ ایک ایسی بات جسے وہ چاہتے ہیں کہ نہ ہو لیکن جو ہو چکی ہے۔۔۔ اور اب انہیں وہ سب سہنا پڑے گا جو وہ ناپسند کرتے ہیں۔۔۔ عدالت میں جانا وکیلوں سے ملنا، انتظار کرنا، مخالفین کا سامنا کرنا، پھر لوگ کچہری سے گھر تک ان کے بارے میں یہ کہیں گے کہ ان کے رشتہ دار ایسے ہیں جو تھانہ کچہری میں جاتے ہیں، اور جن کی حیثیت اتنی نہیں کہ مقدمات کا فیصلہ بغیر کچہری میں جائے کرا سکیں۔ لوگ ان سے کترائیں گے کہ اگر انہوں نے ان سے کوئی معاملہ کیا اور اس میں کوئی فرق پڑا تو یہ فوراً معاملے کو کچہری تک لے جانے کی سوچیں گے اس لیے کہ یہ ان کی عادت بن گئی ہے۔ اور اس طرح ان کا سارا سرکل بگڑے گا۔ وہ لوگ جن کو کورٹ کچہری سے ضرورت پڑتی ہے اور اب تک کسی اور کے پاس جاتے ہیں وہ تمہارے یہاں آنا شروع کر دیں گے۔۔۔ اور دوسرے لوگ جو مقدموں سے بھاگتے ہیں وہ شادی بیاہ اور تیوہاروں میں بھی آنے سے کترائیں گے۔۔۔ یوں کہ سارا ماحول ایک تبدیلی کا شکار ہوگا۔۔۔ اور وہ بھی اس عمر میں جب وہ اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔۔۔ اور وہ تیار اس لیے نہیں ہیں کہ انہوں نے آج تک عدالت کا منہ نہیں دیکھا۔۔۔ عدالت کے بارے میں وہ آج تک کچھ بھی نہیں جانتے، وہاں جاتے ہوئے وہ اپنے کو اجنبی محسوس کریں گے۔۔۔ اور یہی ان کی کمزوری ہے۔۔۔ اور یہ کمزوری ان کے خوف کی وجہ ہے۔۔۔ انکل کو یہ سب جاننا چاہیئے۔ وہ نہیں جانتے ہیں تو یہ ان کی کمی ہے اور یہ کمی ایک ایسی کمی ہے جس سے پیدا ہوا خوف تم کو بھی بزدل بنا رہا ہے۔ اور نیرا کے لیے

ایک مسلسل تناؤ کی وجہ بنا ہوا ہے— کمزوری انکل کی ہے اور خوفزدہ تم اور نیرا ہو— کمار اس کا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے، اور نیرا ایسی باتوں سے طرح طرح کی پیچیدگیوں کا شکار ہو رہی ہے— اگر یہ کمزوری ختم کر لی جائے تو تم طاقتور ہو جاؤ— اور نیرا بھی مضبوط تر ہو جائے گی۔ نیرا در اصل صرف اپنی کمزوریوں سے کمزور نہیں ہے بلکہ اس سے منسلک تمام لوگوں کی مختلف قسم کی کمزوریوں نے مل کر اسے کمزور بنایا ہے— یہ بات میں تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج صبح جب نیرا مجھے وارنٹ کے بارے میں بتا رہی تھی تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔ نیرا خود تو ریشم کے دھاگے کی طرح مضبوط ہے لیکن جب دوسروں پر اس کی نظر پڑتی ہے، تو وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔

آج گفتگو میں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس وارنٹ کی وجہ سے وہ کافی متفکر ہو گئی ہو، اور مجھے اس کی تمام باتیں سننے اور اس کے احساس ندامت کے اظہار سے لگا کہ انکل ایک رشتہ دار نہیں، ایک بااثر سماجی کارکن نہیں، ایک تجربہ کار مرد آہن نہیں، بلکہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہیں— یہ شرافت اور نیکی کا کون سا روپ ہے جو انکل دھارن کیے ہوئے ہیں۔

آخر کیا پریشانی ہے؟ کون سی مشکل سے گھبراتے ہیں انکل— جو بات انہیں بہت مشکل اور پریشان کن اور الجھنوں سے بھری ہوئی لگتی ہے وہی دوسروں کے لئے آسان اور روزمرہ کی بات ہے، صرف اس لیے کہ وہ اس دنیا سے واقف ہیں۔ اس کی راہ و رسم سے انہیں لگاؤ ہے۔ اگر انسان ڈرنے لگے تو چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی وہ اس لیے گھبرائے گا کہ اس کے طریقے سے وہ ناواقف ہے۔ یہ مانا کہ انکل نے پچھلے ساٹھ سال کی زندگی میں عدالت کا چہرہ نہیں دیکھا ہے، اور عدالت ان کے مزاج اور عادتوں سے تال میل نہیں رکھتی لیکن انسان کے ساتھ انسان نہ چل سکے تو یہ اس کی زندگی کے ختم ہو جانے کی نشانی ہے——

انکل ایک بار من لے کر تو دیکھیں اور وہ سب کچھ غور سے دیکھیں جو اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ سوچ کر تو دیکھیں؟ وہ دیکھ کر دیکھیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ان کی ٹھنڈی ہوتی ہوئی رگوں میں دوڑنے والا خون دوبارہ گرم ہو جائے گا۔ نئے چیلنج کے ساتھ توانا خون بھی پیدا ہو جائے گا— ان کے دل کی بیماری برسوں آگے ٹل جائے گی۔ جب زندگی کو باقی رہنا پڑے گا تو وہ اپنے ریشوں کو بھی از سر نو مرمت کرے گی۔

ہمارے ملک میں زمانہ قدیم میں جب آدمی جوانی کے دور سے گزر کر بڑھاپے میں

قدم رکھتا تھا، تو وہ اپنے کو متروک اور بیکار نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے لیے تو یہ دور وہ دور ہوتا تھا۔ جب وہ جذبات کی جولانیوں اور جسم کی بھوک اور ہاتھ پاؤں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا تھا— جب اس کا دماغ اور اس کا دل دونوں جسم کی بندشوں اور دباؤں سے آزاد ہوتے تھے— اور جب وہ زندگی کا بلند ترین فرض اپنے کندھے پر اٹھاتا تھا— جب وہ سماج اور دنیا اور کائنات کے فلسفے کو کمہار کی مٹی کی طرح ہاتھ میں گوندھتا تھا اور زندگی کے نقوش گڑھ کر اپنے بچوں کو دیتا تھا۔

اور آج ایک بچی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں نادیدہ حالات سے ٹکرا رہی ہے اور ایک بوڑھا ذہن اسے شفقت پدری دینے سے گھبرا رہا ہے۔ کہو انکل سے کہ وہ زندگی کی لیک سے اتر گئے ہیں۔‘‘

’’آپ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن ڈاکٹر گوئیل— انہوں نے انکل کو مکمل آرام کرنے کی ہدایت دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں نہ سنیں جس سے ان کے اندر ذہنی تناؤ پیدا ہو— وہ ڈھیر ساری دوائیوں کے ساتھ ڈھیر ساری احتیاط بھی بتا گئے ہیں۔‘‘

’’آج میں خود تمہارے گھر آ کر انکل سے ملوں گا— اگر واقعی ڈاکٹر گوئیل کا خیال ہے کہ ان کے دل کے ریشے کمزور پڑ گئے ہیں تو میں وارنٹ کو رکوانے کی کوشش کروں گا۔‘‘

چند روز بعد الوک گیا۔ ویریندر کمار سری واستو کی صحت اب بھی تشویشناک تھی، برابر میڈیکل جانچ چل رہی تھی۔ ڈاکٹر گوئیل جو ہارٹ اسپیشلسٹ تھے، اور جن کا کلنک راجوری گارڈن کے اس بلاک میں تھا جس میں سری واستو صاحب کا مکان تھا، وہی ان کا علاج کر رہے تھے۔ جب بھی کوئی تشویش ہوتی تھی یا فون پر بتایا جاتا تھا تو وہ چلے آتے تھے، دوائیں مسلسل دی جا رہی تھیں، ہر قسم کی احتیاط چل رہی تھی، کھانے پینے سے لے کر گھریلو مسائل پر تبصرہ۔ ہر بات میں اس بات کا خیال رکھا جا رہا تھا کہ ان کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ چھوٹی بڑی ساری باتیں، جائداد کی، رشتہ داری کی، مکان کی— سب خود پردیپ دیکھ رہا تھا، گھر میں زیادہ تر غیر متنازعہ موضوعات پر باتیں ہوتیں، مثلاً کبھی مذہب پر کبھی کلچر پر کبھی سیاست پر— ان مضامین پر گفتگو کرتے ہوئے ذہن میں کوئی تناؤ پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عموماً جب ڈاکٹر گوئیل آتے اور فرصت ہوتی تو وہ سری واستو صاحب کا دل ہلکا کرنے کے لئے خود ہی یہ مضامین چھیڑ دیتے، ابھی ابھی جانے سے پہلے یہی بحث ہو رہی تھی۔

پنجاب کا مسئلہ حل ہوتا ہوا نہیں لگتا،

آج ہی پندرہ آدمیوں کو بس سے اُتار کر مار دیا گیا،

مسئلہ صرف پنجاب کا نہیں رہ گیا ہے، پورے ہندوستان میں کئی قسم کے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، آسام کا مسئلہ شری لنکا کا مسئلہ، گورکھالینڈ کا مسئلہ،

ملک کی تباہی ہو رہی ہے،

مہنگائی بھی ویسی ہی بڑھی رہی ہے۔

کرپشن بھی بڑھتا جا رہا ہے۔

پولیس لاک اپ میں موت،

بہو کو جہیز کے لئے جلا دیا گیا۔

بغور س

رجنی کانڈ — یونیورسٹی میں لڑکی — پروفیسر کے ظلم سے تنگ آ کر خودکشی۔

پاکستان ایٹم بم بنا رہا ہے۔

بے مزہ۔ ایک دن انہوں نے اخبار کنارے پھینکتے ہوئے کہا۔ آج کچھ بھی نہیں۔ کوئی نیوز نہیں

''ذرا یہ میگزین دیکھوں،'

سریواستو صاحب نے الوک کے ہاتھ میں سنڈے ویکلی دیکھ کر مانگا۔

اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے انکل، بیکار ہے، بور؟ الوک نے سوچا کہ اس میگزین میں میرٹھ کے فسادات کے جو واقعات ہیں، جو انٹرویو، ہیں اور جو تصویریں ہیں جنھیں دیکھ کر صبح سے اس کا موڈ خراب ہے اور نہ جانے کن کن مسائل پر غور کرتا رہا ہے —— جس کی وجہ سے وہ صبح چائے پیتے وقت اپنی بیوی سے بات بھی نہیں کر پایا تھا اور وہ ناراض ہوگئی تھی، اتنے مسائل اور اتنی تکلیف دہ باتوں سے بھرپور میگزین کہیں سریواستو صاحب کے دل کے اوپر بھاری بوجھ نہ بن جائیں۔ وہ دل کے مریض ہیں، الہٰذا اس نے جان بوجھ کر انکار کیا۔

''دیکھتے ہیں، کچھ تو ہوگا۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔

الوک نے میگزین ان کی طرف بڑھا دیا جسے کھول کر وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔

الوک ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگا، انتہائی اطمینان، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی تو نہیں وہ پڑھتے رہے، کافی دیر تک ایک ایک مضمون کو پڑھتے رہے، یہ کون سا مضمون ہے؟ الوک نے اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی —— وہ تصویر سامنے سے دکھائی دے رہی تھی جس میں ایک گری ہوئی لاش سڑک پر پڑی تھی —— یہ وہی مضمون ہے، میرٹھ کے فسادات والا —— رسالہ پڑھ کر سریواستو صاحب نے ایک طرف رکھ دیا۔

'نہ جانے دیس کا کیا ہوگا' ودیشی طاقتیں دیس کو طرح طرح سے توڑ پھوڑ کر کمزور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، وہ فسادات بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

الوک سریواستو صاحب کو دیکھتا رہ گیا۔ انہیں کچھ نہیں ہوتا، یہ دل کے مریض ہیں، لیکن ابھی بتا رہے تھے کہ ان کو ڈاکٹر گوئل نے بتایا ہے کہ اخبار پڑھ لیں، میگزین پڑھ لیں، ٹی وی۔ دیکھ لیں، سوشل ورک کریں، کلب میں جائیں، پڑوسیوں کے دکھ درد میں حصہ لیں۔

یہ لوکل لائنس کلب کے پریذیڈنٹ بھی ہیں۔ کالونی ویلفیر کے جنرل سکریٹری بھی ہیں۔ محلے کے ہر قسم کے لوگ، ہر قسم کے مسائل لے کر ان کے سامنے آتے ہونگے ان سے درخواستیں لکھواتے ہوں گے، انہیں لے کر مختلف آفس میں جاتے ہوں گے، اور ان سب کے لیے ڈاکٹر نے اجازت دے رکھی ہے۔

پھر نیرا کیوں گھبراتی ہے؟

پھر پردیپ ان سے کیوں چھپاتا ہے؟

یہ لوگ کیوں نیرا کے مقدمے کی بات سے سریواستو صاحب کو دور رکھنا چاہتے ہیں؟

''آنٹی ایک بات بتایئے انکل کو ڈاکٹر نے کچھ مشورہ دیا ہے کہ وہ ذہنی تناؤ سے بچیں؟

'ہاں بیٹا۔ بہت سختی سے منع کیا ہے؟

الوک سریواستو صاحب کے اسٹڈی روم کی طرف چلا گیا۔

تازہ اخبار سامنے رکھا تھا۔ تو یہ ہیں وہ خبریں جنھیں پڑھنے سے سریواستو صاحب کو راحت ملتی ہے؟

چنڈی گڈھ: سات ہلاک، اٹھارہ دہشت پسند گرفتار، گذشتہ چوبیس گھنٹے میں —— سات افراد جس میں ایک دہشت پسند تھا اور ایک خاتون پرنسپل تھیں، ہلاک ہوئے، اٹھارہ مشکوک

دہشت پسند گرفتار ہوئے اور ان سے کافی تعداد میں اسلحہ اور کارتوس برآمد ہوئے —— دو افراد کو کہ جن کی شناخت نہیں ہو سکی، دہشت پسندوں نے راجہ سنسی ایئرپورٹ کے قریب گولی ماردی، اطلاع کے مطابق انھیں مال منڈی سے اغوا کیا گیا تھا —— مشکوک دہشت پسندوں نے ایک تاجر سے آٹھ لاکھ روپے لوٹے اور ایک ایم۔ ایل۔ اے۔ کے گھر سے پستول اور ایک اسٹین گن بھی لے گئے۔

نئی دہلی: پجاری کے پاس سے منشیات برآمد۔ پجاری جو دلّی میں ایک جانے مانے مندر میں پوجا کراتا تھا، ایک جانا مانا مجرم پیشہ تھا، وہ جب اپنے مندروں کی طرف اسکوٹر میں جارہا تھا تو پولیس نے روک کر اس کی تلاشی لی تھی۔

لوگوں کی ہلاکت —— چوبیس گھنٹے میں سات افراد —— اور مندر میں پوجا کرنے والے پجاری کی شکل میں ایک مجرم پیشہ سمیک کی تجارت کرتا ہوا —— یہیں دہلی میں —— آس پاس ہی۔

نئی دہلی: سی۔ بی۔ آئی۔ کا سرکاری افسران کے یہاں چھاپہ —— غیر متناسب دولت کے معاملات کا انکشاف —— بمبئی کے چار پارٹیز کو بین الاقوامی قیمت سے کم قیمت پر روئی برآمد کرنے کی اجازت دی تھی —— اس سے سرکار کو کئی کروڑ روپے کے نقصان کا اندازہ۔

نئی دہلی: ۱۹۸۶ء میں جہیز کے لیے دلہنوں کا قتل —— مقدمات درج ہوئے۔ یو پی۔ ۴۶۱، بہار ۶۲، راجستھان ۴۳، مدھیہ پردیش ۴۰، مہاراشٹر ۲۶، آندھرا پردیس ۱۸، کرناٹک ۱۶، تامل ناڈو ۱۱، گجرات ۹، ویسٹ بنگال ۷، آسام ۲، دلّی ۱۰۔

وہ مسلسل تقریباً پچاسوں واقعات یکے بعد دیگرے پڑھتا چلا گیا۔

اور کون سی باتیں سریواستو اصاحب کے دل پر اثر نہیں کرتیں!

اور کون سی باتیں سریواستو اصاحب کے دل پر اثر نہیں کرتیں!

اور کون سی باتیں سریواستو اصاحب کے دل پر اثر نہیں کرتیں!

اور کون سی باتیں سریواستو اصاحب کے دل پر اثر نہیں کرتیں!

الوک دھواں دھار، پاگلوں کی طرح ایک ایک میگزین ایک ایک اخبار الٹتا اور پڑھتا چلا جارہا تھا، کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں بھی نہیں تھک رہی تھیں، اسے دو بجے ایک نیم سرکاری

فنکشن میں جانا تھا، لوگ اس کا انتظار بھی کر رہے ہوں گے —— یہ اخبارات، یہ میگزین وہ برسوں سے پڑھتا آیا تھا، لیکن نہ جانے کیوں ایک ایک صفحہ سے دوبارہ گزر جانا چاہتا تھا —— یہ ایک ایک جملے، یہ ایک ایک نقطہ جو ہمارے چاروں طرف بکھرے ہوئے، ہمیں گھیرے ہوئی حقیقتوں کے بارے میں چیختے چنگھاڑتے ہیں، جنھیں پڑھ کر دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ رگ رگ میں جھرجھریاں پیدا ہو جاتی ہیں —— پڑھتے پڑھتے کہیں کہیں کاغذات کے صفحات پر چھپی ہوئی تصویروں سے جلتے ہوئے جسموں کی بو آنے لگتی تھی کہیں بیواؤں کی چیخیں ابھرنے لگتی تھیں کبھی بوڑھے ماں باپ کی دھاڑیں سنائی دینے لگتی تھیں۔

وہ آگے پڑھتا چلا گیا،

میگزین پر میگزین الٹتا چلا گیا —— نوکرانی آئی —— کھانا کھا لیجیے، آدھے گھنٹے بعد پھر آئی۔ سب لوگ کھانا کھانے بیٹھ گئے ہیں،

مسز سریواستو آ گئیں۔

''آؤ بیٹے کھانا کھا لو'' ——

وہ بس پڑھے جارہا تھا۔

تو ڈاکٹر گوئیل —— یہ ہیں —— وہ تفریحی سامان!!! جو تم نے ایک دل کے مریض کے لیے تجویز کیے ہیں۔

الوک کو لگا —— لوگ، رسالے، میگزین، کتابیں —— دانشور، ادیب، سماجی کارکن —— سب ایک بہت بڑا دھوکا تھے جیسے ان کے اوپر کیے گئے یقین کی جڑیں بالکل کھوکھلی تھیں، یہی وہ ''یقین'' تھا جو اسے گہرے سے گہرا دھوکا دیتا آیا تھا۔ ہر قدم پر اس کے جذبات کو ٹھوکریں لگواتا آیا تھا، اور اس کے قدموں کی مضبوطی کو چھلنی کرتا رہا تھا —— اور ہر اس جگہ بھروسہ کروایا تھا جہاں بھروسہ کرنے کے قابل ایک تیلی بھی نہیں تھی! —— اس نے اپنی زندگی کی ساری کوششوں، سارے طور طریقوں، سارے طریقہ کاروں، سارے نقوش، سارے منصوبوں، اپنی ساری شخصیت، اپنا سارا ایمان و ایقان —— اپنے جذبات کی تربیت، اپنے خیالات کی تربیت۔ سب کو اس یقین کی زمین پر کھڑا کیا تھا —— اور آج یہ زمین ہی ہل رہی تھی۔

لوگوں کو وہ جیسا سمجھتا تھا ویسے وہ تھے نہیں!!!

نیرا تم میرے لئے ایک چراغ بن گئی ہو۔ تم مجھے جلاتے جلاتے اتنا صاف کردو گی کہ پھر مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ تم کو دیکھتے دیکھتے میں کیا کیا دیکھنے لگا ہوں۔ ہمارے آس پاس غلط فہموں کی اتنی بڑی وادیاں پھیلی ہوتی ہیں کہ ہم اس میں گم ہو جائیں، تو مٹ جائیں گے اور ہم ان سے اس طرح بے خبر رہتے ہیں۔ تمہارے تعلق نے کتنے پرفریب چہروں کو بے نقاب کیا ہے؟

نوکرانی پھر آئی، آئیے، کھانا کھانے آیئے؟

اس نے گھڑی دیکھی، ڈھائی بج چکے تھے ——— دو بجے سے فنکشن تھا اور بیس منٹ کا راستہ۔

'انکل آئی۔ ایم۔ سوری۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔

'کیوں کیا ہو گیا؟' آنٹی نے پوچھا —— اس کی صورت دو گھنٹے میں بدل گئی تھی —— آنکھیں نہ جانے کہاں کھو گئی تھیں۔ پتلیاں دور، بہت اندر چلی گئی تھیں۔ چہرہ سخت اور سپاٹ ہو گیا تھا۔

وہ چند لمحے رکا —— سریواستوا صاحب کو غور سے دیکھا جیسے انہیں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو،

''انکل آپ نے رجنی کی خودکشی کے بارے میں پڑھا؟

''ہاں''

''کیا محسوس کیا؟''

''کیوں؟''

''اگر اس کی جگہ نیرا ہوتی تو آپ کیا محسوکرتے؟''

مسز سریواستوا نے سکتے میں آ کر الوک کو دیکھا لیکن وہ جیسے بالکل بے رحمی سے ویریندر سریواستوا کو سمجھنے میں کوشاں تھا۔

''کل آپ نے جگدیش کے بارے میں پڑھا تھا جس کی پولیس لاک اپ میں موت ہو گئی تھی؟''

''ہاں''

''اگر اس کی جگہ پردیپ ہوتا ——— ''الوک'' مسز سریواستوا چیخ پڑیں، اس طرح کہ

وہ جملہ بھی پورا نہیں کر پایا۔

''آپ نے وہ سارے اخبار اور میگزین پڑھے ہیں، جو آپ کی لائبریری میں ہیں۔''

ویریندر سریواستوا نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تعجب سے صرف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''سوری انکل —— آپ کھانا کھایئے، مجھے بھوک نہیں ہے۔''

'تم کسی بات پر ناراض لگتے ہو؟'

اس نے کوئی جواب نہیں دیا —— اور آگے بڑھ گیا، باہر —— سب دیکھتے رہ گئے۔

''کیا بات ہے؟'' ویریندر سریواستوا کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

''پتہ نہیں —— ڈھائی تین گھنٹے سے کھڑے کھڑے —— وہ لگاتار ایک ایک میگزین، ایک ایک اخبار الٹ الٹ کر جنونیوں کی طرح کھنگالتا جا رہا تھا —— کئی بار کھانے کے لئے بلایا لیکن چھوڑ کر نہیں آیا۔ اور اب نکلا تو اس طرح —— '' رجنی جس نے اس لیے خودکشی کر لی کہ اس کے ریسرچ میں پروفیسر نے اس کو تنگ کیا اور جو خودکشی کے بعد میڈیکل رپورٹ کے مطابق دوشیزہ تھی —— اگر رجنی آپ کی رشتہ دار ہوتی؟ اگر رجنی کی جگہ نیرا ہوتی تو؟'

''اگر جگدیش (جو پولیس لاک اپ میں مر گیا) کی جگہ پردیپ ہوتا تو؟

'انکل میں بتاؤں، آپ کو دل کی بیماری کیوں ہے؟ اس لیے کہ آپ کا دل مر رہا ہے، اس لیے کہ اس کے سامنے زندہ رکھنے کے لیے کوئی جسم، کوئی انسان ہے ہی نہیں، ——— ریٹائرمنٹ کے بعد آپ ایک بے معنی سی زندگی جی رہے ہیں، آپ خود بھی جانتے ہیں کہ آپ صرف موت سے بچنے کے لئے جی رہے ہیں، آپ صرف اپنے کو چلتے پھرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور دنیا کو صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اس میں سے اپنی شمولیت ختم کر لی ہے ——— انسان کا جسم صرف اپنی قوت سے زندہ نہیں رہتا۔ اس کے جسم کو چلانے اور تازہ دم رکھنے میں، ان تمام چیزوں کا بھی زور شامل ہوتا ہے، جن سے اس کا تعلق ہوتا ہے، اور جن کا وہ حصہ بن جاتا ہے۔

انکل، نہ صرف ریٹائرمنٹ کے بعد —— بلکہ اپنی نوکری کے درمیان بھی آپ ہمیشہ تھانے اور کچہری سے کتراتے رہے ہیں —— ہر اس بات میں دلچسپی لینے سے کتراتے رہے ہیں،

جہاں خطرات درپیش ہوں، جہاں بھی اس بدنامی، ذہنی تناؤ اور ذہنی دوڑ دھوپ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسی جگہوں اور سمتوں میں نہ آپ نے اپنے لیے نہ کسی اور کے لئے — کبھی قدم نہیں بڑھایا — اپنے کو صرف اپنی نوکری اور اس سے ملتی ہوئی روٹی تک محدود رکھا۔

آپ جس محکمہ میں نوکری کرتے تھے اس کا ایک جزو بن کر رہ گئے۔ اور اس کے علاوہ آپ کے اندر جتنی خصوصیات اور صلاحیتیں اور تمنائیں اور امکانات تھے ان کو آپ نے چن چن کر، چابکدستی سے کاٹ کاٹ کر اس طرح پھینک دیا کہ وہ بھی آپ کی زندگی میں گھاس پھوس بن کر نہ ابھریں، آپ اس پھول کی طرح بن گئے جسے پودے سے کاٹ کر ٹہنی سمیت گلدستے میں لگا دیا گیا ہو، اور جس میں تازہ پانی اور خوراک صرف اس لیے ڈالا جاتا ہے کہ وہ شاداب رہے اور اس میز کی رونق بنا رہے — پھر آپ کے اندر سے۔ زندہ رکھنے کے لیے تخلیقی خون اور زندگی کی لہر کہاں سے آئے — اور جب جڑوں سے خوراک نہ ملے تو رکا ہوا پھول منجمد نہ ہو تو کب تک زندہ رہے۔

کس نے کمزور کیا آپ کے دل کو؟

آپ نے زندگی کی صحبت چھوڑی۔

فطرت سے مکمل طور پر کٹ کر دور ہوئے، اور اپنے حدوں کی تخلیق کرتے رہے۔

آپ کو جوان اور صحت مند اور با تخلیق رکھنے والا،

ہارمون، آپکے اندر پیدا ہونا بند ہو گیا۔

آپ کا جسم ایک بھرپور انسان کا جسم نہیں'

بلکہ ایک ٹھہری ہوئی مشین ہے۔

صرف آپ نہیں'

آپ جیسے تمام لوگ۔

جو دل کے مریض ہیں۔

جو اخبار پڑھتے ہیں۔

لیکن جن کا دل نہیں دھڑکتا۔

وہ اپنے کو زندگی سے الگ کر چکے ہیں۔

ان کے اندر زندگی کی لہر مر چکی ہے۔

میں بھی مر چکا تھا۔

میں تنہا پیڑ بن گیا تھا۔

میری شکل واضح ہو گئی تھی۔

میرا دل سخت ہو گیا تھا۔

اور میں چٹانوں پر نصب مجسمہ بنتا جا رہا تھا۔

لیکن کچی عمر تھی۔

نیرا کی زندگی اور اس کی کشمکش کو دیکھنے اور محسوس کرنے سے۔

ایک دن میرا دل دوبارہ زندہ ہو گیا۔

اس میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔

لیکن اس شہر کا ایک بڑا حصہ

ایک بڑا طبقہ مر چکا ہے

پتھروں پر نصب ہو چکا ہے۔

لوگ کٹے ہوئے گلدستے کے پھولوں کی زندگی گزار رہے ہیں، جو جڑ سے خصی ہو چکے ہیں۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، دیریندر سریواستوا جنہوں نے الوک کو بغیر کھانا کھائے، انتہائی سنجیدگی کے عالم میں جاتے دیکھا تھا، دوبارہ بیٹھ گئے، لیکن کھانا کھانے کی رفتار سست ہو گئی۔ الماری کے پاس ایک اسٹول پر بیٹھ کر ایک ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگے۔

چند روز بعد ان کے چہرے پر سرخی نمودار ہونے لگی، ان کے قدموں میں زیادہ طاقت محسوس ہونے لگی۔ سوکھے ہوئے پیڑوں سے نئی کونپلیں پھوٹ جاتی ہیں — وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں نیرا کے لیے لاک اپ میں بند ہونے۔

پولس کی گالیاں اور ڈنڈے کھانے کے لیے۔

اور غنڈوں کے چاقوں سے ہلاک ہونے کے لیے تیار ہوں۔

☆☆

۲۶

مہاویر سنگھ، ایڈیشنل سشن جج نے جن کے یہاں نیرا کا مقدمہ تھا ڈاک سے ملا ہوا ایک ذاتی خط کھولا تو تعجب سے دیکھنے لگے۔

جناب عالی آپ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ میں کون ہوں؟ آپ میرا چہرہ ان لوگوں میں تلاش کر رہے ہیں جن کے پاس اچھے وکیل نہیں ہیں۔ نہیں میں ان میں نہیں ہوں۔ اب آپ میرا چہرا ان میں تلاش کر رہے ہیں جن کے مقدمے کمزور ہیں؟ بنیادی طور پر کمزور؟ یا ثبوت اور دلائل نہیں ہونے کی وجہ سے کمزور گو کہ اپنے اندر مقدمہ بجا اور مضبوط ہو۔ یہ 'گو کہ' کیا ہے۔ آپ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ خط کے اختتام پر میرا نام دیکھنا بھول گئے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ اب آپ نے دیکھ لیا؟ نہیں، آپ نے نہیں دیکھا۔ آپ نے اسی لیے نہیں دیکھا کہ آپ کے اندر انصاف وعدل کا ایک بہت ہی گہرا احساس ہے اور آپ میرا نام دیکھ کر اس سے اس خط کے بارے میں آپ کی جو رائے بن رہی ہے اسے متاثر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس خط کا مضمون آپ کے اندر کسی بہت بنیادی بات کو بیدار کر رہا ہے۔ اور 'ہاں' یہ بھی بنیادی بات ہے جس کی وجہ سے میں نے آپ کو یہ خط لکھا ہے۔ ہاں، میں نے خط کے اخیر میں اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ میں نے اس بات کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ میں نے کسی ایسی بات کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے آپ کا دھیان میرے مخصوص مقدمے کی طرف جائے اور اس طرح اس میں پنہاں میرے مسئلہ کی طرف آپ کو متوجہ کرے۔ نہ ہی میں نے ایسا کوئی اشارہ اس خط میں چھوڑا ہے جس سے آپ کی توجہ کسی مخصوص قسم کے تمام مقدموں پر جاتی ہو۔

اور میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ اس سے چڑ گئے یا ناراض ہو گئے تو آپ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میرا نام دیکھ کر آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ ذاتی اپیل ہے اور اس طرح اس کا اثر مجروح ہو سکتا ہے — اور اس کے باوجود مجھے معلوم ہے کہ ان ہزاروں مقدمات میں جو آپ کی عدالت میں چل رہے ہیں، یہ خط آپ کو صرف میرے مقدمے میں متاثر کرے گا۔ اور اگر آپ مجھے اس نیت سے پہچاننے کی کوشش کریں گے کہ آپ مجھے غیر اصولی طور پر اس خط کو بھیجنے کی سزا دیں تو آپ مجھے نہیں پہچان پائیں گے بلکہ آپ کو ہزاروں مقدمات کے فریقین ایسے دکھائیں گے جو یہ خط لکھ سکتے ہیں، اور سب کے اوپر آپ کا شبہ جائے گا مجھے یوں دیکھ لینا ممکن نہیں۔ مجھے دیکھنا تبھی ممکن ہے اگر آپ میرے اندیشہ کو دور کرنے کی نیت رکھتے ہوں۔

مجھے صرف ایک بات کہنی ہے۔ تمام باتوں کے اس مقدمے میں میرے خلاف ہونے کے باوجود اس کو جیتنے کی مجھے شدید خواہش ہے۔ اور مستحکم ارادہ ہے۔ کیا آپ اس بے چینی اور بے قراری کا اندازہ لگا سکتے جس کے ساتھ یہ خط تحریر میں آ رہا ہے کہ مجھے خط لکھتے وقت بھی یہ معلوم ہے کہ میرا دعویٰ مقدمہ میں سچ ہے۔ بجا ہے، اور آپ اس درد کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جس سے مجھے اپنی پہچان کو گمنام رکھنے میں گزرنا پڑ رہا ہے — گو کہ مجھے اپنی بات کہنے میں اتنی ہی لذت مل رہی ہے جتنی براہ راست اپنا نام بتا کر کہنے میں ملتی ہے۔ مجھے کچھ کہنا ہے لیکن کہنے سے معذور ہوں۔ مجھے پتہ ہے یا کم از کم مجھے احساس ہے کہ اگر میں کچھ ایسی باتیں تفصیل میں ذاتی طور پر، اور راز دارانہ طریقے پر بتا دوں — صرف یہ باتیں آپ کے علم میں آ جائیں۔ حالانکہ ان کا ضابطہ عدالت کے مطابق مقدمہ سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن در حقیقت جن کا تعلق اس مقدمہ سے اس قدر گہرا ہے کہ اس مقدمہ کی پیدائش اور پورے وجود اور اس وجود کے سارے خدو خال اور ان خدوخال کے اثرات ان ہی باتوں کا اظہار ہیں، اور نتیجہ ہیں، — لیکن جو — نہ ثبوت بن پاتی ہیں نہ دلیل — تو مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں ہو جائے گا لیکن یہ بتانا اس لیے مناسب نہیں ہے کہ ضابطۂ عدالت اور اس کے خدوخال سے آپ کو جو عقیدت کی حد تک وابستگی ہے اس کی وجہ سے یہ طریقہ کار آپ پر گراں گزر سکتا ہے۔ اور آپ کی اس ناپسندیدگی کے نتیجہ میں میرا مقدمہ خراب ہو سکتا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ اس وقت کہ آپ میرے خط کے یہ آخری جملے پڑھ رہے

ہیں ے آپ کے دل میں مجھے پہچاننے کی شدید خواہش پیدا ہو رہی ہے اور آپ کے دل میں بے چینی کے جھرنے گر رہے ہیں۔ بے قراری کی لہریں موجیں مار رہی ہیں۔ میرا ارادہ آپ کو اس طرح بے قرار کرنے کا نہیں تھا۔ لیکن نام لکھنا ممکن نہیں ہے۔

اب یہ باتیں آپ کے اوپر ہیں اور نام بتانا ممکن نہیں کہ میں آپ سے خوفزدہ ہوں۔
اور میں خوفزدہ اس لیے ہوں کہ انصاف و عدل کی ایک فطرت ہے کہ یوں تو وہ حاکموں کے دل میں صاف وشفاف بہہ کر آتے ہیں لیکن فریادی کا چہرہ دیکھتے ہی فریادی کے حالات اور پس منظر سے اس انصاف کا بہاؤ متاثر ہونے لگتا ہے۔ میں اپنے مقدمے کو ثابت کرنے سے معذور ہوں۔ میں بے بس ہوں۔ اور مجھے یقین نہیں ہے کہ انصاف ان کو ملتا ہے جو بے بس ہوتے ہیں۔ کہ بھاگتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے گواہوں کو عدالت میں آ کر گواہی دینے کی اور خوفناک مخالفین کے حملوں سے نہیں ڈرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنے اور تحقیقاتی محکموں کو قدم قدم پر شواہد جمع کرتے وقت اصولوں کا پابند رکھنے اور تمام نعمتوں کی امید اور تمام دکھوں کے خوف کو جھٹلانے کی قوتیں سب میں پیدا کرنا میرے بس کی بات نہیں اور یہی قوتیں شہادت کو متاثر کرتی ہیں۔ لیکن میری بے بسی عدالت میں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے کیوں کہ ضابطے کو متعین کرتے وقت انسانی اور تنظیمی کمزوریوں سے آپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور جب ہم اپنی ان کمزوریوں سے آنکھیں بند کرتے ہیں تو اتنی شدت سے اور قوت سے اور اطمینان بخش طریقے سے بند کرتے ہیں کہ بند کھڑکیوں کا احساس تک نہیں چھوڑتے — اور جب وہاں کوئی آ کر دستک دیتا ہے تو آپ خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں وہ کھڑکی دوبارہ متزلزل ہو کر کھل نہ جائے اور ہمارے ان زاویوں کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ جنھیں ہم نے اپنے اندر ہی متعین کر رکھا ہے۔ عدالت کے نقطۂ نظر سے انسان اور اس کے حالات شہادتوں اور ثبوتوں اور دلیلوں سے بنے ہوئے ہیں۔ اور میں اس نقطۂ نظر سے، بے وجود بے وقعت اور بے معنی ہوں کہ میرے وجود کا کائی ثبوت نہیں۔ جو کچھ ہے وہ میرے اندر ہے اور جو کچھ ہے وہ عدالت کے ضوابط سے باہر ہے۔

☆

نیرا — میں تمھیں ان ہزاروں مقدموں کے درمیان پہچان سکتا ہوں۔ اور اگر نہیں پہچان سکوں تو میں جج نہیں۔ ان ہزاروں ہزاروں لوگوں میں جو میرے سامنے اپنے مقدموں کے

سلسلے میں آتے ہیں، تم وہ واحد فرد ہو جو اپنے مقدمے کو اس طرز استدلال سے لڑ رہی ہو۔
نیرا — تم نہیں جانتیں کہ ایک جج لوگوں کے چہروں کی ایک ایک حرکت اور تاثر، ایک ایک جملے، ایک ایک خاموشی، اور بولنے کی ہر ایک خواہش جو لوگوں کے اندر گھٹ کر رہ جاتی ہے، دیکھ لیتا ہے، اور دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر شخصیت کے لڑنے کا اپنا طرز، اور اپنے اظہار کی اپنی زبان ولغت ہوتی ہے۔ تم محتاط ہو، تم تیز نگاہ اور پارکھ ہو، تم پُر اعماد ہو — اور تم مقدمے کی کارروائی سے ناوابستہ رہتی ہو — میں نے اپنے کیریر میں پہلی بار ایک فرد دیکھا ہے جس کے اندر اُمید اور نا اُمیدی کے مدوجزر کا تعین مقدمہ کے اُتار چڑھاؤ اور اس کے رخ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ تمہاری اُمیدوں اور نا اُمیدیوں کی بنیاد کچھ دوسری باتوں پر ہوتی ہے جن کو تم کبھی نظر انداز نہیں کرتی ہو بلکہ ان پر تم کو زیادہ ٹھوس بھروسہ ہے — اور اگر میں نے تمہارے اس خط کو شروع کرنے کے بعد فوراً تمہارا نام خط کے آخر میں پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ میں اپنے اندر کوئی تعصب پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ خط کے پہلے جملے سے ہی ان پوشیدہ باتوں کا اظہار ہونے لگا تھا جن پر تم نے اپنی اُمیدوں اور اندازوں کی بنیاد رکھی ہے — اور جن باتوں نے ایک پراسرار بات کی طرح میرے اندر دلچسپی پیدا کر دی تھی۔'

مسٹر سنگھ سوچتے سوچتے مسکرائے۔

جناب والا — مجھے عدالت کی اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ایک گمنام خط کو عدالت صرف اس لیے نیرا سے منسوب کر رہی ہے کہ وہ اپنے اس اندازے پر مصر ہے اور اپنے اس اندازے پر اسے یقین ہے کہ یہ خط نیرا اور صرف نیرا ہی لکھ سکتی ہے — خطرہ اس بات کا ہے کہ یہ خط دوسری پارٹی نے جج کو ورغلانے کے لئے لکھا ہو۔ خطرہ یہ بھی ہے کہ یہ خط کسی اور مقدمے کی متعلق ہو اور کسی اور کا ہو — عدالت اس بات کو جانتی ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے کسی عدالتی معاملے میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچنا چاہئے — میں اس خط کو دیکھنا چاہوں گا اور یہ جاننا چاہوں گا کہ کیا کوئی ایسا ثبوت ہے جس سے اس خط کو نیرا کے مقدمے یا نیرا سے منسوب کیا جا سکے؟

اور اگر ایسا نہیں ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ عدالت خواہ مخواہ غلط فہمی کا شکار ہوئی ہے۔

اور فاضل جج ان باتوں کی بنیاد پر اپنی رائے قائم کر رہے جو ثبوت کا درجہ نہیں رکھتیں

مثلاً عدالت نیرا کی پریشان حالت کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتی ہے کہ نیرا ہی یہ خط لکھ سکتی ہے۔۔۔ یا جیسا کہ جناب والا نے فرمایا۔ نیرا ہی واحد مدعا علیہ ہے۔ جس کے اوپر اس عدالت میں چل رہی کارروائی کے دوران ان میں سامنے آتے ہوئے ثبوتوں اور دلیلوں کے ساتھ ساتھ اس کے اندر امیدوں اور نا اُمیدیوں کا اتار چڑھاؤ نہیں ہوتا۔۔۔ اور وہ کسی اور بات پر بھروسہ کرتی ہے!

کیا جناب والا نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو کیوں ہوتا ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس کا چہرہ ان سچائیوں کو دکھاتا ہے جو نہ صرف یہ کہ نیرا کہنا چاہتی ہے اور کہہ نہیں پاتی بلکہ وہ ایسی سچائیاں ہیں کہ جو اس کے چہرے۔۔۔ اور اس کی امیدوں اور نا اُمیدیوں کو متاثر کرتی ہیں اور اسے یہ یقین دلاتی ہیں کہ وہ سچائیاں کسی نہ کسی طرح اپنے کو منوا کر رہیں گی۔

'جناب والا، مخالف وکیل اٹھ کھڑا ہوا' ہمارے فاضل دوست عدالت کو بالواسطہ طور سے متاثر کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ جن سچائیوں کا ذکر کر رہے ہیں ان کا ذکر بغیر ثبوت کے اس عدالت میں نہیں ہونا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نیرا نے یہ خط انتہائی چالاکی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے اور ہمارے فاضل دوست اس ترکیب کا دانستہ طور پر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

''جناب والا' میں ان سچائیوں کو ثابت نہیں کر رہا ہوں۔ یہ سچائیاں تو خود جناب والا نے دیکھی ہیں۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ جناب والا نے نیرا کے چہرے پر دیکھا ہے اگر وہ سچائی نہیں ہے تو وہ کیا ہے جس نے جناب والا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔۔۔ جناب والا۔۔۔ یہ جو کچھ آپ نے محسوس کیا ہے وہ سچائی نہیں ہے۔۔۔ وہ خود اعتمادی ہے! یہ وہ خود اعتمادی ہے جناب والا جو صرف اس شخص کے اندر پائی جاتی ہے جو اپنے مقدمہ کو اس آخری عدالت تک لے جانا چاہتا ہے جہاں سچائی ثابت ہو جائے! اور جہاں انصاف مل کر رہے۔ اور جناب والا۔۔۔ انصاف لینے کے لئے صرف یہی عدالتیں نہیں ہیں۔۔۔ صرف یہ ابتدائی کورٹ اور سشن کورٹ، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ ہی نہیں ہیں۔۔۔ یہ عدالتیں تو محدود ہیں، مجبور ہیں، بے بس ہیں!

جناب والا، مخالف وکیل پھر اٹھا' یہ عدالت کی توہین کر رہے ہیں۔'

نہیں جناب والا۔۔۔ میں عدالت کی توہین نہیں کر رہا ہوں، میں صرف عدالتوں کی گنتی کرا رہا ہوں، ان کے درجات کو بتا رہا ہوں، اور ان کی ساخت پر روشنی ڈال رہا ہوں تاکہ کسی کو عدالت کی کسی انتظامی مجبوری کی بنا پر عدالت کے انصاف کرنے کی نیت پر شک نہ ہو جائے۔۔۔

اس لیے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کورٹ سے لے کر سپریم کورٹ تک کی وہ عدالتیں ہیں جو اپنے فیصلے ان ثبوتوں کے حدود میں کرنے پر مجبور ہیں، بے بس ہیں، جو ثبوت عدالت میں پیش کئے جاتے ہیں، اور کئے جا سکتے ہیں۔۔۔ لیکن عدل تو محدود نہیں ہو سکتا۔۔۔ تو جناب والا۔۔۔ اس سے آگے کی عدالتیں وہ ہوتی ہیں جنہیں عدالت نہیں کہتے لیکن جہاں انسان سچائیوں کو ان دیکھے طریقوں سے ثابت کرتا ہے، فیصلوں کو متاثر کرتا ہے، اور جہاں وہ خود ثبوت بن جاتا ہے۔۔۔ اور جناب والا۔۔۔ وکیل نے اونچی آواز میں کہا' سب سے اونچی عدالت اس انسان کے اندر ہوتی ہے جو سچائیوں سے واقف ہوتا ہے۔ اور جو آخری فیصلہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ ٹھیک ہوتا ہے۔ اور اس مقدمے میں بھی یہی ہوگا۔ اور یہ جو آپ میری موکلہ کے چہرے پر ایک معنی خیز خود اعتمادی دیکھتے ہیں وہ اس لیے ہے کہ میری موکلہ اس عدالت تک جانے کا ارادہ کرتی ہے۔

جج نے بغیر کسی تبصرہ کے یہ بحث بند کر دی۔

کمار کی نظریں جج کے چہرے سے ہٹ کر نیرا کے چہرے پر جا کر مرکوز ہو گئیں۔

☆

نیرا گھر لوٹ کر آئی۔ اسے لگا کہ وہ کمار سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑ رہی ہے، عدالت میں اس نے کمار کی آنکھوں میں تشویش کی پرچھائیاں دیکھی تھیں۔ اسے لگا کہ اس کو ایسی قوتوں پر عبور حاصل ہو رہا ہے کہ کمار سے ہو رہی کش مکش میں دیر یا سویر اس کی کامیابی قطعی ہے۔ اسے لگا جیسے پوری فضا اس کے ساتھ بہنے پر آمادہ ہے۔ جیسے چاروں طرف کی ہوائیں اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہیں، اور جیسے اب کمار کے آہنی ارادے ٹوٹ چکے ہیں اور وہ خود آخر کار اپنی جدوجہد اور اسکیم میں تکمیل کی منزل تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ گہرا نیلا تھا۔ درختوں پر نگاہ گئی۔ وہ ہرے بھرے تھے۔ ان پر کچھ چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی۔

وہ گھر میں آئی۔ سونیا کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی وہ کبھی بھی کتابیں سنجیدگی سے نہیں پڑھتی تھی۔ لوٹنے کے بعد سونیا اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ آج کیا ہوا؟ وہ سونیا سے اس موضوع پر ہر پہلو سے گفتگو کرتی رہی۔ اس کے اٹھائے ہوئے اقدامات سے جو کرشمے ظاہر ہو رہے تھے ان پر انہیں بڑا گہرا اطمینان تھا۔ جب مشکلات کے بعد کامیابیوں کی کرنیں دکھائی دینے لگتی ہیں تو پوری

فضا بدلی بدلی سی ہوتی ہے، اور اس فضا میں خواہ مخواہ سنجیدہ رہنا یا اس قدر محتاط اور شکی رہنا کہ آتی ہوئی کامیابیوں کا والہانہ استقبال نہ کرنا قدرت کی ناشکری سا لگتا ہے۔ اور حوصلے کے دبے دبے ہونے کا شبہ پیدا کرتا ہے۔ نیرا خواہ مخواہ محتاط رہنے کی منطق کو اپنے اوپر لادنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس بات کو ناپسند کرنے لگی تھی کہ کسی خیال اور اصول کو اپنے اوپر مردہ صورت میں لاد کر رکھا جائے۔ وہ اور سونیا دونوں فطری طور پر زندہ رہنے اور کھل کر اپنے دل میں اٹھتی ہوئی باتوں اور گنگناتی ہوئی اُمنگوں کے اظہار کرنے میں فرحت محسوس کرتی تھیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا — سونیا اکثر کہتی وہ کسی بات سے خوش ہوتے ہوئے بھی ناوابستہ رہتی تھی اور غمگین ہوتے ہوئے بھی۔ اس کی اس ناوابستگی کا اظہار خوف اور اُمید کی صورت میں بھی ہوتا تھا۔ جیسے وہ لڑکی پیدائشی طور پر ہر چیز سے الگ تھلگ رہ کر چیزوں کو دیکھنے کی عادی ہو — اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ہر چیز سے گہری دلچسپی رکھتی تھی، — اس کے برعکس نیرا کو چیزیں اکثر اندر سے پکڑ لیتی تھی، اور اسے اپنے کو ناوابستہ کرنے کے لئے تاکہ وہ انہیں آزادانہ طور پر دیکھ اور سمجھ سکے، اپنے کو اپنے جذبات سے کافی جدوجہد کرکے باہر نکالنا پڑتا تھا — اور اکثر اسے ایسا کرنے کے لیے فلسفیانہ حد تک جانا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی اور اسے رشک آتا تھا کہ سونیا کتنی خوش قسمت ہے کہ اس کے اندر یہ باتیں خود بخود موجود ہیں! وہ سونیا سے کافی دیر تک باتیں کرتی رہی، اور ایک ہی بات کو کئی کئی پہلوؤں سے یوں دہراتی رہی جیسے اپنے اعتماد کو وہ بٹھا بٹھا کر مضبوط کر رہی ہو۔

نیرا کے چہرے کی جھریاں ڈھیلی پڑنے لگی تھیں۔ صورت ہری بھری ہونے لگی تھی۔

☆☆

۲۷

دوسرے دن وہ اپنے گھر کے سامنے ٹہل رہی تھی کہ ایک کار آئی اور اس کے گیٹ کے سامنے رکی۔ اس میں سے کمار نکلا اور اس کے بعد وہی آدمی نکلا — یہ اشوک تھا — نیرا نے اسے غور سے دیکھا، اترتے ہوئے اشوک کے ہاتھ میں ایک ویڈیو کیسٹ تھا۔ اور وہ دونوں قہقہہ لگاتے ہوئے گھر کے اندر چلے گئے۔ "آیئے آپ کو دکھاؤں' کیا مزے کی چیز ہے'

کمار کی نظر نیرا کی طرف اٹھی، نیرا نے دیکھا اس کے اندر ایک نئی تازگی پھوٹ گئی ہے۔ اس کے چہرے پر ایک گہرا اطمینان اور پُراعتمادی جھلک رہی تھی، اور پھر اس نے اس سپاٹ طریقے سے نگاہیں گھما لیں جیسے نیرا اس کے سامنے کچھ نہیں تھی۔ قطعی قابل توجہ نہیں تھی — نیرا ان کے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے اندر آ گئی۔ اسے تجسس تھا کہ یہ کیا چیز تھی — یہ کیسٹ اور یہ گفتگو — تھوڑی دیر بعد اس نے دروازے سے دیکھا، کمار کا لڑکا اور اس کی لڑکی کہیں باہر نکل کر جارہے تھے، پھر دروازہ بند ہوا اور اندر سے بولٹ ہو گیا۔ پھر ٹی۔ وی۔ پر آوازیں ابھریں — بڑی عجیب — جنسی ہیجان سے بھرپور — نیرا نے پیچھے آنگن کی طرف دروازہ کھولا اور باہر آ گئی۔ آنگن کی طرف سے کمار کا دروازہ تھوڑا تھوڑا کھلا ہوا تھا اور ٹی۔ وی۔ سامنے چل رہا تھا۔ اس نے دیکھا، صوفے پر بیٹھے کمار اور اشوک دونوں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے انہماک سے ٹی۔ وی۔ پر آتی ہوئی تصویریں دیکھ رہے تھے۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ اور ٹی۔ وی۔ پر آتی ہوئی تصویروں کو غور سے دیکھنے لگی —

وہی جنسی ہیجان سے بھرپور آوازیں۔ اور دو ننگے بدن آپس میں ایک دوسرے سے

اُلجھے ہوئے، اور پھر اس میں سے ایک مردانہ چہرہ بڑا ہو کر ابھرا — یہ الوک تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی جیسے یہ مناظر دیکھ رہی ہو۔

پھر نہ جانے کب اپنے کمرے میں لوٹی۔ چند لمحوں میں اس کے چہرے پر عجیب و غریب تکان چھا گئی جیسے فالج پڑ گیا ہو۔ سونیا نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا، کیا بات ہے''۔

'کچھ نہیں، بس ایسے ہی کچھ سوچ رہی ہوں،

'تم بہت سوچتی ہو۔ کیا سوچ رہی ہو؟؟'،

نیرا سوچنے میں اس قدر مشغول تھی اور اتنی شدّت سے سوچ رہی تھی کہ وہ ذرا بھی ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتی تھی — اور اب وہ اپنے آپ سے باہر آنے میں بھی جھجک رہی تھی، — وہ الوک کے بارے میں یکا یک سونیا سے کیا کہتی؟ اور اس اعتماد کا کیا ہوتا جسے اس نے گھنٹوں گھنٹوں اپنی کامیابیوں اور کامیابی کے امکانات پر گفتگو کر کے مضبوط بنایا تھا — سوچا تھا، کیا کیا رائے قائم کی تھی — اور اس کا اظہار کیا تھا — چند لمحوں میں کیسے وہ اپنی خود اعتمادی کو دھتکار دیتی! کیسے اعلان کر دیتی کہ اس کی سوچوں کے سارے طریقے غلط ہیں اور اس کا شعور نا پختہ ہے — اور کیسے تسلیم کر لیتی کہ بھروسوں کی جس چھت پر وہ بیٹھی تھی وہ چھت ٹوٹ رہی ہے — اور خود اپنے تجربات کی پختگی پر اس نے اپنے کتنے گہرے یقین کا سونیا سے اظہار کیا تھا — اور اب نہ الوک وہ رہا نہ اس کے اپنے تجربات وہ رہے! اس کا پورا وجود جیسے گنگ ہو کر رہ گیا،

اور دل ڈوبنے لگا۔

سونیا پھر اسے دیکھ رہی تھی جیسے جاننا چاہتی ہو اور نیرا سونیا سے کترانے کے لئے یوں ہی اٹھی اور تولیہ لے کر باتھ روم کی طرف چل دی — وہاں سے لوٹی تو کیچن میں گھس گئی اور وہاں سے واپس آئی تو چادر تان کر سوگئی۔

لیکن اندر اندر اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اسے لگا تھا کہ کسی بہت بڑی طاقت نے اتنی مہیب طاقت نے کہ جس کو اس کی نگاہ دیکھنے سے بھی قاصر تھی بلکہ جاننے سے بھی مکمل طور پر قاصر تھی، اس طاقت نے اس کو کچل دیا ہے — اس طرح کہ اسے اپنی عمیق مجبوریوں کا احساس کرا دیا گیا ہے — اس کو، اس کے دل و دماغ کو، اس کی پوری ذات کو بے وقعت کر دیا گیا ہے — اشوک کا چہرہ اس کے سامنے کئی بار ابھرا۔ وہ طاقتیں جو اس کے اختیار سے مکمل باہر تھیں، وہ

طاقتیں اس کے پیچھے کیوں پڑی تھیں۔ وہ طاقتیں جن سے وہ ٹکرا بھی نہیں رہی تھی۔ جتنی بھی طاقتیں اسے دکھائی دی تھیں، ان سے وہ ٹکرا گئی تھی، اور ان پر حاوی ہونے کی منزل تک پہنچ گئی تھی، لیکن اب ان دیکھی طاقتیں، ظاہر ہو رہی تھیں۔ اگر اس طرح ان دیکھی چیزیں یکے بعد دیگرے آتی رہیں — اور ان سمتوں سے آتی رہیں کہ جن سمتوں میں وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔ جہاں اس کی نگاہیں دھندلا جاتی ہیں، تو پھر وہ کیا کر سکتی ہے — یہ پوری کائنات میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے — یہ پوری کائنات میرے خلاف کیوں ہے — کیا میں غلط، غیر منطقی راستے پر چل رہی ہوں — کیا میرے ارادے، میرے خیالات اور میرے اعمال غیر حقیقی ہیں، مصنوعی، مقامی اور وقتی ہیں — کیا آخرکار مجھے ان طاقتوں سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا جو حدِ نگاہ سے آگے تک چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کا ستون بن کر کھڑی ہیں! اور یہ سب طاقتیں کمار کے ساتھ ہیں، میرے مکان کو چھیننے کی سازش اور ارادے میں اس کے ساتھ ہیں۔ تو میرے مکان کا بچنا غیر فطری اور غیر حقیقی خیال ہے — اور میری جنگ مصنوعی — خلافِ فطرت — کیا میں کائنات کی ساخت کو توڑ کر چل رہی ہوں — اور میری یہ دشواریاں، کائنات کی ساخت کو توڑنے کے عمل کا حصہ ہیں، اور یہ مشقت اسی کی پیداوار ہے۔ تو میں اس ساخت کو کہاں تک توڑ پاؤں گی — اپنے اردگرد کچھ دور تک توڑ پائی ہوں لیکن آگے تو یہ پہاڑوں کے مانند ہیں — کیا آخر میری تھکن بھی میری قسمت بن جائیگی۔ اور مجھے ہار تسلیم کرنی پڑے گی — تو پھر میں یہ کیوں کر رہی ہوں — میں نے جس قوت سے جنگ لی ہے، وہ کمار نہیں، بلکہ وہ خود کائنات ہے۔ خود لامحدود وسعتوں تک تنہا پھیلی ہوئی۔

میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہ میں چیزوں کو صاف صاف، ان کی پوری شکل کو دیکھ نہیں پاتی، اور جب پوری طرح تھک جاتی ہوں، قربانیاں دے دے کر لٹ جاتی ہوں، اور مجھے لگتا ہے کہ اب میں کامیابی کے قریب ہوں، تو پھر یکا یک وہ باتیں، جو ہمارے آس پاس ہی تھیں، اور جن کا سمجھنا بہت آسان تھا، وہ تب سمجھ میں آتی ہیں، اور مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگر زندگی میں یوں ہی ہوتا رہا تو یہ برباد ہوتے رہنا ہی میری قسمت اور حاصل بن کر رہ جائے گا اور وہ بھی بے معنی، بربادی محض نہیں جاننے کی سزا!

اور یہ زندگی کی ڈور مجھے اس طرح پٹک پٹک کر، تڑپا تڑپا کر، ترسا ترسا کر، تھکا تھکا کر

مارتی ہے، ایسا کیوں ہے؟ اگر کائنات ایسی ہے تو پھر جو کچھ غیر کرتا ہے اس کے لیے وہ کس حد تک ذمہ دار ہے۔ یہ کائنات میرے ساتھ ایسا دھوکا کیوں کرتی ہے۔ جیسے میرے خلاف پُر اسرار طریقے سے سازش کر رہی ہو۔ آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے کہ جہاں یہ کائنات دوسروں کے اوپر کامیابی اور دولت اور خوشی کے پھول برساتی ہے وہیں میرے ساتھ اتنی بے رحم ہے کیا کمار کے ظلم سے ٹکرانا غلط تھا۔ کائنات کی نافرمانی تھی! کیا انسان کو ہر دباؤ کے سامنے جھکتے چلے جانا چاہیے، ہر قوت کو قوت تسلیم کرتے جانا چاہیے — اور اپنے اندر اٹھتی ہوئی قوت کو نظر انداز کر دینا چاہیے؟

یہ کائنات مجھ سے کیا چاہتی ہے؟

یہ چاہتی ہے کہ میں اب بھی جھک جاؤں؟

اور ادھر بہہ جاؤں جدھر یہ چاہتی ہے؟

یہ چاہتی ہے کہ میں ٹوٹ جاؤں؟

اور یہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہتی نہیں ہے، بلکہ توڑ دیتی ہے، بغیر کسی تنبیہ کے۔

کائنات کے قوانین اور اس کا نظام اتنے بے رحم ہیں۔

وہ چادر پھینک کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔

'وہ طاقتیں جن کی وسعتوں کو دیکھنے تک کی اس میں صلاحیت نہیں تھی، اور جن کا اپنے اندر کو چھپائے رکھنا بھی شاید ان کی ایک طاقت تھی کہ وہ اچانک آ پکڑتی تھیں، اور جو اس کے اختیار سے مکمل طور پر بعید تھیں، اور جن کے بارے میں وہ پہروں پہروں سوچنے کے بعد بھی کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ پائی تھی کہ ان طاقتوں کو اپنی بات کیسے منوائی جائے، کیسے ان کو مجھے تباہ و برباد نہ کرنے پر راضی کیا جائے — کیا وہی طاقتیں میرے اوپر مکمل اختیار و قدرت رکھتی تھیں، اس قدر مکمل کہ الوک کو اتنی آسانی کے ساتھ مجھ سے چھین لے گئیں۔

ان کے پاس کیسی بڑی بڑی طاقتیں ہیں، اور اور متاثر کرنے کے کیسے بڑے بڑے طریقے ہیں کہ وہ سب کو متاثر کر سکتے ہیں، ان تمام لوگوں کو متاثر کر سکتے ہیں جن پر وہ تکیہ کیے بیٹھی ہے یا جنہیں اس نے اپنا ہمنوا بنایا ہے — یہ طاقتیں مجھے کہیں سے بھی چوٹ پہنچا سکتی ہیں۔ کیا میں اس راہ پر چل رہی ہوں، جس میں مسلسل لاحاصل جد و جہد ہے، اور جب تھک جاؤں گی تو یہ جد و جہد بھی ختم ہو جائے گی — اور جد و جہد زندگی کو ایک بوجھ بنا رہی ہے — سوچتے سوچتے

اسے اتنے گھنے اندھیرے بادلوں نے اس طرح مکمل طور پر آ گھیرا کہ اب ان کے اندر جھانک کر دور تک دیکھنا بھی ناممکن تھا۔

کیا اب بھی کچھ اُمید ہے؟ نہیں، کوئی مقابلہ ہی نہیں اور اگر کچھ اُمید ہے تو اس اُمید کی راہ بے یقینی سے بھری ہے۔

یہ تاریکیاں بھی جو نگاہوں کے سامنے ابھری ہیں، یہ اٹل ہیں یا کم از کم بہت بھاری ہیں۔ میں یہ بوجھ اپنے دل پر کیسے اٹھاؤں؟ اور کب تک؟ اور کس اُمید پر۔

اب یہ تاریکیاں نہ جانے زندگی میں کب تک چھائی رہیں گی؟ اور روشنی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — اور اس کی یہ ہری بھری جوانی، اور یہ سب امنگیں یوں ہی مٹ جائیں گی، کبھی پوری نہ ہوں گی — اس نے کائنات کے خلاف جنگ لے لی۔ اور اسے معلوم بھی نہ تھا، اور اب یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ ہے — اور آخر کار پھر بھی مکمل شکست۔ ناآسودگی

— اس کا جی چاہا، کہ وہ خودکشی کر لے!

اس نے محسوس کیا، غور کرنے کے بعد بھی محسوس کیا کہ یہ جذبا تنا بے جا اور بے معنی بھی نہیں تھا کہ ان ساری اذیتوں کے بوجھ سے نجات کا ایک سیدھا طریقہ یہ بھی تھا۔ اور شاید واحد سیدھا طریقہ تھا — کہ مقابلہ کرنا صرف اس کی ضد تھی۔ کہ جب کامیابی کی کوئی امید نہ ہو تو مقابلہ محض ایک حماقت ہے، اب اسے زندگی میں خوشی کبھی نہیں ملنے والی۔

بلکہ اب اسے زندگی میں صرف نیچے گرنا ہے کیوں کہ صرف اس کی دولت ہی لٹتے نہیں جا رہی ہے بلکہ زندگی کے اس قدر گہرے اور تکلیف وہ معائنہ کے بعد بھی اس نے جو اُمید کی کرنیں تلاش کیں وہ انتہائی وقتی اور بے معنی ثابت ہو گئیں۔ اور اگر وہ اور کرنیں تلاش کرے تو وہ بھی بے معنی ثابت ہو جائیں گی — لیکن خودکشی تو میں کبھی بھی کر سکتی ہوں — ؟ تو میں کیوں نہ جد و جہد کو جاری رکھوں؟ اور خودکشی تو ہمیشہ میرے ساتھ میرے دکھوں کے ختم ہونے کی ایک گارنٹی اور ایک راہِ فرار کی حیثیت سے میرے ہاتھ میں رہے گی — اسے خودکشی کے خیال سے تقویت ملی!

کیوں نہ تناؤ جاری رہے؟

اس نے محسوس کیا کہ خودکشی پر اختیار کی قوت کے ساتھ ساتھ، اس کے اندر ایک اور قوت تھی جو اس کو ان دیکھی منتہا میں کھوئی ہوئی اُمیدوں کے سہارے بھی لڑتے رہنے کو اکسا رہی

تھی — جیسے وہ محسوس کر رہی تھی کہ اگر وہ مستعد رہی تو کچھ نہ کچھ نئی باتیں ظہور میں آنا شروع ہو جائیں گی — جیسے کچھ نہ کچھ نئی باتوں کا سامنے آنا جس سے حالات اس کے موافق ہو جائیں اس کی مستعدی کا لازمی متوقع نتیجہ تھیں — وہ کائنات سے لڑ سکتی ہے۔ وہ لڑے گی! اور کسی لمحہ اس نے اپنے دل کے گوشوں میں محسوس کیا کہ وہ پوری کائنات سے زیادہ مضبوط ہے — اتنی مضبوط کہ اسے یہ تمام باہری وجود جو سامنے ہیں اور جو دھند کے پس منظر میں ہیں مجموعی طور پر مل کر بھی نہیں توڑ پائیں گے۔ اور جیسے اس کے پاس اگر ان سے جیتنے کی نہیں تو لڑتے رہنے کی تو سوفی صد قوت موجود ہے — تو وہ لڑے گی اور دیکھے گی کہ آگے کیا ہوتا ہے؟

اور اس نے محسوس کیا کہ گو کہ باہر کی دنیا اس پر تنگ ہو رہی تھی۔

لیکن اندر کی دنیا اسے جگہ دے رہی تھی۔

اندر کی دنیا جو کائنات کا حصہ نہیں تھی۔

بلکہ اپنے لیے جگہ خود پیدا کر رہی تھی۔ لیکن یہ اندر کی دنیا اسے باہر کی دنیا سے بری تو نہیں کرتی۔ یہ تو محض ایک نیا گوشہ ابھارتی رہی ہے۔ تو میں کون سے راستے پر جاری ہوں کیا وہی باہر کی کائنات سے ٹکرانے اور اس سے اجنبی پن بڑھائے جانے کے راستے پر — باہر کی اس کائنات سے جس میں مجھے رہنا ہے — اور جو ہمارے چاروں طرف کی آخری حقیقت ہے۔ ایسی بھی کیا زندگی کہ سب دل کھول کر قہقہہ لگاتے رہنے کی زندگی گزار رہے ہوں اور میری زندگی کا معمول یہ ٹکراؤ، یہ کش مکش بن کر رہ جائیں۔ اور کیا یہ کش مکش ہی ناکامی کا دوسرا روپ تو نہیں ہے؟

مانا کہ میں لڑتی رہوں گی۔

لیکن کیوں لڑتی رہوں؟ کیوں نہ سکون سے رہوں؟ کیوں نہ میرا دل بھی ہر قسم کی کش مکش کے دباؤ سے آزاد رہنے کی لذت سے ہمکنار رہو! آخر میں تو وہی آزادی چاہتی ہوں!

— تم اس ٹکراؤ کی کیفیت کو ہی انجوائے کرنا سیکھو نیرا! کسی نے اس کے اندر زندگی کا نیا فلسفہ دیا۔

نہیں۔ یہ بے معنی بات ہے اور اپنے کو بے وقوف بنا کر جینا اور بھی اذیت بخش ہے۔

کہ وہ بے یقینی کی آنچ پر ہمیں جلاتا رہتا ہے۔

کہ بے معنی بات کو با معنی سمجھے رہنے کے دھوکے کا انکشاف بڑا کاٹ دار ہوتا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ ٹکراؤ کی کیفیت خود اپنے اندر انجوائے کرنے کی چیز نہیں ہے یہ محض ایک جذباتی فریب ہے۔ اور یہ فریب ہی ہماری روح کی آزادی کو چھین لیتا ہے۔

—— کہ اس طرح ہم مستقل طور پر حالات کی لہروں سے بندھ جاتے ہیں۔

اس سے میری توجہ مستقل طور پر ان سے وابستہ ہو جائے گی،

ان سے — جنھیں میری طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ہوگی اور جن کا مجھے بھلائے رکھنا ہی مجھے اُلجھائے رکھے گا،

یہ قید ہے،

اور اس قید سے بہتر ہے خودکشی!

اچانک اس کے اندر معنی کی ایک لہر ابھری اور آواز میں تبدیل ہو گئی نہیں قطعی نہیں، تم مرنا چاہتی ہو۔ لیکن میں مرنا نہیں چاہتی تم کیوں مرنا چاہتی ہو تمھیں دکھائی نہیں دیتا تو مجھ سے پوچھو میں نہیں بتا پاؤں تب مرنے کی بات سوچنا تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا بننا چاہتی ہو، اور میں تمھیں بناؤں گی، میں سب کچھ دے سکتی ہوں، تم جو مانگوں میں دے سکتی ہوں'

'' تم کون ہو؟'' اس کا ذہن اس چشمہ معانی پر مرکوز ہوا۔

'' میں وہ ہوں کہ مجھے لوگ جانتے نہیں، محض دیکھتے ہیں، جب میں سامنے آتی ہوں، لیکن پھر بھی جانتے نہیں کیوں کہ جب میں سامنے آتی ہوں تو کچھ اور ہو جاتی ہوں، میں وہ نہیں رہ جاتی، جو میں ہوں، میں تم سے پوچھتی ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو؟

'میں اب پوچھنا بھی نہیں چاہتی'

کیوں؟

'' یہ بھی ایک اگلا دھوکا ہوگا! میں تمھیں نہیں پہچانتی، تم کچھ بھی ہو سکتی ہو، تم تو محض میرے درد کو اور گہرا کرنا چاہتی ہو''

'شک اندھے کرتے ہیں، یہ آنکھوں کی بزدلی ہے، اور تم کو یہ شک ہے کہ اب کوئی راستہ نہیں، لیکن محض شک ہے۔ تم جانتی نہیں،

'' تم میرے اوپر ظلم کر رہی ہو تم بے رحمی سے میرے زخموں کو چھیڑ رہی ہو تم ہو کون؟''

میں وہ ہوں جسے تم اپنے چاروں طرف دیکھتی آئی ہو، لیکن جسے ابھی تک تم پہچان نہیں

پائی ہو، لیکن تم مسلسل میری طرف کھنچتی آئی ہو، میں وہ ہوں کہ جتنی چیزوں کو تمہاری نگاہیں دیکھتی ہیں تم مجھے ان تمام چیزوں کے کہیں باہر موجود سا محسوس کرتی ہو، اور جب اپنے اندر جھانکتی ہو تو جہاں تک تم اپنے آپ کو دیکھ پائی ہو اس کے آگے اپنے اندر مجھے محسوس کرتی ہو، میں کشش کی مانند دکھائی نہیں دیتی لیکن پوری قوت سے ہر جگہ موجود ہوں۔

میں ہر ایک کو اپنے مرکز کی طرف کھینچی ہوں، اور میں ہی ہوں جو اس پوری کائنات کے ذرّے ذرّے کو چلاتی ہوں، نئی نئی چیزیں پیدا کرتی ہوں، پرانی چیزوں کو مٹاتی جاتی ہوں۔ میں مسلسل اپنا اظہار چاہتی ہوں، لیکن جب بھی میں ظاہر ہوتی ہوں، میری شکل متعین ہو جاتی ہے، اور وہ کچھ اور ہو جاتی ہے، اور میں پھر پیچھے پردے میں رہ جاتی ہوں۔ جب بھی کوئی میری طرف بڑھتا ہے، مجھے تلاش کرتا جاتا ہے تو میں چہرہ در چہرہ دکھائی دیتی جاتی ہوں، لیکن جیسے ہی دکھائی دیتی ہوں، ویسے ہی پیچھے چھوٹ جاتی ہوں، اور میں تنہا بے قرار رہتی ہوں۔ جس قدر دیکھنے والوں کے اندر مجھے دیکھنے کی بے قراری بڑھتی ہے، اُسی قدر میری ظاہر ہونے کی بے قراری بڑھتی جاتی ہے اور اپنی بے چہرگی کا کرب مجھے بے چین کرتا ہے کہ لوگ اکثر ان چہروں کو آخری چہرہ ماننے لگتے ہیں۔

تم جو کچھ دیکھتی ہو وہ سب کچھ میں ہی ہوں، اور تم جو کچھ ہو وہ بھی میں ہی ہوں ساتھ ہی تم اور وہ جو کچھ تم دیکھتی ہوں، وہ میرے عکس ہیں، وہ میرے مختلف رنگ ہیں میں بذاتِ خود بے رنگ ہوں۔ اور اگر تم چیزوں کی بنیاد کو سمجھنا چاہتی ہو تو مجھ سے پوچھو۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہارا مکان جو شکلیں بدل رہا ہے وہ کیوں بدل رہا ہے؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ کمار کی نیت کیوں بدلی؟ اور وہ اپنی نیت میں کہاں تک قائم رہے گا؟ میں تم کو بتاؤں گی کہ اشوک کون ہے اور وہ کیا چاہتا ہے؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تم کو جو دکھ جھیلنے پڑتے ہیں وہ کیوں جھیلنے پڑتے ہیں۔ میں تم کو بتاؤں گی کہ الوک کس چیز کے پیچھے بھاگ رہا ہے؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہارے پڑوسی تمہارے دوست ہیں یا دشمن ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گی تمہارے مقدمے تباہ کن ہیں کہ آباد کرنے والے ہیں؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ کمار کے کمرے میں تم نے الوک کا جو اس نوجوان لڑکی کے ساتھ عریاں اختلاط کا منظر دیکھا ہے، وہ واقعہ الوک کو کدھر لے جائے گا۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہارے اندر کتنی گہری قوتیں ہیں؟ اور میں تمہیں بتاؤں گی کہ وہ قوتیں کیسے باہر آئیں گی

اور میں تمہیں بتاؤں گی کہ قوتیں کہاں پوشیدہ ہوتی ہیں؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیوں یکا یک ان چیزوں کی قوت ختم ہو جاتی ہے جو چند لمحے پہلے تک دیو قامت دکھائی دیتی ہوتی ہیں، میں تمہیں بتاؤں گی کہ وہ کیوں دیو قامت دکھائی دے رہی تھیں؟ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تم اپنی گہرائی میں ایک اونچا پہاڑ محسوس کرتی ہو، وہ کیا ہے؟ اور میں تمہیں بتاؤں گی وہ تم جن جن عجیب و غریب مناظر سے گزر رہی ہو، جن نشیب و فراز کا سامنا کر رہی ہو، جن درد و مشقت کو جھیل رہی ہو یہ پورا منظر نامہ کون سا ڈرامہ ہے۔

تم اس لیے دکھ جھیلتی ہو کہ تم میری طرف آتے ہوئے اکثر بھٹک جاتی ہو۔ تمہارا دکھ آنکھوں کا دُکھ ہے۔ تمہارے غم نصف بیں آنکھوں کی پیداوار ہیں۔ جو کوئی راہ میں دکھائی دے جاتا ہے، تم اسی کو سمجھنے لگتی ہو کہ وہ میں ہوں، یا اسے میرا ذاتی چہرہ سمجھ کر اس میں مجھ کو دیکھتی ہو، اور وہیں ٹھہرنے لگتی ہو۔ حالانکہ میرا وہ چہرہ دائمی نہیں ہوتا، اور جب وہ چہرہ بدل جاتا ہے، تو تم مایوس ہو جاتی ہو۔ تمہیں دھوکا کھانے کا احساس ہوتا ہے، اور تم کو اپنی خود اعتمادی چکنا چور ہوئی لگتی ہے۔ حالانکہ وہ جو بدلا تھا، وہ تمہاری خود اعتمادی نہیں تھی، وہ محض ایک چہرہ تھا، اور تم نے اس کی بنیاد پر جو خود اعتمادی قائم کی تھی، وہ خود اعتمادی نہیں تھی، وہ اس چہرہ پر تمہارا اعتماد تھا جو ٹوٹتا رہتا ہے، اگر کوئی چیز باقی رہتی ہے تو وہ تم ہو، اور میں ہوں۔ اس کے علاوہ جو کچھ تمہارا دکھائی دیتا ہے وہ بھی مٹتا جاتا ہے بدلتا جاتا ہے، اور جو کچھ میرا دکھائی دیتا ہے، وہ بھی مٹتا جاتا ہے۔ بدلتا جاتا ہے — لیکن تم نے اپنے اوپر اعتماد قائم نہیں کیا — تم بدلنے والی چیزوں پر اعتماد قائم کرتی ہو، اور اسے خود اعتمادی کہتی ہو! تم اپنے اندر اعتماد قائم کرو، جو بدلتا نہیں ہے۔ اور یہ وہ خود اعتمادی ہوگی، جو تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گی۔ تم بدلتی ہوئی چیزوں اور ان سے متعلق بدلتے ہوئے خیالات کو دائمی مان کر ان پر بھروسہ کرتی ہو یہی تمہارے دکھوں کی جڑ ہے۔

یاد کرو تم اس دن کو جب تم نے محسوس کیا تھا کہ اگر کوئی چیز تمہاری اپنی ہے تو وہ خود تم ہو! لیکن اس کے بعد پھر تم نے اپنے پلان کو، اپنے ذہن کو، الوک کو — اپنا سمجھا — اور ان پر تکیہ کرنے لگی، تم جس قدر دوسروں پر تکیہ کرو گی اسی قدر خود کمزور ہوتی جاؤ گی، اور اسی قدر جھٹکے کھاؤ گی، اسی قدر تلملاؤ گی۔ پہچان لو کہ یہ تمام چیزیں، یہ تمام چہرے بدلتے رہنے والے ہیں، ان کو فرش بنا کر اس پر کبھی کھڑے ہونے کی غلطی مت کرو کھڑا ہونا ہے تو صرف اپنے قدموں پر کھڑی

ہو۔ اور اپنے قدموں پر کھڑی ہو کر دیکھو گی تو تم کو لگے گا کہ تم وہاں کھڑی ہو جہاں میں کھڑی ہوں، اور تم جو کچھ دیکھ رہی ہو، وہ سب کچھ تمہارے ہی چہرے ہیں، اور تمہارے ساتھ وہ چہرے بدلتے ہیں مٹتے ہیں، بنتے ہیں۔ میں تمہیں بتاتی ہوں۔ آج تم نے دیکھ لیا کہ کوئی بھی چیز تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ آج تم یہ بات جان گئیں اور اس لیے آج تم مجھے بھی جان گئی ہو۔ وہ جو میں بول رہی ہوں وہ کوئی اور نہیں، وہ تم خود ہو، میں تو بے کراں ہوں، لیکن تم میری طرف آتی کب ہو؟ جو کوئی راہ میں دکھائی دے جاتا ہے، تم اسی کو سمجھنے لگتی ہو کہ وہ میں ہوں، یا اسے میری ایک جھلک سمجھنے لگی ہو۔ اس میں مجھ کو دیکھتی ہو۔

میں تو بے کراں ہوں۔ تم مجھ پر نظر رکھتے ہوئے، تم میرے بیچ آ کر ہر چیز کو دیکھو وہ صاف دکھائی دیں گی۔ تم کمار کو طاقت ور سمجھتی ہو، تم مکان پر بھروسہ کرتی ہو اور ان سب کے حدود ہیں۔

میں ہر جگہ موجود ہوں، مجھے تلاش کرنے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں، تم جہاں سے چاہو وہیں سے مجھے دیکھ سکتی ہو اور میرا پورا کا پورا، میری پوری کی پوری شکل دیکھ سکتی ہو، مجھے پہچان سکتی ہو، مجھے پکڑ سکتی ہو، لیکن تمہاری نگاہیں، لوگوں کے چہروں میں اٹک جاتی ہیں، چیزوں کی شکل میں اُلجھ جاتی ہیں۔ جب کوئی ایسی چیزوں کی اس منطقی بنیاد پر جو علت و معلول پر قائم ہو، ان کی سمتوں کی نشاندہی کرتا ہے تو تم کو لگتا ہے گویا تم ان کی فطرت سے واقف ہو گئی جاتی ہو، اور تم کو لگتا ہے کہ تمہیں اس کی صحیح سمت، شدت اور وسعتوں کا پتہ لگ گیا ہے۔ اور جب تم ان کے علت و معلول کو دیکھ لیتی ہو تو سمجھتی ہو کہ تم فطرت سے واقف ہو گئی ہو۔

لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ گو کہ جو محرک دکھائی دے رہا تھا وہ اپنی جگہ صحیح تھا لیکن اس کے پس پردہ کوئی اور محرک تھا، اور گو کہ دونوں میں آپس میں کوئی تضاد نہیں تھا لیکن جو پیچھے والا محرک تھا اس کی وسعتیں پہلے والے محرک کے مقابلے میں بہت بڑی تھیں، اور گو کہ سمت ایک ہی تھی لیکن شدت اور وسعتوں کے اعتبار سے جب اس کا جسم ابھر کر آیا تھا تو اس کو قابو میں کرنا ناممکن لگ رہا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ تم صرف محرک کی سمت کو دیکھ کر اور اپنی سمتیں بدل کر اس سے مقابلہ کرنے کی تیاری کرتی تھیں۔ لیکن دراصل لڑائی صرف سمتوں سے نہیں ہو سکتی تھی بلکہ وسعتوں اور شدتوں کو بھی دیکھنا ضروری تھا۔

اور یہ بات تھی جو بار بار تمہارے راستے میں کھڑی ہوتی رہی ہے، تمہارا تھانے سے اٹھ کر چلے آنا، تمہارے خیال میں محض تمہارا معاملہ تھا کہ وہ تمہیں تھکانا چاہتے تھے اور تم تھکنا نہیں چاہتی تھیں، تم بچنا چاہتی تھیں تو بچ آئیں۔ لیکن ان کی تمہیں تھکانے کی سازش صرف تم سے متعلق نہیں تھی، بلکہ اس نظام کی بنیاد تھی جس کی تکمیل پر ہی ان کی بقا کا انحصار تھا اور وہ نظام اپنی مکمل شکل میں ہر جگہ کامیاب ہوتے رہنا چاہتا تھا اور اس سے کسی کا بھی بچ جانا اس کی مکمل قوت سے انکار تھا۔ اور اس لیے اس میں جو وسعت تھی وہ تمہیں نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن ان کو دکھائی دے رہی تھی۔ اور جب تم چلی آئی تھیں تو تم نے سمجھا تھا کہ تم ایک جال سے نکل آئی تھیں حالاں کہ تم نکلی نہیں تھیں تم نے یہ سمجھا ضرور تھا اور صحیح سمجھا تھا کہ وہ تمہیں تھکا کر گرا دینا چاہتے تھے لیکن اس وقت تم نے یہ سوچا تھا کہ معاملے کا تعلق محض تھانے سے اور تم سے تھا۔ تم نے اس کو انتہائی لوکل کر کے دیکھا تھا حالانکہ اس کا تعلق بہت وسیع تر تھا، اس قدر وسیع کہ وہ کمار سے کترانے لگے تھے۔

اور یہی بات تھی کہ جب تم کمار سے مقدمے میں کامیاب ہونے لگی تھیں، اور اس سے لڑ گئی تھیں تو تمہیں یکا یک خیال آیا تھا کہ اگر کمار نے اس کو اپنے پرسٹیج کا مسئلہ بنا لیا تو؟ کمار کا ہار جانا محض ایک مقدمہ میں ہارنے کی بات نہیں تھی، جیسا کہ تم نے سوچا تھا اور جیسا کہ تم نے اپنے مکان کو بیچ کر، اپنے کو مٹا کر، مقدمہ لڑنے کا پروگرام بنا کر سوچا تھا کہ جب کمار کو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوگا تو وہ کیوں لڑے گا؟ مکان حاصل کرنے کی نیت کا اندازہ گو کہ اپنی جگہ صحیح اور حسبِ حال تھا، لیکن صرف فائدے کی نیت تک اس بات کو محدود کرنا تمہاری ناسمجھی تھی۔ تم نے اتنا ہی سمجھ میں آنے پر سمجھ لیا تھا کہ تم جڑ تک پہنچ گئی ہو، اور اب آگے کا راستہ صاف اور واضح ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ لیکن تم اس بات کی پشت کی وسعتوں میں نہیں گئیں نہ جا پائیں نہ شاید اس وقت جا سکتی تھیں تو چیزوں کے ایک سطح پر سمجھ میں آنے کے بعد مطمئن ہونا ہی تمہیں اندھا بنا کر کمزور اور قابلِ شکست بناتا ہے۔

اور جب وہ الوک کے لیے شراب اور لڑکی کی باتیں کر رہے تھے تب بھی تم نے صرف یہ سوچا تھا کہ وہ لڑکی کے حسن اور شراب کی لذت سے الوک کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب تم نے یہ دیکھا کہ وہ ویڈیو کیسٹ سے اسے پکڑ چکے تھے تو تم کو یکا یک ایسا لگا کہ اسے اس سے نکالنے

کے لئے تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے؟ اور تمہیں لگا کہ ان لوگوں کے پاس تہہ در تہہ، شدید سے شدید تر اور وسیع سے وسیع تر قوتیں ہیں، ـــ لیکن جب بھی تمہیں یاد آتا ہے کہ ان وسیع سے وسیع تر اور شدید سے شدید تر قوتوں کے سامنے آنے کے ساتھ ساتھ، تمہارے خود اپنے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ تمہارے اندر ان چیزوں کو نپٹانے اور قابو میں کرنے کے نئے نئے طریقے ابھرتے گئے ہیں جو وسیع سے وسیع تر اور شدید سے شدید تر ہیں تو تمہیں یہ احساس ہوگا کہ تم خود اپنے بارے میں بھی مسلسل غلط فہمیوں کا شکار رہی ہو۔ ہر واقعہ کے بعد تم اپنی بڑھتی ہوئی قوت کو اپنی قوت کی آخری سرحد مان لیتی ہو، اور جب کوئی باہری قوت آتی ہے تو اس کو تم دیکھتی ہو تو تم کو وہ اپنے مقابلے میں قوی تر دکھائی دیتی ہے، اور اس لیے اس موازنے میں تم اپنے کو کمزور پاتی ہو، اور نروس ہو جاتی ہو، لیکن تم کو یاد ہوگا کہ ہمیشہ اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ تم جیسے اپنے اندر کی کسی قوت، کسی نئی ابھرتی قوت کے سہارے سنبھل جاتی ہو، اور اس کے بعد یکا یک پہلے تو یہ لگتا ہے کہ تم مدِ مقابل کی قوت کے برابر ہو رہی ہو، یا ہو گئی ہو، اور پھر لگتا ہے کہ تم اس پر حاوی ہو گئی ہو۔ میں تو ایک تماشہ ہوں، جو کمار اور اشوک اور ان تمام چیزوں کے پس پردہ ظاہر ہوتی جاتی ہوں، اور تمہارے اندر اس کا عکس ابھرتا جاتا ہے۔ میں تو چیزوں کی وسعت ہوں، اگر میں نہیں ابھروں تو تم بہت چھوٹی رہ جاؤ گی، لیکن میں ابھرتی ہوں اور چاروں طرف انسانوں کے اندر اپنی تصویریں ابھارتی رہتی ہوں۔ تم مجھے دیکھتی جاتی ہو، اور میری جیسی ہوتی جاتی ہو، تم رنگ برنگی ہوتی جاتی ہو، وسیع اور قوی تر ہوتی جاتی ہو۔ میں بھی کشش ہوں اور تم بھی کشش بنتی جاتی ہو، کہ اسی کشش کی قوت سے، چیزیں، جیسی تم ہو، ویسی ہوتی جاتی ہیں، تمہاری فکر میں پکڑ پیدا ہوتی ہے، خیال میں رفتار ابھرتی ہے، اور ادراک جاگ جاتے ہیں، اور تم میری طرف بڑھنے لگتی ہو۔ میں تمہارا ہی عکس ہوں تم میری ہی تلاش میں ہو، تمہاری ساری کمزوریاں بھی تمہارے اپنی ذات کو پوری طرح نہیں جاننے کی وجہ سے ہیں۔ تمہیں جو قدم قدم پر دھوکے ہوتے ہیں، وہ میرے بارے میں نہیں، تمہارے اپنے بارے میں ہی ہوتے ہیں قدم قدم پر تمہیں لگتا ہے کہ تم چھوٹی ہو حالانکہ تم دراصل اس سے بڑی ہوتی ہو، اور یہ بار بار ثابت ہوا ہے، لیکن تم گھبراتی اس لیے ہو کہ تم تھک جاتی ہو، اور تھک اس لیے جاتی ہو کہ تم مجھے دیکھنے کے لئے دماغ کے ریشوں کا استعمال کرتی ہو، اور دماغ کے ریشوں کے دیکھ سکنے کی قوت کے حدود متعین ہیں۔ دماغ مسلسل بڑھتا

ہوا ایک آلہ ہے، جو ٹھوکریں کھا کھا کر سیکھتا ہے، اور بڑا ہوتا ہے، اور وہ اتنا ہی بڑا ہوتا ہے جتنی چیزیں سامنے دکھائی دیتی ہیں۔ اور دیکھنے کے اتنے ہی طریقے جانتا ہے جن کا اسے ادراک ہوا ہے لیکن وہ ہمیشہ تکمیل اور بے تکمیلی کے بیچ گزرتا رہتا ہے۔ جب بھی اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ مکمل ہو گیا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے، اور جب بھی اس پر یہ کھلتا ہے کہ وہ نامکمل تھا تو اسے خوشی ہوتی ہے لیکن ایک بیچ والا لمحہ ہوتا ہے جب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ مکمل ہے، اور اس کے باوجود وہ ناکام ہوتا ہے تو اسے اپنے نہ ہونے کا احساس ہوتا ہے، اسے اپنا وجود بے معنی اور ناقابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے اور یہی لمحہ ہوتا ہے جب اسے تکلیف ہوتی ہے، اس کے اندر درد ہوتا ہے۔ جو لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں کہ اس ناکامی کی اصل وجہ کسی مخصوص وسعت اور شدت سے ناواقفیت ہے، اور دراصل یہ ناکامی ان سمتوں کا دروازہ کھول رہی ہے، یا ان کا دروازہ کھولنے کی ضرورت کا احساس دلا رہی ہے تو وہ فوراً سنبھل کر اس پر لگ جاتے ہیں، اور وہ وہاں مسلسل غور سے اسی نئی بات کو دیکھنے لگتے ہیں، اور اس قدر دیکھتے ہیں کہ وہ چیز اس کی نگاہوں کو اپنی پکڑ میں لے کر اندر تک چلی جاتی ہے، اور جب لے کر آگے بڑھتی ہے تو دوسری چیزوں کے وہ چہرے، وہ پہلو جو اب تک پہلی والی جگہ پر کھڑے ہو کر دکھائی نہیں دیے تھے، وہ دکھائی دینے لگتے ہیں، اور پھر کئی شبہات اور ذہن کی کئی گرہیں کھل جاتی ہیں اور تمام چیزیں نئے نئے پس منظر میں صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہیں۔

اور اب میں تمہیں اپنی پہچان کراتی ہوں۔ ہر بات کی کوئی وجہ ہوتی ہے، اور ہر بات کی ایک وجہ ہونے کی بھی وجہ ہوتی ہے، وہ وجہ میں ہوں۔ کمار تمہارا مکان چھیننا چاہتا ہے، اس لیے کہ اس میں اس کو منافع دکھائی دے رہا ہے، اور منافع دکھائی دے رہا ہے تو وہ اس منافع کو حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ پیسہ چاہتا ہے۔ اور پیسہ اس لیے چاہتا ہے کہ اس پیسے سے ہر چیز ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ وہ پیسے سے ہر چیز کرتا ہے، اور وہ کسی کام کو کرنے کا کوئی اور طریقہ اس کے علاوہ نہیں دیکھتا، اس لیے وہ پیسے سے چپکا ہوا ہے۔ اور ہر قدم پر پیسے کو پکڑنے کی اس میں رغبت ہوتی ہے، اور اس میں اس کی اپنی بقا دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ پیسے کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتا کیوں کہ کسی اور چیز کو اس نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کسی اور چیز کو مختلف کام کرنے کے لیے استعمال کرنا نہیں جانتا۔ لیکن پیسے کے اندر وہ بے شمار خوبیاں تلاش کر چکا ہے، اور اپنی

اس تلاش اور اعتماد پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔ بلکہ چونکہ وہ صرف پیسے کو جانتا ہے، اس لیے صرف اس پر اعتماد کرتا ہے، اور جب اپنی بقا کے لیے دنیا پر نگاہ ڈالتا ہے، تو ہر چیز میں وہ پیسے کا پہلو دیکھتا ہے، اور جہاں پیسہ سامنے آتا ہے، وہاں دوسری چیزوں کو جھٹلا دیتا ہے اور جہاں پیسہ سامنے نہیں آتا وہاں اسے لگتا ہے کہ حقیقت پیچھے چھپی ہوئی ہے اور وہ اس چیز کی اس تہہ تک پہنچنا چاہتا ہے جہاں وہ چیز پیسے کی زبان میں واضح ہونے لگتی ہے، اور جیسے ہی وہ اس تہہ تک پہنچ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ وہ حقیقت تک، اس چیز کی اصل بنیادی سچائی کی ساخت تک پہنچ گیا اور وہاں سے وہ اس چیز کو اپنی زندگی کی دوسروں چیزوں کے تناظر میں جوڑ کر دیکھتا ہے، اگر وہ چیز وہاں فٹ ہوتی ہے تو کرتا ہے، اگر نہیں ہوتی، تو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ تو کمار کے تمہارے مکان چھیننے کے پیچھے بھی وہی پیسہ دکھائی دے رہا ہے، اور چونکہ وہ پیسہ چاہتا ہے اس لئے چھیننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور اس کا یہ چاہنا دراصل میری ہی ایک پہچان ہے کہ وہ مجھے دیکھنے کی کوشش میں جہاں تک پہنچا ہے وہاں وہ مجھ سے آخری بار پیسے کی شکل تک دیکھ پایا ہے کہ پیسہ سب کچھ کروا سکتا ہے۔ اور جو کروا سکتا ہے وہ میں ہوں، اور وہ مجھے ہی چاہتا ہے، اور اس نے مجھے جا بجا پیسے کی شکل میں دیکھا ہے، پیسے کی قوت کی وسعتوں کو اس نے سب سے زیادہ وسیع دیکھا ہے، اور آخر کار اس نے ہر چیز کو پیسے تک پہنچتے دیکھا ہے۔ یا اس نے پیسے کو اندر اندر ہر چیز کو جڑ تک پہنچ کر چیزوں کی حرکت پر اس طرح سکہ جماتے دیکھا ہے کہ لوگ باہر سے اس چیز کی عجیب وغیریب حرکت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ احمقوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں، بیوقوفوں کی طرح ناکام ہو کر مایوسی کے شکار اپنی دوستی، اپنی صبر وآزمائش ہر چیز کو منہ کی مٹی کھاتے دیکھا ہے۔

اور الوک تمہاری مدد اس لیے کر رہا ہے کہ کسی چیز میں کامیاب ہونے کے لئے کوئی کام کرانے کے لئے کبھی اس نے پیسے کا استعمال نہیں کیا، اس کی زندگی کی تمام ضرورتیں بھی پیسے سے جڑی ہوئی ہیں، اور وہ یہ جانتا ہے لیکن اس نے زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے کچھ اور سچائیوں کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا۔ وہ چیزوں کی خصوصیات کو جان کر، اور چیزوں کو براہ راست پہچان کر ان کی ان خصوصیات پر دنیا کھڑی کرنے میں یقین کرتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ چیزوں کی خصوصیات کو جاننے میں ہی بقا اور تحفظ کا راز ہے، اور وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کرنے کی قوت

اسی میں مضمر ہے۔ اور اگر وہ چیزوں کو صحیح طریقے سے نہیں پہچانتا تو اس کے پاس کچھ نہیں ہے، وہ بھٹکا ہوا فریب خوردہ، اور بے دست وپا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب تک وہ چیزوں کو صحیح طریقے سے جانتا رہے گا تب تک وہ آگاہ ترین ہے، اور مضبوط ترین ہے، اور اسے کوئی خطرہ نہیں۔ اور اسی لیے وہ چیزوں کو جاننے اور ان کو صحیح صحیح پہچاننے کے لیے کہیں سے کہیں چلا جاتا ہے، کہیں بھی جا کھڑا ہوتا ہے، خطرناک سے خطرناک صورت حال میں اپنے کو ڈالتا چلا جاتا ہے، اور صورت حال جس قدر انجانی اور اندیکھی اور اجنبی ہونے کی وجہ سے جس قدر زیادہ خطرناک دکھائی دیتی ہے، اسی قدر الوک کو اس کے اندر اپنی بقا کی اس قوت کے زیادہ مقدار میں موجود ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ لے۔ اس لیے وہ تمہارے ساتھ ہے کہ وہ تمہارے معاملات میں جھانک کر مجھے دیکھ لے، اور پہچان لے۔ کہ میں اس کے لیے زندگی کی اصل شکل ہوں۔ اور مجھے دیکھے بنا وہ اپنے کو ادھورا، کمزور، مجبور اور غیر محفوظ، دوسروں کے رحم وکرم پر پڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ دراصل اپنی بقا کے لیے کر رہا ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننا اور سمجھنا چاہتا ہے بلکہ ہر چیز کو نہیں، کیونکہ سڑکوں پر چلتے پھرتے یا شہر میں یا اس کی زندگی میں، اس کی آنکھوں میں بے شمار چیزیں ہر پل گزرتی ہیں، وہ محض ان چیزوں میں، ان باتوں میں دلچسپی لیتا ہے جن میں وہ چیزوں کو اپنا روپ بدلتے ہوئے پاتا ہے، اور روپ بدلنے کی وجہ سے ان کی حرکتوں کی سمتیں بدلتے ہوئے پاتا ہے، اور اس طرح وہ چیزوں کے روپ بدلنے کی منظر نامے میں دلچسپی لیتا ہے، اور ایسی باتوں کے انکشاف کرنے کا ایک طریقہ بھی اس کی سمجھ میں آ گیا ہے کہ وہ ایسی باتیں تبھی دیکھ پائے گا جب وہ اپنی اس جگہ سے ہٹے جہاں اس کا ہر کام اس کے سرکاری اختیار اور اثر کی وجہ سے ہوتا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے تجربے میں بھی یہ شامل ہے کہ سرکاری عہدہ اور اختیار سے سب کچھ ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے اور عین ممکن تھا کہ وہ اس کی وجہ سے قدم قدم پر وہی چاہتا اور ہر چیز کو اسی طرح دیکھتا لیکن اس کے یہاں دو چیزوں کا تصادم ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جس قوتِ اعتماد سے اس نے اختیار اور عہدہ کو حاصل کیا تھا وہ قوت بغیر غلط ثابت ہوئے اس سے الگ کر دی گئی ہیں وہ اپنی جگہ اب بھی مسلم ہیں، اور اس کے پہلو بہ پہلو ایک اختیار کی قوت آ گئی ہے، لیکن اس نے دیکھا ہے کہ اس کی یہ اختیار کی قوت محدود ہے، اور اس سے وہ نیرا کی مدد نہیں کر سکتا اور اس لیے اسے یہ احساس ہوا ہے کہ اس کے اختیار کی

اس محدود قوت میں غلط بھروسہ کر کے اس نے شدید غلطی کی تھی اور دھوکے سے خسارے میں پڑ گیا تھا، اسے سچائی کے قریب جا کر اصل قوتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہئے، اور وہ اپنے اندر وہ قوت حاصل کرنے کے لیے کہ وہ نیرا جیسے لوگوں کی، اور نیرا والی صورت حال میں خود پڑنے پر، وہ اپنی بقا کی گارنٹی پیدا کر سکے۔ وہ ان سچائیوں کی تلاش میں ہے اور ان کے پیچھے بھاگتا ہے، اور تیز سے تیز کانٹوں میں زخم کھاتا ہوا بھی گھس جاتا ہے، اور ہر چبھن کو سچائی کی ایک لذت سمجھ کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے، اور بڑھا جا رہا ہے، لیکن وہ محض چیزوں کی پہچان میں میری پہچان دیکھتا ہے حالانکہ جب میں بدلتی ہوں تو چیزیں بدلتی رہتی ہیں۔ اور اسی لیے جب الوک تلاش کرتا ہے تو وہ اپنے آپ میں ڈوب جاتا ہے، قدم پر ہر سطح پر ایک الگ سچائی اسے دکھائی دیتی ہے اور دوسری سطح پر اس کو دوسری سچائی دکھائی دیتی ہے ـــــ اور نیچے کی سطح میں بار بار اسے لگتا ہے کہ وہ آخری سچائی تک پہنچ گیا ہے لیکن اسے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ آگے بہت کچھ ہے۔ اور اب وہ اپنی بقا کی اس قوت کی تلاش میں اس قدر منہمک ہو گیا ہے اور اس کی اپنی بقا اس قدر نازک لگ رہی ہے کہ وہ بے چین ہو گیا ہے۔ اور انتہائی بے قراری سے، وہ تمام اعتراضات اور تمام تناؤ کے باوجود اس میں لگا ہوا ہے، اور اپنے آپ میں ڈوبا رہتا ہے، اور اس کے چہرے پر اس کی لہریں ابھرتی ہیں، لیکن وہ بے رنگ ہوتی ہیں اور وہ نارمل دکھائی دیتا ہے، اندر میری صورت جھلملاتی رہتی ہے اور وہ مجھے دیکھنے میں منہمک ہے لیکن میری شکلوں کے ذریعے میرے چہروں کو یاد کر کے وہ مجھ تک کبھی نہیں پہنچ پائے گا۔ پھر بھی وہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا، اس کو چیزوں کی فطرت پر اس قدر اختیار ہو جائے گا کہ وہ تمام دوسری قوتوں سے ٹکرا کر ان کو بے معنی کر دے گا۔ اس کی پہچان کی یہ قوت، اس کو ہر نظر آنے والی اور آنکھوں سے اوجھل رہنے والی شئے کو پہچاننے اور اس کو اپنے ساتھ استعمال کرنے پر قدرت عطا کرے گی، لیکن وہ ایک فلسفی کی طرح ان پردوں میں دھنستا چلا جائے گا، کہ وہ محض دیکھنے میں دلچسپی رکھتا ہے، اور میں صرف اس کو اس کی آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی ہوں۔ میں محض اس کے دماغ میں اترتی ہوں، اس کا محض دماغ بڑا ہوتا جاتا ہے۔

'لیکن میں یہ جاننا چاہتی کہ میں کیسے پہچان لیا کروں کہ کون کس وجہ سے ساری باتیں کرتا ہے؟ کس نے تم کو کس روپ میں دیکھا ہے؟ کہ یہ تو لامتناہی قسمیں ہو سکتی ہیں؟ ان کو

پہچاننے کا طریقہ عمل بتا دو! یہ بہت اہم ہے کہ اس سے میری نگاہیں صاف ہو جائیں گی اور میں پوری دنیا و کائنات کو صاف صاف دیکھ پاؤں گی۔ اور اشوک کا مقابلہ میں کیسے کروں؟ سیدھی بات بتاؤ۔ یہ بتاؤ، میری خودکشی کا ارادہ نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے کیسے ہے؟'

اشوک دکھاوے کے اثر اور جادو کی قوت میں بھروسہ کرتا ہے، اور وہ بڑا آدمی جس کے یہاں بھیڑ لگی تھی، اس کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ اوپر جانے کی اہمیت سے واقف ہو گیا ہے۔ اور اسی سے اپنا کام چلا رہا ہے۔ اور وہ سبزی فروش صحیح بول رہا تھا، وہ سچ مچ پاورفل ہے، کوئی ضروری نہیں کہ پاورفل آدمی کے پاس پیسے ہوں، یا آرام ہو، یا بھیڑ ہو۔ پاورفل آدمی اپنے آپ میں مست رہتا ہے۔ اس کے پاس، پاور، اور پاور کا سرچشمہ ہونا چاہئے۔ ہر آدمی بس یہی چاہتا ہے۔ باقی چیزوں سے اسے کوئی مطلب نہیں ہوتا وہ سبزی فروش، کوڑا کرکٹ چننے کی اہمیت سے واقف ہو چکا ہے، کہ جو چیز جہاں ملے، اور چاہے جہاں سے لانی پڑے، لیکن اگر پیسے ملتے ہیں، تو لے آؤ، اور خصوصاً ان چیزوں کی بھرمار ہے جن کی بڑی قیمت ہے لیکن عام طور سے لوگ ان کی قیمت نہیں سمجھتے کیونکہ وہ کوڑے کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں ـــــ اور یہی راز کی بات وہ ہوم منسٹر اور پرائم منسٹر کو بتاتا ہے یہی بات ہے جس کی وجہ سے وہ منسٹر اور پرائم منسٹر ہیں کہ وہ سماج کی ان چیزوں کی قدر و قیمت سے واقف ہیں جسے عام لوگ کوڑا کرکٹ سمجھتے ہیں اور گندگی سمجھ کر اس سے بچتے ہیں۔

'لیکن مدھو؟ اس کو تو اپنے حسن پر بھروسہ ہے، وہ جس کو اشوک خرید لیتا ہے۔ اس کی قوت کو اپنی دولت کی قوت سے پکڑ لیتا ہے۔ وہ تو استحصال کا شکار ہوتی ہے۔ وہ تو مجبور ہو جاتی ہے۔ اپنے سچائی کے باوجود بھی!'

مدھو یہ سمجھتی ہے کہ زندہ رہنے کی ضرورت کے ساتھ سمجھوتہ کئے جانا چاہئے اور جس کے پاس جو کچھ ہے اس کا اسی کو استعمال کئے جانا ہی انسان کو آگے بڑھاتا ہے، اور جس کے پاس جو کچھ بھی ہے اس کا جہاں بھی بقا کے لئے استعمال کیا جا سکے کرتے جانا ہی کامیابی کی راہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری کوشش بے معنی اور فضول ہے کہ اصل مقصد تو بقا ہی ہے اور بقا کیلئے وہ ان تمام چیزوں کی ضرورت محسوس کرتی ہے، اس کے لئے وہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا استعمال کرتی جاتی ہے اور اس لیے یہ کام وہ روانی سے اور اعتماد سے کرتی ہے، اور اگر اس کے

چہرے پر استحصال کے اثرات نہیں دکھائی دیتے تو اس لیے کہ وہ جھریاں تو اعتراض سے پیدا ہوتی ہیں لیکن جہاں اعتراض نہیں ہوتا بلکہ یقین، اعتماد اور عقیدہ ہوتا ہے وہاں انسان کے اپنے عمل سے چہرہ پر ایک خوبصورت رونق اور چمک پیدا ہوتی ہے، اور اس میں کامیابی کا حسن ہوتا ہے۔ اور مدھو کے چہرے اور حرکتوں میں جو چلبلا پن تم نے دیکھا ہے وہ اسی کی پیداوار ہے اور وہ مصنوعی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

'وہ جو کمار چاہتا ہے، اور مانتا ہے، اور جو اشوک چاہتا ہے اور کرتا ہے، اور جو مدھو کرتی ہے، اور جو الوک کرتا ہے—— کیا یہ سب سمجھداری ہے؟ یا جنون ہے؟ اگر یہ سمجھداری ہے تو قانون اور فلسفے اور مذہب اور سیاست دانوں اور سب لوگ جو سمجھ دار ہوتے ہیں، اور خردمندانہ طریقے سے دنیا کو سمجھنے کی اور دنیا کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے؟ نیرا نے براہ راست سوال کیا ہے۔

میں انتہائی خردمند افراد کو جنم دیتی ہوں کہ یہ سب سوچ، فکر، تجربے، مشاہدے اور ٹھوس تجربات کی بنیاد پر ہی اپنی سوچ اور فارمولوں اور یقین تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اگر میری نظر سے دیکھو تو سب کچھ صاف صاف سمجھ میں آئے گا، لیکن اس کو جب دوسری جگہوں سے دیکھو گی تو یہ انتہائی اُلجھی ہوئی، اور غیر مربوط اور گول مول دکھائی دیتی ہیں—— تم مجھے سمجھو کہ میں سمجھنے کی چیز ہوں۔ میں نے اپنے کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتی ہوں۔

میں نے اب تک دنیا کو بہت سی کتابیں دی ہیں لیکن جیسے ہی میں کسی کتاب کی شکل میں نازل ہوتی ہوں تو میں دراصل خود پیچھے چھوٹ جاتی ہوں، اور میں اس عذاب روپوشی میں مسلسل جلتی رہتی ہوں کہ مجھے مسلسل دیکھا جائے۔

مجھے مسلسل پڑھا جائے۔

تمہیں اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔

الوک بھی اپنی کتاب خود ہی پڑھ رہا ہے گو کہ اس بات سے وہ واقف نہیں ہے۔

'الوک—— میں تمہیں یہ سب کچھ دکھاؤں گی، نیرا نے سوچا۔ اسے الوک پر ترس آ گیا، تم محض سائنس داں ہو، تم چیزوں کو دوسری طرف سے دیکھ رہے ہو، تم مخلص ہو، تم کانٹوں میں اُلجھے ہوئے ہو، میں تم کو بتاؤں گی، میں تم کو بچاؤں گی—— میں،—— وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

الوک!

الوک! میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا—— ایک لمحے کے لیے اسے الوک کا خیال آیا جیسے بے ہوشی میں پل دو پل کو ہوش آ جائے اور پھر وہ اسی آواز سے ہم کلامی ہوگئی۔

کیا تم میرے کچھ اور سوالوں کا جواب دے سکتی ہو؟

میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گی۔

'اور تمہیں میرے سوالوں کے جواب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟'

'تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میرے پاس ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کا کوئی ضابطہ ہے؟ اور اس ضابطہ کے عمل سے گزرنے میں وقت لگتا ہے تو تم اس ضابطے سے واقف ہونا چاہتی ہو؟ اور تم یہ بھی جاننا چاہو گی کہ وقت کیوں لگتا ہے۔ مجھے کوئی وقت نہیں لگتا، وقت تمہیں لگتا ہے، اور تمہیں وقت لگنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تم ایک نگاہ میں سب کچھ نہیں دیکھ پاتیں، تم سوالوں کے جواب سوچتے وقت چیزوں کے آر پار تک صاف صاف وہاں سے نہیں دیکھتی جہاں سے میں دیکھتی ہوں، اور جہاں سے ہر چیز ایک بنیادی مرکز سے بغیر کسی آپسی تضاد و ٹکراؤ کے صرف باہر کی طرف پھیلتی ہے۔ اور چیزیں یہاں سے شروع ہو کر باہر کی طرف جاتی ہیں میں وہ وجہ ہوں کہ جس سے ہر چیز کی وجہ کا تعین ہوتا ہے، اور اس لیے یہاں سے ہر چیز کی وجہ صاف صاف دکھائی دیتی ہے اور یہاں سے ہر چیز کی حرکت و عمل کی توقع سو فی صد صاف صاف نظر آتی ہے، اور یہاں سے چیزوں اور ان کی ساخت کے صاف اور ٹھیک ٹھیک دکھائی دینے کی وجہ سے اور سامنے ہونے کی وجہ سے، ان تک پہنچنے کے لئے کسی ضابطے کی پیچیدگیوں سے گزرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ ساری پیچیدگیاں تب پیدا ہوتی ہیں۔ جب تم چیزوں کو میرے نقطہ نظر سے ہٹ کر کہیں اور سے دیکھتی ہو۔ اور دراصل تمہیں جو وقت لگتا ہے وہ اس لیے لگتا ہے کہ کسی اور نقطہ سے دیکھنے کی وجہ سے، تمہاری نگاہ الجھ جاتی ہے اور اس کو چیزوں کے اس رخ کو پکڑ نے کے لیے جس رخ میں وہ مجھ سے باہر کی طرف جا رہی ہیں کئی خطوط کو پار کرنے کے بعد کسی خط سے اس خط کا انکشاف کرنے میں وقت لگتا ہے، اور نئے سوالوں پر سوچتے وقت تمہارے دماغ میں جو ایک رکاوٹ کھڑی ہوتی ہے، وہ اسی وجہ سے ہوتی ہے، اور اس رکاوٹ کو ہٹانے کے لیے تمہیں ان خطوط پر نگاہ ٹکانی پڑتی ہے، اور انہیں پہچاننا پڑتا ہے، اور جب تک تم کو وہ پہچان

نہیں آتی تب تک تم بے بسی محسوس کرتی ہو، اور چونکہ سوال کا جواب جاننا اہم ہوتا ہے جس کو ایک مخصوص میعادِ وقت کے اندر ہی سُلجھانے کا موقع ہوتا ہے، اس لیے تم کو اس بے بسی سے گہری اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ اور چونکہ تم پہچاننے کا ضابطہ بھی نہیں جانتیں کہ اگر تم کسی ایسی جگہ پھنسی ہوئی ہو، جو وہ جگہ نہیں ہے، جہاں میں ہوں، تو وہاں سے تم اس خط کی سیدھ میں کیسے آؤ تو اس کے لیے تم اپنے ذہن کے اس اندھیرے میں اس سوال کو پھینک دیتی ہو جہاں وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر تمہارے اندر پہچان کی صلاحیت ہوتی تو اسی وقت اس پہچان کی صلاحیت کو بروئے کار لا کر فوراً بغیر کسی اذیت کو جھیلے ہوئے، اُسی دستور العمل پر کام کرنا شروع کر دیتی، جس سے اس لکیر تک پہنچ جاتی جہاں سے سمتیں ملتی ہیں۔

'لیکن وہ دستور العمل کیا ہے جسے میں اپنی جگہ بیٹھ کر اپنا سکتی ہوں کہ جس سے میں جب چاہوں تمہارے خط تک پہنچ جاؤں، اور دوسری بات یہ کہ اس خط پر سبھی چیزوں کو دیکھتے ہوئے میں پیچھے بھی کھسکتے کھسکتے اس نقطہ تک آ جاؤں، جہاں تم ہو اور جہاں آنے کے دوران میرے ذہن کا زاویہ زیادہ وسیع ہوتا جائے، حتیٰ کہ میں وہاں آ جاؤں جہاں تم ہو، اور وہاں سے ہر چیز میری نگاہوں کے زاویے میں آ جائے، اور اُس نقطہ پر آ جاؤں جہاں سے ہر چیز اپنی شکل میں دکھائی دینے لگے؟ اس دستور العمل کے ان دونوں حصوں کو میں صاف صاف سمجھنا چاہتی ہوں! اور تم اگر انہیں جانتی ہو، تو صاف صاف بتاؤ اور ابھی بتاؤ!'

نیرا کے دل میں ہلکا سا خوف ابھرا کہ کہیں یہ میرے اس سوالوں کا جواب دینے سے پہلے ہی معدوم نہ ہو جائے، جیسے اکثر خوابوں کے ساتھ ہو گیا تھا جو خوبصورت تھے، اور وہ انہیں مکمل طور پر دیکھنا چاہتی تھی، اور کئی بار کوشش کر کے اس نے اپنے کو جاگنے سے بچا بھی لیا تھا، لیکن ہر بار ایسا نہیں ہوا تھا، اور اچھے اچھے خواب نیند میں کھو گئے تھے۔ اسے ہلکا سا محسوس ہوا کہ اس آواز اور اس کے بولنے والی کے ساتھ بھی اس کا رشتہ کچھ ایسی مخصوص نوعیت کا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ جاری رکھنے میں کامیاب ہو جائے گی، جیسے اس اواز کو وہ اس قدر قوت سے پکڑ چکی تھی کہ اس کے ساتھ ایک ہو گئی تھی، اور جب تک وہ اسے اپنے تصور میں روکے رکھتی وہ جانے والی نہیں تھی۔ اسے لگا کہ اس کو اب مستقبل میں زندگی کی سرگردانی میں یہیں سے سب کچھ ملنے والا تھا، اور رہنمائی کے دوسرے راستے اپنا اپنا معنی کھو چکے تھے۔ اور تمام چیزوں کی جو اسے اپنے اردگرد سامنے اور خیالوں

میں دکھائی دے رہی تھیں، ان میں کسی سوال کا جواب دکھانے یا نمایاں کرنے کی وہ خصوصیتیں جو اکثر ان میں ابھرتی تھیں اب کھو چکی تھیں اور اب ان تمام چیزوں پر جو چاروں طرف زندگی میں پھیلی ہوئی تھیں، اگر کوئی رائے مل سکتی تھی، تو وہیں سے مل سکتی تھی، جدھر سے یہ آواز آ رہی تھی، اور وہ جگہ اس میں اس کے اردگرد ہی کہیں تھی، لیکن اس طرح کہ وہ کوئی جگہ نہیں گھیرتی تھی، اور اس کے باوجود وہیں تھی،

مجھے ایک بے کراں راحت کا احساس ہو رہا ہے، شاید زندگی کو دبوچنے، مروڑنے اور پھنسائے رکھنے والے سوالوں کے جواب ملنے پر گتھیوں کے سلجھنے سے جو راحت ملتی ہے، اس سے بڑی میں کسی بھی اور راحت کا تصور نہیں کر سکتی کہ وہ پیچیدگیاں جو میرے اندر سے مجھ کو اس طرح باندھ کر رکھتی ہیں کہ میری پوری زندگی اس میں بندھ کر بونی ہو کر رہ جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور میں بڑی نہیں ہو پاتی اور میری ذات جگہ جگہ سے اٹک اٹک کر اور قید ہو ہو کر، مجھے بڑھنے اور پھیلنے کی لذت اور سرور سے محروم رکھتی ہے ان سوالوں کی گتھیوں کے کھلنے سے زیادہ کوئی چیز میرے لیے اہم نہیں اس میں میری پوری حیات کی نشو و نما اور خواہشات اور اُمنگوں اور خوابوں اور ان سے وابستہ مسرتوں کا پورا مجموعہ قید رہتا ہے۔ میں پوری کی پوری اس میں جکڑی ہوئی رہتی ہوں۔ اگر یہ گتھیاں کھلیں تو مجھے ایسے لگے جیسے میری گھٹی سانس کھلنے لگی ہے، میرے ہاتھ پاؤں بڑھنے لگے ہیں اور میرا دل کھل کر دھڑکنے لگا ہے اور میں بالکل ویسی ہونے لگی ہوں جیسی واقعتاً مجھے ہونا چاہیے۔

یکایک پھر نیرا نے اپنے چاروں طرف سے اور زیادہ صاف اور گونجتی ہوئی آواز سنی۔

''اگر زمین پر چلنا ہو تو پیروں سے چلتے ہیں —— زیادہ تیز چلنا ہو تو سائیکل، اور کہیں اس سے بھی جلد پہنچنا ہو تو موٹر سائیکل کا استعمال کرتے ہیں —— اگر ہوا میں جانا ہو تو یہ سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں —— اور انسان ایک نئی ایجاد کی طرف دیکھتا ہے۔ ہوائی جہاز —— لیکن ایک مقام وہ بھی آتا ہے جب ہواؤں کے پار جانا ہوتا ہے —— تو راکٹ کی ضرورت ہوتی ہے کہ خلاء میں پہنچ پائیں! —— جب تمام موجودہ وسائل بے کار اور ناکام ہوں تو ناکامی، محرومی اور مزید بے جا کوشش کرنے کے بجائے نئی چیز کی طرف دیکھنا چاہیے۔

تم نے دیکھا ہے کہ لوکل پولس ایک ناکام ہتھیار ہے —— کورٹ ایک ناکام ذریعہ

ہے — قانون کی کتابیں پیچیدہ ہیں، حکومت اُلجھی ہوئی ہے، ملک کے عوام کے ہونٹ بند ہیں تو اس مسئلہ کے حل کے لیے کسی نئی دریافت کی ضرورت ہوگی۔

عوام کی عدالت سے آگے بھی ایک عدالت ہے —— یہ وہ طاقت ہے جو عوام کو چلاتی ہے۔

اگر مجرم بھکاری ہے تو کانسٹبل کو آواز دو
اگر مجرم ڈاکو ہے تو انسپکٹر کو آواز دو
اگر مجرم قوم ہے تو حکومت کو آواز دو
اگر مجرم حکومت ہے تو عوام کو آواز دو
اور اگر
مجرم عوام ہیں تو ارتقاء کے فیصل پر لٹکا ہوا انصاف
کا گھنٹہ بجاؤ!
اگر مجرم کوئی گنوار ہے تو تھانے جاؤ
اگر مجرم قانون ہے تو پارلیامنٹ جاؤ
اگر مجرم پارلیامنٹ ہے تو عوام کے پاس جاؤ
اگر مجرم عوام ہیں تو اپنے دلوں کی گہرائی میں ڈوب کر اپنے آپ کو آواز دو!

اگر تمام سہارے ٹوٹ جائیں تو تم اپنے آپ سے باتیں کر سکتی ہو، اپنے دکھوں کو خود تو سن سکتی ہو۔

نیرا —— اس طاقت سے کہو کہ ان مسائل کا حل تلاش کرے
نیرا —— اپنی کمر میں بندھی تلوار سے ہم واقف نہ ہوں
اور دشمن کے چاقو کا مقابلہ
اپنے ہاتھوں سے کرتے ہوئے
قتل ہو جائیں تو یہ
شجاعت نہیں حماقت ہے
انسان کے اندر جو تخلیقی اور خلاقی صلاحتیں ہیں

ان کا استعمال نہیں کرنا، ان سے رجوع نہ کرنا
اور اس گدھے کی طرح جو ایک جانور ہے، ذلت کا بوجھ اٹھائے جانا
یا کتے کی طرح وفاداری کی دُم ہلائے جانا
انسان کی مٹی کا مذاق ہے۔
اپنی تلوار اپنے نگارخانہ دل کی دیواروں پر لٹکی ہوئی چھوڑ کر
غیر متناسب طاقتوں سے خالی ہاتھ لڑنا
اور شکست کھا کر دوسروں کی بھی ہمت پست کرنا معنی ہے۔ نیرا اپنی اندرونی طاقت سے کہو کہ ان مسائل کا حل تلاش کرے۔

اس قوت سے وہ جو تعمیر اور آزادی کا چشمہ ہے جہاں پر تہذیبی مسئلوں کا حل ملتا ہے، جہاں سے سپہ سالار اور بادشاہ اپنا اعتماد حاصل کرتے ہیں، جہاں سے سائنس داں اپنی ایجادوں کا انجام لے کر آتے ہیں، جہاں سے فقیر بے نیازی کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، جہاں سے مجاہد زندگی کا معنی حاصل کر کے آتے ہیں۔

نیرا وہ طاقت ہر انسان کے اندر ہے —— یہ وہ جڑ ہے جس سے انسان اپنی زندگی کی اصل خوراک حاصل کرتا ہے —— وہ تمہارے اندر چھپی ہوئی نیرا ہے —— اس سے پوچھو کہ کیا وہ اندر والی نیرا بھی شکست کھا چکی ہے؟ یا وہ اٹھے گی اور اس زندگی کو جو مسمار ہو رہی ہے، ٹوٹ پھوٹ رہی ہے، جو مسائل کی آگ میں جھلس رہی ہے — بچائے گی۔ کھڑی ہو جاؤ اس کے سامنے —— یہ وہی نیرا ہے جو خلاء میں اُڑنے کے لئے راکٹ عطا کرتی ہے — اور زمین کا دل چیر کر تیل کے ذخیرے نکالتی ہے۔

انسان مجبور نہیں ہے، نیرا —— تمہارے اپنے اندر کی نیرا کو نہیں دیکھنے کا دوسرا نام مجبوری ہے، اپنے اندر کی نیرا کو جھنجھوڑ دو —— کہو کہ وہ یلغار کرے — ان طاقتوں پر جن کے سامنے عوام نے بھی گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

انسان ہر مسئلہ کا حل نکالنے پر قادر ہے۔ اس نے دنیا میں ادنیٰ سے اعلیٰ ہر چیز کی ایجاد کی ہے، انسان اپنی ضرورتوں کو محسوس کر لے تو وہ ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ وہ طاقت جو کائنات کی چھپی ہوئی برقی اور ایٹمی طاقتوں کو لونڈی بنا کر ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیتی ہے، وہ

طاقت جوانسان کو جنگوں اور تحریکوں میں ہنستے ہوئے، اپنی جان قربان کرنے کی قوت دیتی ہے۔ وہ طاقت جوانسان کو اتنا بے خوف اور اتنا بامعنی بنا دیتی ہے کہ وہ ہنستے ہوئے زہر کا پیالہ پی جاتا ہے، حلق پر خنجر چلوا لیتا ہے، دار پر چڑھ جاتا ہے، آگ میں جل کر فنا ہو جاتا ہے—— وہ طاقت کہ انسان کے اندر ابھر کر کروڑوں لوگوں کو اپنی زد میں لیتی ہے اور صدیوں تک انسانوں کو اپنے طوفان میں بہاتی رہتی ہے۔

نیرا علم حیوانیات و نباتات کی طالب علم رہی تھی۔ اور اب بہت ساری چیزیں اس کے دماغ میں آ کر اس کی سوچ کو جلا دے رہی تھیں۔ ایسی چیزیں اور چیزوں میں ایسی خصوصیت رونما ہو جاتی ہے جو ایک جاندار چیز چاہتی ہے،—— اس نے آنکھوں کے وجود پر غور کیا—— کیسے مٹی اور پانی اور گرد و غبار کی دنیا سے ایسی آنکھیں پیدا ہوئیں جس کے مختلف ریشوں میں کوئی ریشہ لینس بناتا ہے، کوئی اس لینس سے بنی ہوئی تصویر کو ایک نقطہ پر محسوس کر کے اس سے تصویر اخذ کرتا ہے، کوئی آنکھوں میں پانی آنے کا راستہ دیتا ہے—اور کوئی بار بار پلکیں جھپکا کر ان آنکھوں کو نم رکھتا ہے—ان تمام حصوں کو پیدائش کیسے ہوئی؟ ان کی شکلیں کیسے متعین ہوئیں؟ اور انہوں نے اپنا اپنا کام کیسے سنبھالا—— اس لیے کہ ان کا اپنے اردگرد سے ایسا رشتہ بنا کہ ان کو دیکھنا ضروری ہوا۔

صرف یہی نہیں۔ جب کوئی پانی میں گیا تو تیرنے کے اعضا اور ہوا میں گیا تو اُڑنے کے اعضاء اور زمین پر رہا تو چلنے دوڑنے اور دیکھنے کے اعضا پیدا کر لئے۔

ہر چیز اپنے اپنے محور پر ناچ کر نئے نئے کردار ادا کرتی ہے۔

خودکشی کا مطلب ہے خاتمہ!

نہیں۔ میں خاتمہ نہیں چاہتی ہوں۔

مجھے زندہ رہنا ہے،

وہ سوچ رہی تھی،

نہیں جاننے کا احساس آج پھر اسے کاٹ رہا تھا۔ یہ نہیں جاننا ہی اسے ہمیشہ دکھ دیتا آیا ہے—وہ اس وقت اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ پائی تھی کہ اگر کمار اس سے اس لیے مکان چھین رہا تھا کہ وہ اس سے زیادہ مضبوط تھا—تو اس بات کا تعلق صرف کمار سے نہیں تھا—بلکہ

اس بات کا تعلق اس پہاڑ جیسے کائناتی نظام سے تھا جس کے تئیں ہر مضبوط، چھوٹے سے چھینتا تھا— جسے وہ اس وقت سمجھ رہی ہے—وہ کمار سے لڑ رہی تھی، اور سمجھ رہی تھی کہ یہ آخری لڑائی ہے—— کل ہی عدالت میں اس کا دل ہلا کر آئی تھی— لیکن کمار کی آنکھوں میں بھی تو کوئی سایہ سا لہرایا تھا، جیسے اس کو میرے اعتماد پر تعجب ہو کہ یہ خلافِ فطرت بات میرے اندر اس حد تک کیسے فروغ پا رہی ہے؟ لیکن کائنات اپنے خلاف جد و جہد کرنے والے افراد کو اس کے حوصلوں اور ہمتوں کی بلند ترین امکانات تک لے جانے کے بعد وہاں سے اس طرح دھکیلتی ہے کہ اس کی خصوصیت کو انسان پھر دوبارہ نہیں بھولے! اور اس کی خلاف ورزی کرنے کے خواب سے بھی وہ کترائے۔

لیکن اگر میں گرنے کے بعد بھی نہ ٹوٹوں تو؟

میں نہیں جھکوں تو؟

یہ کائنات ہے کیا؟

کیا اس کائنات کے تباہ کن رویہ کے شکنجے سے نکلنا ناممکن ہے؟؟؟

اگر ناممکن ہے تو کیوں؟

اس کی انجانی شکلوں؟؟

انجانی حرکتوں؟؟

اجنبی موڑوں؟؟؟

اور اس کا گھیرے ہونا اس کے منظم اور اس کے تہہ در تہہ گھیرے سے

میں فرار حاصل کر سکتی ہوں؟

کیا کوئی فرار کی بھی راہ ہے؟؟

اور اگر ہو بھی تو تم اس سے نکل کر کہاں جاؤں گی؟

ہاں ٹھیک ہے ممکن ہے کہ یہ ناممکن ہو، لیکن میں دیکھنا چاہتی ہو،

اس کائنات سے میرا تعلق کیا ہے؟؟

میں اس میں پیدا ہوئی ہوں۔

اور میرا جسم اس کا ایک حصہ ہے

اور کائنات مجھے اندر باہر ہر طرف سے جکڑے ہوئی ہے۔

اور چونکہ یہ جکڑے ہوئی ہے اس لیے میں جب بھی اس کے خطوط سے انحراف کرتی ہوں تو یہ اگلے قدم پر مجھے دبوچ لیتی ہے، اور ہر اگلے قدم پر اس کی ایک نئی تصویر یا نیا رُخ سامنے آتا ہے، اور جب ہم اس کی راہ سے الگ چلتے ہیں تو وہ ہماری آنکھیں خود ہی کھول کھول کر ہمیں نئے چہرے دکھادیتی ہے — اور اس انداز سے دکھاتی ہے کہ جیسے ان کو بدلنا اس کا نارمل فنکشن ہو اور نارمل فنکشن میں ایک برتر حقیقت کا انداز ہوتا ہے جسے ہماری خواہشوں اور ضرورتوں کا لحاظ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں — اور ہم اس کے پابند ضرور ہیں لیکن وہ ہماری پابند نہیں۔ مجھے اکثر لگا ہے کہ میں نے اسے پکڑ لیا ہے اور پھر فوراً ہی یکا یک احساس ہوا ہے کہ میں بہت دور ہو گئی ہوں۔ یہ عجیب آنکھ مچولی ہے۔ اور ہماری آزادی کی کوشش محض ایک سراب ہے جس میں وہ دکھائی دیتے ہوئے بھی نہیں ہوتا جو ہمیں مسلسل حرکت میں رکھتا ہے، کچھ اتنی چابکدستی سے کہ یہ سراب کبھی کبھی ہمارے پیالے میں پانی بھی بھر دیتا ہے، اور ہم اسے پی کر اپنی پیاس بھی بجھا لیتے ہیں، لیکن اس کے بعد ہماری پیاس اور شدت سے بڑھ جاتی ہے اور ہمارا جسم تپنے لگتا ہے تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم جو بھی پی گئے تھے وہ پانی نہیں تھا، بلکہ پانی کی شکل میں پیاس افزا تھی جو پانی دکھائی دے رہی تھی، ہم جسے حاصل سمجھ لیتے ہیں وہ محض ہمیں پھسلانے کا کھلونا ہوتا ہے، جس کو پا کر ہم راستے میں ہی اُلجھ جاتے ہیں، اور بعد میں احساس ہوتا ہے کہ ہم کہیں اکیلے چھوٹ گئے ہیں، یہاں دکھائی دینے والی ہر چیز کسی لمحہ حقیقت ہوتی ہے۔

اور کسی لمحہ فریب۔

اور ہم یہ طے نہیں کر پاتے کہ وہ حقیقت ہے یا فریب۔

اور اس طرح ہم آنکھ مچولی کی اس دنیا میں گرفتارِ بے یقینی کے عالم میں جیتے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور پھر ہمیں غنودگی، اور نیند اور تکان بھی دبوچتی ہے۔

اور ہم یہ جانتے ہوئے بھی،

کہ ہمارے اوپر نیچے، دائیں، بائیں، باہر، اندر،

جو کچھ ہے اس میں ہر لمحہ جاگتے رہنے کی ضرورت ہے، ہم ان کی موجودہ شکلوں پر

بھروسہ کر کے سو جانے پر مجبور ہوتے ہیں،

یا پلک جھپکانے کے لیے سہارا لیتے ہیں،

اور ٹھیک اس لمحہ بھی ہمارے چاروں طرف پُراسرار تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، اور جب سوتے ہیں، ہمارے کمرے کے اندر باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے سیلاب کا پانی آ کر ہمیں پانی کے ٹھنڈے لمس سے جگائے، اور تب ہم جانیں کہ ہمارے چاروں طرف کیا ہوا ہے تو ہماری نیند ٹوٹ جاتی ہے، اور ہم پاتے ہیں کہ ہم فریبوں کے بیچ ہیں، اور ہم پھر حقیقت کی تلاش میں جاگتے ہیں اور اپنے سارے وجود کو توڑ مروڑ کر، اور ٹوٹنے پھوٹنے، اور دوبارہ جڑنے کے درد سے گزار کر ہم حقیقت تک پہنچتے ہیں۔

اور پھر وہی تھکن۔

اور پھر نیند۔

اور پھر اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی گرمی کے احساس میں کروٹیں لیتے ہیں، اور پھر کوئی چنگاری کہیں ہمارے چہرے پر پڑتی ہے تو ہم اٹھ کر دیکھتے ہیں کہ ہم جہاں سوئے تھے وہ مکان اپنے پاس پڑوس کے ہزاروں مکانوں کے ساتھ جل رہا ہے، اور ہم پاتے ہیں کہ حقیقت پگھل کر فریب بن چکی ہے، اور ہم پھر حقیقت کی تلاش میں بھاگتے ہیں، اور اپنے سارے وجود کو توڑ مروڑ کر، اور ٹوٹنے پھوٹنے اور دوبارہ جڑنے کے درد سے گزر کر ہم حقیقت تک پہنچنے کا سفر طے کرتے ہیں، اور جب حقیقت دکھائی دینے لگتی ہے تو ہم فریب سے نکل کر حقیقت تک پہنچنے کی خوشی سے سرشار ہو جاتے ہیں اور ہم قانون فطرت کے عرفان سے اپنے کو مضبوط تر ہوتا ہوا پاتے ہیں

اور پھر اگلی فریب کشائی،

اور حقیقت شناسی، کی تاک میں بیٹھ جاتے ہیں۔

اور یہ حقیقت شناسی کا فلسفہ ہمیں پھر بے حس کر دیتا ہے۔

اور یہ حقیقت شناسی کی عادت

اور حقیقت شناسی کا شعور ہمیں مرعوب کر لیتے ہیں۔

اور اپنے پنجوں میں اچھی طرح جکڑ لیتے ہیں۔

اور یہیں ہم اپنی آزادی کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اور ہم حقیقت آفرینی کا ادراک کرنے سے رہ جاتے ہیں

اور اس طرح یہ کائنات ہماری روح کو بھی شکار کر لیتی ہے۔

اور ہم اس سرحد پہ آ کر رک جاتے ہیں۔

اور یہ کائنات ہم سے منوا لیتی ہے کہ

ہم کسی برتر حقیقت کی گردشوں سے جڑے ہوئے

ان کے ساتھ گھوم رہے ہیں،

اور جو کچھ ہوتا ہے وہ ان کے اندر سے ہوتا ہے،

اور اس ہونے پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ پورا عمل ہمارے اندر میں ایک آگاہی، ہمارے اندر ایک شعور کا جال بنتا چلا جاتا ہے۔

اور ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جو کچھ ہم بناتے ہیں،

وہ فانی ہے، بے وقعت ہے، وقتی ہے،

اور اس کی اہمیت انتہائی غیر معتبر ہے،

اور اس احساس سے ہم اپنی مضبوطی کھو دیتے ہیں۔

اور کائنات ہمیں مزید اپنے پنجوں میں دبوچ لیتی ہے۔

اور ہم شکار اس لیے ہو جاتے ہیں کہ ہم ایک غلط فہمی کے پہلے سے ہی شکار ہیں کہ ہمارا کام بقا و فنا نہیں ہمارا کام دیکھنا ہے۔ کہ ہم آنکھ ہیں۔ کہ جب ہم صرف آنکھ بن کر بڑھتے ہیں تو کائنات کا حصہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے سحر میں کھوئے کھوئے دور دور تک چلے جاتے ہیں کیوں کہ اس باہری کائنات کی ڈوریاں جن کے سہارے ہم بڑھتے ہیں وہ ان انجان گھپاؤں میں جا کر کھو جاتی ہیں، جن کے آخری سروں تک ہم کبھی نہیں پہنچ سکتے کہ یہ سرے ریشم کے دھاگے کی طرح، ریشم کے کیڑے کے دھاگے پیدا کرنے کے عمل میں جا کر مل جاتے ہیں، اور ان کیڑوں کی کوئی معین سمت نہیں ہوتی کیوں کہ وہ پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔ اور ہم مسلسل بڑھتے جائیں تو ان کے اس لعاب میں جا تریں گے جس کے سوکھنے سے اس کے پیچھے پیچھے دھاگا پیدا ہوتا

ہے۔ اور اس سے آگے بڑھنے پر ہم بے شمار ریشم کے کیڑوں کو دیکھتے ہیں جو مختلف انجانی سمتوں میں اپنے پیچھے لعاب چھوڑتے آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں، جن میں کچھ سامنے دکھائی دیتے ہیں اور کچھ کو ہم پردے پڑے انگنت سوراخوں میں گم ہوا پاتے ہیں، اور کچھ دھاگوں کا سرا راستے میں ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یونہی جیسے ان کا کوئی مقصد ہی نہ ہو یا جن کا مقصد پہلے ہی پورا ہو چکا ہو۔ اور ان میں کچھ دھاگے موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں اور جب ہم ان میں کسی کے ساتھ دور تک چلتے ہوئے آخری سرے تک پہنچتے ہیں تو وہاں دھاگوں کو لعاب اور لعاب کو چشمہ اور چشمے کو چٹانوں میں سے نکلتے دیکھتے ہیں، اور جب ہم ان چٹانوں کے قریب پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ چٹان نہیں بلکہ ریشم کے کیڑے کا جسم ہے —— لیکن وہ اب لعاب کے دلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں اور آخر کار اس سفر کی کوشش میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو اس کی حقیقت سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں وہ بھی فنا ہوتے ہیں اور جو نا آشنا ہوتے ہیں وہ بھی فنا ہو جاتے ہیں۔

اور اس کوشش میں انسان کی نگاہیں بھی دھندلانے لگتی ہیں کہ بار بار اس کی نگاہ کسی سراب میں دھنس جاتی ہے اور یہ سراب یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے جاتے ہیں جیسے ایک ہی سراب اپنے محور پر گھومتا ہوا بار بار دھوکا دیتا ہو، اور اس کے نئے چہروں کے ظہور سے تمام موجودہ باتیں پرانی اور متروک اور بے اثر ہو جاتی ہیں۔ اور اجنبی باتیں منظر پر نمودار ہوتی ہیں اور منظر میں اس تبدیلی سے مختلف قسم کی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے جن کی شکلیں جدا ہوتی ہیں حتٰی کہ الفاظ تک کی بھی اپنی شکلیں بدل جاتی ہیں اور کبھی کبھی کوئی معنی ایک لفظ سے کھسک کر دوسرے لفظ میں جا گھستا ہے۔ اور اس طرح الفاظ کے لباس میں ملبوس اجنبی دنیاؤں کے بدلتے رہنے سے ہماری بصیرت میں اُلجھاؤ اور دھند پیدا ہوتی رہتی ہے۔ فقط وہ جو چیزوں کے بدلتے ہوئے معنوں اور لوگوں کے بدلتے ہوئے چہروں پر براہ راست نظر رکھتے ہیں، ان کی نگاہیں محفوظ رہتی ہیں۔

اس زندگی میں اطمینان اور احساسِ کامیابی اور مقام تحفظ صرف ان کا حصہ ہے جو حقیقت آفرینی کی راہ پر مڑ جاتے ہیں اور ایک نئی کائنات کی تخلیق کا دھاگہ خود اپنے ہاتھ سے بنتے چلے جاتے ہیں جس میں انہیں ہر قدم پر اگلی سمتوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ سمتوں کی تلاش نہیں کرتے، سمتوں کی تخلیق کرتے ہیں۔ کہ جہاں رک جانا اور کھو جانا بھی اپنے ہی ڈرامے کا ایک پہلو ہوتا ہے اور جہاں وہ اپنے خود آفریدہ ڈرامے کے اس منظر کو بھی دلچسپی سے دیکھتا ہے جس

میں اسے اپنی زندگی کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے، اور جہاں نہ سمتوں کی کمی ہوتی ہے، نہ وسعتوں کی سرحد ہوتی ہے، اور جہاں وہ اپنی زندگی کو جتنا مضبوط چاہے بنا سکتا ہے، اور جہاں پیچھے کی چھوٹی ہوئی کائنات میں ہونے والے واقعات بھی اس کی طرف اس طرح بہہ بہہ کر آنا شروع کر دیتے ہیں جیسے نالوں میں پانی خود بخود نیچے کی طرف بہنے لگتا ہے۔ اور ان واقعات کی شکل اس نالے سے متعین ہونے لگتی ہے جو نالہ وہ آگے جاتا ہوا انسان کھودتا جاتا ہے —— اور وقت کی گرفت سے نکلا ہوا یہ انسان وقت کی تخلیق کرتا جاتا ہے۔ وہ باہری وقت کی سمتوں کو مسمار کر دیتا ہے اور اپنے خود آفریدہ وقت کی سمتیں بھی خود تخلیق کرتا ہے۔ اس کے ماضی حال اور مستقبل اس کی ذات کا چہرہ بن جاتے ہیں اور آخر کار وہ اس فضا کی زد سے باہر نکل جاتا ہے جو اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی اس کے پاؤں کی آخری بیڑی سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کی تخلیق کی ہوئی یہ راہیں وہیں تک نہیں جاتیں جہاں تک دکھائی دیتی ہیں یا جہاں جھلملانے لگتی ہیں بلکہ نگاہوں کی دھند کی اس سرحد سے آگے لامنتہا تک چلی جاتی ہیں اور وہ خود اتنا پھیل جاتا ہے کہ اس کے وجود کا دوسرا سرا خود اس کی اپنی نگاہوں کی دھند میں کھو جاتا ہے۔

ایک بار پھر اسے اس دنیا کا خیال آیا جو اشوک کی وجہ سے اس کے شعور کے کینوس پر ابھری تھی۔ ایک انجانی دنیا جس کے تانوں بانوں کے اوپر وہ چل رہی تھی۔ اور جو اس کی جدوجہد کے راستے میں غیر متوقع طور پر نئے چہروں اور شکلوں میں نمودار ہوتی چلی جاتی تھی۔ ایسے جیسے سمندر میں پانی کم ہوتا جائے اور جزیرے اور بڑے بڑے پہاڑ ابھرنے لگیں۔ اور اسے اس کا احساس ہوتا تھا کہ جو کچھ اس کے سامنے تھا وہ محض بے رنگ پانی ہی نہیں تھا بلکہ ان کے اندر پہاڑیاں بھی تھیں —— ایک بار پھر اس نے اپنی کلائیوں پر تالے کی چبھن محسوس کی، لیکن پھر یہ تالا اس کی سوچ کی بلوغت کے دباؤ سے ٹوٹنے لگا۔ اس سوچ میں دراصل بڑی طاقت اور پکڑ تھی۔

اس سوچ کی روشنی سامنے کی چیزوں کو لیسر کی طرح کاٹنے لگی اور تجزیہ کے بعد جیسے حالات کے کٹے ہوئے ٹکڑے سامنے گرنے لگے ——

جو لوگ اشوک کی طرح بہت بڑے ہوتے جاتے ہیں ان پر ان کا جسم آہستہ آہستہ حاوی ہونے لگتا ہے، اور ان کی مرضی مخصوص خصوصیات کا پابند ہو جاتی ہے۔ اور ان کی ان حرکتوں اور رجحانات کو ان پنجوں سے پہچانا جا سکتا ہے جو تمہارے گھر کے اندر تک پہنچتے ہیں۔

دولت کی خصوصیات کو دیکھو۔

'تم نے ہاتھی کو دیکھا ہے؟ کیسے ایک کمزور چھوٹا سا انسان اس کو اپنے قبضے میں کرتا ہے، اور اسے اپنے اشاروں پر چلاتا پھرتا ہے؟ اس دنیا میں قوت کی پیمائش اس بات سے نہیں ہوتی کہ کس کے پاس کتنی دولت یا کتنا اختیار ہے۔ بلکہ اس کا انحصار اس پر ہے کہ کون اپنی قوتوں کو کس حد تک اور کتنے اہم انداز میں استعمال کر سکتا ہے، اور یہی اصل قوت ہے۔ دولت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بڑی ہونے کے ساتھ مستقل ہوتی جاتی ہے۔ اس کی پہچان واضح ہوتی جاتی ہے۔ اس کے حرکات وسکنات کے بارے میں اور اس کے مستقبل کے فیصلوں کے متعلق اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔ نیرا کو اس لمحے یکایک احساس ہوا کہ اشوک کے خدوخال کمار سے بہت مختلف نہیں ہیں اور محض نگاہوں کی ایک تجزیاتی گرزش اور رشتوں کی تنظیم نو سے یہاں بھی وہی جھٹکے پیدا ہونگے جو کمار کی دنیا میں ہو رہے تھے۔

اور جب اس نے اشوک کے پورے وجود کو نگاہوں میں پکڑنے کی کوشش کی تو اس کا انجانی ں دیناؤں تک پھیلا ہوا وجود سمٹ کر پورا کا پورا اس کی نگاہوں کے زاویے میں سما گیا۔

سورج جیسی بڑی چیزیں اپنے راستے نہیں بدلتیں، اشوک اپنی دولت کی ساخت میں گرفتار ہے اور دولت اپنے اصولوں میں گرفتار ہے۔ تم تو اس کے جسم کی اس جگہ سے اس کے اوپر ہاتھ ڈال سکتی ہو جہاں خود اس کا اپنا ہاتھ نہیں پہنچتا، اور جہاں اس کی نگاہ بھی نہیں پہنچ سکتی، اور اس کے جسم کے موٹے چمڑے میں اس جگہ بارودی سرنگیں بچھا سکتی ہو جہاں اس کی قوت ادراک مر چکی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی پہنچ سے باہر، اس کی نگاہوں کے زاویوں سے پرے اور اس کے احساسات کی سرحدوں کے باہر ایک بڑی دنیا ہے۔

نیرا، جتنی بڑی ساخت ہوگی اس میں اتنا ہی زیادہ جمود اور یقین ہوگا، اشوک کو سمجھنا اور اس سے نپٹنا تو کمار سے نپٹنے سے بھی آسان ہے۔ اس کے خدوخال کو دیکھنا اور اس پر اپنے لیے بے خطر راستے بنانا اتنا ہی آسان ہوگا۔ کہ اس کے ناخن اور پنجے موجود پہاڑوں کا پتہ دیتے ہیں، اور یہ پہاڑ لامنتہا تک پہاڑی سلسلوں کا پتہ دیتے ہیں۔ تم ان ناخنوں اور پنجوں کا غور سے معائنہ کرو کہ اکثر کسی نئی شئے کی اصل قوت خود اس کے اپنے اندر نہیں ہوتی بلکہ تمہاری آنکھوں کے جمود اور حیرانی اور کوتاہ بینی میں ہوتی ہے وہ چیز بڑی ہے یا چھوٹی، وہ چیز روزمرہ کی ہے یا

اجنبی اور نئی، سوال یہ ہے کہ تم انہیں منجمد نگاہوں سے دیکھتی ہو یا اس کے خدوخال اور وزن کا معائنہ کرتی نگاہوں سے —— کہ اس کا مجسمہ تمہارے شعور کی روشنی میں آ کر صرف ایک طرف سے دکھائی دیتا ہے یا چاروں طرف سے —— نیرا —— ڈوب ڈوب کر دیکھو، جب بھی کوئی چیز تمہاری نگاہوں کے سامنے آئے تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھو جب تک اس کا ایک ایک گوشہ صاف صاف روشن ہو کر تمہارے سامنے نہ آ جائے، اور کسی بھی گوشے کا ایک چھوٹا سا کونا بھی، ایک نقطے کے برابر ذرہ بھی تاریکی میں نہ رہ جائے۔ اگر وہ روشن نہیں ہوتا تو اُسے بھی خوردبینی نگاہ سے دیکھو، ممکن ہے اس ایک تاریک ذرّے میں ایک پوری کائنات ابھرے۔ تم ہر چیز کو جانو کہ تم ہر چیز سے وابستہ ہو، کسی بھی چیز کا نہ جاننا کہیں نہ کہیں تمہارے وجود میں چبھ جائے گا۔

نیرا —— یہ جسے تم کائنات سمجھ رہی تھی یہ پوری کائنات نہیں ہے، یہ صرف اس کا ایک روپ ہے، کائنات تو ہر انسان کی الگ ہوتی ہے، اور ہر انسان اپنی کائنات میں تنہا ہوتا ہے، کہ کبھی وہ شاخ بن کر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اور کبھی محض بیج کی حالت میں بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے۔ یہ کائنات جسے تم دیکھ رہی ہو یہ وہ کائنات ہے جس میں تم بیج سے ایک شاخ بنی ہو اور بیشمار شاخیں تمہارے اندر سے پھوٹ رہی ہیں۔ تم مختلف ہو۔ ان شاخوں کے ساتھ جو تمہارے اندر سے پھوٹ رہی ہیں، تم ایک مختلف کائنات ہو۔ تم اس شاخ کے چہرے میں اپنا مکمل وجود تلاش کرو۔ چونکہ تم ایک اجنبی کائنات میں ہو اس لیے تمہارا دم گھٹتا ہے، اور تم اپنے کو ایک اجنبی زمین پر کھڑی محسوس کرتی ہو۔ لیکن مکمل کائنات تو انسان خود ہے۔ اس طرح کہ وہ اس کے جسم کی طرح اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور بدلتی جائے۔

تم اپنے سراپا کو ایک بار غور سے دیکھو تو کہ دراصل تم کیا ہو! وہ چونکی!

وہ اُٹھ کر آئینے کے سامنے گئی۔ اور جب اس نے آئینے پر نگاہ ڈالی تو اس کی نگاہیں اس کے جسمانی عکس کو توڑ کر پار کر گئیں جیسے وہ محض ایک سطحی چہرہ تھا۔ نیرا حیران رہ گئی۔ اس عکس میں وہ نہیں تھی۔ اس کا مکان بھی وہاں نہیں تھا۔ ماں، سونیا، الوک، انکل، کمار، ساوتری، اور راکیش سب کاغذی پردوں کے مانند پھٹ پھٹ کر جیسے نگاہوں کے سامنے سے اڑ گئے تھے۔ اور اب محض وہ تھی۔ ایک تیز نگاہ پرندے کی طرح۔ اور تھانہ تھا۔ تھانہ انچارج کے قلم تھے۔ نیز کی پرائیوٹ گفتگو تھی۔ مسز بترا کی زندگی کا اُتار چڑھاؤ تھا۔ مسز دھرواکے اُلجھے اُلجھے تجربات تھے۔ عدالتوں کے پر

اسرار مناظر تھے۔ زندگی کی پر اسراریت اور معنویت کو کھنگالتا ہوا، الوک تھا۔ بسوں میں جاتے ہوئے الوک کی حیرانیاں تھیں۔ تنہائیوں کی تلاش میں بسی خوفناک اجنبیتیں تھیں۔ سنگا پور اور دہلی کے فائیو اسٹار ہوٹل تھے۔ کیبرے رقاصہ کی روحانی تنہائی تھی، اور اس کو روندنے والے مالدار تھے۔ مدھو کا جسم تھا، اور مدھو جیسی لڑکیوں کے تیرتے سائے تھے۔ اور چٹخارے کے ساتھ اخبار پڑھنے والے بڈھے تھے۔ —— زندگی ہزار شاخوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ کون کس وقت کہاں تھا اس بات کی پر اسراریت تھی اور وہ لامتناہی سمتوں کی اس آماجگاہ میں تنہا تھی۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں، ! تنہا سوچتی ہوئی چڑیا جس کا کوئی جوڑا نہ تھا۔ کبھی اس پیڑ پر کبھی اس پیڑ پر —— اور اس پورے منظر میں کمار ایک گوشے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا، اور اس کے سامنے نوٹوں کے کچھ بنڈل پڑے تھے اور اس کے چاروں طرف کا یہ پورا منظر وسعتوں میں اتنا پھیلا ہوا تھا کہ اس میں دوسرے کنارے کی بڑی بڑی چیزیں چھوٹی اور دھندلی ہوتے ہوتے دوریوں میں گم ہو گئی تھیں۔

نیرا کو لگا کہ وہ مختلف مقامات پر بیٹھی، مختلف زاویوں سے، مختلف رنگوں کو بیک وقت دیکھ رہی ہے۔ جیسے رفتہ رفتہ دیکھنے کی کوشش کرتے کرتے اس کے چہرے پر لامتناہی تعداد میں آنکھیں پیدا ہو گئی ہوں اور اس کا چہرہ کچھ اس طرح برقی تاروں کی مانند چاروں طرف پھیل گیا ہو کہ اس پر لگی آنکھوں سے وہ جگہ جگہ سے اور دور دور سے دیکھ سکتی ہو، بلکہ ایک ہی چیز کا بیک وقت مختلف اگنت نقطوں سے معائنہ کر سکتی ہو۔ اور چیزوں کو جگہ جگہ سے چیر پھاڑ کر، اندھیروں میں گھس گھس کر، وہاں سے بھی چیزوں کے آر پار اور دور و نزدیک کی ہر شئے کو، ہر پہلو سے اور ہر رول میں اور ہر رجحان میں دیکھ سکتی ہو۔

اور اسے لگا کہ جیسے وہ کہیں سے بھی ناواقف نہیں۔ کہیں بھی انجان اور مجبور نہیں۔ اور اگر کائنات میں نئے پہلو پیدا ہوں گے تو وہ بھی اور آنکھیں پیدا کر لے گی۔ اسے لگا کہ جیسے جیسے وہ دیکھتی جاتی ہے، اس کی آنکھوں سے آنکھوں کی شاخیں پھوٹتی جاتی ہیں، اور دیکھی ان دیکھی ان جانی دنیاؤں میں اس کا شعور ہر جگہ جا پہنچا ہے۔

تاریخ کو یاد کرو نیرا —— کرشن ہوں یا موسیٰ عیسیٰ ہوں یا محمدؐ اکبر ہو یا گاندھی ان سب کے سروں کے اوپر سے بچپن میں ہی ان کے والدین کا سایہ اٹھ گیا۔ نیرا، یہ کائنات جسے توڑتی ہے، اسے جگا دیتی۔ اسے اپنی کائنات پیدا کرنا سکھا دیتی ہے —— جھیلنا اس کائنات کی تخلیق کا

لائحہ عمل ہے۔ جتنا جھیلو گی، اتنی ہی مضبوط بنو گی!۔

نیرا کو لگا کہ وہ جو اندر سے اسے مضبوط رہنے کی ترغیب دے رہا ہے، یہ وہی ہے جس نے پہلی بار اسے الوک کے پاس جانے کے بجائے کسی اور راستے پر موڑا تھا۔

اور اسے لگا کہ اس کی وہ لیسر نما نگاہیں دوبارہ حرکت میں آ رہی ہیں۔

نیرا، انسان کے اندر بڑی بھیانک قوت ہوتی ہے۔ اس پر جو کچھ بیتتا ہے وہ اس کا ہو جاتا ہے۔ وہ جتنا جانا جاتا ہے اتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اگر وہ ساری چیزیں انتہائی بھیانک، قوی اور خوفناک ہیں جو تمہارے چاروں طرف سے تمہیں بے حد قریب سے جکڑے ہوئی ہیں اور اس طرح جکڑے ہوئی ہیں کہ تمہارے گوشت کی بوٹی بوٹی اور ریشہ ریشہ اس سے بندھا ہوا ہے بلکہ اس میں اس طرح اٹوٹ قوت سے چپکا ہوا ہے کہ ایک ذرہ برابر بھی ہلو تو تمہارا سارا وجود کٹ کر خون آلود ہو جائے اور یہ تمام چیزیں تمہیں اپنی سمت میں گھسیٹے لیے جا رہی ہیں تو کیا ہوا تم ان کو اپنے درد کی نگاہوں سے دیکھو۔ بڑھے درد۔ اور بڑھے کہ تم اس درد کی شدت کو محسوس کرو اس پانی کے قطرے قطرے کو چھو لو جس میں تم ڈوبی ہوئی ہو۔

اور پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کے اندر کوئی عمل ہونے لگا، اور یہ عمل تیزی سے اس کے اندر ہر چیز کو کاٹتا چھانٹتا اور جوڑتا ہوا باہر تک آیا۔ اور پھر مسلسل ایک دائرے کی شکل میں بڑھنے لگا، اور اسے لگا کہ یہ جو لگ رہا تھا کہ اس کے چاروں طرف کی جگہ اس کائنات سے بھری ہوئی ہے جو اس کی مخالف ہے—اس جگہ میں اس کی اپنی کائنات بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

جیسے دونوں کائنات پہلو بہ پہلو، آمنے سامنے کھڑی ہوں۔

یا ایک ہی کائنات کے دو روپ ہوں۔

اور اسے لگا کہ اشوک، کمار اور الوک کے بارے میں بنائی گئی ویڈیو کیسٹ پر نظر پڑنے کے بعد اس کے سامنے ابھرنے والی صورت حال جو ایک انتہائی ٹھوس اور ناقابل شکست منظر کی طرح دکھائی دے رہی تھی یہ صرف ایک دھوکا تھا۔ کہ یہ سب کچھ بھرا ہوا ہوتے ہوئے بھی صرف دھوپ کا ایک رنگ تھا۔ جب دھوپ کے کئی چہرے ہو سکتے ہیں، تو پوری کائنات کے بھی کئی چہرے ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کائنات اب پھیلتی جا رہی تھی، اتنی ہی بھرپور اور قوی کائنات جتنی وہ پہلے اپنے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اور جسے اب اس نے مکمل طور پر چھوڑ دیا تھا، ترک کر دیا

تھا، مسترد کر دیا تھا—اور اس کے ساتھ ہی اسے لگا کہ وہ پہلی بار ایک مکمل آزاد فضا میں سانس لے رہی ہے—اور اس کا شعور بھی جیسے اپنا جسم بدلنے لگا، کتنی ہی باتیں ظاہر ہونے لگیں، اور کتنی ہی باتیں دور ہوتے ہوتے مٹ گئیں۔

اسے لگا وہ کھلی ہوا میں بیٹھی ہے۔

جہاں کی ہر چیز اس سے ہم آہنگی رکھتی ہے۔

اسے ایک عجیب مسرت کا احساس ہوا،

جیسے وہ کسی نئی آزادی سے آشنا ہو رہی ہو،

اور اسے لگا کہ نہ صرف وہ چیزیں اس کے ساتھ ہیں،

جو اس کی نگاہوں میں اس کی ذات سے وابستہ دکھائی دے رہی ہیں،

بلکہ اس کے شعور کی نگاہ کا دائرہ آگے بڑھتے بڑھتے دھند میں کھو گیا ہے۔

اور وہاں بھی اسے اپنے اندر محسوس ہوا کہ وہ دائرہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

اور اس کی اس کائنات میں بھی، جو اس کے نقطہ نظر سے ابھر کر آئی تھی، پردہ در پردہ، ایک لامتناہی کائنات کا سلسلہ تھا،

جہاں بڑی طاقتیں، اس کی اس تازہ ابھرتی ہوئی کائنات سے منسلک تھیں۔ اور اس کے جسم کا بھی بڑا حصہ دھند کے اندر پھیلا ہوا تھا۔ ان دیکھی سمتوں اور وسعتوں میں۔ اور وہ اس طرح اس نئی کائنات میں آ کر، اپنے کو اپنے ماحول میں محفوظ اور ہم آہنگ پا رہی تھی جیسے خشکی سے کوئی مچھلی دریا میں پہنچ جائے، اور من چاہی سمتوں میں تیرنے لگے۔

اور اسے لگا کہ وہ جس چیز کی تلاش میں تھی،

جس کی وجہ سے، وہ کئی کئی،

اور ٹوٹی ٹوٹی پھر رہی تھی،

وہ کائنات سے اس کی اپنے طور کی ہم آہنگی کی کمی تھی۔

براہ راست۔

اور مکمل۔

اور اب وہ ہم آہنگ تھی،

اور مضبوط تھی ——

اگر اشوک نے الوک کو مجھ سے چھین لیا تو کیا ہوا؟

اس نیرا کو کون چھین سکتا ہے، جو چراغ بن کر میرے اندر جل رہی ہے!

کون تھا جس نے الوک کے اس دوسرے روپ کو جنم دیا تھا؟؟

جب وہ پہلی بار الوک سے ملی تھی تو اس نے خود ہی الوک سے کہا تھا —میں حقیقت کو تسلیم کرنے نہیں، حقیقت کو بدلنے نکلی ہوں۔

الوک ہی کیا۔

جب میرے اندر الوک جیسے انسانوں کو بجا دینے والا اضطراب ہوگا تو میری زندگی کے اردگرد ایک کیا پچاسوں الوک پیدا ہوں گے۔ کون ہے جس کے اندر ایک الوک نہیں۔

کون ہے جو بالکل مردہ ہے۔

کون ہے جس کے دل میں کروٹ لینے کی خواہش نہیں ابھرتی؟

کون ہے جو اپنے کو مجبور تسلیم کرنا چاہتا ہے،

کون ہے۔

کون !!

اس دنیا میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسان ہیں جو اس الوک کی طرح ہیں جس سے میں پہلی بار آفس میں ملی تھی۔ اس مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں، جہاں انسان صرف وراثت میں ملی ہوئی حقیقتوں کو تسلیم کر کے خاموش پڑا زندگی کے دن کاٹتا رہتا ہے۔ اور اگر ان کے دل پر جمی ہوئی گرد کی پتھریلی چٹانوں میں بارودی سرنگیں بچھا کر کوئی نیرا دھماکہ کرے تو وہ چٹانیں گرد بن کر اڑ جائیں گی۔

اور ہر الوک کے اندر سے ایک نیا الوک نکلے گا۔

☆☆

۲۸

'میں اگر تمہیں کچھ نہیں بتاتا ہوں تو ایسا اس خوف سے نہیں ہے کہ وہ بات تمہارے حقوق کے خلاف ہے اور تم اس کی مخالفت کرو گی بلکہ وہ اس لیے ہے کہ یہ زندگی کا وہ درد ہے جو بہت شدید ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس سے تم کو کوئی نہ پہنچے، کہ میرے لیے تمہاری ہمدردی تمہیں تڑپا تڑپا دے گی، حالانکہ اس تجربے سے تم کو کچھ نہیں حاصل ہوگا کیونکہ یہ درد شخصیت کے ٹوٹنے پھوٹنے اور اس سے نئی شخصیت کے پیدا ہونے کا درد ہے۔ اور یہ درد ہر انسان کا اپنا ذاتی درد ہے، جو اس کے وجود سے وابستہ ہے۔ اور اس سے اسے تنہا ہی گزرنا چاہیے اور انسان کی اس صورت حال سے محض دوسروں کا واقف ہونا کافی ہے تاکہ جب وہ اس کے درد سے گزر رہا ہو تو اس سے ہمدردانہ رویہ برتا جائے۔ لیکن میں پاتا ہوں کہ اس میں مجھے تم سے ہمدردانہ رویہ ملنے کے بجائے ایک عجیب وغریب قسم کا جارحانہ رویہ ملتا ہے اور اس سے میرے اندر یہ احساس جاگتا ہے کہ تم میری اس مخصوص فطرت سے واقف نہیں ہو جس کا میں شکار ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کا احساس انتہائی کند ہوتا ہے اور جن کو بڑی چوٹوں سے کسی درد کا احساس نہیں ہوتا بلکہ میرے دل و دماغ اتنے حساس ہیں کہ میرے ماحول میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا بہت صاف عکس میرے اندر بنتا ہے اور اس کا باریک سے باریک کانٹا بھی میرے اندر چبھ جاتا ہے، اور کبھی کبھی اتنے باریک کانٹے چبھ جاتے ہیں کہ میں ان کی تصویر کشی کر ہی نہیں سکتا، اور میری اجنبیت کی وجہ یہ ہوتی ہے اور تم اس اجنبیت کو اس بات پر محمول کرتی ہو کہ مجھے تمہارے اوپر بھروسہ نہیں ہے، اور جب مجھے تمہاری اس غلط فہمی کا احساس ہوتا ہے تو میرے جذبات کو ایک انتہائی گہری چوٹ لگتی

ہے۔ اگر تم صرف ایک بات کو سمجھ لو کہ انسان ایسی باتوں کا اکثر شکار ہوتا چلا جاتا ہے جس کو وہ خود بھی نہیں جانتا اور اس صورت میں اس کے اعمال اور حرکتوں کے بارے میں پوچھنا اور اس پر یہ دباؤ دینا کہ وہ یا تو عمومی طریقے سے پیش آیا کرے یا اپنی حرکتوں کا جواز پیش کرے ورنہ اسے تنہائی میں امن کے ساتھ نہیں رہنے دیا جائے گا، انتہائی تکلیف دہ اور ظالمانہ حرکت ہے، اور یہ پوچھنے والے کی خطرناک اور اذیت بخش کم نظری کو ظاہر کرتا ہے۔ تو شاید تم اس طرح سوالات کر کے ہ اس رشتے کو بار بار زخمی نہیں کرو گی جس میں اب ناسور سا ہو گیا ہے کہ ایک انسان اور ایک دوست کی حیثیت سے انسان کے اندر یہی لچک ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست کی اس قدر آزادی کو برقرار رکھتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے اور یہ تم نہیں کر پاتی ہو۔ اور یہیں تمہاری وہ شخصیت جو بیوی کی ہے اور وہ شخصیت جو دوست کی ہے ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور تم کبھی بھی دوست کے اس مقام کو نہیں پہنچ پاتیں جہاں وہ دوسرے کی تنہائی کا احترام کرتے ہیں۔ اور اس بات کا پورا پورا اطلاق اس وقت ہو رہا ہے کہ یہ درد جس سے میں گزر رہا ہوں وہ ذاتی قسم کا درد ہے جو کسی عورت کو تب ہوتا ہے جب وہ ایک عورت ہونے کی وجہ سے اپنے ایام ماہواری میں گزرتی ہے یا جب وہ کسی بچے کو اپنے پیٹ میں پال رہی ہوتی ہے کہ جس کو اس کا شوہر بانٹ نہیں سکتا لیکن اس کو شفقت دے سکتا ہے اور محض اس کے درد کو محسوس کر کے اور اس کی صورت حال کا احترام کر کے ہی اپنی مردانگی کی عظمت کو بڑھا سکتا ہے، اور یہ مثال میں نے اس لیے دی ہے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح سارے انسان یوں یکساں نہیں پیدا ہوئے ہیں کہ ان میں کوئی مرد ہے تو کوئی عورت اسی طرح سارے لوگ بھی یوں یکساں پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ کچھ انسانوں کے دلوں میں وہ نرمی اور بے چینی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں سے مختلف اور تنہا ہوتے ہیں، لیکن تم اس بات کو پوری طرح محسوس نہیں کرتیں اور تمہاری اس ساری نادانی کی جڑ صرف اتنی سی بات ہے کہ تم محض اس دنیا میں رہتی ہو جس کو جانا جا سکتا ہے اور انہیں باتوں کو مانتی ہو جن کا وجود ہو چکا ہے لیکن اس بات سے واقف نہیں ہو کہ ہر لمحہ بہت کچھ نیا ہوتا رہتا ہے اور جس وقت وہ ہوتا رہتا ہے اور اپنے نمود کے ابتدائی مرحلوں میں ہوتا ہے اس وقت ان کی صورت اور ان کی اہمیت واضح نہیں ہوتی لیکن انکی اہمیت کے واضح نہیں ہونے کے باوجود ان کو اہمیت دینا اور ان کے لیے اپنی زندگی میں مقام پیدا کرنا اور اگر ضرورت ہو تو ان کے لیے ٹھوس شکل میں کچھ چیزوں کو صرف کرنا ضروری ہوتا ہے اور

یہ بات بھی ایسا تجربہ ہے جس کو بہت وضاحت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اس کا ٹھوس شکل میں اظہار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا کیوں ضروری ہے کہ یہ بھی محض ایک باریک احساس ہوتا ہے۔ اور اپنے ابتدائی مرحلہ میں انسان اسے فلسفے کی طرح مضبوطی سے لے کر نہیں چل سکتا بلکہ محض خلوص کی قوت سے اس کی حفاظت کی جا سکتی ہے اور اس کی قدر و قیمت کے ثبوت میں انسان اس کے تئیں اپنے مثبت رویئے کے ہونے کو بذات خود ہی اس کے حقیقی ہونے کا ثبوت مان کر چلتا ہے۔ اور اس کی جڑیں انسان کے اپنے ذاتی تخلیقی تجربات میں ہوتی ہیں مثلاً میں ان کی قدر و قیمت کو اس لیے تسلیم کرتا ہوں کہ جتنی اہم باتیں میری زندگی میں ہوئیں ہیں ان کی بنیاد وہ چیزیں تھی جو میرے دل میں محض ایک دباؤ کی شکل میں پیدا ہوئیں اور وہی دباؤ مجھے کچھ مخصوص روّیے پر چلاتا رہا اور اس پر چلنے کی قوت بھی عطا کرتا رہا اور جب میں اس کے لیے ذہنی اور جذباتی طور پر بالکل تیار ہو گیا تو وہ چیز نمودار ہوئی، اور الفاظ اور شکل کا جامہ پہن کر سامنے آئی۔ اور مجھے اتنی بڑی چیز دے گئی کہ جس کی حقیقت تمام حقیقتوں سے زیادہ روشن ہے۔ لیکن ان چیزوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان رویوں نے جن کا وہ تقاضا کرتی تھی، مجھے بڑے بڑے امتحان میں ڈالا اور دیکھا کہ میں ان پر بھروسہ کرتے ہوئے ان چیزوں کو جھٹلا سکتا ہوں یا نہیں جس کو سب مانتے ہیں اور ان چیزوں سے انکار کر سکتا ہوں یا نہیں جو ان چیزوں کے جھٹلانے سے اور ان باتوں کے انکار کرنے کے بعد سوسائٹی کھڑا کرتی ہے اور یہاں میرے اپنے اس بھروسے کا امتحان ہونے لگتا ہے جو میرے دل کے اس دباؤ پر ہوتا ہے، لیکن میں اس امتحان میں ہمیشہ ہی کامیاب رہا اور اب ہمیشہ ہی کامیاب رہونگا اور یہ حقیقت ہے کہ میرے نزدیک اپنے دل کی طرف سے آنے والی چیزیں دنیا کی تمام باہری چیزوں سے زیادہ سچی ہیں۔ یہ وہ روش ہے جس کو تم خود غرضی کہتی ہو کہ وہ چیزیں میرے دل کی طرف سے آتی ہیں اور اگر میں باہر سے آتی ہوئی کسی چیز کو قبول کر لوں تو تم اس چیز کو خود غرضی نہیں کہو گی۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم میری ذات کے نمایاں ہونے کے اس روش کی مخالفت کرتی ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر میں تنہائی میں بیٹھا کچھ سوچ رہا ہوں اور میرا دھیان احساسات کے اس منظر میں ڈوب کر کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے جس سے میں اپنے طور پر کچھ حاصل کرتا ہوں تو اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں اس وقت مشغول ہوں تو تم یا سوسائٹی کا کوئی بھی اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرے گا کہ میں اس بات پر قادر ہوتے ہوئے بھی کہ اپنی اس فکری

یا خوساختہ مشغولیت کو چھوڑ سکتا ہوں، اس شخص کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ جب کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے میرے محکمہ کے ایک اعلیٰ افسر نے بلا رکھا ہے یا کوئی کام دے رکھا ہے یا میں اپنی سرکاری ڈیوٹی کے تحت یا اپنے کسی اہم گھریلو ضرورت کے تحت مشغول ہوں تو مجھے اس کے لئے معذرت دے دی جائے گی — یہ ہمارے سماج کے اس تنگ نظر اور غیر زندہ رویہ کی عکاسی کرتا ہے کہ ہم انسان کی اس حیثیت کو تو مانتے ہیں کہ وہ ظاہری قوتوں کے زیر اختیار اور زیر سایہ ہیں، اور ہماری وہ حیثیت کسی پر ناگوار نہیں گزرتی لیکن جب ان تمام باتوں سے الگ ہماری شخصیت ابھرتی ہے تو اس کو خود پھلنے پھولنے کیلئے جو آزادی عمل چاہئے اس کا کوئی احترام نہیں کرتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی اور دوسروں کی غلامی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں لیکن آزادی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر ہمارے ذریعے ظاہر ہونے والی باہری قوتیں کسی کے سامنے آتی ہیں تو اس کو ماننے سے ہم انکار کرتے ہیں اور اپنے کو اس قوت سے بڑا سمجھتے ہیں جو قوت ہمارے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم باہری قوت کی عظمت اور شکوہ کو دنیا کی تمام وسعتوں میں پھیلی ہوئی صاف صاف دیکھتے ہیں، اور تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اپنے اندر کی قوتوں کو گوشت کے ایک چھوٹے سے لوتھڑے میں ابھرنے والے ہلکے سے جذبات سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہم ہر تخلیقی مادہ اور قوت کی طرح اس تخلیقی صلاحیت کو بھی حقیر، اور گندہ، گھناؤنا اور نا قابلِ قبول اور ناپسندیدہ مانتے ہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر نئی تخلیق ایک بے چینی، ایک ہنگامہ، ایک درد، ایک تیز بو، اور ایک غیر عمومی حالت کی پیداوار ہوتی ہے، اور ہر تخلیق ایک حسن، ایک سکون، اور ٹھہراؤ، رکھتی ہے بلکہ وہ تخلیق ہے ہی سکون اور ٹھہراؤ، اور حسن اور اس بے چینی سے نجات کا اظہار اور اس کی اگلی شکل — کوئی بھی انکار، کوئی بھی بغاوت، جنسی عمل، انسانی حیض، بچّے کی پیدائش کا عمل، انسانی منی، پودوں کی جڑ میں ڈال دی جانے والی کھاد — آوارگی، شاعر اور آرٹسٹ کی تنہائی — وہ کون سی چیز ہے جس کو انسان نے خوش آمدید کہا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ میں اس وقت اسی غلیظ عمل اور ماحول سے گزر رہا ہوں۔ اور پر سکون صورت حال میں رہ رہا ہوں، میری اس صورت حال کی تیز بو، اور غیر عمومی حرکتوں اور باتوں کو پسندیدہ نظر سے دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس وقت بالکل مختلف ہو گیا ہوں لیکن وہ پاگل پن جو تنہائیوں میں ان چیزوں کو چومنے اور اس قسم کے جذباتی کیفیتوں میں دکھائی دینے کو عمومی بنا دیتی ہے اور جو انسان سے اس کے روزمرہ کے نارمل حالات میں نہیں کراتی وہ غیر معمولی پاگل پن اگر مجھ سے کچھ کروا رہی ہے، تو میں کروں گا، کہ یہ پاگل پن جب تک اطمینان کی منزل کو نہ چھولے مجھے خود ناساز بنا کر رکھے گی۔ اور اگر میں یہ باتیں پوشیدہ طور پر کرتا ہوں تو اس میں رازداری کا مجھے پورا پورا حق ہے کہ یہ میری پردہ داری میرے اندر کے تخلیقی انسان کا حق ہے۔ اور وہ اپنا حق مانگتا ہے کیونکہ وہ جس طرح اپنے اعمال کے دوران ظاہر ہونا چاہتا ہے اس کے لیے اسے ایک مخصوص فضا، اور تنہائی اور عدم مداخلت کی یقین دہانی چاہئے اور تمہاری یہ مانگ کہ وہ سب کچھ تمہارے سامنے ہو، اور تم کو اسے جاننے دیا جائے یہ ایک غیر فطری اور مضر مانگ ہے اور اس میں خواہ مخواہ جھانکنا ایک نازیبا بے پردگی ہے۔ اور اگر کوئی اس عمل سے آشنا ہونا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ خود اس عمل سے گزرے، اور اس کا تجربہ کرلے۔'

'تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری حرکتوں میں جھانکنے کی کوشش نہ کروں؟ یا وہیں تک جھانکنے کی کوشش کروں جہاں تک تم اجازت دیتے ہو؟ اور اس کے آگے تم جو چاہو کرتے رہو۔ اور تم اپنے ان تخلیقی تجربوں میں کہاں تک جا سکتے ہو اس کی کوئی سرحد بھی مقرر نہیں ہے کہ اس سے تم خود واقف نہیں ہو۔ اور تم فطرت کی چھپی ہوئی آندھیوں کے رحم و کرم پر ہو، اور وہ آندھیاں کسی کے امن چین کا بھی قطعی احترام اور لحاظ نہیں کرتیں۔ تو کبھی وہ آندھیاں تمہیں کسی لڑکی کے عشق کے طلسم میں باندھ کر اڑائے پھریں گی اور میں خاموش رہوں! اور تم ان تخلیقی تجربوں میں اس قدر غرق ہو جاؤ کہ مجھے بھولنے لگو، اور میری زندگی میں تنہائیاں بولنے لگیں اور میں خاموش رہوں! اور کبھی وہ تخلیقی تجربے دبے قدموں چلتے ہوئے میرے گھر میں آ جائیں، اور یہیں عشق کی سرگرمیاں شروع ہو جائیں، اور تمہاری معشوق ان آئینوں میں اپنی صورت دیکھ دیکھ کر اپنے کو سنوارے اور اپنے قوت حسن کو مجھے ناکام کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے اور مجھے اپنے حسن کا بیرومیٹر بنا کر اپنے کو ناپنے لگے اور اپنے حسن کی چمک دمک کا جائزہ لے اور میں خاموش رہوں! اور پھر مجھے تمہارے تخلیقی تجربوں کے لیے اس گھر کو خالی کرنا پڑے اور میں خاموش رہوں! کیا تمہاری رائے میں اس دنیا میں صرف تخلیقی کارروائیاں ضروری ہیں اور وہ غیر تخلیقی سکون جو اس تخلیق کا حاصل ہے اور جو خود بے شمار تخلیقی اعمال اور کرب کے بعد وجود میں آتا ہے وہ بے قدر ہے؟ کیا مجھے اپنے مسائل کو، اپنے نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے؟ کیا مجھے اپنے گھر کے تحفظ کے لیے چوکنا نہیں رہنا چاہیئے؟ ساوتری نے ٹھوس لہجے میں کہا اور اس کے سوال کی

سنجیدگی اس کے پورے چہرے سے جھلک رہی تھی۔لیکن اس سنجیدگی میں یک طرفہ طوفانی بہاؤ نمایاں تھا۔الوک نے محسوس کیا کہ وہ اپنی منطق مبالغہ آمیز استدلال سے پیدا کر رہی ہے اور اس قسم کی مدافعت جارحانہ تھی لیکن اسے اس تجربہ میں بھی ایک مخصوص خوبصورتی کا احساس ہوا اور اس کے لہجہ میں استدلالی انداز کے بجائے ایک اعتماد پیدا ہو گیا۔ اس نے ایک مخصوص منصفانہ انداز میں کہا۔'تمہیں اپنے گھر کی حفاظت کرنی چاہیئے۔'

'لیکن یہ تو خود تمہاری اپنی ہی باتوں کی تردید ہوئی۔'

'نہیں' کوئی تردید نہیں۔ یہ زندگی اور اس کے حالات اوپر نیچے، آگے پیچھے جھولتے رہتے ہیں۔ ہمیں اس مسلسل قائم رہنے والی صورت حال کو جاننا چاہئے اور اسے پریشان ہو کر دیکھنے کے بجائے دلچسپی اور انہماک سے دیکھنا چاہئے۔ اگر تم دیکھو اور جھانکو لیکن اس طرح کہ پتہ نہیں لگے تو اس سے زیادہ خوبصورت بات کیا ہو سکتی ہے، وہ ہنس پڑا۔ اور اسے لگا کہ ماحول کی ساری کثافت اس ہنسی کے جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ ساوتری بھی مسکرا دی اور اس کی مسکراہٹ کا چشمہ اس کثافت کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو بہا لے گیا۔'زندگی واقعی بہت خوبصورت ہے نا!' اس نے خوش ہوتے ہوئے اس معصومیت سے الوک سے کہا جیسے وہ اس کی بے حد قریبی دوست ہو۔ الوک نے دیکھا، ساوتری کی لانبی پلکوں کے نیچے اس کی گہری سیاہ آنکھیں پر سکون شادابی میں تر تھیں۔

☆☆

۲۹

میں اشوک کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس کو سمجھنا چاہتی ہوں۔ اور میں آج اس کو بدل کر ہی آؤں گی۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اس کے پیچھے اس کی سوچ اور شخصیت کی بنیادیں کیا ہیں؟ میں ان بنیادوں کی قوت کو توڑ کر آؤنگی۔ آج یا تو وہ بدل جائے گا یا اس کے اندر کی وہ باتیں میری سمجھ میں آ جائیں گی جو اس سے یہ سب کچھ کرا رہی ہیں۔ وہ منطق میری سمجھ میں آ جائے گی جسے میں ابھی تک سمجھ نہیں پائی ہوں کہ وہ کمار کی مدد کیوں کر رہا ہے اور اس کی اتنی گہری دلچسپی کیا ہے کہ وہ اس قسم کے طریقے کار بھی استعمال کر رہا ہے۔' اس کا دھیان اشوک کی طرف تھا اور وہ بظاہر سونیا سے بات کر رہی تھی۔

سونیا نے نیرا کے چہرے پر جو گہری سنجیدگی دیکھی تو وہ یہ سمجھ گئی کہ اب نیرا کو جانے سے روکنے کی کوشش فضول ہوگی اس لیے کہ اب نیرا جو کچھ کہتی تھی وہ کرتی ہی جاتی تھی۔ اور کچھ کہنے سے پہلے دراصل وہ اس قدر گہرائی سے اس پر سوچ چکی ہوتی تھی اور جو کچھ کرنے جا رہی ہو تو اس کا اس کے معاملات میں اتنا اہم رول ہوتا تھا کہ اس کو ہلکے پھلکے دلیلوں سے روکنا ممکن نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور اس سے اس موضوع پر بحث کرنے سے ہمیشہ ہی اس کے ارادوں کے پیچھے اتنی مربوط اور گہری منطق ابھرتی کہ وہ اس کے پورے معاملات کا ایک اٹوٹ حصہ بن چکا ہوتا تھا بلکہ اس بات کی ضرورت اتنی اہم اور روشن ہوتی کہ اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ سونیا کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نیرا اب اس قدر قوی اور پر اعتماد ہو گئی ہے کہ وہ جارحیت پسند ہونے لگی ہے۔ اور وہ اشوک سے مل کر بات کرنے اس لیے جا رہی ہے کہ وہ اس بات کو مزید برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی

ایسا بھی ہوسکتا ہے جس کی زندگی کے فلسفے کو جڑ سے ہلا کر اس کے اندر زلزلہ پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو۔ اور اگر وہ یہ مان لیتی کہ ایسا کوئی شخص ہوسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انسانوں کو بھی اتنی گہرائی سے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی جتنی اس کے جیسے انسانوں میں ہونی چاہیے جو اپنے لیے اس قدر نئی راہوں کا انتخاب کرتے ہوں کہ اس راہ پر چلنے کے لیے موجودہ سماج کی ایک ایک چیز کو اسی کے اپنے محور پر کچھ نہ کچھ گھمانا لازمی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ یہاں اشوک کو بدلنے کی خواہش اس لحاظ سے تو بچکانہ تھی کہ کوئی نیرا جیسا مظلوم آدمی اس سے جا کر رحم طلب کرے اور یہ سوچے کہ اس کا وہ دل پسیج جائے گا یا اس کو جا کر انصاف اور سچائی کی دہائی دے اور یہ سوچ لے کہ اس کا وہ دل پسیج جائیگا جو پیسہ کمانے کی دنیا میں رہتے رہتے اس قدر پختہ ہوگیا ہے کہ اس کی بے رحمی نے بھی اداروں کی شکل اختیار کرلی ہے۔ لیکن نیرا کو محسوس ہوتا تھا کہ وہ ان جڑوں تک پہنچ گئی ہے جہاں سے کسی بھی انسان کے اندر سے اس کی شخصیت کے پودے اُگتے ہیں۔ اور جن بنیادوں پر شخصیت کی عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں۔ اور جن بنیادوں پر وہ قائم رہتی ہیں۔ اور اس نے پہلی بار مسلسل تجربہ کرکے دیکھا تھا کہ وہ دراصل ان گہرائیوں تک اتر گئی ہے جہاں سے انسان کی قسمتیں طے ہوتی ہیں۔ اور جہاں انسان کی اس تمام بصیرت کی آنکھ ہوتی ہے جو اعتماد اور یقین عطا کرتی ہے اور انسان کو اپنے اس جہاں میں پیدا ہونے کے معنی کے پورا ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور جہاں اس کی ان تخلیقی کاوشوں کی تسکین ہوتی ہے جن کے لیے وہ دنیا میں کچھ بھی اور سب کچھ کرنے کی تیار ہوجاتا ہے، اور جہاں سے وہ اپنی شخصیت، اپنے ماحول اور اپنی اس دنیا کی ہر چیز پر نگاہ ڈالتا ہے اور اس پر اثبات اور نفی کے مہر لگاتا ہے۔

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد جب کاروباری دنیا میں بھی لوگ تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتے ہیں، نیرا اشوک کے دفتر میں پہنچی اور جب وہاں کے ملازمین سے پوچھا کہ اشوک موجود ہے تو انہوں نے جواب دینے سے پہلے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں سے آئی ہے۔

'وہ موجود ہیں یا نہیں اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ میں کہاں سے آئی ہوں، یہ تو آپ بعد میں بھی پوچھ سکتے ہیں؟'

اشوک کے منشی نے تعجب کی نگاہ سے نیرا کو غور سے دیکھا اور سوچا کہ شاید یہ ان

لوگوں میں سے کوئی ہے جس کے بارے میں اشوک تفصیل سے کبھی نہیں بتاتا تھا، اور فوراً اسے کرسی پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کرکے اندر گیا، اور پھر لوٹ کر آیا تو نیرا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے ساتھ گئی۔

'جائیے' منشی نے دروازہ کھولتے ہوئے نیرا کو اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی اس کی نگاہ اشوک پر پڑی۔ اس نے دیکھتے ہی نیرا کو پہچان لیا۔

'نمسکار جی' تشریف رکھیے' وہ خاکساری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرا مسکرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں اور تھوڑی پر گہری تجسس کی پرچھائیاں تھیں۔ اس نے فوراً گھنٹی بجائی اور جب نوکر آیا تو اس سے ٹھنڈا لانے کے لئے کہا۔ پھر اپنے سامنے پھیلے ہوئے کچھ کاغذات اس نے ایک طرف کئے اور سامنے ٹیبل پر ذرا جھک کر اس سے مخاطب ہوا۔ اس لمحہ نیرا اسے بہت غور اور اعتماد سے دیکھ رہی تھی۔ اشوک نے نیرا کے سر کے بال، چہرے اور پھر اس کے ہاتھوں اور سینے اور کمر اور پھر اس کے کولہوں اور جانگھ پر ایک تیز پھسلتی ہوئی نگاہ ڈالی اور ایک لمحہ کے لئے گہری سوچ میں ڈوب کر اس سے کچھ کہنا چاہا جیسے بہت تول کر اور مناسب الفاظ کے انتخاب کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کو اس لمحے یہ بھی طے کرنا ہو کہ اسے نیرا سے کس طرح بات کرنی ہے۔ ان تمام لمحوں کے دوران نیرا اس کو غور سے دیکھتی رہی اور اسے محسوس ہوا کہ گو کہ اس نے اس کے پورے جسمانی حسن کا محاسبہ کیا تھا لیکن اس کے پیچھے ایک انتہائی گہرائی سے سوچتی ہوئی نگاہ تھی، جو جہاں ایک طرف اس کی جسمانی کشش کو تول رہی تھی، وہیں اس نگاہ میں پیچھے ایک دماغ تھا جو پورے معاملات کو اپنے پس منظر میں لیے ہوئے، یہ سوچ رہا تھا کہ وہ وہاں کیوں آئی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ اور یہ بات اشوک کے چہرے کی کشمکش اور اس کے انداز میں آئے ہوئے ٹھہراؤ سے صاف ظاہر تھا۔ اور وہ صاف دیکھ رہی تھی کہ اس کے باوجود کہ وہ ایک لڑکی ہے اور اشوک کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ وہ پریشان حال لڑکی ہے اس کے باوجود وہ اسے غیر اہم نہیں سمجھ رہا ہے بلکہ اس کے تئیں انتہائی محتاط ہے۔ اور اس سے نیرا نے فوراً یہ نتیجہ اخذ کیا کہ گو کہ یہ وہی اشوک ہے جس نے الوک کو ایک خوبصورت لڑکی پیش کرکے اس کو اپنے قابو میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن بنیادی طور پر جس تکنیک پر اس شخص کو بھروسہ ہے وہ محض لڑکی پیش کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ اس سے زیادہ بڑی صلاحیتوں کا مالک ہے اور اس کی قوت اس کی اس دوراندیشی میں پنہاں ہے

جو اس کی شخصیت سے اس وقت صاف صاف نمایاں ہو رہی تھی۔ اور نیرا نے محسوس کیا کہ اس شخص کے بارے میں وہ جو کچھ سوچ کر آئی تھی اس کے مقابلہ میں بہت آسانی سے بات کر سکتی ہے اور اس کو دوران گفتگو ان گہرائیوں تک لے جانا قدرے آسان ہوگا جن گہرائیوں میں کھڑی ہو کر وہ اشوک کو اس کی دنیا کے بارے میں از سرِ نو غور کرنے کے لیے بے بس کر دینا چاہتی تھی۔ اور اس کی جڑوں کو ہلا کر اس میں زلزلہ پیدا کرنا چاہتی تھی۔

اشوک کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ نیرا کے اندر کی وہ بات اس کی پکڑ میں نہیں آ رہی تھی جس کو پکڑ کر وہ لوگوں سے اپنی گفتگو شروع کرتا تھا اور لوگوں کی دلچسپی اور ان کے مفاد کی روشنی میں ہی باتیں کرتا تھا۔ وہ اسی راستے ان کو اپنی دنیا میں لے آتا تھا۔ اور پھر نیرا کے بارے میں بار بار اسے شک ہو رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مدد مانگنے نہیں آئی ہے اور کہیں صرف یہ پوچھنے تو نہیں آئی ہے کہ وہ اس کے خلاف کیوں ہے۔ اور وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح پہلے نیرا کے سامنے اپنی صفائی پیش کرے اور اس کا اعتماد حاصل کرے اور تب اس سے آگے باتیں کرے۔ اور اس اتار چڑھاؤ میں نیرا کو لگا کہ اشوک کی شخصیت کی موٹی موٹی دیواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹتی جا رہی تھیں۔ اور جیسے اس کی شخصیت اشوک کے اوپر ایک زبردست دباؤ ڈال رہی تھی اور اس احساس کے بڑھتے بڑھتے اسے ایک لمحہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ اشوک کی ان اندرونی دیواروں تک پہنچ چکی ہے جہاں اسے اب خود آگے بڑھ کر، جو کچھ بچا ہے اسے مسمار کر دینا چاہیئے۔ اور اس نے اشوک کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیدھا حملہ کیا۔

'آپ سوچ رہے ہونگے کہ میں کیوں آئی ہوں، اور آپ کو یہ سوال پریشان کر رہا ہے کہ آپ کو میرے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ میں محض آپ سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں، وہ کیوں کرتے ہیں۔ اور اس سے آپ کو کیا ملتا ہے۔ اور یہ بات میں ان حوالوں سے نہیں کر رہی ہوں کہ آپ کمار کی مدد کر رہے ہیں، کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ آپ مدد نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے پیشے کا حصہ ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ محض آپ کے پیشے کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ آپ کی زندگی اور شخصیت کا روپ بنا ہوا ہے کیونکہ آپ اسے اتنی وابستگی سے کر رہے ہیں کہ اس کو کرنے میں آپ کو ایک گہرا اندرونی اطمینان ملتا ہے اور احساسِ کامیابی ہوتا ہے۔ اور اس طرح آپ جو کچھ کر

رہے ہیں اس کی حیثیت وہی ہے جو حیثیت کسی عورت کے لئے اس کے اپنے خوبصورت زیورات اور لبھا دینے والی اداؤں کو ہوتی ہے جس کے اظہار میں اسے ایک عجیب قسم کی روحانی مسرت ہوتی ہے۔ ایک ایسی مسرت جو اس میں ایک پاگل پن کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اور وہ اس کے اثر سے سیراب ہونے لگتی ہے۔ اور اس وقت جب میں آپ کے سامنے آئی ہوں تو آپ کو یہی محسوس ہو رہا ہوگا کہ یہ آپ ہی کی ہمہ گیر شخصیت کے اثرات کا کرشمہ ہے کہ میں اس وقت آپ کے سامنے ہوں میں اس وقت آپ کے سامنے اس لیے آئی ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان یہ ایک گہرا رشتہ اپنی پوری شدت کے ساتھ قائم ہو چکا ہے کہ آپ ایک با اثر انسان ہیں اور میرے جیسے انسانوں کو آپ آسانی سے متاثر کر سکتے ہیں۔ اور میرے یہاں آنے کی وجہ بھی یہ اثر ہے جس کا میں اعتراف کرتی ہوں۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں آپ کی شخصیت کو براہِ راست دیکھ سکوں، اور یاد رکھ سکوں اور اس بات کو یہاں سے پوری طرح محسوس کر کے جاؤں کہ آپ کی شخصیت صرف تباہ کن زبان میں اپنا اظہار نہیں کرتی بلکہ اس کا تباہ کن ہونا اس کا محض وسیلہ ہے۔ مقصد نہیں۔ اور آپ کا اثر ایک دوسرا خوبصورت روپ بھی لے سکتا ہے کہ آپ یوں بھی کسی کی زندگی کا حصہ بن سکتے ہیں کہ آپ تپتی ہوئی دھوپ میں اس کے لیے ٹھنڈا بادل بن جائیں۔ آپ کی دنیا بہت بڑی ہے اور اس میں اتنی وسعتیں ہیں کہ اجالے اور تاریکیاں دونوں اس میں خود بخود نمودار ہو گئی ہیں۔ میں آپ کے پاس محض اس لیے آئی ہوں کہ آپ میری ذاتی صلاحیتوں کو دیکھیں۔ ان کا بغور جائزہ لیں اور اس کی نمو ترقی میں اگر ممکن ہو تو میری مدد کریں کہ آپ کی قوت کا اظہار محض مجھے مٹانے میں ہی تو نہیں ہو سکتا، میری کوششوں کے پودے میں تقویت بخش پانی ڈال کر بھی تو ہو سکتا ہے آپ کمار کے دوست ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے آپ کے کاروباری معاملات میں بھی تعلقات ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس کو کچھ یقین دہانیاں کرا رکھی ہوں اور آپ کو اپنے الفاظ اور وعدوں کی قدر کرنے کا پورا خیال ہو۔ لیکن آپ کے الفاظ اور وعدے اتنے بڑے تو نہیں ہو سکتے جتنی بڑی آپ کی وہ ہمہ گیر انتظامی نوعیت کی صلاحیتیں ہیں جو کئی سماجی اداروں اور کئی کاروباری مہمات میں پھیل کر ہزاروں انسانوں کی زندگی کے معاملات کو طے کرتی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ آپ کی نگاہ محض اس انتظامی اختیار پر جمی رہتی ہو۔ اور آپ ہر فیصلہ بے دھڑک اور بغیر کسی لذت کے اس کی روشنی میں کرتے ہوں تاکہ یہ

ادارے اور آپ کے اثرات اور پھیلیں۔ لیکن آپ کو خبر ہو یا نہ ہو لیکن یہ بھی تو اپنی جگہ ہوتا رہتا ہے کہ سیکڑوں لوگوں کی زندگیاں آپ کے اس پورے ذاتی نظام سے وابستہ ہو چکی ہیں اور طرح طرح سے ان کی اس طرح بھلائی ہوتی رہتی ہے کہ وہ آپ کو دل ہی دل میں اپنا کرم فرما اور اپنی تمام اُمیدوں کا مرکز مانتے ہیں۔ اور گو کہ بہت ممکن ہے کہ آپ اپنے انتظامی امور کے فیصلے کرتے وقت ان کے اس پہلو کو مدِ نظر نہیں بھی رکھتے ہوں اور ان کی مسرتوں کی مٹھاس کا آپ کو احساس تک نہ ہوتا ہو، اور آپ کے ایک ایک چھوٹے چھوٹے فیصلے سے ان کی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہوں، اجڑ جاتی ہوں اور آپ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس پر اس لیے دھیان نہیں دے پاتے ہوں کہ آپ کی کاروباری زندگی کی ڈسپلن میں اور اس فکری نظام میں جب میں آپ کاروبار کرتے ہیں اس قسم کے نرم گوشوں کی گنجائش نہ ہو۔ اور اس لیے آپ اس کو کوئی جگہ نہیں دے پاتے ہوں۔ لیکن آپ ان باتوں کے وجود کو تو تسلیم کرتے ہوں گے۔ اور کیا آپ نے محسوس کیا ہے کہ وہ سب آپ سے باہر نہیں ہوتے بلکہ آپ کے اندر شامل ہو چکے ہیں۔ اور آپ نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے کاروباری فیصلے اور آپ کے معاشی ادارے جن کو آپ محض دماغ سے دیکھتے ہیں وہ ایک زندہ جسم بن چکے ہیں اور ان کو خالص بے جان مشین سمجھنا محض ایک فریب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اب یہ آپ سے یہ تقاضا کرتی ہیں کہ جس دماغ کا استعمال کرتے ہوئے آپ نے اتنے بڑے نظام پیدا کیے ہیں اب اس دماغ کا استعمال کرتے ہوئے ان نئی ضرورتوں اور تقاضوں کو جو ہزاروں انسانی زندگیوں کے تقاضے بن گئے، آپ محسوس کریں اور اگر ان اداروں کو ایک نیا رخ اور چہرہ دینے کے لیے آپ کو دوبارہ اس ذہنی سوچ کے کرب اور آزمائشوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑے تو آپ کو گزرنا چاہیئے۔ اور یہ کرنے میں آپ جو دوبارہ اپنی اس چمکتی دمکتی دنیا کی تکمیل کو بے رس پا کر اس نئی اداسی میں رس پائیں گے وہ آپ کے لیے بڑا ہی گراں قدر ہوگا اور اگر آپ ایسا محسوس کر رہے ہوں کہ آپ نہیں کر پائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے اندر سے وہ قوت ختم ہو چکی ہے جو قوت ہر نئے چیلنج کی طرف اپنے اندر اعتماد کا دریا لیے ہوئے بڑھتی ہے۔ اور طوفانی قوت سے ہر فضا کو توڑ مروڑ کر خود اپنی من چاہی سمتوں میں آگے بڑھا کر لے جاتی ہے اور ان سمتوں میں اگر آپ موجودہ معاشی نظام کے اس تعطل کو توڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتے جہاں دوسرے بھی آکر بے جان ہو گئے ہیں تو اس سے یہ

معنی نکلتا ہے کہ یہ موجودہ نظام آپ کی قوت کے سرچشموں کو پوری طرح پی کر چاٹ گئی ہے، اور آپ اس وقت محض اس نظام کے ایک باعزت غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اپنے چمک دمک والے بھڑک دار لباس میں ہی آپ کی نگاہیں اُلجھ کر رہ گئی ہیں۔ لیکن آپ کے اندر اب اپنا اتنا بھی نہیں رہ گیا ہے کہ میں آپ کے پاس آئی ہوں کہ مجھے تباہ کرنے کے بجائے آپ مجھے زندگی میں آگے بڑھنے میں میری مدد کریں تو آپ کے پاس اتنی بھی مدد کرنے کی آزادی نہیں رہ گئی ہے کہ آپ اپنے کاروباری اصولوں کی کھینچی ہوئی ان لکیروں کو پار کر سکیں جن میں آپ قید ہو گئے ہیں۔ اور آپ میں اتنی بھی قوت نہیں کہ آپ اپنے چہرے کی اس چمک کی حفاظت کر سکیں جس پر تھوڑی دیر پہلے ایک مسکراہٹ ابھری تھی۔ اور آپ کو اتنی بھی آزادی نہیں کہ میرے یہاں سے جاتے وقت بھی آپ کے چہرے پر وہی مسکراہٹ ہو۔ اور وہ مسکراہٹ سچی ہو۔ اور میں اس کو سچی مان کر جا سکوں۔ اور یہاں سے نکلوں تو مجھے اس مسکراہٹ کی سچائی پر اتنا یقین ہو کہ میرا وہ سارا خوف، اندیشہ اور تناؤ، جو مجھے گھیرے ہوا ہے، وہ میرے دل و دماغ سے رفتہ رفتہ اڑ جائے اور اگر مجھے کچھ یاد رہے تو وہ اشوک یاد رہے جس کے چہرے پر ایک سچی مسکراہٹ ہو۔ اور جو مجھے یقین دلائے کہ اس کے اندر اتنی قوت ہے کہ وہ بغیر میری نسوانیت مانگے، بغیر میرا استحصال کیے ہوئے، بغیر مجھ سے کوئی لالچ رکھے ہوئے، محض میری زندگی کے خوبصورت خوابوں کی سیرابی کے لیے اور ان کو روشن دیکھنے کے لیے میرے لیے اپنی قوت کا استعمال کر سکتا ہے!

اور اشوک کو گفتگو ختم ہوتے ہی ایسا لگا جیسے وہ کسی ایسی چکی سے نکلا ہو جس میں وہ نیرا کی پوری گفتگو کے دوران مسلسل پستا رہا ہو، اور کچھ سے کچھ ہوتا چلا جا رہا ہو، اور جیسے اس کے دماغ سے جمے ہوئے بادل کے بادل اٹھتے چلے جا رہے ہوں، اور جیسے اس کے سامنے اس کی آنکھوں میں کمرہ کی ہر چیز زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی چلی جا رہی ہو، اور اب بھی گو کہ وہ چکی سے باہر نکل آیا تھا لیکن اس کا دماغ اسی طرح گھومتا چلا جا رہا ہو۔ اور اس نے نیرا پر نگاہیں جما دیں، اور اس کا دماغ گھومتا رہا۔ گھومتا رہا۔ اور ابھی گھوم ہی رہا تھا کہ نیرا نے دوبارہ اس کے گھومتے ہوئے دماغ کو آگے بڑھایا۔

"آپ نے میرے ایک کرم فرما الوک کو جو میری قوت بنتا جا رہا تھا، اسے مجھ سے چھیننے کے لیے اس کو شراب پلائی اور ایک نوجوان لڑکی پیش کی، اور اس کا ایک کیسٹ بنایا تا کہ

اس کے دباؤ میں آپ اس کو مجھ سے چھین لیں۔ آپ کے اشارے پر شاید میرے اوپر عدالت میں مقدمے پر مقدمے ہوئے، آپ کے اثرات اتنے ہولناک ہیں کہ کوئی بھی شخص جو آپ کے اثر میں ہے آپ کی مرضی کے خلاف زبان نہیں کھول سکتا۔ پورے شہر میں آپ کے اثرات پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ شراب اور لڑکی، اور پیسے اور تحفظ کی قوت سے بڑی بڑی ہستیوں کو گڑیوں کی طرح نچاتے ہیں، آپ خوبصورت سے خوبصورت لڑکیوں سے خود ان کے ہاتھوں سینکڑوں تماشہ بینوں کے سامنے کپڑے اتروا کر ان سے رقص کرواتے ہیں، آپ مرسیڈیز کار میں چلتے ہیں اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ہر شخص آپ کی بندگی کو حاضر رہتا ہے۔ آپ ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں اور غیر ممالک کے خوبصورت اور ماڈرن شہروں کو اپنا آنگن سمجھتے ہیں، آپ کو اس شہر کے سیاسی اور معاشی معاملات پر اٹوٹ گرفت ہے، اور آپ ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگی کو متاثر کرنے والے پروجیکٹس کی تقدیر لکھتے ہیں۔ آپ یہ سب کچھ محسوس کرتے ہیں اور آپ کے دل میں جو انگڑائیاں اٹھتی ہیں، آپ کے چہرے کی بشاشت اس کی پیداوار ہے۔ لیکن میں اب جا رہی ہوں اور صرف اتنا بتاتی جا رہی ہوں کہ کل سے جب بھی میری تباہی کا سماں آپ کے یاد آئے گا تو آپ کی وہ بشاشت ماند پڑ جائے گی۔ آپ کی مسکراہٹ میں ایک دراڑ پڑ جائے گی۔ اور اگر میں تباہ ہو گئی تو میری زندگی کا ایک ایک زخم آپ کی یادوں میں مواد بن بن کر نکلے گا۔ اور آپ کو پھر یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے گی کہ آپکے اندر صرف کامیابیوں کو دیکھنے کی صلاحیت ہے۔ آپ جو کچھ بناتے ہیں اس کو دیکھنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن جو کچھ بگڑتا ہے، جو کچھ تباہ ہوتا ہے آپ کی وجہ سے، اسے آپ نہیں دیکھ پاتے۔ حالانکہ وہ بھی آپ ہی کی شخصیت کا اظہار ہیں۔ اگر آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو آپ کو دونوں پہلو صاف صاف دکھائی دیتے لیکن آپ محض ان خوفزدہ نگاہوں والے سماجی افراد کے آئینہ میں اپنے کو دیکھتے ہیں جن کے ذہن پر کامیابی، کامیابی، کا بھوت چھایا ہوا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کی کامیابیوں پر تالیاں بجاتے ہیں اور آپ کے قدم چومتے ہیں۔ جو زندگی کی مشکلات سے خوفزدہ ہیں، اور ہر کامیاب انسان کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کسے اپنا ہیرو سمجھتے ہیں؟ آپ کس کے لیے تالیاں بجاتے ہیں؟ کہاں ہے آپ کی رائے؟ کیا آپ بھی اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتے ہیں؟ اگر دیکھتے ہیں تو ان کو کیوں نہیں دیکھتے جنہوں نے اس دنیا میں بھلائیوں کے بیج بوئے اور

برائیوں کو اپنی ذہنی اور فوجی اور تخلیقی قوتوں سے کچل دیا اگر آپ اس دنیا کو صاف ستھرا نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ آپ صرف ان کی تالیوں کو کیوں قبول کرتے ہیں جو دل برداشتہ اور زندگی سے خوفزدہ ہیں۔ آپ ان کی تالیوں کو کیوں نہیں دیکھتے، ان کی آوازوں کو کیوں نہیں سنتے جو تالیاں بہت چھوٹے ہاتھوں سے بج رہی ہیں لیکن جو آپ کی تعمیری صلاحیتوں کو دیکھ کر بجتی ہیں آپ اس وقت تک اپنی زندگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کے اس اطمینان کی لذت حاصل نہیں کر سکتے جب تک آپ کو چاروں طرف سے تالیاں سنائی نہ دیں۔ کیا بگاڑا ہے ان لوگوں نے جو آپ کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں؟ یہ اور کچھ نہیں یہ آپ کی بصیرت کی کوتاہ نظری ہے۔ ہر چند کہ آپ سمجھتے ہوں کہ آپ مکمل ہو چکے ہیں لیکن آپ ابھی مکمل نہیں ہیں۔ ابھی آپ کا چہرہ ادھورا ہے۔ سورج محض پہاڑوں کو دھوپ نہیں دیتا۔ چھوٹی چھوٹی گھاس کی پتیاں بھی اس کی کرنوں کا انتظار کرتی ہیں۔ وہ صرف دن میں روشنی نہیں دیتا وہ ان کے اوپر بھی چاندنی بکھیرتا ہے جو اس کے سامنے نہیں ہوتے۔ آپ کے پاس اتنی کرنیں نہیں ہیں۔ یا آپ کی کرنیں وہاں پہنچ نہیں پاتیں؟؟

اشوک کو ایسا اختلاج قلب ہونے لگا کہ اسے لگا کہ اس کو ابکی آ جائے گی۔ اس کو لگا کہ اس کے اندر بہت سارا ایسا مواد جمع ہے جو اس کی طبیعت کو اندر سے مکدر کر رہا ہے اور نیرا نے دیکھا کہ اشوک اس کی باتوں میں پوری طرح پس چکا ہے۔ وہ مزید اسے اذیت دینا نہیں چاہتی تھی اور فوراً اسے اس صورت حال سے کھینچ کر، اس کے اندر عمل کی وہ کرن ڈالنا چاہتی تھی جس سے نئی سمتوں کی راہیں روشن ہوتی ہیں اور شخصیتیں نئی راہوں پر چل پڑتی ہیں۔ اس نے اشوک کو مخاطب کیا جیسے وہ اس براہ راست توجہ چاہتی ہو۔

اشوک جی! میں آپ کے ساتھ ہوں، آپ اندھیروں کے اجالے سے نکل کر جس اندھیرے میں داخل ہوئے ہیں وہاں گھبرائیے نہیں۔ وہاں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سے مدد مانگنے نہیں آئی تھی۔ میں تو محض آپ سے لڑنے آئی تھی۔ میں تو محض آپ سے کہنے آئی تھی کہ آپ صرف اپنی تاریکیوں پر کیوں قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ آپ کے یہاں روشنیوں کی بھی بڑی گنجائش ہے۔ آپ ان انجان وادیوں سے، جن سے آپ کو بہت الجھنا پڑے گا، گھبرائیے نہیں۔ آپ محض مجھے اور میری باتوں کو یاد رکھیے، جھاڑیاں خود بخود صاف ہوتی

چلی جائیں گی۔ اور راہیں بنتی چلی جائیں گی، میں اب انتظار کروں گی اور جائزہ لیتی رہوں گی، اس سفر کا جدھر آپ بڑھیں گے، اور مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ مجھے ایسا لگے گا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ نہیں کر رہے ہیں بلکہ میں کر رہی ہوں۔ اور یقین مانئے کہ آج کے بعد آپ جو کچھ کریں گے اس کی اچھائیوں اور بُرائیوں، دونوں کے بارے میں محسوس کروں گی کہ وہ آپ نہیں کر رہے ہیں بلکہ میں خود کر رہی ہوں کہ اگر کوئی چیز بری ہے اور ختم نہیں ہوئی تو میں یہ سمجھوں گی کہ میرے اندر خود وہ کمزوری بستی ہے جس کی وجہ سے وہ بُرائیاں ٹوٹتی نہیں، اور اسے میں اپنی بصیرت کی کمزوری سمجھوں گی۔ اور میں تو اس وقت تک چین کی سانس نہیں لوں گی جب تک میں ان کمزوریوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر انہیں صاف اور روشن نہ کر لوں کہ یہ کمزوریاں تو اب اعتماد کی راہ میں پڑی ہوئی گندگی کی طرح بچھی رہیں گی۔ آپ یقین جانئے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میری پوری سوچ انہیں باتوں پر مرکوز ہو گی اور اس وقت تک مرکوز رہے گی جب تک میں ان گتھیوں کو کھول کھول کر اپنے دل کے تناؤ کو ختم نہ کر لوں کہ یہ تناؤ آپ کا نہیں میرا ہے۔ اور میری لڑائی اب آپ سے نہیں ان سے ہے—— مجھے بے حد خوشی ہے کہ آپ سے گفتگو کرنے میں مَیں کامیاب ہو گئی۔ اور میں جانتی ہوں کہ اب آج سے آپ وہ نہیں رہیں گے جواب تک تھے آپ غور کیجئے گا، آپ کے اندر ایک نیا اشوک پیدا ہو چکا ہے، جو اب واپس اپنے اس کاروباری دنیا میں نہیں جا سکتا۔ جو اسے محض اپنا سایہ سمجھتا ہے کہ آپ واپس اسی میں جائیں گے اور سب کچھ اسی طرح کریں گے جیسے کرتے ہیں، اور آپ ویسے ہی دکھائی دیں گے جیسے دے رہے ہیں لیکن سورج جب آہستہ آہستہ اپنی جگہ بدلتا ہے تو زمین پر موسم بدل جاتے ہیں۔ کچھ اس طرح کی سورج وہی رہتا ہے اور زمین وہی رہتی ہے لیکن دنیا کی ہر چیز اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔ پیڑوں کا روپ بدل جاتا ہے۔ انسانوں کا موڈ بدل جاتا ہے۔

تو اب میں چلتی ہوں، کہ شاید آپ مجھ سے کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ جب آپ ہوش میں آ جائیں تو مجھے خبر بھیجئے گا، میں پھر آ ؤں گی۔ وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور گلاس میں رکھا ہوا ٹھنڈا ایک سانس میں پی گئی۔ واقعی اشوک اپنے اندر اتنی قوت بھی نہیں محسوس کر رہا تھا کہ وہ نیرا کو روکے، اُسے لگ رہا تھا کہ کوئی چیز اس کے جسم کی ساری قوت کھا گئی تھی، اور وہ یکا یک ہی تھک گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا تو نیرا جا چکی تھی، اس کا دفتر وہیں کا وہیں تھا۔ اس نے وہ کاغذات

جو ایک طرف رکھ دیئے تھے، سامنے کھینچے اور ان پر دوبارہ کام کرنے لگا۔ نیرا کی باتیں بادلوں کی طرح اس کے اندر سما کر کہیں غائب ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بالکل نارمل ہو چکا تھا۔ وہ بالکل کھلے حواس کے ساتھ ٹیبل پر بیٹھا کام کرنے لگا لیکن اسے لگ رہا تھا کہ اس کے بہت اندر کچھ بہت وسعت لیے ہوئے بیدار ہو گیا ہے۔ چمکتے ہوئے بادل کے ٹکڑوں کی طرح۔ دیوار پر اس کی ایک اپنی ہی بڑی سی پلاسٹک کوٹڈ تصویر لگی تھی۔ وہ اسے از سر نو غور سے دیکھنے لگا اور دیر تک دیکھتا رہا۔

☆☆

۳۰

نیرا کو اس بڑے آدمی کی یاد آئی جس کے یہاں جاتے جاتے وہ تھک گئی تھی اور آخرکار وہاں اس آدمی کے اور اس کے بیچ ایسی دیواریں کھڑی ہو گئیں تھیں کہ وہ نا اُمید ہو کر چلی آئی تھی اور پھر وہاں جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور اس سبزی فروش کی بھی یاد آئی جہاں اس نے دوبارہ جانے کا ارادہ اس لیے ترک کر دیا تھا کہ وہاں سے آگے کا راستہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور ایسی راہوں پر چلتے چلتے وہ پہلے ہی کافی دل شکستہ ہو چکی تھی۔ اور آخرکار اس نے اپنی زندگی میں کچھ مضبوطی پیدا کرنے کیلئے خود سے حاصل کی ہوئی ٹھوس چیزوں کو جمع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس نے محسوس کیا کہ آج اسے کچھ فرصت سی بھی تھی اور کچھ موڈ بھی ایسا ہو رہا تھا کہ اب وہ آگے بڑھ کر اپنی زندگی کی تگ ودو میں سامنے آئی ہوئی ان چیزوں کو بھی واضح کرے جن کی شکلیں ادھوری رہ گئیں تھیں، اور جو دھند اور کنفیوژن میں ڈوبی ہوئی تھیں اور دوسرے دن وہ پھر اسی کوٹھی پر پہنچی۔ ابھی وہ گیٹ کے باہر ہی تھی کہ اس کی نگاہ کوٹھی کے لان میں کسی کے آگے چائے رکھتے ہوئے اس باورچی پر پڑی جس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا اور پھر اسے فوراً یاد آیا کہ یہ وہی آدمی تھا جو سبزی فروش کے یہاں ملا تھا۔ وہ آگے گیٹ کے اندر گئی تو دیکھا بھیڑ کا وہی عالم تھا اور ملاقاتیوں کی وہی گتھم گتھا چل رہی تھی، اور وہ اندر جا کر اسٹینو کے کمرے میں چلی گئی۔ اسٹینو فون پر گفتگو میں مشغول تھا، اور کسی کو کمرے کے اندر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ صرف اس کے چپراسی وہاں ادھر اُدھر بیٹھے تھے۔ لیکن اتفاق سے جب وہ اندر گئی تو چپراسی نے اس کو یہ سوچ کر نہیں روکا کہ اس نے اسے بہت پہلے اس شخص کے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے اور دیر تک بیٹھتے ہوئے اور گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی پہچان کی چمک ابھری تھی۔ نیرا نے گفتگو سنی تو اس سے وہ صاف اس نتیجے پر پہنچی کہ اسٹینو دراصل فون سے اس شخص سے ہی بات کر رہا تھا جس سے ملاقاتوں کا باہر سلسلہ لگا ہوا تھا اور وہ شخص دوسری طرف سے اسے بتا رہا تھا کہ وہ کب واپس آ رہا ہے۔ اور اس بات کی سخت ہدایت کر رہا تھا کہ اس کے سفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو۔ حتیٰ کہ تمام لوگ یہی سمجھیں کہ وہ گھر پر ہی ہے۔ اور بھیڑ جس قدر لگی رہے اتنا ہی اچھا ہے۔ اور کوشش کی جائے کہ بھیڑ بڑھتی رہے اور اسٹینو اس سے بتا رہا تھا کہ وہ لوگ بھی آتے رہتے ہیں جو ریسٹ روم میں ٹھہرتے ہیں، اور بے حد خوش ہیں اور ملاقاتی بھی بہت خوش ہیں کہ فراخ دلی سے ان کی درخواستوں پر غور کیا جا رہا ہے اور ان کے جوابات ڈاک سے باقاعدگی سے بھجوائے جا رہے ہیں، اور وہ خود ایسے خطوط پر باقاعدگی سے اس کی جگہ دستخط کر کے بھیجتا ہے۔ گفتگو ختم ہونے کے بعد جب اس نے پیچھے کچھ آہٹ محسوس کی اور گھوم کر نیرا کو بیٹھتے ہوئے دیکھا تو کافی دیر تک یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ کہیں نیرا یہ سمجھ تو نہیں گئی ہے کہ اس کی گفتگو کس سے ہو رہی تھی، اور وہ نیرا سے خوش اخلاقی بھی برتنا چاہتا تھا اس لیے اس نے چپراسی کو اس کے سامنے ڈانٹا نہیں لیکن نیرا نے اس سے مزید کوئی سنجیدہ گفتگو کرنے کی کوئی خواہش اپنے اندر محسوس نہیں کی اور وہاں سے چلی آئی۔ سڑک پر آنے کے بعد وہ سیدھے بس سے اس سبزی فروش کے یہاں گئی۔ سبزی فروش نے اس سے پھر بے حد شفقت سے بات کی اور نیرا سے اس کے اتنے دنوں تک نہیں آنے کی وجہ پوچھی۔ اور یہ کہا کہ وہ امید کرتا ہے کہ اس کی یہ وجہ رہی ہوگی کہ اس کے مسائل حل ہو گئے ہوں گے۔ لیکن اگر ایسا ہے تو وہ اب کیوں آئی ہے۔ نیرا نے اس سے کہا کہ وہ اس دوران اس لیے نہیں آئی تھی کہ وہ کچھ دوسری کاموں میں گہرائی سے مصروف ہو گئی تھی اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے اس بڑے آدمی کے گھر پر ایک عجیب تماشا دیکھا تھا جس سے ان تمام باتوں کی طرف سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس پر وہ سبزی فروش اور شفقت آمیز لہجے میں بات کرنے لگا جیسے اسے نیرا پر ترس آیا تھا۔ اور اس نے اسے مہربانی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بیٹی تم سمجھدار ہو گئی ہو، اور خدا تمہیں اور بینائی اور بصیرت عطا کرے کہ میں تمہارے اندر وہ صلاحیتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم ان کو بروئے کار لائی تو آج تم دوسروں سے مدد مانگ رہی ہو لیکن بہت جلد وہ وقت آ جائیگا کہ خود تم دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہو جاؤ گی اور ہزاروں لاکھوں تم سے فیضیاب ہوں گے۔ نیرا کو

اس کی بات پر تعجب ہوا اور اس نے سبزی فروش سے پوچھا کہ ایسا کیسے ہے۔ تو اس نے کہا کہ اس سوسائٹی میں وہی لوگ مضبوط اور کامیاب ہیں جن کو خدا نے یہ صلاحیتیں دی ہیں۔ کہ فریبوں کے جال میں پھنستے چلے جانے کے بجائے وہ فریبوں کے جال کو پہچانتے چلے جاتے ہیں۔ اور بیٹی۔ چونکہ تم نے اپنی محنت سے اتنا کیا ہے اور جھانک جھانک کر وہ سب کچھ دیکھ لیا ہے جو وہ لوگ بھی نہیں دیکھ پائے جو اس بڑے آدمی کے ریسٹ روم میں کپڑے تبدیل کر کے آرام کرتے ہیں۔ اور ان میں کتنے ایسے ہیں کہ وہ اس باورچی سے چائے بھی پیتے ہیں اور اس کے ہاتھ کا کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن اس کو پہچانتے نہیں اور وہ سب کو خوب پہچانتا ہے۔ اور ان کے دل کی باتوں کو قریب سے بھانپ کر اپنے مالک سے بتاتا ہے۔ اور اس کے مالک کو اس پر اعتبار اس لیے ہے کہ اس زمانے میں جہاں دوست بھی سال دو سال پر بدل جاتے ہیں، اور وفادار سے وفادار لوگ بھی پیسے سے بک جاتے ہیں وہاں وہ ملازم اپنے اس مالک کے ساتھ پچھلے پچیس سالوں سے سرگرم ہر موسم میں رہا ہے۔ اور اگر وہ کام دوسرے کریں تو ان معاملات میں کمیشن بھی زیادہ لیں اور رازداری بھی اتنی پختہ نہ ہو۔ اور یہ باورچی لوگوں کی گفتگوؤں کو بھیڑ میں جا کر قریب سے سنتا رہتا ہے اور ان کے چہروں کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتا رہتا ہے اور وہاں جتنے لوگ جھولتے رہتے ہیں ان کو قریب سے پہچانتا ہے۔ اور ان میں سے جن کو چاہتا ہے ان کو الگ بلا لیتا ہے اور خاموشی سے بٹھا کر اکثر اس بڑے آدمی سے ملا بھی دیتا ہے۔ اور اس بڑے آدمی کا ایک اپنا الگ دفتر بھی ہے جس کے بارے میں کسی کو خبر نہیں لیکن بیٹی، میں تم کو وہ خفیہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ کیوں کہ میں نے آج تک یہ بات کسی کو بھی نہیں بتائی ہے۔ اور نہ جانے کیوں جی چاہتا ہے کہ اس سے قبل کہ اس دنیا سے گزر جاؤں، میں یہ بات کسی کو بتا دوں کہ یہ بات صرف میں جانتا ہوں کہ اس بڑے آدمی کا ایک پراسرار دفتر ہے جس میں پندرہ ٹیلی فون لگے ہیں، اور وہاں سے اس جگہ کا پورا اسٹاف اس کام پر تعینات ہوتا ہے کہ مختلف محکموں میں مختلف کاموں کی فائلوں پر کیا فیصلے ہو رہے ہیں۔ اور ان سے متعلق افسران اور دوسرے صاحب حل و عقد کیا رائے رکھتے ہیں اور اس بات کا پتہ وہ انتہائی باریک بینی سے کرتے ہیں، اور اتنی باریک بینی سے کرتے ہیں کہ ان افسروں کی تمام کوششوں کے باوجود کہ کسی کو پتہ نہیں لگے کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں، ان کی سوچوں کا، اور وہ آخر کار وہ کیا کریں گے اس کا علم ان کو خود اتنا نہیں ہوتا جتنا انہیں ہو جاتا ہے، کیونکہ ان افسروں کو صرف یہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں اور انکے سامنے صرف وہ خبریں اور جانکاریاں موجود ہوتی ہیں جو ان کے دفتروں میں آتی ہیں لیکن انہیں ان باتوں کا بھی پتہ ہوتا ہے جو دوسرے دفتروں میں ہو رہی ہوتی ہیں اور ان تمام باتوں کی روشنی میں تقریباً مکمل اور ٹھوس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان فائلوں پر کیا فیصلے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی نظر اس بات پر بھی ہوتی ہے کہ اگر ایک افسر کسی مخصوص مزاج کا ہے اور اس سے حسب خواہش فیصلہ کی اُمید نہیں کی جاسکتی تو اس بات کو کسی بالاتر افسر کے سامنے لے جا کر اس کے مزاج کا فائدہ اٹھا کر کیسے حسب خواہ فیصلے کروائے جاسکتے ہیں۔ اور اتنا ہی پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہاں اس بات کی مکمل تصویر اور روز روز کی خبریں رکھی جاتی ہیں کہ کس افسر کو کس دوسرے افسر سے کوئی ایسا کام ہے اور اس کے پاس اس کی کوئی ایسی فائل گئی ہوئی ہے کہ اس کی سفارشوں کا وہ لحاظ رکھے گا اور ضرورت پڑنے پر اس دوسرے افسر سے سفارش کرواتے ہیں اور افسروں کے بارے میں وہ ان کے مزاج اور کردار کی حیرت انگیز طور پر تفصیلی خبر رکھتے ہیں اور ان سے کوئی سفارش کروانے میں انکے مزاج و کردار کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہیں۔ اور بات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ اس سے متاثر ہو جائے مثلاً اگر کوئی افسر بہت اصول پرست ہے تو اس کے سامنے اصولوں کی روشنی میں پورا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی انتہائی انصاف پسند اور ایماندار ہے تو اس سے اس کی ایمان داری کی دہائی دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے حق دار کو حق مل جائے گا۔ اور وہ دوستوں کا لحاظ کرتا ہے تو اس کے کسی دوست سے سفارش کرائی جاتی ہے۔ اور اگر وہ بزدل ہے تو اس پر کسی سیاسی ذرائع سے دباؤ ڈلوایا جاتا ہے۔ اگر اس افسر نے اپنی ناسمجھی میں کسی کی مدد کر رکھی ہے یا اس سے کوئی ایسی غلطی ہو گئی ہے کہ اس کے بے نقاب ہونے سے گھبراتا ہے تو اس آدمی سے سفارش کروائی جاتی ہے جو ان کے بارے میں منہ کھول سکتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس کی ان باتوں کا کسی نہ کسی طرح ذکر لا کر انہیں احساس دلایا جاتا ہے کہ کام نہیں ہونے سے کیا نقصان پہنچائے جانے کا خطرہ ہے۔ گویا کہ ان پہلوؤں پر اتنی باریک بینی، اتنی گہرائی، اتنی مستعدی اور اتنی منظم اور تفصیلی معلومات رکھی جاتی ہے کہ اس سے ایک نظام قائم ہو جاتا ہے۔ اور اس نظام میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا کام ہوگا اور کون سا کام نہیں ہوگا، پھر اس بڑے آدمی کے یہاں جو لوگ بھی کام کے لیے سفارش کرنے آتے ہیں ان سے اسی کی روشنی میں باتیں کی جاتی ہیں اور ان کو کچھ نہیں بتایا جاتا کہ ان کے کام کے کیا امکانات ہیں۔ بلکہ اکثر

اس کا الٹا بتایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کام خود بخود ہو رہا ہو تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں رکاوٹیں ہیں اور اس میں کوشش کی جائے گی، اور یہ کہہ کر اس شخص کو احسان تلے دبا دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ شخص پیسے خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس سے پیسے لے لیے جاتے ہیں۔ اور اگر کام نہیں ہونا ہوتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کام ہو جائے گا لیکن خرچ بہت آئے گا۔ اور اتنا خرچ بتایا جاتا ہے کہ وہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور پھر کام نہیں ہونے پر وہ شخص یہ سوچتا رہتا ہے کہ یہ شخص کام کروانے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن کام اس لیے نہیں ہوا کہ وہ خود اتنے پیسے خرچ نہیں کر سکتا تھا اور اس طرح پیسے اور وفاداریاں اور اثر و رسوخ کی شہرت سب کچھ بنی رہتی ہے، اور یہ سارا کچھ اس خفیہ کمرے میں ہوتا ہے جو کمرہ وہاں نہیں ہے بلکہ وہ شہر کے ایک کاروباری مرکز میں ہے جس کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں لیکن جہاں سے ہر یونین اور تنظیم کے نمائندوں سے رابطہ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ بات میں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سب کچھ جانو کہ تمہارے اندر جاننے کی شدید خواہش ہے، اور اس لیے مجھے تمہیں بتا کر خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔ اور زندگی میں کامیابی تک پہونچنے کے یہی راستے ہیں۔ اور بڑی کوششوں اور جدوجہد کے بعد بڑی بڑی طاقتوں کا سرغ ملتا ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کی کوئی بداخلاقی شامل نہیں ہے جو اس نظام سے منسلک ہیں کیوں کہ وہ تو محض ایک سائنسی طریقے سے یہ سب کچھ کرتے ہیں، اور خود قدرت بھی تو یہی کرتی ہے کہ اس کو سمجھنے کے لیے انسان کتنی ذہنی اور جسمانی جدوجہد کرتا ہے تب جا کر اس کے قوانین سمجھ میں آتے ہیں اور نئی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے اور چھپی ہوئی قوتیں اور امکانات اس کے ہاتھ لگتے ہیں ورنہ فطرت کی قوتیں اور قوانین پوشیدہ پڑی رہتی ہیں۔ یہ تو انسان کی قسمت ہے کہ وہ ایک ایسی کائنات میں جنم لیتا ہے جہاں زندگی انتہائی پیچیدہ اور گھنی ہے، اور جہاں وہ جتنی گہرائی میں گھستا جاتا ہے، اتنی ہی نئی نئی باتیں اس کے سامنے کھلتی جاتی ہیں، اور انسانوں کی یہ دنیا قدرت کی کائنات کی طرح ہی بے حد پیچیدہ ہے۔

نیرا اس شخص کو دیکھتی جا رہی تھی، جو بڑی روانی سے یہ باتیں اس طرح کئے جا رہا تھا جیسے وہ سب کچھ صاف صاف دیکھ رہا ہو، اور اس کے سامنے ٹھیلے پر پڑی سبزیاں کھلی پڑی تھیں۔

تم تعجب نہ کرو نیرا، میں صرف ایک سبزی فروش نہیں ہوں، میں ایک انسان ہوں، اور یہ سب کچھ میں اس لیے جانتا ہوں اور محض اس لیے کرتا ہوں کہ میرے دل میں بچپن سے ایک

خواہش تھی کہ میں دکھاؤں کہ صرف دولت اور دولت کے سہارے حاصل کی ہوئی اونچی تعلیم ہی سب کچھ نہیں ہوتی، اور میرے جیسے آدمی کی بھی کچھ قدر ہے۔ اور اس لیے میں نے جو کچھ کیا اس سے اپنے لیے کچھ نہیں کیا۔ صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں بغیر کسی چیز کے سہارا کے بڑی بڑی ہستیوں کو اپنے اشارے پر گھما سکتا ہوں۔ اور میرے پاس جو فن ہے وہ فن وہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ہو تو اس کے سامنے دولت اور خاندان اور تعلیم سب ہیچ ہے۔ اگر کسی کے پاس دولت ہے اور اس کے سہارے کچھ کیا تو کیا تو کیا؟ اگر کسی میں کچھ ہے تو وہ کر کے دکھائے جو میں کرتا ہوں! میں تو فقیر آدمی ہوں۔ اور مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اور مجھے کیا چاہئے جس کے پاس دولت ہے وہ اس سے کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ کسی کو بھیک دے سکتا ہے! اور کسی کے پاس اختیار ہے تو وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ کسی کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے بیساکھی دے سکتا ہے! لیکن میں تو جس انسان کو چاہوں، اگر اس کے اندر تھوڑی بھی صلاحیت ہو تو اس کو ایسی روشنی دے دوں کہ وہ مفت کی روشنی بکھیرنا شروع کر دے جیسے چاند اور سورج بکھیرتے ہیں! اور جب میں اس سبزی کے ٹھیلے کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں اور بڑی بڑی ہستیاں یہاں چھپ چھپ کر آتی ہیں اور مجھے تعجب سے دیکھتی ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ میں ان کی عقل اور دانشمندی کا مذاق اڑا رہا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر تعجب کرتے ہیں، اور مجھے ان کی عقل پر ہنسی آتی ہے کہ وہ سب کچھ اپنی ننگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی کتنے سادہ لوح ہیں کہ اپنی کم اہمیت دولت اور طاقت کے فریب میں گرفتار ہیں۔

بٹی مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ تم مجھے دیکھ کر چونکی نہیں بلکہ غور کرتی رہی اور چھان بین کرتی رہی۔ اور تم پہلی وہ شخص ہو کہ مجھے کوئی عجوبہ نہیں سمجھ رہی ہو بلکہ جو کچھ دیکھ رہی ہو اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اور تمہاری نگاہوں اور چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہوا کہ میں تمہاری نظر میں جس حال میں دکھائی دیتا ہوں یہ قابل قدر ہے ورنہ اب تک یہاں جو بھی آیا وہ جہاں میرے اثر سے متاثر ہوا اور مجھ سے رعب کھایا وہیں اس نے اپنے چہرے سے اس قسم کے تعجب کا اظہار کیا کہ میری اس طرز زندگی کے پیے اس کے دل میں چھپی ہوئی حقارت مجھے بھی صاف نظر آئی۔ اور اس کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جس نقطہ نظر سے خود میں دیکھتا ہوں کہ میں تو واقعی یہ بات مانتا ہوں کہ جس کے پاس اتنا اثر ہو اس کے لیے یہ طرز زندگی بالکل ویسی ہی فطری ہے جیسے محل میں رہنا فطری ہو سکتا ہے۔ اور میں تو اس انداز میں اس لیے رہتا ہوں کہ اس سے میری قوت کی شکل خالص صورت

میں چمکتی ہے، اور اس کا وہ پہلو نمایاں ہوتا ہے جو اس کی خصوصیت ہے کہ یہ قوت میری ذہنی صلاحیتوں کی قوت ہے۔ اور بھونڈی دولت کی قوت نہیں ہے۔ یہ قوت میری سرشت، میری ذات، اور میرے فن میں ہے۔ اور میرے اندر ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ میں ان انسانوں کی طرح ہوں جن کی قوت ان کی دولت میں ہوتی ہے، اور ان کی دولت ان سے چھن جائے تو وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں جو کچھ ہوں اسے تم صاف صاف سمجھ رہی ہو۔

نیرا اس شخص کو دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، اور جب وہاں سے لوٹی تو اس کی نگاہوں میں پوری دنیا گھوم رہی تھی یہ دنیا واقعی کتنی کنفیوژن سے بھری ہوئی تھی کہ یہاں نہ صرف یہ کہ دوسرے کے تجربات کسی انسان کے اپنے تجربات سے ذرا سے مختلف ہو سکتے تھے بلکہ کہیں کہیں تو بالکل ہی مخالف سمتوں میں کھڑے تھے۔ کہ بے شمار ایسی چیزیں تھیں جن میں انتہائی کامیاب اور ذہین لوگ یقین رکھتے تھے حالانکہ وہ چیزیں سراسر فریب تھیں۔ اور تب نیرا نے چیزوں کو اپنے طور پر جاننے اور برتنے کی ضرورت کی گہرائی کو اس شدت سے محسوس کیا کہ اسے لگا کہ اس کے سامنے اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا کہ وہ ہر چیز کو اپنے طریقے سے دیکھنے کے اصول پر زیادہ سے زیادہ زور دیتی جائے اور اس پر قائم رہے۔ اور اسے لگا کہ اس کی ذات بھی اپنی انسانی نسل کے آباواجداد کی انہیں راہوں پر گامزن ہے جس میں نئی نئی چیزوں کی مسلسل تلاش اور چہروں میں نئے چہروں اور معنوں میں نئے معنوں کی تلاش بقا کا واحد راستہ ہے، اور اسے محسوس ہوا کہ زندگی میں بہت گہرائی ہے۔

☆☆

۳۱

'اب بزنس کی بات ہو جائے۔' اشوک کمار سے بات کرتے سنجیدہ ہو گیا۔

اس کیسٹ کو بنانے میں، میں نے آپ کے دیے ہوئے اڈوانس میں سے پانچ ہزار روپے خرچ کر دیے ہیں۔ وہ میں واپس نہیں کروں گا۔ چاہے آپ کیسٹ لیں نہ لیں۔

'ٹھیک ہے۔'

'اگر آپ یہ کیسٹ لینا چاہتے ہیں، تو اس کے تیس ہزار روپے لوں گا۔'

'ٹھیک ہے۔ منظور ہے۔'

'لیکن آپ یہ بھی سوچ لیں کہ آپ نے یہ کیسٹ استعمال کیا اور اس کے ردِ عمل کے طور پر الوک نے مجھے یا آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو اس کی پوری ذمہ داری آپ کی ہوگی —— اور اس سلسلے میں اور جتنا خرچ کرنا پڑے گا وہ آپ دیں گے۔ ویسے میں آپ کو پہلے سے ہی منع کر رہا ہوں کہ آپ اس معاملے میں زیادہ آگے نہ بڑھیے —— مجھے آپ سے اس کام کے عوض تیس ہزار روپے لینے میں اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی یہ ہے کہ میں جو مشورہ آپ کو دے رہا ہوں، اس میں کہیں آپ کو گھاٹا نہ لگ جائے —— میں بہت ہی صاف معاملہ کرنے والا آدمی ہوں۔ کمار کو لگا کہ اشوک اس وقت کئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور یہ آنکھیں غاروں کی طرح گہری تھیں اور اس میں ریشم کے کیڑے جھانک رہے تھے۔

'اگر میں کیسٹ نہیں لوں تو آپ کو کیا دینا پڑے گا؟'

'کچھ نہیں' میں نے آپ سے اڈوانس لے لیا ہے۔ یہ کیسٹ میرے کام آ جائے گا۔'

اب کمار بالکل خاموش تھا۔

کمار کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بے یقینی کو دیکھ کر اشوک نے آگے کہا۔

کمار —— تم اس مچھلی کا شکار نہیں کر سکتے جس نے چارے میں لگے کانٹے کو پہچان لیا

ہو، اور تم اس ہرن کو بھی جال میں نہیں ہنسا سکتے جو اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتا ہو اور نئے ہاتھ پاؤں پیدا کر لیتا ہو، تم اس کتے کو پالتو بنا کر نہیں رکھ سکتے ہو۔ جس کو تمہاری نیت پر شبہ ہو چکا ہو، تم اس انسان کو گولی سے نہیں ڈرا سکتے جو اپنی موت کو جان چکا تم اس انسان کو چاقو سے کیسے ڈرا سکتے ہو جس کے لیے ہر زخم نشتر بن جاتا ہو۔ ایسے معاملات کے لیے بہتر یہ ہے کہ نیرا جیسے لوگوں کو اس طرح نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ اپنی جگہ دب کر رہ جائیں تا کہ اور لوگوں کی بھی آنکھ نہ کھل جائے۔ ایسے معاملات میں محض دماغ کا استعمال ہونا چاہیئے جب کہ تم دنوں دن جذباتی ہوتے جا رہے ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ تم ڈسٹرب بھی ہوتے جا رہے ہو۔ اور تمہارا باقی بزنس بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ جب تم نے شروع میں اس مکان کو لینے کا پلان بنایا تھا تو تم نے کس قدر ٹھوس سنجیدگی سے ہر بات کو دیکھ کر اور تول کر فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اب تم اپنے اسی طریقہ کار سے انحراف کر رہے ہو، اس لیے کہ اب تم صرف مقصد کو دیکھ رہے ہو۔ پلان کو نہیں دیکھ رہے ہو۔ اور جس مقصد کو دیکھ رہے ہو، وہ اپنا معنی بدل چکا ہے۔ ابھی تک تمہاری توجہ اسی مکان سے اُلجھی ہوئی جس میں سے فائدہ کا عنصر نکل چکا ہے اور نقصان کا عنصر زیادہ سے زیادہ داخل ہو رہا ہے۔ اور جو انسان چیزوں کی بدلتی ہوئی شکل کو نہیں دیکھتا وہ بزنس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم اس وقت اس کیسٹ کے لیے تیس ہزار روپے دینے کو تقریباً تیار ہو۔ اور پھر بھی میں تم کو منع کر رہا ہوں۔ کیوں؟ میں ابھی مسلسل اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں جس کی وجہ سے الوک نیرا کی مدد کر رہا ہے۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ کل کوئی دوسرا الوک نہ کھڑا ہو جائے؟ پھر ہم کتنے پیسے خرچ کرتے جائیں گے اور کتنے لوگوں کو اپنا کٹر دشمن بناتے جائیں گے؟ میں الوک کو یہ کیسٹ دکھا چکا ہوں اور اس کے چہرے پر ابھرتی ہوئی ان لہروں کو بھی دیکھ چکا ہوں، جو نیچے ڈوبنے کے بجائے اور ابھرنے کے لیے کمان کی طرح تنی ہوئی معلوم ہوئی تھیں۔ اور میں تمہیں اور بتاؤں؟ یہ جو تھانے میں اتنا اتنا بڑا حصہ لیتے ہیں اس کا مطلب یہ تھوڑے ہی ہے کہ یہ کچھ غلط کرتے ہیں۔ یہ بڑے کائیاں ہیں۔ یہ بھی محض اسی بھروسے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ ان کو اس بات کا ٹھوس تجربہ ہے کہ لوگ بغیر کسی دقت کے اپنے واجب حقوق کو بھی، جو ان کو کسی نہ کسی سطح تک جانے سے، آخر کار قانون کی روشنی میں، جو کبھی فنا نہیں ہوتی، بلکہ قائم رہتی ہے حل ہی جاتے ہیں، انہیں وہ محض اپنی الجھنوں سے پریشان ہو کر چھوڑنے لگتے ہیں۔ اور یہ لوگوں کی ایک عام کمزوری ہے جس میں تھانے یا عدالت یا کسی اور کا کوئی خاص، ہاتھ نہیں بھی ہوتا ہے،

کیوں کہ یہ کمزوری ان کے اندر اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ وہ چیزوں کو ٹھیک سے نہیں سمجھ پاتے ہیں اور اپنی اس کمزوری کی وجہ سے وہ اپنی دولت یوں ہی لٹاتے رہتے ہیں۔ پھر اس میں ذرا سی خاموشی اختیار کرنے سے اگر نہیں بھی لاٹری کے ٹکٹ کی طرح انعام مل جائے تو کیا بُرا ہے۔ وہ اپنے اوپر کوئی رسک نہیں لیتے۔ وہ لوگوں کی اپنی کمزوریوں کو ہی فنکارانہ طریقے سے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔ کبھی وہ لوگوں کی براہ راست کمزوریوں کو استعمال کر لیتے ہیں اور کبھی پورے سماج اور تہذیب کی علمی اور فنی صلاحیتوں کی کمی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن اپنے کو ہمیشہ بچائے رکھتے ہیں۔ اور اگر کہیں لگتا ہے کہ وہ خطرہ مول لے رہے ہیں تو وہ محض آپ کو بیوقوف بنانے کا ایک خوبصورت طریقہ ہوتا ہے۔ وہ ایسی ایسی ڈینگیں ہانکیں گے کہ لگے گا کہ وہ آپکا کام کرنے میں دل و جان سے لگے ہیں اور آپ کے دشمن کے جانی دشمن ہیں اور اس سلسلے میں اپنی ماہرانہ صلاحیتوں کا ذکر ایسے کریں گے اور وقتاً فوقتاً اس کا یوں اظہار کریں گے کہ آپ ہی پر مسلسل ایک خوف طاری رہے گا۔ اور اس کا آپ کو واضح احساس بھی نہ ہوگا اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ کا دشمن انتہائی بے وقعت ہے اور آپ کو اپنی کامیابی کا یقین ہوتا چلا جائے گا۔ کبھی ایک لمحہ میں آپ کو محسوس ہوگا کہ تھانہ بے حد کمزور ہے اور پھر یکا یک لگے گا کہ وہ بے حد قوی ہے، اور وہ دراصل ایک ایسا جادوئی گھروندا ہے جہاں جانے کے بعد انسان اپنے کو بھول جاتا ہے، اور ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا تھانہ ہے اور اس کے اندر جتنی ہوا بھر دی جاتی ہے وہ اپنے کو اتنا ہی بڑا محسوس کرنے لگتا ہے اور ہوا نکال دی جاتی ہے تو اپنے کو سکڑتا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے۔ یکا یک کمار کو وہ شام یاد آئی جس دن تھانہ انچارج نے کچھ اور لوگوں کی طرح اس سے بھی اپنے مختلف قسم کے قلم کی مختلف قوتوں کا ذکر کیا تھا، اور اس وقت اب اسے اپنی کسی گہری غلط فہمی کا احساس ہوا کہ اس وقت اس نے یہ سمجھا تھا اس نے مختلف قسم کے قلم کے بہانے پیسے کی طرف اشارہ کیا تھا اس لیے اس نے اس بات کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا — اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ تو سرکاری قلم ہے ورنہ جو قلم اس کے پرائیوٹ ریسٹ روم میں ہے اس سے لکھی رپورٹیں ہر جگہ چلتی ہیں اور کہیں ناکام نہیں ہوتیں! اور اسے اس وقت لگا کہ تھانہ انچارج کا اشارہ دراصل اس کی اپنی سرکاری اور ذاتی صلاحیتوں کی طرف تھا۔ اور اس کے ذہن میں تھانہ انچارج کا وہ پر اعتماد چمکتا ہوا چہرہ بھی ابھرا جسے اس نے اس لمحے دیکھا تھا۔ اور یقیناً وہ رشوت کا در بتانے کے لیے نہیں تھا۔ لیکن وہاں جو کوئی بھی جاتا تھا وہ قلم والی بات کو سمجھ

نہیں پاتا تھا، اور تھانہ انچارج جان بوجھ کر تفصیل کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا تھا۔ ہر شخص کی ہتھیلی میں ایک تھانہ ہوتا ہے۔ لیکن ہر ایک کے پاس قلم نہیں ہوتے اور یہ دنیا قلم سے قابو میں آتی ہے۔ مقدمے رپورٹوں کی بنیاد پر درج ہوتے ہیں۔ تھانہ زندگی کی مانند ایک بے شکل چیز ہے جس سے صرف نیرا جیسی شخصیت ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ وہاں سے فائدہ اٹھانا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ گہرے راز کی بات ہے جسے صرف وہ سمجھتا ہے جو وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ تو میں تو کہتا ہوں کہ جو ہو گیا سو ہو گیا اب چھوڑو یہ چکر اور اپنے بزنس پر دھیان دو اور سچ تو یہ ہے کہ تم بے حد احمق ہو۔ ابھی تم نے مجھے بھی نہیں سمجھا ہے۔ حقائق کو سمجھو اور ان سے سمجھوتہ کر کے چلا کرو۔ یہ سب باتیں تو تمہیں خود سمجھنی چاہئے۔

اشوک کی نگاہ باتیں کرتے کرتے میز پر رکھی دو خالی گلاسوں پر جا ٹکی جیسے اب اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہو۔ لیکن کمار اسے بہت انہماک اور مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

'میں سمجھ رہا ہوں۔ اگر میں ان تمام باتوں سے خود واقف ہوتا تو مجھے اس دلشکن مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جو اس وقت کر رہا ہوں۔ اور میں احمق بھی محض اسی لیے دکھائی دے رہا ہوں۔ مجھے اس کا احساس ہے۔ میں یہ مکان چھوڑ دوں گا لیکن مجھے اس بات کی اتنی تکلیف نہیں رہے گی جتنی اس بات کی کہ مجھے انہیں حقائق نے چوٹ پہنچائی جن پر میں نے بھروسہ کیا تھا اور اب بھی تم مجھے حقائق کی بنیاد پر ہی سوچنے کو کہہ رہے ہو۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میرے دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی تم مجھ سے کوئی اہم بات چھپا رہے ہو۔ کمار نے جب اشوک کی آنکھوں میں جھانکا تو وہاں بھروسہ کیے جانے کے لائق کچھ بھی نہ تھا۔ نہ کوئی ہمدردی —— نہ کوئی تعلق —— اسے لگا جیسے ٹھیک وہ جہاں کھڑا تھا اس کے آگے کوئی بہت گہرا غار ہو جس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ وہ چکرا سا گیا۔ لیکن اسی دوران —— نیرا —— اس کے تخیل میں کرن کی طرح ابھری اور جیسے ایک روشنی سی چاروں طرف بکھر گئی۔

وہ اٹھا، مڑا اور اپنے جوتے کی ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اس نے دیکھا۔

باہر موسم بہت خوشگوار تھا۔

اندر اشوک متحیر سا بیٹھا رہا۔

☆☆

۳۲

آج نیرا کافی دیر تک کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ اسے لگا کہ اس کے مکان کا کھویا ہوا چہرہ واپس آ گیا ہے۔ اس کی نظر اس کے مرحوم والد کی تصویر پر پڑی۔ پھر اسے ماں کا خیال آیا —— کیوں نہ میں ماں کو لے آؤں۔ اب زندگی کو بکھیر کر رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسی لمحے اس نے طے کر لیا کہ وہ اپنی ماں کو واپس لا کر اپنے ساتھ رکھے گی۔ اس کی ایک کلاس فیلو شملہ کی ہی رہنے والی تھی اور چند روز بعد اپنی پرائیویٹ کار میں گھر جانے والی تھی، نیرا نے اس کے ساتھ ہی جانے کا پروگرام بنا لیا۔

'تم نے شملہ سے آگے کی اور —— اِدھر اُدھر وہ پہاڑیاں دیکھی ہیں۔
جو ابھی لوگوں کے لیے شملہ سے بھی زیادہ اجنبی ہیں'
کہ جہاں کی سڑکیں بہت تنگ؛
اور بہت خطرناک ہیں'
لیکن جہاں کی خوبصورتی انسان کو پاگل کر دیتی ہے۔

اور جہاں اگر بادل گھر جائیں، اور بارش ہونے لگے یا پہاڑوں میں بادل تیر رہے ہوں —— تو ان کے سائے سے پہاڑیاں بار بار ایسے رنگ بدلتی ہیں جیسے شوقین عورتیں کپڑے بدلتی ہیں اور جہاں اگر ہوا چلے تو پورا پہاڑ آسمان میں اڑتا ہوا لگتا ہے۔

'نہیں' وہ منظر نہیں دیکھا، اور مجھے تو بڑا ڈر لگا تھا جب میں شملہ سے آ رہی تھی، ماں کو چھوڑ کر —— لیکن میں انہیں اب دیکھنا چاہتی ہوں،

’تم لوگ۔ سپاٹ میدانوں میں رہنے والے زندگی کو صرف ایک سطح پر دیکھتے ہو۔
اور سیدھی اور بے خطر سڑکوں پر چلنے کی عادی ہو۔
اب کار کالکا سے آگے بڑھ رہی تھی۔

سامنے کچھ دور وسعت کی افق سے زمین اٹھی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ چند منٹ بعد سامنے کچھ نیچی نیچی پہاڑیاں ابھرنے لگیں۔ گاڑی اونچائی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ اس اونچائی سے ٹکرانے جا رہی ہیں؟ نہیں، اب تو سڑک ہی اوپر اٹھ رہی تھی۔ اور اب گاڑی سے سکنڈ گیئر کی قدرے گہری اور خود اعتمادی سے پُر آواز گاڑی میں نیا ترنگ بھرنے لگی وہ اس ترنگ کی تھرتھری کو اپنے اندر محسوس کرنے لگی۔ یہ پہاڑ پر پوری قوت سے چڑھنے کا تھرل تھا۔ اسے لگا جیسے وہ گاڑی کی اس قوت سے خود ہم آہنگ ہو گئی ہو۔ اور اپنی قوت سے پہاڑ کی اونچائی پر رفتار کے ساتھ چڑھ رہی ہو۔ اسے یہ بے حد اچھا لگا۔ اس کا جی چاہا، اونچائیاں اور زیادہ ہوں تاکہ گاڑی کو اور قوت سے چڑھنا پڑے اور وہ اور زیادہ قوت کے استعمال کی وہ مشینی آواز محسوس کرے جو اس کے جسم میں نشے کی کیفیت گھولتی جا رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اگر وہ خود گاڑی ہو تو زیادہ سے زیادہ سیدھی اوپر چڑھتی پہاڑی کا انتخاب کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ مزہ آئے۔ اتنا زیادہ کہ وہ اونچی پہاڑیوں کی تلاش کی لذت میں اتنی محو ہو جائے کہ گاڑی کی لذت بھی اس کے احساس سے اوجھل ہو جائے۔

تمہارے یہاں صرف دوسری گاڑیوں سے ٹکرانے کا خطرہ ہوتا ہے۔
اور بس!
اس لیے تم لوگ ان سڑکوں سے گھبراتی ہو!،
کار اب کالکا سے آگے پہاڑی پر چڑھ رہی تھی۔
’اور اِن سڑکوں سے گھبراتی ہو،
تو پہاڑوں کی اس خوبصورتی کو بھی نہیں دیکھ پاتی
جو پہاڑوں میں نہیں
بلکہ پہاڑوں کی اس مختلف سمتوں والی بناوٹ میں ہوتی ہے۔
اور جہاں انسان نئی سمتوں سے آشنا ہوتا ہے۔

کہ جہاں انسان بیک وقت زمین پر کھڑا ہوتا ہے۔
اور بڑے بڑے درختوں کی اوپری شاخیں بھی آس پاس نیچے دکھائی دیتی ہیں۔
اور جہاں ہر لمحہ گرنے کا ڈر رہتا ہے۔
اور دراصل یہ خوبصورتی اس ڈر پر حاوی ہو جانے میں ہوتی ہے۔
کہ جن چیزوں سے ڈر لگتا ہے، ان کی وہی کیفیت سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے
جب لوگ ان خوفناک سڑکوں سے مسلسل گزرتے ہیں۔‘

یکایک ایک موڑ پر آگے سے ایک بس آ گئی، اور ٹکر ہوتے ہوتے بچا، اور اگر یہ کار ذرا موڑی جاتی تو اچھل کر ہزاروں فٹ نیچے کھائی میں ہمیشہ کے لئے ڈوب جاتی۔ وہ آگے بولی۔
’تو یہ ٹیڑھا پن، جو کسی سطح پر انسانی شعور میں
خوف پیدا کرتا ہے۔
وہی ٹیڑھا پن اچھا لگنے لگتا ہے۔
اور وہ حسن دراصل برتر ہو جانے کا احساس ہوتا ہے
کہ یہ احساس انسانی روح چکا تا ہے۔

کار تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ اور اب کائنات کا چہرہ بدل گیا تھا۔ اب اوپر بھی زمین تھی اور نیچے بھی۔ اور وہ زمین پر بھی تھی جس پر کار چل رہی تھی، اور آسمان پر بھی تھی کہ ہزاروں فٹ اوپر ایک لکیر پر چل رہی تھی۔ آؤ تمہیں اُدھر سے گھما کر لاتے ہیں، ان کو دیکھنا تمہارے لیے بہت ضروری ہے — وہ چیل کی سڑک پر مڑ گئی۔ سونیا پیچھے بیٹھی بڑے اطمینان سے ان مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ بہت ہلکے پھلکے انداز میں، لیکن نیرا کا انہماک بڑھتا جا رہا تھا۔

اس کو اپنی ماں کی یاد آئی جس کا وہ واحد سہارا تھی اور جس کی زندگی میں ہر چیز کا انحصار اس کے اوپر تھا، اور جو اس کا شملہ میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی۔ اسے گاڑی کی اس رفتار سے خطرہ محسوس ہوا۔ اسے ڈر سا لگا۔

اس نے شمی کو دیکھا جو مسلسل گاڑی کی رفتار بڑھا رہی تھی۔ وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی کہ ضرورت محسوس کرتے تو اسے منع کرے۔ وہ گاڑی کی رفتار اور ٹیڑھی سڑک کا موازنہ کرنے لگی اور اس ارادے سے دیکھتی رہی کہ اگر وہ توازن کھونے لگے تو ایک لمحہ کے لیے بھی خطرے

کے منہ میں جانے کے بجائے وہ شمی کو منع کرے گی۔ لیکن شمی کی نگاہیں گویا تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کی نگاہیں سامنے کی سڑک میں دھنسی جا رہی تھیں اور لمحہ بہ لمحہ ان میں چابکدستی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا بدن کستا جا رہا تھا جیسے بریک پر بھی اس کا پاؤں مضبوط ہوتا جا رہا ہو اور اسے گاڑی پر اس لمحے اتنی گرفت ہو گئی تھی جیسے کسی مشاق قلا باز کو اپنے بدن پر ہوتی ہے۔ جیسے اب کتنی ہی تیز آتی ہوئی گاڑی ہو، اور کتنا ہی وقت کم ہو، وہ اتنی تیزی سے اور پورے اعتماد سے سنبھل سکتی ہے کہ کوئی تیز ترین گاڑی کسی نازک ترین موڑ پر بھی آ جائے تو بھی وہ بچ کر نکل جائے گی اور کم سے کم جگہ میں بھی وہ گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے، اور مناسب سمت میں موڑ کر، توازن قائم کر لے گی۔ جیسے یہ گاڑی لوہے کی نہ ہو بلکہ اس کا گوشت پوست کا جسم ہو۔

اور نیرا اب اس طرف سے اس طرح مطمئن ہو گئی جیسے اس کا خوف درجہ صفر پر اتر گیا ہو، اور اب خوف کے بجائے اعتماد درجہ بدرجہ اس قدر بڑھنے لگا کہ اس کا ذہن آزاد ہو کر اس تیز رفتار، گول گول سڑک کی گولائی کی خوبصورتی کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔ اور اس کی خوبصورتی میں وہ خود ہی گھومنے لگی۔

'بڑے غور سے دیکھ رہی ہو، سونیا نے کہا۔

'میں اس پورے منظر کو اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی ہوں۔ اس میں ایک مخصوص حسن ہے اور اسی لیے اتنی دلچسپی سے دیکھ رہی ہوں۔ یہ منظر میری زندگی بننے والا ہے — میری زندگی میں بھی ایسے ہی مناظر آ رہے ہیں اور آج ان مناظر کا معنی کھل رہا ہے —— دیکھو، ان سڑکوں میں میدانی سڑکوں جیسا سپاٹ پن نہیں ہے — یہاں انسان زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے ایک ہی سمت میں نہیں بھاگتا — بلکہ پل پل سمتیں بدلتی ہیں، اور وہ بھی اس طرح کہ کبھی دوسری زیادہ اونچی پہاڑی پر پہنچنے کے لیے اوپر چڑھنے والی سڑک پر جانے کی بجائے نیچے والی سڑک پر اترنا پڑتا ہے۔

میں جس کشمکش میں ہوں اس سے اس پہاڑی کیفیت میں بڑی مماثلت ہے میں اس کے حسن کو اپنی زندگی میں جذب کرنا چاہتی ہوں، پل پل ان خطرناک گھاٹیوں سے گزرتے وقت جہاں کبھی بھی گاڑی نیچے گر سکتی ہے، اور پورے منظر کا خاتمہ ہو سکتا ہے، یا کہیں بھی تیز آتی ہوئی کسی گاڑی سے کسی ایسے موڑ پر ٹکر ہو سکتی ہے جہاں یکا یک ہی کوئی اور گاڑی سامنے سے آ جائے اور ہم

بچتے بچتے ان کھائیوں میں لڑھک جائیں — ہزاروں فٹ گہری کھائیوں میں — یا گر کر کسی پیڑ پر لٹک جائیں اور پھر گریں — اس سڑک پر چلنے میں ایک عجیب دل گرفت کیفیت ہے۔ جیسے ان سڑکوں پر سے گزرتے وقت جو یہ اچھوتے اچھوتے موڑ آ رہے ہیں وہ اس قدر دلکش ہیں کہ ان کے سامنے ان کے دامن میں ارد گرد کھیلتے ہوئے خطرات کھو جاتے ہیں۔

اب گاڑی کافی بلندی پر چل رہی تھی، لیکن جیسے یہاں کی فضا انہیں تحفظ کا یقین دلا رہی تھی، اور ماحول انتہائی خوشگوار ہوتا جا رہا تھا — اسٹیریو کے اسپیکر اونچی آواز میں نغمے برسا رہے تھے۔ گاڑی ہر لمحہ ہچکولے لیتی آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اولے برسنے لگے اور فضا پر تاریکی سی چھانے لگی۔ اور سڑک پر ستارے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ کار کے اسکرین پر بھی سفید دانے گر گر کر ٹوٹ رہے تھے۔ سونیا اندر ہی بیٹھی بیٹھی سب کی تصویریں لے رہی تھیں — وائپر موٹر پانی کو ہٹا ہٹا کر شیشے کو صاف کرتا رہا، ایسا لگ رہا تھا کہ اندر کا نغمہ پگھل پگھل کر پہاڑوں میں گھل رہا ہے — اور پہاڑوں کی پوری فضا کار کے اندر آ کر انہیں چوم رہی ہے — پھر کچھ دیر بعد بارش اور اولے رک گئے — تب خیال آیا — تمام اندھیرے اور اولے میں بھی — کار تیزی سے چلتی رہی تھی، پہلے سے بھی زیادہ خطرناک سڑک پر لیکن وہ بے فکر تھی —

'ذرا اسٹیریو اور تیز کرو'

اب فضا بالکل صاف ہو گئی۔ وہ اب بہت بلندی پر تھے۔ بڑے بڑے پہاڑ نیچے دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں رکو —— وہ اس منظر میں کھو گئی — اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس بے انتہا خوبصورتی میں اپنا ہوش کھو رہی ہے — ہم زندگی کی اس لطافت سے لذت آشنا ہو رہے ہیں جہاں زندگی آگے بڑھتے بڑھتے میوزک بن جاتی ہے۔ یہ زندگی کی خوبصورت ترین شکل ہے۔ جہاں روح ہر بوجھل پن، اور قرض اور سپاٹ پن سے آزاد ہو جاتی ہے۔ کار پھر آگے بڑھ رہی تھی۔ نئے مناظر گزر رہے تھے۔

پل پل دھوپ، یہ بادلوں کی اوٹ سے اٹھنے اور ڈوبنے والی دھوپ کے ساتھ پہاڑوں کے پورے منظر کا بدل جانا اور ہر موڑ سے آگے سڑک کی ایک انجانی شکل — اور پھر یہ منظر کا پھیلتے پھیلتے اتنا وسیع ہو جانا، اور — اس میں اتنے پہاڑ، دور دور، قریب قریب، اور اس میں اتنے مختلف قسم کے پیڑ، جو الگ الگ رنگوں اور خطوط کے جھنڈ بنائے ہوئے ہیں — اور پھر ان میں

سے بائیں پیچھے تک — اور چڑھتے چڑھتے نصف آسمان تک پہنچتے پہاڑ — اور ٹھیک آگے، نظر جھکانے پر، اس سڑک سے اوپر جس پر ہم چل رہے ہیں، اور اس سڑک سے نیچے، کتنی وادیاں، کتنی پہاڑیاں، کتنی پہاڑی بستیاں، — پھیلی ہوئی — انجانی — وہ وادیاں جہاں سے ہم سب گزر کر ابھی ابھی آئے — وہ وادیاں اس دھند میں کھوئی ہوئی، ان پہاڑیوں کے سلسلے میں گم — اور وہ سڑک، خود کتنی پہاڑیوں میں بھٹکتی، کھوئی کھوئی سی — اور ہم ان سے آگے آچکے ہیں —

اور یہ بدلتے موسم — یہ بادل — نیچے ٹہلتے ہوئے بادل — یہ پیچھے اوپر کی جانب آسمان چھوتا ہوا پہاڑ — یہ ہر سمت میں ایک دنیا، یہ پہاڑوں کے بیچ کئی دنیاؤں کا گہوارہ — اور سڑک کی مختلف جگہوں سے ان دنیاؤں کی الگ الگ شکلیں اور تاثرات — چاروں طرف سے چل رہی ہے — اور یہ پل پل بدلتے منظر — یہاں صرف ہم ہیں، اور یہ پہاڑی دنیا کی جادو بھری وادیاں — یہاں زندگی کا چٹکیلا پن روح تک کو لچکا لچکا دیتا ہے، اور ہم اس مدہوش کن سرور میں، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں، یہاں کیوں جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اس بے پناہ حسن کے سپرد کر دوں؟؟

'یہاں رکو، ایک جگہ نیرا نے تقریباً بے قرار ہو کر کہا — وہ اتری اور اس جگہ کھڑی ہو گئی — دور دور تک مسلسل پہاڑوں کا سلسلہ تھا، اور اسے لگا کہ اس بلند ترین جگہ کھڑی — جہاں آسمان زمین میں جگہ جگہ ڈوب گیا تھا، وہ اپنی کائنات کی اُن ان دیکھی پہاڑیوں کو دیکھ رہی تھی، جن سے وہ آشنا نہیں تھی۔

'ان پہاڑیوں سے آگے اور کتنی پہاڑیاں ہیں؟ ؟ '

'بہت ! '

'کئی !

اور کتنی پہاڑیاں ایسی ہیں جو ان دیکھی ہیں۔

اور ان کے مناظر کو ہم صرف اِن پہاڑی لوگوں کی زبانی سن کر جانتے ہیں'

اور بہت ساری پہاڑیوں کے بارے میں وہ بھی کہانیاں گڑھ لیتے ہیں'

کیوں کہ ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

نیرا نے دور دور تک ان پہاڑیوں کے سلسلے کو دیکھا جو چھوٹی اور دھندلی ہوتی کھو گئیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئی — شمی نے نیرا کو غور سے دیکھا جو پہاڑیوں کو اپنی چمکتی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ اس وقت وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ نئی نئی ابھرتی ہوئی پہاڑیاں گو کہ اجنبی ہوتی ہیں لیکن مجھے بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ یہ تنہائی کتنی خوبصورت ہے۔ نیرا شمی سے کہہ رہی تھی۔ شمی نے نیرا کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ موٹے ہو گئے تھے۔

سونیا اِدھر اُدھر پہاڑوں کی خوبصورتی کا معائنہ کر رہی تھی اور ٹہلتے ٹہلتے کافی آگے ٹیڑھی میڑھی سڑک پر اوجھل ہو گئی تھی۔ ہوا ذرا تیز ہوئی تو وہ واپس لوٹی۔ نیرا کو انہماک سے پہاڑوں میں جھانکتے دیکھا تو مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

'یہاں تم پہاڑ دیکھنے آئی ہو یا سوچنے آئی ہو؟ سوچنا ہے تو دلّی کے کسی بس اسٹاپ پر بیٹھ کر سوچو۔ یہاں کیا دیکھ رہی ہو ؟ ؟

دیکھ رہی ہوں، وہیں بیٹھ کر دیکھ رہی ہوں لیکن یہ سڑک وہ سڑک ہے جس پر کائنات چلتی ہے — اور آسمان تو زیادہ اونچا نہیں اور پہاڑ کتنے قریب ہیں دیکھو ہر چیز کتنی جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔

اور اس نے اپنے آپ سے کہا' نیرا — دیکھو — اس پورے منظر کو غور سے دیکھو — انسان کائنات کا ایک نقطہ ہے — کائنات کے تمام جانے مانے نقطوں میں اہم ترین — کائنات کو اپنے نقطۂ نظر سے تولو۔ جانچو — اور پاؤ — کائنات ہاتھی اور بھینسے اور دریا اور ہوا اور آتش فشاں اور نظامِ شمسی اور گیلیکسز اور وقت کے بہاؤ کی طرح بڑی اور اپنے آپ میں گم ہے۔ اس کو پکڑنا سیکھو — اس کا شکار کر کے اس کو پالتو بنانا اور اس پر سواری کرنا سیکھو — کائنات ان پہاڑی وادیوں کی طرح ہے — تم اپنی جگہ بدلتی ہو تو تمہارے لیے اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ تم اس کے قدموں تلے آؤ گی تو یہ تمہیں کچل دے گی — تم اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاؤ گی تو تم کو زندگی کی بلندیوں کی سیر کرائے گی — سپاٹ مناظر سے باہر نکلو اور ان پہاڑیوں کی سیر کرو — دیکھو کائنات ایسی ہی ہے اور یہی کائنات سے ہمارا راستہ ہے۔

☆☆☆



مکان

آل احمد سرور: یہ ناول عہد حاضر کے زوال پذیر رویوں کے خلاف ایک جہادِ عظیم ہے۔

انور سدید: یہ ایک نوجوان لیکن پختہ فکر تخلیق کار کا ناول ہے۔

قومی آواز: عہد حاضر کا ایک تخلیقی دستاویز اور اردو کا اہم ترین ناول۔

لنک (Link): ناولوں کی روایت سے ہٹ کر ایک بالکل مختلف ناول۔

کملیشور: ہر بڑی تخلیق سیاسی اہمیت اختیار کر لیتی ہے، مکان کے ساتھ یہی معاملہ ہے جو متاثر کرتا ہے۔

ہندوستان ٹائمز: اردو کا سب سے متنازعہ اور فکر انگیز ناول۔

انیس اشفاق: مکان یوں منفرد ہے کہ اس میں حقیقت کو بدلنے کی بات اٹھائی گئی ہے۔

رفیعہ شبنم عابدی: عورت کا کردار دنیائے ادب میں سب سے زیادہ مثبت انداز میں مکان کے اندر پیش کیا گیا ہے۔

شافع قدوائی: مکان بیسویں صدی کا سب سے اہم پوسٹ ماڈرن ناول ہے۔



چونکہ مکان اب اردو کے کلاسکی ادب کا ایک حصہ بن چکا ہے اور اسکی مقبولت اور مانگ میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے اسلئے اسکے پیش نظر اسکا نیا ایڈیشن کتابت کی غلطیوں کی تصیح اور ناول کی مقبولیت کی وجوہات پر ایک سیر حاصل مقدمہ نیز اہل نظر کی بیش قیمت آرا کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ چونکہ یہ ناول لگ بھگ تمام یونیورسیٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اسلئے طلباء کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب قیمت پر یہ ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے۔

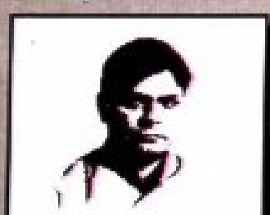
ناشر

پیغام آفاقی کی دیگر مطبوعات

(۱) انا کا	(ناول)
(۲) ۱۹۴۷ء	(ناول)
(۳) مافیا	(افسانوی مجموعہ)
(۴) درندہ	(شعری مجموعہ)

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, VAKIL STREET, KUCHA PANDIT, LAL KAUN, DELHI-6 (INDIA)
PH: 23216162, 23214465 FAX: 011-23211540
E-MAIL: ephdelhi@yahoo.com
81-8223-047-0




پرواز کرو ہم پر دروازے آگے
بڑھتا ہے قدم وقت کی آواز سے آگے

ناول عہد حاضر کے زوال پذیر رویوں کے خلاف ایک جہادِ عظیم ہے۔
ایک نوجوان لیکن پختہ فکر تخلیق کار کا ناول ہے۔
عہد حاضر کا ایک تخلیقی دستاویز اور اردو کا اہم ترین ناول۔
ناولوں کی روایت سے ہٹ کر ایک بالکل مختلف ناول۔
بڑی تخلیق سیاسی اہمیت اختیار کر لیتی ہے، مکان کے ساتھ یہی معاملہ ہے جو متاثر کرتا ہے۔
اردو کا سب سے متنازعہ اور فکر انگیز ناول۔
مکان یوں منفرد ہے کہ اس میں حقیقت کو بدلنے کی بات اٹھائی گئی ہے۔
عورت کا کردار دنیائے ادب میں سب سے زیادہ مثبت انداز میں مکان کے اندر پیش کیا گیا ہے۔
مکان بیسویں صدی کا سب سے اہم پوسٹ ماڈرن ناول ہے۔

چونکہ مکان اب اردو کے کلاسکی ادب کا ایک حصہ بن چکا ہے اور اسکی مقبولیت اور مانگ میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے اسلئے اسکے پیش نظر اسکا نیا ایڈیشن کتابت کی غلطیوں کی تصحیح اور ناول کی مقبولیت کی وجوہات پر ایک سیر حاصل مقدمہ نیز اہل نظر کی بیش قیمت آرا کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ ناول لگ بھگ تمام یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اسلئے طلباء کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب قیمت پر یہ ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔

ناشر

پیغام آفاقی کی دیگر مطبوعات

(۱) اناکا (ناول)
(۲) ۱۹۴۷ء (ناول)
(۳) مافیا (افسانوی مجموعہ)
(۴) درندہ (شعری مجموعہ)

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, VAKIL STREET, KUCHA PANDIT, LAL KAUN, DELHI-6 (INDIA)
PH: 23216162, 23214465 FAX: 011-23211540
E-MAIL: ephdelhi@yahoo.com
81-8223-047-0